زکوٰۃ فلسفہ اور قانون

فرشتہ ج. د. سائس

اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
لاہور (پاکستان)

Marfat.com

زکوٰۃ

فلسفہ اور قانون

(اسلام کا معاشی معاشرتی اور فلاحی نظام)

از

اردو ترجمہ

چودھری عبدالرحمن عابد۔ ایم۔ اے

اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

۱۳۔ای شاہ عالم مارکیٹ لاہور پاکستان

Marfat.com

کتاب کے جملہ حقوق بحق مصنّف محفوظ ہیں۔ بلا اجازت
اس کا کوئی جزو یا اقتباس طبع نہیں کیا جا سکتا

ناشر ——— اشفاق مرزا مینجنگ ڈائریکٹر
اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ۔ ۱۳-ای شاہ عالم مارکیٹ لاہور

طابع ——— اللہ والا پرنٹرز لاہور

اشاعت:
اول: فروری ۱۹۸۹ء ۱۱۰۰

۲۹۷٫۱۳۲
س ۱۸۷ ز
66881

قیمت ——— ۷۵/۰۰ روپے

انگریزی سے ترجمہ
چودھری عبدالرحمٰن عابد۔ ایم۔ اے
پروفیسر تاریخ اسلام

معاونت
بیگم عائشہ عثمانی بی اے بی ٹی
سید مصلح الدین احمد بی ایس سی۔ بی۔ ای (عثمانیہ)

Marfat.com

فہرست مضامین

صفحہ

تعارف از ڈاکٹر عمر ای فروخ ۹
دیباچہ مصنّفہ ۱۲

جزاوّل

قانونِ زکوٰۃ کے بنیادی قواعد ۲۳
زکوٰۃ کیا ہے؟ ۲۳
زکوٰۃ کس پر فرض ہے؟ ۲۹
ادائیگی زکوٰۃ کی ذمہ داری اور دولت پر فرضیّت زکوٰۃ کی شرائط ۳۲
شرطِ اوّل : قانونی ملکیت ۳۳
شرطِ دوم : قدرِ دوام ۳۳
شرطِ سوم : دولت کی مقدار، مالیت یا تعداد مقرّر شدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو۔ ۳۴
شرطِ چہارم : سال بھر کی ملکیت اور متعدد حسابات۔ ۳۴
ادائیگی زکوٰۃ کے لئے سال بھر کی ملکیت لازمی شرط ہونے سے متعلق قوانین۔ ۳۷
متعدد حسابات ۳۸
شرطِ پنجم : دولت کسی قرض کی ضمانت نہ ہو۔ ۵۵
قرض کیلئے ضمانت شدہ دولت پر عائد کردہ قوانین ۵۶

صفحہ

شرط ششم : دولت بطور قرض نہ دی گئی ہو

بطور قرض حسنہ دی ہوئی دولت کی زکوٰۃ کے قوانین ۶۲

شرط ہفتم : دولت چوری ہونے سے اور اتفاقیہ طور پر ضائع ہونے سے بچی رہے۔ ۷۵

شرط ہشتم : قابل زکوٰۃ دولت تک آزادانہ رسائی اور اس کے آزادانہ مصرف پر اختیار ۷۷

زکوٰۃ کی ادائیگی میں پابندیٔ وقت اور بعد از وفات واجبات زکوٰۃ کی ادائیگی ۷۸

زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی ۸۵

زکوٰۃ کے بارے میں انفرادی اور مشترکہ ذمہ داری ۸۸

جزو دوم

زکوٰۃ کی شرحیں، اور فرضیت زکوٰۃ کی حدود ۹۵

نصاب اور زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے ۹۵

مدنی نظام اوزان و پیمائش ۱۰۹

تعین نصاب کا بنیادی مقصد ۱۱۷

چاندی اور سونے کے لئے فرضیت زکوٰۃ کی حدود، اور زکوٰۃ کی شرحیں۔ ۱۲۳

چاندی کے لئے اصل نصاب ۱۲۳

سونے کے لئے اصل نصاب ۱۲۴

غلے کی مروجہ بازاری قیمت سے ترتیب شدہ چاندی اور سونے کا نصاب ۱۲۴

چاندی اور سونے پر ادائیگی زکوٰۃ کے قوانین۔ ۱۲۷

Marfat.com

صفحہ

کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ کی فرضیت ۱۴۲
کرنسی نوٹ کے لئے فرضیتِ زکوٰۃ کی حدود اور زکوٰۃ کی شرح ۱۵۰
نصاب
کرنسی نوٹوں پر ادائیگیٔ زکوٰۃ کے قوانین ۱۵۱
موتیوں اور قیمتی پتھروں پر زکوٰۃ کی فرضیت ۱۵۴
موتیوں اور قیمتی پتھروں کی فرضیتِ زکوٰۃ کی حدود اور زکوٰۃ کی شرحیں۔ ۱۵۸
نصاب ۱۵۹
موتیوں اور قیمتی پتھروں پر ادائیگیٔ زکوٰۃ کے قوانین ۱۵۹

جزِ سوم

(باب اوّل) اموالِ تجارت کی زکوٰۃ ۱۶۳
تجارت میں لگائی ہوئی دولت کا نصاب، فرضیتِ زکوٰۃ کی حدود اور زکوٰۃ کی شرح ۱۶۴
اصل نصاب ۱۶۵
مروجہ بازاری قیمت سے ترتیب شدہ موجودہ دور کا نصاب ۱۶۶
اموالِ تجارت کی زکوٰۃ کے قوانین ۱۶۶
(باب دوم) مشترکہ ملکیت کی دولت کی زکوٰۃ (مشترکہ کاروبار) ۱۹۶
مشترکہ ملکیت کی دولت کی زکوٰۃ کے قوانین ۲۰۴
(باب سوم) کانوں سے حاصل شدہ چاندی اور سونے کی زکوٰۃ ۲۱۶
چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت پر زکوٰۃ کی شرحیں ۲۲۷
چاندی اور سونے کی قومی ملکیت میں کی ہوئی کانوں کی یافت پر ادائیگی زکوٰۃ کے قوانین ۲۲۸

Marfat.com

صفحہ

ضمیمہ :- قومی ملکیت میں لی ہوئی چاندی اور سونے کی کانوں
کی بافت کی ادائیگی زکوٰۃ کے قوانین۔ ۲۳۸
(باب چہارم) دفینوں کی زکوٰۃ ۲۴۱
دفینوں کے زکوٰۃ کے قوانین ۲۴۷
(باب پنجم) مال غنیمت کی زکوٰۃ ۲۵۵
مالِ غنیمت پر زکوٰۃ کی شرح ۲۵۷
مال غنیمت پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے قوانین ۲۵۷
(باب ششم) قابلِ زکوٰۃ دولت کا تبادلہ ۲۶۱
ذاتی جائیداد کی قابلِ زکوٰۃ دولت کے تبادلے کے قوانین ۲۶۲

جُزچہارم

(باب اوّل) زرعی پیداوار کی زکوٰۃ ۲۷۸
فصلوں کا تخمینہ (خرص) ۲۸۴
عشری اور خراجی زمینیں ۲۸۸
قابلِ زکوٰۃ زرعی پیداوار کی انواع ۲۹۹
زرعی پیداوار کے لئے نصاب اور زکوٰۃ کی شرحیں ۳۰۰
زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کے قوانین ۳۰۴
(باب دوم) شہد اور خام ریشم کی زکوٰۃ ۳۲۳
خام ریشم ۳۲۷
شہد اور خام ریشم کی زکوٰۃ کا نصاب اور شرح ۳۲۹
شہد اور خام ریشم کی زکوٰۃ کے قوانین ۳۲۹
(باب سوم) چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی زکوٰۃ ۳۳۷
چراگاہ میں چرنے والے پالتو اونٹوں پر فرضیتِ زکوٰۃ
کی حدود اور زکوٰۃ کی شرحیں۔ ۳۴۷

صفحہ

چراگاہ میں چرنے والی پالتو بھیڑوں اور بکریوں کی فرضیت زکوٰۃ کی حدود اور زکوٰۃ کی شرحیں ۳۴۸
چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی زکوٰۃ کے قوانین ۳۵۸
چراگاہ میں چرنے والے پالتو گھوڑوں کی زکوٰۃ ۳۷۵
چراگاہ میں چرنیوالے پالتو گھوڑوں پر فرضیتِ زکوٰۃ کی حدود اور زکوٰۃ کی شرح ۳۸۷
چراگاہ میں چرنے والے پالتو گھوڑوں کی زکوٰۃ کے قوانین ۳۸۵
زکوٰۃ سے مستثنیٰ دولت ۳۹۹

جزو پنجم

عیدالفطر کی زکوٰۃ (فطرہ) ۴۰۶

جزو ششم

انصرام زکوٰۃ ۴۳۲

جزو ہفتم

زکوٰۃ کے مستحقین ۴۴۵

جزو ہشتم

انصرامِ زکوٰۃ کے قوانین ۴۷۶
ادارہ زکوٰۃ کی تنظیم ۴۷۶
زکوٰۃ کے عاملین کا تعین ۴۷۸
زکوٰۃ کے حصول کا طریقہ ۴۷۸
زکوٰۃ کی وصولی کا باقاعدہ اور مستقل نظام ۴۸۴
زکوٰۃ کے قوانین سے واقفیت کی ضرورت ۴۸۷
زکوٰۃ دینے والوں کے بارے میں عاملین زکوٰۃ کی ذمہ داری ۴۸۷
دوہری رسیدوں کی ضرورت ۴۸۸
زکوٰۃ کا اندازہ اور اس کی متناسب ادائیگی ۴۹۱
غیر ظاہر دولت کی تحقیق ۴۹۲
ظاہری دولت کی تحقیق ۴۹۲

Marfat.com

صفحہ

زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار ۴۹۳
زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ ۴۹۵
زکوٰۃ وصول کرنے والے کا زکوٰۃ طلب نہ کرنا ۴۹۷
تجارت کی زکوٰۃ کی وصولی ۴۹۷
بطور زکوٰۃ دی ہوئی چیز کا واپس لینا یا خریدنا ۴۹۷
بطور زکوٰۃ دی ہوئی شئے کی وراثت ۴۹۹
زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی ۵۰۰
گذشتہ عرصہ کی غیر ادا شدہ زکوٰۃ کی ادائیگی ۵۰۱
زکوٰۃ کی ادائیگی میں انفرادی ذمہ داری ۵۰۱
زکوٰۃ سے مستثنیٰ دولت ۵۰۳
زکوٰۃ کے اموال کا تحفظ ۵۰۳
احاطوں کی تعمیر کرانے اور نگہداشت کے اخراجات ۵۰۴
زکوٰۃ کے اموال کی نگرانی ۵۰۵
ادارۂ زکوٰۃ کی مہر ۵۰۵
زکوٰۃ کے اموال کی اشاعت اور حسابات کی جانچ پڑتال ۵۰۷
مرکز زکوٰۃ کے حسابات اور کارکردگی کا محاسبہ ۵۰۷
زکوٰۃ کے اموال کا محل استعمال اور ان کا ایک حصہ محفوظ رکھنا ۵۰۸
زکوٰۃ کے فاضل اموال کا انتقال اور ان کی رپورٹ ۵۰۹
زکوٰۃ کے محافظین کا انتخاب ۵۱۴
اموال زکوٰۃ بغیر استعمال کم سے کم مدت پڑے رہیں ۵۱۵
زکوٰۃ سے مستحقین کی امداد روکنے کی ممانعت ۵۱۶
مستحقین زکوٰۃ کے بارے میں عاملین زکوٰۃ باخبر رہیں ۵۱۷
اموال زکوٰۃ کی تقسیم کا ریکارڈ رکھنا ۵۱۷
زکوٰۃ کی تقسیم میں دوہری رسیدیں ۵۱۸
زکوٰۃ کی اعانت بلا تاخیر اور صحیح وقت پر کی جائے ۵۱۹
اعانت کی درخواستوں کی تحقیقات ۵۲۲
مستحقین زکوٰۃ کے لیے سفارش ۵۲۵
غیر طالب مستحق زکوٰۃ ۵۲۵
غیر مسلم حاجت مند ۵۲۵
تقسیم زکوٰۃ کے اصول ۵۲۶
مستقل حقدار ۵۲۸
عارضی حقدار ۵۲۹
اتفاقی حقدار ۵۳۰

Marfat.com

صفحہ

زکوٰۃ کی امداد کا غلط استعمال روا نہ رکھا جائے ۵۲۲
غیر مسلموں کی امداد عوامی خزانے سے کی جائے ۵۲۳
زکوٰۃ کے محافظین کی مستحقین کے بارے میں ذمہ داری ۵۲۳
مستحقین زکوٰۃ کی آبادکاری ۵۳۴
مستحق کو دی گئی زکوٰۃ اس کی قانونی ملکیت ہو جاتی ہے ۵۳۴
مستحق کو زکوٰۃ سے مکرر اعانت حاصل کرنے کا حق ۵۳۶
زکوٰۃ بطور قرض نہیں دی جاسکتی ۵۳۶
زکوٰۃ سے امداد مانگنے میں ایمانداری ۵۳۷
ادارہ بحالی روزگار ۵۳۹
اموال زکوٰۃ کم ہونے کی صورت میں عملدرآمد ۵۳۹
زکوٰۃ میں حاصل شدہ اشیاء کی ادارہ زکوٰۃ کی طرف سے فروخت ۵۴۰
مویشیوں سے ملنے والی اشیاء کی نکاس ۵۴۰
اموال زکوٰۃ تجارت میں لگانے کی ممانعت ۵۴۱
زکوٰۃ کے عمل کا جواز ۵۴۱
زکوٰۃ کے اموال کا جائز استعمال اور کن مصرفوں پر خرچ ناجائز ہے ۵۴۸
فوت شدہ شخص کے چھوڑے ہوئے قرض کی ادائیگی ۵۵۶
خاندان نبوی کے لئے زکوٰۃ سے امداد کی ممانعت ۵۵۶
فطرہ کا انتظام ۵۵۹
مال غنیمت کا خمس ۵۶۱
مال غنیمت کے خمس کے مستحقین ۵۷۴
حرف آخر ۵۷۷
اضافی نوٹ ۵۷۹

Marfat.com

تعارف

زکوٰۃ اس سالانہ ادائیگی کا نام ہے جو مسلمانوں کی ضروریات سے فاضل دولت، اور مختلف قسم کی زرعی پیداوار پر عائد کی جاتی ہے اس کی مختلف شرحوں کا شمار دولت یا زرعی پیداوار کی نوعیت کے مطابق کیا جاتا ہے، جو مسلم معاشرے کے حاجتمند و نادار افراد کی امداد و بحالی کے لئے خرچ کی جاتی ہے۔

زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے تیسرا رکن ہے۔ مذہب عیسوی کے ارکان میں سے عشر بھی ایک رکن ہے۔ لیکن یہ زکوٰۃ عشر عیسوی سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ اس کو صرف حاجتمندوں کی ان آٹھ اقسام پر خرچ کیا جاسکتا ہے جن کا ذکر قرآن مجید میں، واضح الفاظ میں، کر دیا گیا ہے، اور اس کا کوئی بھی حصہ ریاست کو نہیں دیا جاسکتا۔ ریاست کا صرف یہ کام ہے کہ وہ اس کے حصول حفاظت اور تقسیم کی نگرانی کرے۔ اس کے برعکس عشر عیسوی چرچ کو سپرد کیا جاتا ہے اور وہ جہاں مناسب سمجھتا اسے خرچ کرتا ہے۔

زکوٰۃ کی مذہبی اہمیت کے علاوہ سماجی اہمیت بھی کچھ کم نہیں جس کا مقصد معاشرے کو غربت و افلاس کے روگ سے چھٹکارہ دلانا ہے۔ اس کا معاشی پہلو یہ ہے کہ یہ ذخیرہ کی ہوئی دولت کو گردش میں لا کر معاشرے کو کئی ایک خیراتی بندھنوں سے نجات دلاتی ہے۔

اس عالمانہ کتاب "قانون و فلسفہ زکوٰۃ" کی مصنفہ نے جلد اول میں پورے ادارۂ زکوٰۃ کو اس کے دینی، سماجی اور معاشی پہلوؤں کی مفصل تشریح کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں اس موضوع کو پورے شرح و بسط اور عمق کے ساتھ لکھا گیا ہے اور قرآن کریم، احادیث اور مسلم فقہائے کرام کی مختلف کتابوں سے بکثرت حوالے دے کر ثبوت مہیا کیے گئے ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث کے اقتباسات کو خصوصاً پہلے عربی میں لکھ کر، پھر ترجمہ کیا گیا ہے تاکہ قاری کے سامنے اس اہم ادارے کی ممکنہ حد تک مکمل جامع اور صحیح تصویر آجائے۔ اس کا یہ فائدہ بھی ہے کہ اگر قاری اس موضوع پر مزید کام کرنا چاہے تو ان حوالوں سے اسے اپنے نتائج مستنبط کرنے میں آسانی رہے گی۔

Marfat.com

مزید برآں، مصنفہ نے ایک ایسے لائحہ عمل کی تشکیل کی کوشش کی ہے جو ادارۂ زکوٰۃ کے لئے نہ صرف خوشحال مسلمان افراد کے محدود دائرہ کار میں قابل عمل ہے بلکہ مسلمان ریاستوں کے وسیع دائرۂ اختیار میں بھی قابلِ نفاذ ہے۔

زکوٰۃ نہ تو معمولی خیرات ہے اور نہ ہی رضاکارانہ بخشش ہے، بلکہ یہ غرباء کا وہ حق ہے جو وہ چند فقہاء کی رائے میں بزورِ قوت امیر لوگوں سے منوا سکتے ہیں۔ چنانچہ زکوٰۃ کو صرف رضاکارانہ خیرات کی بجائے، ایک قانونی حق بناتے وقت اسلام کے پیشِ نظر انسانیت کی پوری عظمت و توقیر تھی۔ اسلام کبھی نہیں چاہتا کہ ایک مسلم اپنے مسلم بھائی کے سامنے دستِ سوال دراز کرے۔ چہ جائیکہ تنگ حالی کے سبب ایک غیر مسلم کے سامنے وہ ذلیل و بے عزت ہو۔ اگرچہ زکوٰۃ بہت تھوڑے عرصے کے لئے سرکاری ادارہ رہا اور پھر اس کے بعد یہ مسلمان افراد کا ذاتی معاملہ بن کر رہ گیا۔ اور اس لئے اسے پوری قوت سے روبہ عمل آنے کا موقع نہ مل سکا۔ تاہم اس نے اسلام کی رسی تھامنے والوں کو کمیونزم کا شکار ہونے سے بچائے رکھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حقیقی سوشلزم کے اصول بڑی حکمت سے ادارۂ زکوٰۃ میں سموئے ہوئے تھے۔ برعکس اس کے مغربی سوشلزم جو بہت بعد میں نمودار ہوا معاشرتی اور معاشی اصلاح کی تدبیر ثابت ہونے کی بجائے سیاسی مقاصد کے حصول کا آلۂ کار بنا۔ اسی طرح سوشلزم نے یورپ میں کمیونزم کو قدم جمانے کے لئے راستہ ہموار کر دیا۔

اس کتاب کی مصنفہ نے زکوٰۃ کے دینی پہلو پر زور دینے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ یہ خیال اپنے سامنے رکھا ہے کہ سماجی پہلو سے زکوٰۃ کی اصلی اہمیت کیا ہے اور وہ اس رائے کا بڑی شد و مد سے اظہار کرتی ہیں کہ مسلمانوں کی عوامی و اجتماعی زندگی میں ادارۂ زکوٰۃ کے احیاء کی شدید ضرورت ہے۔ اگر مسلم فقہاء اور مسلم سیاست دان ان کی اسکیم اور لائحہ عمل کا غور سے مطالعہ کریں۔ تو یہ سعی رائیگاں نہیں جائے گی۔

عمر اے۔ فرّخ

بیروت، ۳ر جنوری ۱۹۶۰ء

Marfat.com

دیباچہ از مصنّفہ

اس کتاب میں اسلامی ادارہ زکوٰۃ کے اعلیٰ مقاصد کے ساتھ ساتھ موجودہ حالات کو پیشِ نظر رکھ کر تنظیمی و انصرامی قوانین اور قواعد کو تفصیل سے قلم بند کرنے کی مخلصانہ کوشش کی گئی ہے۔

قانونِ زکوٰۃ قرآن پاک کے ان چھ احکام میں سے ایک ہے جن پر آزاد و بلامزاحمت اور مسلسل گردش دولت پر مبنی اسلام کی معاشی پالیسی کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس حقیقت سے مسلم اقوام کی معاشی زندگی کے لئے ادارہ زکوٰۃ، جس کا مقصد اسلامی معاشرتی نظام میں احتیاج و افلاس کو قابو میں لانا اور اس کو جڑ سے ختم کرنا ہے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

ادارہ زکوٰۃ جب منظم و موثر طریقے پر اور پوری استعداد سے کام کرے، تو معاشرے میں قوم کی دولت کی منظمانہ تقسیم میں مسلسل توازن قائم رہتا ہے اور اس لئے، معاشی نقطۂ نظر سے ادارہ زکوٰۃ کسی بھی انسانی معاشرے میں دولت کی غیر منصفانہ تقسیم سے پیدا شدہ طبقاتی منافرت، انتشار اور ابتری کے خلاف بہترین ضمانت ہوتا ہے چنانچہ یہ اپنی نوعیت اور مقصد کے لحاظ سے انسانی اخوت کے اسلامی اصول کو ایک زندہ حقیقت بنانے کا انتہائی طاقتور ذریعہ ہے۔ یہ معاشرہ کو بحیثیت مجموعی سوچنے اور اس کی ضرورت اور اہمیت محسوس کرنے کی طرف راغب کرتا ہے اور اس حقیقت سے آگاہ کرتا ہے کہ جماعت کی فلاح و بہبود فرد واحد کی فلاح و بہبود کی بہترین ضمانت ہے اور یہ کہ فرد واحد کی غربت جماعت کی خوشحالی کو خطرہ میں ڈالتی ہے۔ اس کے علاوہ اس اصول کو بھی ثابت کرتا ہے کہ جماعت کے اندر تمام معاشرتی امراض و برائیوں کا علاج و اصلاح، مستقل و موثر اسی وقت ہو سکتا ہے جب

Marfat.com

جماعت خود کوشش کرے۔ بالفاظِ دیگر، معاشرتی گروہ ایک جاندار اور عملی عضو کی طرح اپنی فلاح و بہبود کا ذمہ دار خود ہے۔

اسی لئے ادارۂ زکوٰۃ حاجتمند کی آبادکاری پر خاص زور دیتا ہے۔ یعنی وہ مفلوک الحالی کو بلاتوقف خود کفالت کی حالت تک لوٹا دینے کا تقاضا کرتا ہے، تاکہ آباد کردہ شخص نئے سرے سے معاشرتی گروہ کا ایک باعزت رکن ہو جائے اور مستعدی سے گروہ کی فلاح و بہبودی میں حصہ لے۔

زکوٰۃ اسلام کے اساسی ارکین میں صرف نماز سے دوسرے درجے پر ہے۔ وہ اسلامی طرز زندگی کا ایک ناقابلِ تقسیم، واجب اور جزو لاینفک ہے، جس کی عدم ادائیگی ایمان سے انکار کے مترادف قرار دی جاتی ہے۔

اس حقیقت کی ایک عملی مثال اسلام کی ابتدائی تاریخ میں ملتی ہے۔ جب پیغمبر خدا کی رحلت کے تھوڑے ہی عرصہ بعد، خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں چند عرب قبیلوں نے جن میں بنو حنیفہ اور بنو یربوع کے طاقتور قبائل بھی شامل تھے، زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکرؓ نے ثابت قدمی سے اپنے موقف پر قائم رہ کر فرمایا: "أینقص الدین وأنا حیّ؟" (ترجمہ: کیا یہ ممکن ہے کہ دین اسلام میں کمی کی جائے۔ حالانکہ میں اس کا دفاع کرنے کے لئے ابھی زندہ ہوں؟)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ایک بہت خطرناک بحران کا سامنا تھا۔ انہوں نے حضرت خالد بن ولید کو ایک فوج کا سردار بنا کر، یربوع کے سردار مالک بن نویرہ کے پاس بھیجا۔ یہ مالک بن نویرہ وہ شخص تھا جسے قبولِ اسلام کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قبیلے سے حصول زکوٰۃ کے لئے متعین کیا تھا۔ جب حضرت خالد بن ولید نے اسے ادائیگی زکوٰۃ کی نصیحت کی، تو اس نے جواب دیا: "أنا آتی بالصلوٰۃ دون الزکوٰۃ" یعنی "میں نماز پڑھوں گا لیکن زکوٰۃ نہیں دوں گا" یہ جواب سن کر، حضرت خالد بن ولید نے فرمایا: "أما علمت أن الصلوٰۃ والزکوٰۃ معًا، لا تُقبل واحدۃ دون الاخری؟" یعنی کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ نماز اور زکوٰۃ لازم و ملزوم ہیں۔ ایک کو چھوڑ کر دوسرے

کو قبول نہیں کیا جا سکتا ؟"

ان منکرین کے اس سخت و سرکش طرزِ عمل کو بدلنے اور ان کو میثاقِ اسلامی کی شرائط پر کاربند کرنے کے لئے، حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے ان کے خلاف لڑنے میں اور انہیں اسلحہ کی قوت سے مطیعِ اسلام کرنے میں کوئی تامّل نہ کیا۔ کیونکہ خدا نخواستہ اگر یہ غلط مثال قائم ہو جاتی اور باہمی مصالحت سے معاملہ طے پا جاتا۔ تو اسلامی معاشی نظام کا ایک اہم ستون اپنی تاریخ کے آغاز ہی میں اس حد تک کھوکھلا ہو جاتا کہ اس کی تلافی بعد میں غالباً ناممکن ہو جاتی۔

سود کا عمل وہ سنگ دل بنانے والا اور ضرر رساں رواج، جسے صحفِ قرآنِ پاک میں "ربا" کا نام دیا گیا ہے۔ آسانی سے فائدہ حاصل کرنے کی سطحی کشش کے سبب عرصۂ دراز سے لالچی لوگوں کے لئے تحریص و ترغیب کا باعث بنا ہوا ہے اور صحیح علمِ اقتصادیات کو تباہ کرنے والے عوامل میں سب سے زیادہ مہلک ثابت ہوا ہے جس نے افراد و اقوام دونوں کی فلاح و بہبود اور معاشی استحکام کی جڑیں اندر ہی اندر کھوکھلی کر دی ہیں۔ اس کے برعکس، ادارۂ زکوٰۃ انسانی ہمدردی کے تعلق کو مضبوط کرتا ہے اور ہر مسلم کے دل میں اپنے بھائیوں کے لئے، جن کی معاشی خوشحالی خطرے میں ہو، پرخلوص شفقت اور باہمی اتحاد و یگانگت کا احساس دلاتا ہے۔ قرآن پاک کے الفاظ ہیں:

"اور تم نے جو کچھ روپیہ سود بٹے پر لگایا ہے کہ لوگوں کو قرض دیا ہوا مال بڑھتا رہے اور مالی ترقی ہوتی رہے، مگر خدا کے پاس ایسا مال ترقی نہیں کرتا اور جو روپیہ کہ تم خدا کی رضا جوئی کے لئے زکوٰۃ میں دیتے ہو، بے شک وہ بڑھتا رہتا ہے پس یہی لوگ ہیں ایک کے دو پانے والے۔ اپنے مال کو کئی چند کرنے والے ٥ (سورۃ الروم: آیت نمبر ۳۹)

اگرچہ ماضی میں بہت سے فقہائے کرام نے قانونِ زکوٰۃ کی پوری تشریح کی ہے لیکن موجودہ زمانے میں اس ادارے کی قدر و قیمت اور کارکردگی بڑی حد تک نگاہوں سے اوجھل ہو چکی ہے حتیٰ کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل میں اکثر لوگ زکوٰۃ کے معانی تک سے

Marfat.com

واقف نہیں ہیں ۔ اور اس امر سے غافل ہیں کہ ادائی زکوٰۃ کو نظر انداز کر کے معاشرے کو برباد کرنے میں ان کی کتنی زبردست ذمہ داری ہے ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے جو فرائض ان پر عائد کئے گئے ہیں ان میں سے زکوٰۃ ایک اہم ترین اور مقدس فرض ہے ۔

دوسری طرف متغیر حالات تشریح وتفسیر فقہ کی ہر فرع کی تفصیل پر ایک عمومی نظر ثانی کا تقاضا کرتے ہیں۔ موجودہ قوانین پر نظر ثانی نہ صرف ہر غور وفکر کرنے والے مسلمان کا حق ہے بلکہ ان تمام مسلمانوں پر فرض ہے جو پورے خلوص سے مسلم معاشرے کی اصلاح کے متمنی ہیں اور جو اس عظیم الشان کام کو سر انجام دینے کی قابلیت وصلاحیت رکھتے ہیں۔

عربی اصطلاح "شریعۃ" کے بارے میں چونکہ عام غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ لہذا اس مقام پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس اصطلاح کی صحیح تعریف وضاحت کے ساتھ کر دی جائے یہ اصطلاح قرآن پاک کی سورۃ الجاثیۃ کی آیت نمبر ۱۸ میں بمعنی "قانون خداوندی" یعنی مجموعۂ احکام قرآنی، آئی ہے۔

پھر ہم نے تم کو دین کے ایک صحیح راستہ پر لگا دیا ہے تم اسی کی اتباع کرو
اور جاہلوں کے ہوا وہوس کی اتباع نہ کرو ۝

(سورۃ الجاثیۃ : آیت نمبر ۱۸)

اس قرآنی آیت سے واضح ہے کہ شریعۃ ابد الآباد تک قانون وضابطہ کے لحاظ سے مکمل ہے۔ سہو وخطا سے قطعی بری، ناقابل تبدیل، اور ناقابل تنسیخ ہے اس اصطلاح کو احکامات قرآنی سے حاصل کردہ استنباط وتفاسیل اور قرآنی احکامات کی بنیاد پر بنائے ہوئے ضوابط وقوانین کے لئے استعمال کرنے سے یہ غیر خاطر خواہ اثر مترتب ہوا ہے کہ عام وسادہ مسلمانوں کے دلوں پر جو فقہ اسلامی پر دسترس نہیں رکھتے فقہ کے قواعد وقوانین اور جزوی مسائل سے وہ رعب طاری ہوتا ہے جو صرف احکامات قرآن پاک سے ہونا چاہیئے۔ اور نتیجۃً وہ انسانی تقریر، قیاس وتفہیم کو اللہ تعالیٰ کے کلام سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان قواعد وقوانین فقہ کو قطعی اور حرف آخر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ فقہ کی تدوین کرنے والے نے خود اپنے آپ کو اور اپنے کام کو اس

Marfat.com

خوبی سے کبھی متصف نہیں سمجھا۔ چونکہ اسلامی فقہ کے قواعد و قوانین دراصل قرآنی احکامات کی انسانی تشریح و تطبیق ہیں۔ اس لئے انسانی وجود کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق اس میں اصلاح اور اضافہ کرنے کے لئے نظرثانی ہو سکتی ہے اور ہونی چاہیئے۔ یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ انسان کا غور و فکر اور اخذ و نتیجہ معصوم، غلطی سے پاک، قطعی مکمل اور حرفِ آخر ہے، اور نہ ہی ہمارے ماضی کے عظیم فقہاء نے اپنی ذات کے لئے کبھی ان خدائی صفات کا دعویٰ کیا تھا۔

اجتہاد، یعنی ذہنی جد و جہد، غور و فکر کرنے والے ہر انسان کا حق و فرض منصبی ہے جو شخص اس حق سے دستبردار ہوتا ہے۔ اور اس فرض کی ادائیگی سے پہلوتہی کرتا ہے وہ انسانی فکر و تدبّر کی آزادی اور وسعت سے انکار کرتا ہے۔ انسانی معاشرے کے نظام کو دیمک لگاتا ہے اور اسے بتدریج مفلوج کرتا ہے۔ کیونکہ علامہ محمد اقبال کے الفاظ میں اسلام کے نظامِ حیات میں اجتہاد اصولِ حرکی ہے۔

مسلمانوں کی موجودہ نسل اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ وہ اپنے سے پہلی تمام نسلوں کی میدانِ اجتہاد میں حاصل کردہ کامرانیوں کی وارث ہے۔ اس ورثہ کو چودہ سو سال کے تجربے نے بڑا قیمتی بنا دیا ہے۔ جس نے یہ تلخ سبق سکھلایا ہے کہ زیادتی و بے اعتدالی اور غفلت و بے پروائی — یعنی حد سے آگے نکل جانا، یا اس سے کم رہ جانا[ص۱] دونوں ہی ترقی و خوشحالی کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں اور اس حقیقت کا ادراک مسلمانوں کی موجودہ نسل کے لئے صراطِ مستقیم پر آگے بڑھنے کے لئے ایک زبردست محرک ہے۔ ایک طرف تو اس کو قدیم مفسرینِ قانون پر اس لحاظ سے ناقابلِ تردید برتری حاصل ہے کہ وہ ان کے تمام علم اور تجربے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے تو دوسری طرف اس کے پاس بعد کی تاریخی شہادتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مفسرینِ قانونِ قرآن کی تفسیر و تشریح، اثر اور نتیجہ کے اعتبار سے کتنی صحیح .... تھی چنانچہ اسلام

ص۱ : ملاحظہ فرمائیں، سورۃ الرحمٰن کی آیات نمبر ۸ اور ۹۔

کے اولین فقہا ر کے قول کے مطابق کہ "تتغیر الاحکام بتغیر الازمان" - یعنی قوانین کی تفصیل بدلتے زمانے کے ساتھ بدل جاتی ہے۔" مسلمانوں کی موجودہ نسل کے لئے مناسب ہے کہ وہ ماضی کے عظیم ترکے پر غور و فکر کرکے اس کی اصلاح کرنے کا اہم ترین کام ہاتھ میں لے، اور جو کچھ اس میں صحیح و درست ثابت ہے اسے اخذ کرلے، اور جو کچھ غلط ثابت ہو اسے چھوڑ دے، اور آج کل کے رائج حالات میں جو ناقص معلوم ہوتا ہے اس میں تصحیح و ترمیم بھی کرلے ۔ یہ تمام کام قرآن پاک کے احکامات کی روشنی میں کیا جائے اور ان ہی قرآنی احکامات کی بنا پر ایسی نئی اقدار بھی وضع کی جائیں جو نہ صرف موجودہ زمانے میں مسلم اقوام کی، بلکہ مستقبل کی نسلوں کی بھی ترقی اور خوشحالی کے لئے ایک کلید ثابت ہو۔

یہ کتاب [ص۱] قانون زکوٰۃ کی کسی سابقہ کتاب کا ترجمہ نہیں ہے اس کو لکھتے ہوئے یہ مقصد ہمیشہ پیش نظر رہا ہے کہ قانون زکوٰۃ کی پوری اہمیت، قرآنی اصولوں کی روشنی میں واضح کی جائے۔ ان اصولوں کی پوری پابندی کرتے ہوئے، قانون زکوٰۃ پر نظر ثانی کی گئی ہے اور جہاں کہیں ضرورت محسوس ہوئی اس کی مزید تطبیق اور توضیح کردی گئی ہے تاکہ جدید زمانے کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ایک عملی منصوبہ پیش کیا جاسکے۔

اس نظر ثانی کے دوران اور عملی منصوبے کی تکمیل میں اسلامی فقہ کے معتبر اور مسلمہ فقہاء و ماہرین کی آراء کو ہمیشہ پیش نظر رکھا گیا ہے۔ جنہوں نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق اپنے خداداد حقِ اجتہاد کو پوری قابلیت، حکمت و دانائی سے استعمال کیا تھا۔ جیسے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام محمد بن الحسن امام ابو یوسف، امام غزالی، وغیرہم (رحمہم اللہ)

قانون زکوٰۃ کا بیشتر حصہ قرآنی احکامات اور قابل اعتماد احادیث سے مہیا کئے ہوئے تاریخی حقائق و شواہد سے ماخوذ ہے اس لئے بغیر قطع یا انحراف وہ قائم رکھا گیا

ص۱ یعنی اصل انگریزی ایڈیشن جس کا یہ اردو ترجمہ ہے۔

Marfat.com

ہے اور قدیم فقہائے کرام کی تفصیلات و آرار کو جو خود ان ہی احکامات سے ماخوذ ہوئے تھے محفوظ رکھا گیا ہے۔ لیکن کسی ایک درس گاہ کے آرار، و دلائل کی اندھی تقلید نہیں کی گئی بلکہ قانونِ زکوٰۃ کے ہر نکتے کو قرآنی اصولوں کی روشنی میں جانچا گیا ہے اور وہ رائے خواہ کسی کی بھی ہو منتخب کی گئی ہے۔ جو اسلامی انصاف کی روح سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے تاہم جن ہم عصر فقہا کی آرار سے میں نے چند نکات پر اختلاف کیا ہے انہیں یقین دلانا چاہتی ہوں کہ ان کی آرار پر تنقید حُسنِ نیت اور میرے اس ایقان پر مبنی ہے کہ اگر مسلم معاشرہ ،ادارۂ زکوٰۃ جیسے سماجی اور معاشی اہم ادارہ کی تعمیر نو کا مشترک مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے تو متعلقہ بنیادی مسائل کی وضاحت اور صحیح تفہیم نہایت ضروری ہے۔

یہی جذبہ تقاضہ کی بنا پر میں نے قانون زکوٰۃ کے بعض اجزا میں پیدا شدہ اختلافات کو قدیم کتابوں میں موجود اصول و قوانین کے ذریعہ دور کرنے اور ان کو ان اصلی بنیادی اصولوں کے عین مطابق اور اصلی سطح پر لانے کی کوشش کی ہے، جہاں کہیں میں نے اپنی اصلی رائے کا اظہار کیا ہے یا قانونِ زکوٰۃ کے دائرہ کو وسعت دی ہے تو متعلقہ مسئلہ پر پوری طرح غور و فکر کے بعد اور پیغمبر خدا کی درج ذیل حدیث کو ہمیشہ ذہن میں رکھ کر اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کے احساس کے ساتھ کیا ہے۔

> جس شخص نے اسلام میں ایک اچھے رواج کو قائم کیا تو اس کے لئے اس کا انعام ہوگا اور اسے ان تمام لوگوں کے انعامات کے برابر بھی انعام ملے گا جو اس اچھے رواج پر اس کے بعد عمل کریں۔ بغیر اس کے کہ پہلے شخص کے انعام کی وجہ سے باقی اشخاص کے انعام میں کوئی کمی پڑے اور جس شخص نے اسلام میں کسی بُرے رواج کو قائم کیا تو اس پر اس کی ذمہ داری ہو گی، ان تمام اشخاص کی ذمہ داری کے برابر بھی جو اس کے بعد اس بُرے رواج پر عمل پیرا ہوں۔ بغیر اس کے کہ اس شخص کی ذمہ داری کی وجہ سے باقی اشخاص کی ذمہ داری میں کوئی کمی ہو۔ (روایتِ امام مسلم)

Marfat.com

حال میں چند محققین نے اس صحیح دلیل کو پیش کر کے کہ صرف قرآن پاک کے اصول واحکام ہی ابدی وازلی استحکام کا جواز رکھتے ہیں۔ یہ رائے دی ہے کہ چونکہ زکوٰۃ کی شرحیں قرآن پاک میں واضح طور پر بیان نہیں کی گئی ہیں اس لئے ان کو لچک دار سمجھنا چاہیئے اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ ان میں کمی وبیشی کی جاسکتی ہے اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ موجودہ کتاب میں رسول کریمؐ کی مقرر کی ہوئی شرحوں کو ہر معاملے میں پوری دیانتداری سے اس وجہ سے برقرار رکھا گیا ہے کہ ہمیں رسول کریمؐ کی حکمت ودانائی پر پورا اعتماد اور یقین کامل ہے۔ اس ضمن میں یہ بتلا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نظام زر میں قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کا زکوٰۃ کی شرحوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ رسول کریمؐ کی مقرر کی ہوئی شرحیں دولت کی مالیت کو نہیں بلکہ دولت کی نسبتی مقداروں کو ظاہر کرتی ہیں یعنی چاندی یا سونے کا ایک دیا ہوا وزن، زرعی پیداوار کا ایک دیا ہوا پیمانہ، قابل زکوٰۃ پالتو مویشیوں کے لئے ایک دی ہوئی تعداد وغیرہ۔ اور وہ اسی طرح شمار کی ہوئی ہیں کہ ایک طرف زکوٰۃ ادا کرنے والے پر زیادہ بوجھ نہ پڑے تو دوسری طرف مسلم معاشرے کے حاجتمندوں کی ضروریات پوری کرنے اور ہنگامی حالات میں فوری امداد دینے کے لئے کافی اموال جمع ہوں اور ہمیشہ موجود ہوں۔ شاذ و نادر موقعوں پر جب کبھی ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ جن میں فوری ضروریات کے پورا کرنے کے لئے اموال زکوٰۃ کافی نہ ہوں۔ تو مسلم ریاست نہ صرف دوسرے محاصل سے حاصل شدہ قومی خزانوں کو کام میں لاسکتی ہے، بلکہ مسلمانوں کی پوری جان ومال تک کو، قانونی طور پر صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے طلب کرسکتی ہے۔

"بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کے جان و مال کو خرید لیا ہے کہ ان کے عوض ان کو جنت دے گا ------ ٥

(سورۃ التوبہ، آیت نمبر ۱۱۱)

اس کے علاوہ یہ بھی ہمیشہ ذہن نشین رکھنا ہے کہ قانون زکوٰۃ کے تمام بنیادی قوانین قرآن پاک میں دیئے ہوئے حق وانصاف پر مبنی احکامات وفرائض کی بنیاد پر

بنائے گئے ہیں اور اس لئے انہیں ناقابلِ تبدیلی اور غیر مبدّل ہی ہونا چاہیئے۔

اس کتاب میں آیاتِ قرآنی کا ترجمہ حضرت علامہ عبدالقدیر صدیقیؒ کی "تفسیر صدیقی" سے لیا گیا ہے۔ لیکن جہاں کہیں ترجمہ میں وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی میں نے اس کو قوسین میں رکھا ہے۔

احادیث کے اردو ترجمہ کی صحت کا میں نے خود اطمینان کر لیا ہے۔

میں ان تمام خواتین و حضرات کی ممنون ہوں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت دے کر اس کتاب کے ترجمہ اور اس کی طباعت میں میری مدد کی ہے۔ خدا ان سب کو اس کا اجر عطا فرمائے۔

آخر میں میری عاجزانہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان صفحات کو قبول فرمائے اور یہ اسلامی معاشرہ کی اصلاح کے مقدس مقصد کو آگے بڑھانے میں مفید و معاون ثابت ہوں۔ آمین

دمشق۔ اگست ۱۹۶۰ء — فرشتہ۔ ج۔ س

Marfat.com

فلسفۂ زکوٰۃ اور متعلقہ قوانین

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ
وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝

(۹۸- ۵)

۲۲۵ ۱۵۵ ۳۷ — ۲۳
۲۷۶ ۱۷۳ ۵۶
۴۲
۲۰۳ ۹۳ — ۴۸
۲۲۸ ۱۲۳ — ۱۱۷
۲۵۷ ۱۲۲ — ۱۲۷
۲۸۹
۳۰۵ 66881

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جزو اوّل

قانونِ زکوٰۃ کے بُنیادی قواعد

زکوٰۃ کیا ہے؟

"عربی زبان میں زکوٰۃ کے معنی نشو و نما آتے ہیں[1] اور اس سے مراد مخلصانہ اعمال اور معاملات کے ذریعہ روح کی پاکیزگی اور نشو و نما ہوتی ہے[2] قرآن پاک میں زکوٰۃ کا لفظ اسی مفہوم اور انہی اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوا ہے جس کا ادا کرنا ہر بالغ مالدار عاقل مسلمان مرد اور عورت پر لازم کیا گیا ہے۔ تاکہ معاشرہ کے غریب طبقہ کی اعانت ہو اور دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو کر نہ رہ جائے اور ملت اسلام کی نشو و نما بلا کسی رکاوٹ جاری ہے۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں وہ ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ اچھے کاموں کا حکم (یعنی قانون اللہ کے مطابق حکم[3]) دیتے ہیں اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہیں اور پابندی اور خوبی کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت

---

[1] ۔ دوسرے معنی طہارت اور پاکیزگی بھی آتے ہیں (مولانا عبدالسلام)

[2] ۔ اور چونکہ زکوٰۃ نکالنے سے تزکیۂ نفس بھی ہوتا ہے۔ اس لیے زکوٰۃ کے مال کو بھی زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ (مولانا عبدالسلام)

[3] ۔ المعروف سے مراد "جانا ہوا" ہے یعنی وہ احکام جو قرآن پاک میں پیش کئے گئے ہیں۔

Marfat.com

کرتے ہیں ان لوگوں پر اللہ ضرور رحم کرے گا۔ وہ بڑی عزت وحکمت والا ہے۔" (۹-۷۱)

لفظ "صدقہ" کا عام مطلب عربی زبان میں "خیرات" ہے قرآن پاک اور قانون زکوٰۃ کی قدیم کتابوں میں زکوٰۃ کی صورت میں عائد کی جانے والی فرض خیرات کو "صدقہ" کا نام بھی دیا گیا ہے۔ اس لیئے رضا کارانہ خیرات کو (جسے "صدقۃ التطوع" کہا جاتا ہے) زکوٰۃ سے (جسے "صدقۃ الفرض" کہا جاتا ہے) الگ رکھنے میں خاص احتیاط کرنی چاہیئے کیونکہ لفظ "صدقہ" سے دونوں طرح کی خیرات مراد لی جاتی ہے۔ مگر "زکوٰۃ" کی اصطلاح صرف فرض خیرات کے لیئے استعمال کی جاتی ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے طریقے سے واضح ہے کہ وہ کوئی آمدنی کا ٹیکس نہیں ہے۔ در حقیقت، زکوٰۃ تو جدید مفہوم میں حکومت کا ٹیکس ہی نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ ایک لازمی سماجی ٹیکس یا چندہ[1] ہے جو سوائے جنگی غنائم (مالِ غنیمت، یا انفال) کی ایک ہی استثنائی

---

[1] - زکوٰۃ لازمی سماجی ٹیکس یا چندہ نہیں ہے بلکہ ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن اور فرض عبادات میں سے ایک مالی عبادت ہے اور امت کا اجتماعی مسئلہ ہے اس میں کسی امام کا اختلاف نہیں ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوٰۃ سے جب اعلان جہاد فرمایا تھا یہی کہا تھا کہ جس نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کیا نماز کی ادائیگی کو ضروری اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو غیر ضروری سمجھا میں بخدا اس سے قتال کرونگا، بخاری، حضرت عمر رضی اللہ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی۔ اللہ اور اس کے رسول پر یقین رکھنا، نماز ادا کرنا زکوٰۃ دینا، حج کرنا، روزہ رکھنا۔ یہی وجہ ہے قرآن حکیم اور احادیث رسول میں جہاں نماز کا ذکر آتا ہے وہاں زکوٰۃ دینے کا حکم بھی آتا ہے نیز مقاصد زکوٰۃ میں سے یہ بیان کیا گیا ہے آپ ان کے اموال سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کریں۔ اور ان کو پاک کریں (آیت ۱۰۳ سورۃ ۹) اس سے صاف معلوم ہوا کہ زکوٰۃ خالص مالی فرض عبادت ہے کسی قسم کا ٹیکس ہرگز نہیں ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ ان سے سماجی مسائل بھی حل ہوتے ہیں لیکن یہ مقصد زکوٰۃ میں داخل نہیں مصالح زکوٰۃ میں سے ہے۔ کتبہ محمد عبدالسلام عفا اللہ

Marfat.com

صورت کے ہر اس مسلم کو ادا کرنا پڑتا ہے جس کے پاس "قدر دوام کی حامل فاضل دولت[1] موجود ہو۔" "قدر دوام کی حامل دولت" ایسی دولت ہے جس کی ذاتی مالیت میں، وقت کے لحاظ سے کوئی نمایاں کمی نہیں ہوتی۔ اور "فاضل دولت" سے مراد وہ دولت ہے جو ایک فرد اور اس کے اہل و عیال کی قرآنی حدود کے اندر جائز ضروریات کو پورا کرنے کے بعد بچ رہتی ہے۔ ہر فرد کی جائز ضروریات اس کے معیارِ زندگی، مرتبہ اور دائرہ کار پر منحصر ہیں۔ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۵ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

--- (لوگ) تم سے پوچھتے ہیں کہ (راہِ خدا میں) کیا صرف کریں۔ تم کہو: زائد از ضرورت۔ اللہ اپنی نشانیوں کو ایسے ہی تمہارے لیے بیان کرتا ہے شاید کہ تم دنیا و آخرت کے کام میں غور و فکر کرو ۝

(سورۃ البقرۃ: آیت نمبر ۲۱۹)

موجودہ زمانے میں "زکوٰۃ" کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ "یہ وسیع اور کلی اصطلاح اور تمام لازمی اور عام عطیات پر حاوی ہے جو ایک اسلامی ریاست اپنے مسلم باشندوں پر عائد کرتی ہے[2]۔" یہ تعریف نہ صرف گمراہ کن ہے بلکہ اس سے زکوٰۃ کی اصلیت کے بارے میں انتشار پیدا ہونے کا ڈر ہے اور اسلام کے سیاسی نظام میں اس سے ادارۂ زکوٰۃ کے صحیح مقام کا اندازہ بھی نہیں ہوتا۔

آئندہ صفحات میں آپ دیکھیں گے کہ قرآن پاک نے زکوٰۃ کی حدود کار کو واضح

---

[1] ۔ بقدر نصاب اموال زکوٰۃ ہوں یعنی سونا، چاندی یا ان کی قیمت یا مال تجارت یا مویشی جو کہ نسل کشی کے لیے ہوں۔

[2] ملاحظہ ہو کتاب Public Finance in Islam

طور پر متعین کر دیا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس انتہائی اہم ادارے کو ان دیگر واجب ٹیکسوں کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا جا سکتا جو ایک مسلم ریاست اپنے مسلم شہریوں پر عائد کر سکتی ہے۔ اوّلاً یہ کہ زکوٰۃ قطعاً ریاست کی طرف سے نافذ شدہ ٹیکس نہیں ہے۔ اور نہ ہی اموالِ زکوٰۃ ریاست کے خزانے میں جاتے ہیں مزید برآں ادارۂ زکوٰۃ کو چلانے کے لیے ریاست پر انحصار قطعی ضروری نہیں۔ قرآن پاک کے بتلائے ہوئے اصولوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق جب اس کو صحیح طریقے سے منظم کر دیا جائے تو ادارۂ زکوٰۃ کی نوعیت و ماہیت کے مدنظر ریاست کے ذمہ صرف اتنا کام رہ جاتا ہے کہ وہ زکوٰۃ کے آمد و صرف کی صرف نگرانی کرتی رہے۔ ریاست قطعاً ادارہ زکوٰۃ اور اس کے اموال کو حکومت کے دوسرے ٹیکسوں کی طرح اپنی تحویل میں نہیں لے سکتی۔

درحقیقت اسلام کی رو سے تمام ضروری واجبات اور فرائض کو پورا کرنے کی ذمہ داری صرف فرد پر عائد ہوتی ہے۔ ریاست پر نہیں۔ اس لئے جہاں تک زکوٰۃ کا تعلق ہے ریاست کو جتنا حق پہنچتا ہے اس کی قرآن پاک نے سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۷۰ میں وضاحت کر دی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ہر ذمہ دار مسلمان مرد اور عورت کو قرآنی احکام کا پابند کروائے۔

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝

اور جو لوگ پابند کتاب اللہ ہیں اور اس کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور نماز پابندی اور درستی سے پڑھتے ہیں تو ہم نیکو کاروں (اصلاح کرنے والوں) کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں کرتے۔

(سورۃ الاعراف : آیت نمبر ۱۷۰)

چنانچہ مکمل نگرانی اور صرف انتظامی نگرانی کے بنیادی فرق پر زور دینا انتہائی ضروری ہے۔ مکمل نگرانی سے مراد یہ ہے کہ ریاست کو ٹیکس بڑھانے یا اس میں ترمیم

Marfat.com

کرنے اس کے حدود کار کو وسیع یا محدود کرنے اور نافذ یا معطل کرنے حتیٰ کہ منسوخ کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ اس کے برخلاف زکوٰۃ کے معاملات میں اسلامی ریاست کی ذمہ داری ادارۂ زکوٰۃ کے منظم طور پر چلائے جانے کی نگرانی کی حد تک محدود ہے اور یہ نگرانی اور کنٹرول آیت نمبر ۱۷۰ سورۃ الاعراف اور سنت رسولؐ کے مطابق ہونی چاہیئے اور ریاست اوّل تا آخر اس کی پابند ہے۔

ریاست کی قانون ساز جماعتوں کو صرف اتنا اختیار ہے کہ وہ انسان کے بنائے ہوئے کسی قانون کو جو قرآن اور سنت سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔ قرآن اور سنت کے مطابق کرنے کے لئے اپنے قوانین میں ضروری ترمیم کرے۔ اور مسلمانوں کے لئے ان ترامیم کی وضاحت کرے۔

جہاں تک زکوٰۃ کے عملی نفاذ کا تعلق ہے فقۂ اسلام کے تمام مفکرین اس مسئلے پر متفق الرائے ہیں اور تمام مذاہب فقہ رسول کریم کے فرمان کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں، اور متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ زکوٰۃ صرف "مالِ نمو" (جدید عربی معاشی اصطلاح میں : الثروۃ الانتاجیہ) یعنی پیداآور دولت پر عائد ہوتی ہے گویا وہ دولت جو مندرجہ ذیل تین شکلوں میں ہو۔

الف : زرعی پیداوار

ب : چراگاہ میں چرنیوالے پالتو مویشی (جو پورا سال یا اکثر سال)

ج : ایسی دولت جس کا بآسانی تبادلہ کیا جا سکتا ہو۔ مثلاً، چاندی، سونا، تجارت میں لگایا ہوا محفوظ اور چالو سرمایہ (خواہ نقدی کی شکل میں ہو یا اشیائے تجارت کی شکل میں) اور بچت خواہ وہ نقدی کی صورت میں ہو خواہ چاندی یا سونے یا ان کے زیورات یا قیمتی پتھر[1] کی صورت میں ہو۔

قانون زکوٰۃ کی رو سے دولت کی پیدا آوری یا تو "نمو تقدیری" ہوتی ہے یا "نمو"

---

[1] ۔ ملاحظہ ہو موتی اور پتھروں پر زکوٰۃ کا قانون صفحہ ۲۰۸ پر

حقیقی "بنیادی طور پر نمو، تقدیری[1] ایسی دولت کا ہونا ہے جسے بطور بچت محفوظ رکھا گیا ہو۔ مثلاً چاندی، سونا، نقدی وغیرہ اور نمو، حقیقی[2] ایسی دولت کا ہونا ہے جسے مزید دولت پیدا کرنے کے لئے لگایا گیا ہو۔ مثلاً زرعی پیداوار، چراگاہ میں چرنیوالے پالتو مویشی اور تجارت میں لگایا ہوا سرمایہ، خواہ وہ اشیائے تجارت کی صورت میں ہو یا نقدی کی صورت میں۔

مزید برآں، قانونِ زکوٰۃ کے صحیح نفاذ کے لئے زکوٰۃ عائد کرنے کی وجہ اور اس کا مقصد دونوں کی ماہیت صحیح طور پر سمجھنا انتہائی اہم ہے۔ قانون زکوٰۃ کے اصول پر مبنی جس قاعدے کو فقہائے اسلام عام طور پر تسلیم کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ عمل زکوٰۃ کی بنیادی وجہ دولت کی پیدا آوری ہے[3]۔ جس کی مقدار مالیت یا تعداد کم از کم اس کی نوع کے لئے مقررہ شدہ نصاب کے برابر ہو یا بالفاظ دیگر، انسانی زندگی کی جائز اوسط ضروریات سے زیادہ ہو اور عمل زکوٰۃ کے وجوب کا اصل سبب، قابل زکوٰۃ دولت کے قانونی مالک کا دعویٰ اسلام ہے۔

یہاں اس امر کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ فقہائے حنفیہ باقی تمام اقسام کی قابل زکوٰۃ دولت کے لئے مذکورہ بالا اصول کو تسلیم کرتے ہیں لیکن انہوں نے زرعی پیداوار پر زکوٰۃ عائد کرنے کا ایک ایسا نظام مقرر کیا ہے جو اس اصول سے بڑی حد تک مختلف ہے زرعی پیداوار کے قوانین زکوٰۃ بیان کرتے ہوئے ہم اس نظام پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے جو زکوٰۃ کو محصول خراج سے خلط ملط کر دیتا ہے اور ناقابل تبدیل طریقے سے زکوٰۃ اور خراج دونوں کو زمین سے متعلق کر دیتا ہے[4]۔ حالانکہ قانوناً خراج صرف غیر مسلم ممالک کی زمین پر اس

---

[1] Potential   [2] Actual

[3] یعنی وہ دولت جس سے اور دولت پیدا ہو سکے۔

[4] زکوٰۃ اس پیداوار پر عائد ہوتی ہے جسے محفوظ رکھا جا سکتا ہو۔ اور جس کا قانونی مالک دعوئے اسلام رکھتا ہو۔ خراج ایک محصول ہے جو زمین کی پیداوار پر عائد ہوتا ہے اور صرف غیر مسلم رعایا سے وصول کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

کے غیر مسلم ہونے کے سبب عائد ہوتا ہے۔ اس طرح زرعی پیداوار پر اکثر فقہائے حنفی کی رائے کے مطابق نفاذِ زکوٰۃ کا سبب مالکِ زمین کے دعوئے اسلام کے بجائے زمین کو منسوب کردہ قانونی نوعیت ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ کس پر فرض ہے؟

۱۔ زکوٰۃ کی ادائیگی ہر صاحبِ عقل مسلم مرد اور عورت پر فرض ہے جو عمر کے لحاظ سے بالغ ہو اور قانونِ زکوٰۃ کے مطابق، قابلِ زکوٰۃ دولت کا قانونی اور شرعی مالک ہو۔

۲۔ بعض فقہاء کے نزدیک مسلم نابالغوں اور یتیموں خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، اور فاترالعقل افراد کی قابلِ زکوٰۃ دولت پر بھی زکوٰۃ واجب الادا ہے ص۱

ص۱۔ فقہ حنفی کی رو سے عیدالفطر کی زکوٰۃ کے علاوہ نابالغوں پر خواہ وہ یتیم ہوں اور فاترالعقل لوگوں پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، اور نہ ہی ان کی طرف سے دوسروں کو ادائیگیٔ زکوٰۃ کی ضرورت ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ عمل عبادت ہے اور اسے اپنی مرضی ورضامندی سے ادا کرنا چاہیئے اور چونکہ نابالغوں اور فاترالعقل لوگوں میں عقل وشعور کی کمی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اس عبادت کو مرضی سے ادا نہیں کر سکتے۔

اس میں شک نہیں کہ زکوٰۃ عمل عبادت ہے، لیکن شافعی دلیل بھی اتنی ہی وزنی ہے کہ زکوٰۃ مسلم کی دولت پر خدا تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ مالی انفاق ہے اس لئے ذہنی حالت یا عمر کو پیش نظر رکھے بغیر، اس فرض کو پورا کرنا چاہیئے۔

درحقیقت مسلمان کی دولت پر زکوٰۃ اس لئے عائد ہوتی ہے کہ اس دولت کا قانونی مالک دعوئے اسلام رکھتا ہے۔ لہٰذا بالغ مسلمانوں کی زکوٰۃ اور نابالغوں اور فاترالعقل کی زکوٰۃ کے درمیان فرق صرف ادائیگی کی ذمہ داری میں ہے۔ چنانچہ جہاں تک بالغ مسلمانوں کا تعلق ہے، اپنی دولت پر ادائیگیٔ زکوٰۃ کا فرض ان کی ذاتی ذمہ داری ہے اور نابالغوں اور فاترالعقل لوگوں کی زکوٰۃ ان کے قانونی سرپرستوں یا محافظین کو ادا کرنی چاہیئے۔ باقی اگلے صفحہ پر

Marfat.com

(الف) اگر نابالغ بچہ کسی قابلِ زکوٰۃ دولت کا قانونی مالک ہو۔ مثلاً وراثت میں، یا بطور تحفہ یا وصیت میں ملی ہوئی دولت کا۔ تو بچے کی نابالغی کے دوران ادائیگیٔ زکوٰۃ کی ذمہ داری اس شخص پر عائد ہوتی ہے جو قانوناً اس دولت کی حفاظت اور انتظام کا امین ہے (یعنی بچے کا والد یا والدہ یا کوئی بھی ذمہ دار اور قابلِ اعتماد شخص) حتیٰ کہ بچہ قانونی عمرِ بلوغت کو پہنچ جائے۔ اس وقت قانونِ اسلام کے مطابق اس کی دولت کی حفاظت و انتظام کی ذمہ داری اسے منتقل ہو جائے گی۔ یعنی مال قانونی محافظ سے قانونی مالک کے پاس آجائے گا۔

(ب) اسی طرح یتیم بچوں کے قابلِ زکوٰۃ مال پر زکوٰۃ کی ادائیگی ان کے قانونی سرپرستوں کا ذمہ ہے حتیٰ کہ یتیم بچے قانونی عمرِ بلوغت کو پہنچ جائیں اور اس دولت کی حفاظت اور اس کا انتظام قانونی سرپرست سے منتقل ہو کر، قانونی مالک کے پاس آجائے تو قانونِ زکوٰۃ کے مطابق وہ ادائیگیٔ زکوٰۃ کے خود ذمہ دار ہو جاتے ہیں۔

(ج) فاترالعقل مسلمان (مرد یا عورت) کی قابلِ زکوٰۃ دولت یتیموں کی قابلِ زکوٰۃ دولت کی طرح سمجھی جائے گی۔ یعنی ایسی دولت کے قانونی محافظین کا فرض ہو گا کہ وہ اس پر زکوٰۃ ادا کریں۔

اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک یہ ہے کہ مسلم معاشرے کے حاجتمند و نادار افراد کو مالدار مسلمانوں کی دولت میں سے حصہ لینے کا پورا حق پہنچتا ہے اور قرآن پاک کی عبارت سے کہیں اس کی اجازت نہیں ملتی کہ جو لوگ قانونی لحاظ سے غیر ذمہ دار ہیں ان کی دولت کو اس سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ لہٰذا یہ رائے قرآن پاک کے مطابق نہیں ہے کہ نابالغ یا فاترالعقل لوگوں کی قابلِ زکوٰۃ دولت پر زکوٰۃ عائد نہ کرنے کے لئے یہ وجہ کافی ہے کہ ان میں عقل و شعور کی کمی ہوتی ہے۔ اس سے نہ صرف مستحقین زکوٰۃ کی حق تلفی ہوتی ہے، بلکہ یہ رائے تو اس امر کے مترادف ہے کہ ایسی دولت کو عارضی طور پر "مسلم دولت" نہ ہونے کی حیثیت دی جائے۔ جو صریحاً غلط ہے۔

Marfat.com

۳۔ جب تجارت میں لگائی ہوئی دولت (نقد رقوم اور اشیائے تجارت کی صورت میں محفوظ اور چالو سرمائے) کی مالیت اس کی نوعیت کے لئے مقرر شدہ نصاب کے کم از کم برابر ہو (خواہ اس کا قانونی مالک فرد واحد ہو یا کمپنی) تو اس پر زکوٰۃ واجب الادا ہوگی۔

اسی طرح، تمام تجارتی نوعیت کے نجی وقف شدہ یا نجی ملکیت کے اداروں[ا] کی محفوظ اور چالو سرمائے کی دولت پر بھی زکوٰۃ کی ادائی فرض ہوگی۔ خواہ وہ انفرادی ملکیت میں ہو یا کمپنیوں کی صورت میں مشترکہ ملکیت کی ہو، مثلاً تعلیمی ادارے ہسپتال، ہوٹل، ہر طرح کی ٹرانسپورٹ کمپنیاں فارم، فیکٹریاں وغیرہ وغیرہ۔

نجی تجارتی اداروں کی ادائیگی زکوٰۃ کی ذمہ داری قانونی مالک یا مالکوں پر عائد ہوتی ہے تجارتی نوعیت کی دی ہوئی قابل زکوٰۃ دولت پر زکوٰۃ کی ادائیگی اس فرد کی یا کمپنی کی مجلس عاملہ کی ذمہ داری ہوتی ہے جو اسی دولت کے انتظام و انصرام کی ذمہ دار ہو۔

۴۔ ایسے ادارے خواہ وہ نجی ملکیت ہوں یا نجی اموال سے وقف کئے گئے ہوں اگر پوری طرح خیراتی مقاصد کے لئے وقف ہیں۔ جیسے مفت ہسپتال، یتیم خانے، غریبوں، حاجتمند بوڑھوں اور ناداروں کی رہائش گاہیں وغیرہ، یا وہ انسانیت کی خدمت کے لئے وقف ہیں جیسے سائنسی تحقیق کے ادارے، مفت تعلیمی ادارے وغیرہ تو وہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ ہوں گے۔ کیونکہ وہ ان مقاصد کو پورا کرتے ہیں جن کے لئے زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے۔

۵۔ جس دولت کو پہلے حج بیت اللہ کی نیت سے الگ رکھا جائے وہ بھی زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے[۲] گی۔ خواہ وہ قانونی مالک کے پاس کتنا ہی عرصہ پڑی رہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی رو سے ہر وہ مسلمان مرد یا عورت جو اس بنیادی فرض کو پورا کرنے کے لئے

ا۔ یعنی جس کی قانونی مالک حکومت نہ ہو۔

۲۔ حنفی مذہب کے مطابق اگر یہ رقم ایک سال یا زیادہ عرصہ کے لئے پڑی رہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

Marfat.com

جسمانی اور مادی وسائل رکھتا ہے، زندگی میں ایک مرتبہ ضرور حج کرنے کا پابند ہے بعد ازاں، مزید حج کرنا ہر مسلمان کی مرضی پر منحصر ہے اس کے لیے الگ کردہ دولت بچت سمجھی جاتی ہے اور قانونِ زکوٰۃ کی شرائط کے مطابق قابلِ زکوٰۃ رہتی ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کی ذمہ داری اور دولت پر فرضیت زکوٰۃ کی شرائط

قانون زکوٰۃ کی رو سے ادائیگی زکوٰۃ کی ذمہ داری تین عوامل کی بنیاد پر ہوتی ہے۔

(الف) وہ شخص جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ دعویٰ اسلام رکھتا ہو اور قانونی عمر بلوغت کو پہنچا ہو۔ جہاں تک صاحب نصاب نابالغوں اور یتیموں کا تعلق ہے چونکہ قابلِ زکوٰۃ دولت کا قانونی مالک ابھی قانونی عمر بلوغت تک نہیں پہنچا ہے۔ اس لئے اس کے سرپرست کی طرف سے زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کی صورت میں اس پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ ذمہ داری سرپرست پر رہتی ہے۔

(ب) وہ شخص صحیح العقل اور صحیح الدماغ ہو یعنی اسے واضح طور پر معلوم ہو کہ قانونِ زکوٰۃ کے معنی کیا ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس پر زکوٰۃ فرض کیوں کی ہے اور دوسرے انسانوں کے اس پر کیا حقوق ہیں۔ اگر فاتر العقل اشخاص قابلِ زکوٰۃ دولت کے قانونی مالک ہوں اور ان کے قانونی محافظ ان واجباتِ زکوٰۃ کی ادائیگی سے پہلوتہی کریں تو فاتر العقل قانونی مالک اس عدم ادائیگی سے بری الذمہ ہوگا۔ ذمہ دار قانونی محافظ ہوگا۔

(ج) وہ شخص اپنی مرضی اور پوری آزادی سے اپنی دولت کا نظم و نسق کرنے کے قابل ہو اگر کسی وجہ سے وہ کسی دباؤ کے تحت ہو تو اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی کی ذمہ داری اس کو پوری آزادیٔ عمل حاصل ہو جانے تک معطل رہے گی۔ اگر اس کی آزادی عمل ایک یا زیادہ سالوں کے لئے سلب ہو جائے تو آزادیٔ عمل پھر حاصل ہونے پر اس کو چاہیے کہ اس پورے عرصے کی زکوٰۃ ادا کرے۔ بشرطیکہ دوبارہ آزادی عمل ملنے تک دولت کی اصلی مالیت یا مقدار محفوظ رہی ہو۔ اور وہ نصاب کے کم از کم برابر ہو۔ لیکن اگر اس شخص کی اس مجبوری کے دوران بغیر اس کی کسی غلطی کے، اس کی دولت کا کافی نقصان ہو گیا ہو، تو گزشتہ عرصے کی زکوٰۃ واجب الادا نہیں رہے گی۔

قانونِ زکوٰۃ کی رو سے ، دولت پر زکوٰۃ کی فرضیت کی آٹھ شرائط ہیں۔ جن کی تفصیلات مندرجہ ذیل قوانین سے واضح ہوں گی۔

شرط اوّل : قانونی ملکیت (Legitimate Ownership)

قانونِ زکوٰۃ کے مطابق ، زکوٰۃ کے وجوب کی اولین شرط دولت کی جائز ملکیت ہے قانونِ اسلام میں "جائز ملکیت" اسی چیز کی ہے جو جائز طریقے سے حاصل کی گئی ہو اور جس کا قانونی مالک اسے ، قرآنِ پاک کے مقرر کردہ حدود کے اندر ، جہاں اور جس طرح چاہے خرچ کرنے کا پورا حق رکھتا ہے۔

شرط دوم : قدر دوام (Lasting Value)

دولت پر زکوٰۃ کے وجوب کی دوسری شرط اس کی تقدیری یا حقیقی پیدا آوری ہے ، یعنی دولت اپنی فطرت و نوعیت کے لحاظ سے قدرِ دوام (مالِ نموٌ) کی حامل ہو۔ قدر دوام کی حامل دولت سے چار چیزیں مراد ہیں۔

(الف) وہ تمام متفقہ طور پر قیمتی مانی ہوئی چیزیں جو وقت کے گزرنے سے یا استعمال سے ظاہراً خراب نہیں ہوتیں۔ مثلاً چاندی ، سونا ، قیمتی پتھر[1] اور بطورِ بچت رکھی ہوئی نقدی ، جن چیزوں سے مزید دولت پیدا یا حاصل کی جاسکتی ہے : یہ تمام چیزیں "نموٌ تقدیری Potential Growth کی حامل ہیں۔

(ب) وہ دولت جو "مستقل قدر و قیمت" کی حامل چیز (یعنی زمین) سے قدرتاً حاصل ہوتی ہے۔ جیسے زرعی پیداوار : یہ "حقیقی پیدا آوری" کی خاصیت — نموٌ حقیقی ۔ کی حامل ہے۔

(ج) چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کے ریوڑ دگلّے جن کی دیکھ بھال اور رکھ رکھاؤ پر قانونی مالک کا بہت کم خرچ ، یا بالکل خرچ نہیں آتا ہے اور جو خاصیتِ نسل کشی کی وجہ سے ، "حقیقی پیدا آوری"[1] "نموٌ حقیقی" کی حامل ہیں۔

(د) وہ اشیاء جن کو مزید دولت حاصل کرنے یا پیدا کرنے کے لئے ذریعہ بنایا جائے اور اس لئے "حقیقی پیدا آوری" کی خاصیت۔ "نموٌ حقیقی" کی حامل ہیں۔

---

[1] Actual Growth

شرط سوم : دولت کی مقدار، مالیت یا تعداد مقرر شدہ نصاب کے کم از کم برابر ہو۔

اس شرط سے مراد یہ ہے کہ قابلِ زکوٰۃ دولت کی مقدار، مالیت یا تعداد اس کی قانونی نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب سے کم نہ ہو۔ قانونِ زکوٰۃ کی رو سے نصاب سے کم مقدار مالیت یا تعداد پر زکوٰۃ عائد نہیں ہو سکتی۔

عربی زبان میں لفظ "نصاب" کا مفہوم "نقطۂ آغاز" ہے اس لئے فقہ کی اصطلاح میں "نصاب" اس کم از کم حد کو کہا جاتا ہے۔ جہاں سے زکوٰۃ کی فرضیت شروع ہوتی ہے قانونِ زکوٰۃ کے اس اہم اصول کو خود رسولِ کریم ؐ نے دولت کی مختلف اقسام کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ ان مقررشدہ نصابوں کا مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان کے پاس موجود اس قدر سامان رسد کی مقدار، مالیت یا تعداد زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی جو متوسط خاندان کی سال بھر کی جائز بنیادی ضروریات کو پورا کر سکے۔ چنانچہ زکوٰۃ کے نفاذ کے لئے مقررشدہ نصاب کا یہ فائدہ ہے کہ محدود ذرائع و وسائل کے مالک مسلمان کو زکوٰۃ کی ادائیگی کے سبب بلاوجہ پریشانی سے محفوظ رکھا جائے۔

شرط چہارم : سال بھر کی ملکیت اور منتخب حسابات۔

قال رسول اللہ : لا زکوٰۃ فی مالٍ حتیٰ یحول علیہ الحول۔

رسول اللہ ؐ نے فرمایا : کسی دولت پر اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں جب تک کہ (قانونی مالک کی ملکیت میں) اس پر پورا سال نہ گزر جائے۔

قانونِ زکوٰۃ کی نمایاں ترین خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ زکوٰۃ عائد کرنے کے لئے دولت پر قانونی مالک کی سال بھر کی ملکیت ہونا لازمی شرط ہے، یہ اصول جس کو رسولِ کریم ؐ نے قرآن پاک کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۱۹ "(اے محمد ؐ) لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ (خدا کی راہ میں) کیا خرچ کریں، ان سے کہہ دو: جو کچھ تمہاری ضروریات سے فاضل ہے" کے مطابق مقرر فرمایا ہے۔ زرعی پیداوار، چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت، دفینوں اور جنگی غنائم (مالِ غنیمت) کے علاوہ ہر نوع کی قابلِ زکوٰۃ دولت پر عائد ہوتا ہے اور یہ واضح کر دیتا ہے کہ زکوٰۃ کا نفاذ صرف اس دولت پر ہو گا

جو فاضل دولت کی شکل میں قانونی مالک کے پاس موجود ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بن الخطاب سے روایت کی ہوئی مندرجہ ذیل حدیث میں اس اصول کی بنیادی اہمیت پر مزید زور دیا گیا ہے۔

ابن عمرؓ نے (روایت کی اور) کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس مال و دولت ہے۔ اس پر اس وقت تک زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی جب تک (اس کی ملکیت میں) اس پر پورا سال نہ گزر جائے۔

(روایت امام ترمذی)

اگرچہ سال ملکیت سے متعلق اس قانون پر جو زرعی پیداوار چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت، دفینوں اور مال غنیمت پر عائد نہیں ہوتا۔ یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ان چار مستثنیات کے بارے میں زکوٰۃ کی نوعیت و خصوصیت انکم ٹیکس کی طرح ہے لیکن بغور مطالعے سے معلوم ہوگا کہ ان چار اقسام دولت کے ضمن میں بھی زکوٰۃ اپنی اس خاص نوعیت و خصوصیت کو برقرار رکھتی ہے کہ وہ صرف فاضل دولت پر عائد ہوتی ہے۔

یہ حقیقت زرعی پیداوار کی زکوٰۃ سے بھی واضح ہوتی ہے کہ صرف پیداوار کی وہ اقسام قابلِ زکوٰۃ ہیں جو اپنی ماہیت کے اعتبار سے جلدی خراب نہیں ہوتیں۔ یعنی جنہیں کم از کم ایک سال تک اچھی حالت میں محفوظ رکھا جا سکتا ہے، مثلاً اناج، دالیں، گری اور میوہ خشک پھل اور اسی طرح کپاس کوکو اور کافی وغیرہ۔ اس کے برعکس، تمام سڑنے والی زرعی پیداوار جیسے تازہ پھل اور سبزیاں وغیرہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ وہ کم از کم ایک سال محفوظ رکھے جا سکنے کی شرط کو پورا نہیں کرتیں۔[1]

مزید برآں، قانون زکوٰۃ کے مطابق، صرف اس زرعی پیداوار پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے

---

[1] ۔ فقہ حنفی کی رو سے ہر قسم کی زرعی پیداوار پر زکوٰۃ فرض ہے (ملاحظہ ہو زرعی پیداوار پر زکوٰۃ کے قوانین)

جو متوسط خاندان کی سال بھر کی عام جائز ضروریات سے فاضل ہو۔ چنانچہ جہاں تک زرعی پیداوار کا تعلق ہے یہ واضح رہے کہ زکوٰۃ صرف ایسی دولت پر واجب الادا ہے جو قانونی مالک کی جائز ضروریات سے فاضل ہو اور جلد نہ سڑنے والی اشیاء پر مبنی ہو۔ جہاں تک چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت اور دفینوں کا تعلق ہے قانون زکوٰۃ ان دونوں اقسامِ دولت کو مالِ غنیمت کی طرح سمجھتا ہے اور ان پر قرآن پاک کی درج ذیل سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۴۱ کا اطلاق ہوتا ہے۔

واعلموا انما غنمتم من شیء فان للّٰہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتٰمی والمسٰکین وابن السبیل ان کنتم اٰمنتم باللّٰہ وما انزلنا علیٰ عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعٰن واللّٰہ علیٰ کل شیء قدیر ٥

"تو تم کو معلوم ہو کہ جو کچھ تم کو (بطور مالِ غنیمت) حاصل ہو، اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول، اور (حاجتمند) قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں (ناداروں)، اور (حاجتمند) مسافروں کے لئے ہے، اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور ان احکام پر جو کہ ہم نے اپنے بندے پر اتارے فیصلے کے دن، اس دن کہ دونوں لشکروں میں آمنا سامنا ہو گیا تھا، اور اللہ نے مسلمانوں کو غالب اور برتر کر دیا تھا۔ اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے ٥

(سورۃ الانفال: آیت نمبر ۴۱)

درحقیقت دفینے بھی مالِ غنیمت کی طرح، اتفاقی طور پر حاصل شدہ دولت ہیں اور اس لئے ان پر بھی، فاضل دولت کی خاصیت رکھنے کے سبب، زکوٰۃ کی فرضیت بجا طور پر ثابت ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مالِ غنیمت اور دفینوں کے برعکس، چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت عموماً باقاعدہ محنت کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے لیکن چونکہ ان کانوں کی پیداوار قیمتی دھات ہے اور اس کے حصول میں محنت اور نتیجے کے درمیان وسیع فرق پایا جاتا ہے، اس لئے چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت بھی فاضل دولت کی

خاصیت رکھتی ہے (جیسے مال غنیمت اور دفینے) اور اس لئے اس پر بھی زکوٰۃ عائد ہوگی۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے سال بھر کی ملکیت سے متعلق قوانین درج ذیل ہیں۔

۱۔ عملی نقطۂ نظر سے، موجودہ زمانے میں دولت پر زکوٰۃ کے نفاذ کے لئے سالِ ملکیت کا شمار شمسی تقویم کے مطابق کیا جائے گا۔[۱]

۲۔ جب قابلِ زکوٰۃ دولت کی مقدار یا مالیت سالِ ملکیت کے آخر میں سال کے شروع سے کم رہ جائے۔ تو زکوٰۃ صرف اس مقدار یا مالیت پر دی جائے گی جو اختتامِ سال پر قانونی مالک کے پاس واقعی موجود ہو۔ یعنی زکوٰۃ صرف اس دولت پر عائد ہوگی جو قانونی مالک کے قبضے میں پورا سال رہی ہو۔

۳۔ اگر سالِ ملکیت کے اختتام پر، قابلِ زکوٰۃ دولت کی مقدار سال کے آغاز سے زیادہ

---

[۱] ۔ بعض مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ مسلم ممالک میں وقت کا شمار قمری حساب سے ہونا چاہیئے کیونکہ رمضان اور حج اسی طرح شمار کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ لازماً درست نہیں ہے اللہ تعالیٰ سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۹۶ میں فرماتا ہے: ۔۔۔ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۔۔۔۔ "گویا (اللہ نے) سورج اور چاند حساب کے لئے مقرر کئے ہیں۔۔" جیسا کہ آج کل زیادہ تر مسلم ممالک اپنے تجارتی معاملات شمسی حساب کے مطابق کرتے ہیں۔ اگر ہم تجارتی معاملات کے لئے شمسی تقویم استعمال کریں اور قابلِ زکوٰۃ دولت کے سالِ ملکیت کے شمار کے لئے قمری تقویم استعمال کریں۔ تو دونوں تقویموں کی تاریخوں کی مسلسل ترتیب کی ضرورت ہوگی۔ اگر ہر زکوٰۃ دینے والا فرد اس تکلیف کو ذمہ داری سے اٹھانے کے لئے تیار ہو تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ صرف چند ہی اس تکلیف کے لئے رضامند ہوں گے۔ علاوہ ازیں، سب وقت اللہ تعالیٰ کا ہے اس نے سورج تارے اور چاند پیدا کئے اور اس نے وہ قوانین بنائے جو خلا میں ان کی حرکات کی نگرانی کرتے ہیں اور جس کی وجہ سے انسان وقت کا شمار کر سکتا ہے شمسی تقویم کو "غیر اسلامی" سمجھنا نامعقول ہے۔ اور شمسی تقویم رد کرنے کے بارے میں قرآن پاک میں کوئی آیت نہیں ملتی۔ غیر مسلم اقوام میں سے جو اپنے مذہبی تہواروں کا حساب قمری تقویم کے مطابق کرتے ہیں ان میں عیسائی قوم (اپنے عید الفصح۔ ایسٹر۔ کے لئے) اور یہود اور بدھ مذہب کے ماننے والے، وغیرہ ہیں۔

ہو تو رسول کریمؐ کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق زکوٰۃ صرف اس مقدار یا مالیت پر عائد ہوگی جو قانونی مالک کے قبضہ میں سال بھر رہی ہو۔ جتنی دولت کا اس سال کے دوران اضافہ ہوا ہو۔ اس کی مقدار اور مالیت خواہ کچھ ہی ہو اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی صرف اس وقت کی جائے گی۔ جب اپنی باری پر اس نے بھی قانونی مالک کے قبضہ میں پورا سال مکمل کر لیا ہو۔[1]

۴۔ اگر ایک سال کے دوران یہ قابل زکوٰۃ کسی وجہ سے مقدار یا مالیت میں تھوڑے عرصہ کے لئے کم ہو جائے۔ لیکن سال ملکیت کے آخر میں پھر اتنی ہی ہو جائے جتنی پہلے تھی تو زکوٰۃ پوری مقدار اور مالیت پر عائد ہوگی۔

اگر یہ کمی کی مدت زیادہ عرصہ کے لئے طول کھینچے تو سال ملکیت کا شمار منقطع تصور ہوگا اور جس وقت یہ کم شدہ دولت واپس آجائے تو اسی تاریخ سے ایک نئے سال ملکیت کا شمار شروع کیا جائے گا۔ اور رواں سال ملکیت کے اختتام پر اس مالیت یا مقدار پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ جو پورے سال کے دوران مالک کے قبضہ میں رہی ہو۔ (اگر یہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو)

مال زکوٰۃ پر زکوٰۃ محسوب کرنا (جب کہ مال کی مالیت یا مقدار سال ملکیت کے دوران بدلتی رہے) صاحب نصاب کی شخصی ذمہ داری متصور ہوگی۔

متعدد حسابات

چونکہ زکوٰۃ عائد کرنے کے لئے اصولاً سال بھر کی ملکیت ایک لازمی شرط ہے، اور سال ملکیت کا شمار عام طور پر تقویم سال کی پہلی تاریخ سے (یعنی جنوری، یا محرم کے پہلے روز سے) شروع نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس وقت سے شروع ہوتا ہے جب ایک شخص قابل زکوٰۃ

[1] اس میں احناف کی رائے یہ ہے کہ شروع سال اور آخر سال میں نصاب مکمل رہنے کی صورت میں اگر شروع سال کی نسبت سے آخر سال میں مال زکوٰۃ کے اندر اضافہ ہوا اور دونوں مال ایک ہی قسم کے ہیں تو اضافی مال کو اصل نصاب کے ساتھ ملا کر سال کے آخر میں مجموعی رقم کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی مثلاً ایک تاجر کے پاس ابتدائی سال میں ایک لاکھ روپے تھے درمیان اور آخری سال میں اضافہ ہو کر ڈیڑھ لاکھ روپے بنے تو مجموعہ ڈیڑھ لاکھ پر زکوٰۃ دینا ضروری ہے کیونکہ اضافی مال اصل نصاب کے تابع ٹھہرے گا اور یہ حضرات حدیث اور نصوص کے عموم سے استدلال کرتے ہیں۔

Marfat.com

دولت کے نصاب کے (کم ازکم) برابر مقدار یا مالیت کا مالک ہوتا ہے۔ یا جب دولت اتنی مقدار یا مالیت کو پہنچ جاتی ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب الادا ہو تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایک ہی فرد کی قابلِ زکوٰۃ دولت پر سال بھر کی ملکیت کے بیک وقت، ایک سے زیادہ شمار جاری ہو سکتے ہیں اس انوکھی صورت حال کا تقاضا یہ ہے کہ چند ایک ایسے قوانین بنا دیئے جائیں جس سے متعدد حسابات سے پیدا ہونے والے حالات کو منظم کر کے ایک ایسا طریقۂ شمار قائم کیا جائے جو قانونِ زکوٰۃ کے بنیادی اصولوں سے پوری مطابقت رکھتا ہو۔

قانونِ زکوٰۃ کی قدیم کتابوں میں متعدد حسابات کو یہ قاعدہ بنا کر ختم کر دیا گیا ہے کہ جب ایک صاحبِ نصاب نے زکوٰۃ کی کے لئے اپنی دولت پر سالِ ملکیت کا شمار شروع کیا پھر اس کے دوران اس کو اسی نوع کی مزید دولت حاصل ہوتی رہی تو نئی حاصل شدہ دولت کو فوراً اصل دولت میں جمع کر کے سال ملکیت کے اختتام پر اس مجموعی دولت پر زکوٰۃ دی جانی چاہیئے۔ اور سال کے دوران حاصل شدہ دولت کے بارے میں اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا جائے کہ اس پر سال بھر کی ملکیت ابھی مکمل نہیں ہوئی۔

لیکن قانونِ زکوٰۃ کا وہ بنیادی اصول کہ اس وقت تک دولت پر زکوٰۃ عائد نہیں کی جا سکتی جب تک کہ اس پر سال بھر کی ملکیت مکمل نہیں ہو جاتی۔ مندرجہ بالا نظریئے کو قانونِ زکوٰۃ کے الفاظ اور روح کے منافی ہونے کے سبب، کالعدم قرار دیتا ہے۔

متعدد حسابات کو ایک مسلمان کی زندگی میں ہرگز ناپسندیدہ نہیں سمجھا جانا چاہیئے حقیقت تو یہ ہے کہ متعدد حسابات کے فوائد میں سے ایک انتہائی اہم فائدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی صورت میں مسلسل و لگاتار مال آتا رہتا ہے۔ جو حاجتمندوں کے لئے بے حد مفید ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قانونی مالک کو اپنی ایسی ایک ہی نوع کی دولت کے آمد و خرچ کے حساب میں بہت زیادہ احتیاط برتنی پڑے گی۔ جس کے ایک سے زیادہ سال ملکیت کے شمار جاری ہوں۔ اور یہ احتیاط ہی قانونِ زکوٰۃ کے مقاصد میں ایک

Marfat.com

مقصد ہے۔

دین اسلام انسان کے ذہن میں زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق فرائض کی ادائیگی اور ذمہ داری کا احساس پوری شدت سے بٹھانا چاہتا ہے۔ اسلامی تعلیمات انسان کو بتاتی ہیں کہ جو دولت اس کے پاس ہے وہ پوری طرح اس کی ملکیت نہیں ہے کہ جس طرح جی چاہے اسے استعمال یا خرچ کرے۔ اور اس امر کی مطلق پرواہ نہ کرے کہ اس کے ان اعمال سے اس کی قوم کے افراد کو کیسے نتائج بھگتنے پڑیں گے۔ نظریۂ پاکستان کی رو سے انسان کے پاس جو دولت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مرحمت کی ہوئی امانت ہے تاکہ اس کی آزمائش کر کے دیکھا جائے کہ وہ بنیادی معاملات میں کتنا اہل و دانا ثابت ہوتا ہے۔

ہر مسلمان مرد اور عورت کا دینی فرض ہے کہ وہ اپنی دنیاوی ملکیتوں کا پورا حساب رکھے اور صحیح طور پر جانے کہ اس کی آمدنی اخراجات اور بچت کیا ہیں۔ اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کی جائیداد اور ملکیت میں سے کون کون سی چیزیں قابل زکوٰۃ ہیں اور کون سی ناقابلِ زکوٰۃ۔ اس کا دینی فرض یہ بھی ہے کہ اسے دولت کی مختلف انواع کے لئے زکوٰۃ کی شرحیں معلوم ہوں اور اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ اپنی دولت پر زکوٰۃ کب اور کتنی واجب الادا ہوتی ہے۔ اس کا یہ بھی فرض ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کو باوقار انداز میں باقاعدگی اور پوری ذمہ داری سے ادا کرے اگر وہ اپنے اس مقدس فرض کو ادا کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ یا ادا کرنا نہیں چاہتا تو اسے کبھی یہ امید نہیں رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس پر فضل و کرم کر کے اسے اپنی دولت کا امین بنائے گا۔

ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بانّ لھم الجنّۃ ٥

بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کے جان و مال کو خرید لیا ہے کہ جس کے عوض ان کو جنت دے گا ۔۔۔۔ ٥ (سورۃ التوبہ، آیت نمبر ۱۱۱)

شاید پہلی نظر میں متعدد حسابات رکھنا ایک پیچیدہ معاملہ سمجھا جائے، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے اس نقطۂ نظر کے پیدا ہونے کی وجہ انسان کا صرف یہ رجحان

Marfat.com

ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے پہلوتہی کرے اور اصولوں اور نتائج کو نظر انداز کر کے ، آسان ترین راستے کا انتخاب کرے ۔ دراصل یہ کاہلی ہی انسان کی گمراہیوں کا باعث ہے ۔

متعدد حسابات رکھنا صرف انصرام زکوٰۃ کے نقطۂ نظر سے مفید ہے ، بلکہ یہ ان ہی اصولوں سے ماخوذ ہے جن پر قانون زکوٰۃ کی بنیاد رکھی گئی ہے ۔

ذیل میں وہ خاص قوانین بیان کئے گئے ہیں جن کے مطابق متعدد حسابات رکھے جانے چاہئیں اور وہ حالات جن میں ان کی تطبیق کرنی چاہیئے ۔

۱ ۔ نفاذِ زکوٰۃ کے لئے سال بھر کی ملکیت کی شرط ضروری ہے ۔ جب دولت کی مقدار ، مالیت یا تعداد اپنی نوعیت کے لئے مقرر شدہ نصاب کو پہنچ جاتی ہے یا بیک وقت جمع ہو کر نصاب کے برابر یا زیادہ ہو جاتی ہے ۔ تو ایسی صورت میں فوراً سالِ ملکیت کا شمار شروع ہو جائے گا ۔ اور اگر مذکورہ دولت اپنے قانونی مالک کے قبضے میں ایک سال تک محفوظ رہے تو اس پر مقررہ زکوٰۃ ادا کی جائے گی ۔

۲ ۔ جب قابلِ زکوٰۃ دولت پر سال بھر کی ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہو اور اس سال کے دوران کسی وقت اسی نوع کی مزید دولت قانونی مالک کو مل جائے جس کی مقدار مالیت یا تعداد اسی نوع کی دولت کے لئے مقرر شدہ نصاب سے کم ہے تو پہلی دولت پر سالِ ملکیت کا شمار ختم ہونے تک ، اس میں اس دوسری دولت کو جمع نہیں کیا جائے گا ۔ بلکہ قانون زکوٰۃ کے مطابق دوسری دولت زکوٰۃ سے[1] مستثنیٰ رہے گی ۔ کیونکہ یہ خود اپنی جگہ نصاب سے کم ہے ۔

پہلی دولت پر سالِ ملکیت کی تکمیل کے وقت اس پر واجب الادا زکوٰۃ دی جائے گی اور فوراً بعد باقی ماندہ دولت میں مذکورہ دوسری دولت کو جمع کر کے مجموعے

---

[1] ۔ احناف کے نزدیک اس دوسری دولت کو مستثنیٰ نہیں قرار دیا جائے گا ۔

Marfat.com

پر پہلے سالِ ملکیت کے خاتمے کے دوسرے دن سے سال بھر کی ملکیت کا نیا شمار شروع کیا جائے گا۔

اگر پہلی دولت کی مقدار، مالیت یا تعداد اس کی نوعیت کے لئے مقررشدہ نصاب کے برابر تھی تو زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد وہ نصاب سے کم رہے گی۔ اس حالت میں اگر سال کے دوران مزید حاصل شدہ دولت اتنی کم ہو کہ اس کی پہلی دولت میں جمع کرنے پر بھی مجموعہ نصاب کے برابر نہیں ہوتا۔ تو ایسی صورت میں نئے سال ملکیت کا شمار شروع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وضاحت کے خیال سے مندرجہ ذیل مثالیں پیش کی گئی ہیں، جن کی بنیاد چاندی کے اصلی نصاب پر رکھی گئی ہے اگرچہ یہ بالکل اسی طریقے کا اطلاق چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں اور اشیائے تجارت وغیرہ پر بھی ہوتا ہے۔ چاندی کا اصلی نصاب ۲۰۰ درہم تھا[۱]۔ اور زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفہ ۴۰ درہم تھا۔

فرض کیجئے ایک شخص یکم اپریل ۱۹۸۰ء کو ۲۰۰ درہم حاصل کرتا ہے۔ جس پر سالِ ملکیت کا شمار شروع ہوتا ہے۔ جو ۳۱ مارچ ۱۹۸۱ء کو ختم ہوگا۔ سال کے دوران اس شخص کو ایک اور رقم حاصل ہوتی ہے جس کی مالیت ۱۹۹ درہم سے زیادہ نہیں ہے اب ۳۱ مارچ ۱۹۸۱ء کو ۲۰۰ درہم پر ۵ درہم زکوٰۃ واجب الادا ہوگی۔ جس کی ادائیگی کے بعد یہ دولت ۱۹۵ درہم یعنی نصاب سے کم رہ جائے گی۔ چنانچہ یکم اپریل ۱۹۸۱ء کو اس پہلی دولت میں سے باقی ۱۹۵ درہموں کو سال کے دوران مزید حاصل شدہ ۱۹۹ درہموں میں جمع کیا جائے گا۔ اور اس مجموعے پر یعنی ۱۹۵ + ۱۹۹ = ۳۹۴ درہموں پر سال ملکیت کا شمار شروع ہوگا۔ یہ نیا شمار ۳۱ مارچ ۱۹۸۲ء کو ختم ہوگا جس وقت صرف ۳۶۰ درہموں پر ۹ درہم بطور زکوٰۃ ادا کئے جائیں گے کیونکہ باقی ۳۴ درہم زکوٰۃ سے

ص[۱]: رسول کریمؐ کے زمانے کے نظامِ زر کی اکائی درہم تھی، اس کو یونانی زبان میں Drachma کہا جاتا تھا۔

مستثنیٰ وقفے میں آئیں گے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد جتنی دولت بچ رہے گی، یعنی (۳۶۰ - ۹ = ۳۵۱ + ۳۴ = ۳۸۵ درہموں میں، اس تمام دوران سال۔ یعنی یکم اپریل ۱۹۸۱ء اور ۳۱ مارچ ۱۹۸۲ء کے درمیان وہ مزید حاصل شدہ دولت کو جمع کیا جائے۔ جو اپنی نوعیت کے لئے مقرر شدہ نصاب سے کم ہو۔ اور اس مجموعے پر یکم اپریل ۱۹۸۲ء سے سال ملکیت کا نیا شمار شروع کیا جائے گا۔ جو ۳۱ مارچ ۱۹۸۳ء کو ختم ہوگا۔ وعلیٰ ہذا القیاس

دوسری طرف، اگر پہلی دولت کے ۲۰۰ درہموں پر زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد، بچ رہنے والی مالیت، یعنی ۱۹۵ درہموں، میں جمع ہونے والی کم از نصاب دولت اتنی ہو۔ مثلاً ۴ درہم ہو کہ دونوں کا مجموعہ بھی نصاب سے کم ہو: ۱۹۵ + ۴ = ۱۹۹ درہم) تو یہ مجموعہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گا۔

۳۔ جب کہ ایک قابل زکوٰۃ دولت کی سال ملکیت کے شمار کے دوران، اسی نوع کی مزید دولت حاصل ہوئی ہو، جو اس کی نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو، تو اس مزید دولت پر سال ملکیت کا الگ شمار فوراً شروع کیا جائے گا۔ چنانچہ ایک ہی قانونی مالک کی ایک ہی نوعِ دولت پر بیک وقت سال ملکیت کے کئی شمار ہو سکتے ہیں جو مختلف تاریخوں پر شروع اور ختم ہوتے ہیں۔ [ص۱]

اگر مختلف مالیتیں، جن میں سے ہر ایک نصاب کے برابر یا زیادہ ہو، مختلف تاریخوں میں حاصل ہوئی ہوں تو ان کو جمع کر کے اس مجموعے پر سال ملکیت کا ایک ہی شمار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ متعلقہ تمام مالیتیں اپنے اپنے طور پر نصاب کے برابر یا زیادہ ہیں۔ ایسی مختلف تاریخوں میں حاصل شدہ مختلف مالیتوں پر سال ملکیت کا ایک شمار صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب ان میں سے صرف ایک نصاب کے برابر زیادہ

ص۱: جہاں تک چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کا تعلق ہے سال ملکیت کا شمار باقاعدہ تاریخوں سے شروع ہونا چاہیئے ملاحظہ فرمائیں چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی زکوٰۃ کے قوانین۔

رہے اور باقی تمام نصاب سے کم رہ جائیں۔ یہ حقیقت مندرجہ ذیل قوانین سے واضح ہو جائے گی :

(الف) جب ایک ناقابلِ زکوٰۃ دولت کی مقدار یا مالیت نصاب کے برابر ہونے کے سبب اس پر سالِ ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہو۔ اور دوران سال اس نوع کی مزید دولت حاصل ہوئی ہو۔ جس کی مقدار یا مالیت بھی نصاب کے برابر ہو تو اس دوسری دولت پر سالِ ملکیت کا الگ شمار شروع ہوگا۔ جس کی تکمیل پر اس کی واجب الادا زکوٰۃ دی جائے گی۔ اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد دونوں مالیتیں کم از کم نصاب رہ جائیں گی۔

اب اگر پہلی دولت اور دوسری دولت پر زکوٰۃ واجب الادا ہونے کی تاریخوں کے درمیان اسی نوع کی اور دولت حاصل نہ ہو جو، پہلی دولت پر ادائیگی زکوٰۃ کے بعد اس کی بقایا مالیت میں جمع ہو کر اس کو نصاب کے برابر یا زیادہ بنا دے تو دوسری دولت پر زکوٰۃ ادا کرنے کے فوراً بعد باقی ماندہ کم از نصاب مالیت کو پہلی دولت کی کم از نصاب مالیت میں جمع کیا جائے گا۔ اور اس مجموعے کے لئے سال ملکیت کا شمار اسی تاریخ سے شروع ہوگا۔

مثال :۔ فرض کیجئے، ایک شخص یکم اپریل ۱۹۸۰ء کو ۲۰۰ درہم حاصل کرتا ہے (جو نصاب کے برابر ہے) جس کے لئے سال ملکیت کا شمار شروع ہوتا ہے اس شمار کا اختتام ۳۱ مارچ ۱۹۸۱ء کو ہوگا اب ۱۵ اگست ۱۹۸۰ء کو، اسے مزید ۲۰۰ درہم حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس دوسری مالیت کے لئے سالِ ملکیت کا شمار اس تاریخ سے الگ شمار شروع کیا جاتا ہے جو ۱۴ اگست ۱۹۸۱ء کو ختم ہوگا۔

۳۱ مارچ ۱۹۸۱ء کو پہلے ۲۰۰ درہم پر ۵ درہم زکوٰۃ عائد ہوگی، جس کی ادائیگی سے اس کی مقدار (۲۰۰ - ۵ = ۱۹۵) درہم، یعنی نصاب سے کم رہ جائے گی۔ اسی طرح ۱۴ اگست ۱۹۸۱ء کو دوسرے ۲۰۰ درہموں کی ۵ درہم زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد مالیت ۱۹۵ درہم رہ جائے گی۔

Marfat.com

اب اگر یکم اپریل اور ۱۴ اگست ۱۹۸۱ء کے درمیان اسی نوع کی دولت حاصل نہیں ہوتی ہے تو ۱۵ اگست ۱۹۸۱ء کو پہلے ۱۹۵ درہموں کو دوسرے ۱۹۵ درہموں میں شامل کیا جائے گا۔ اور مجموعے، یعنی ۳۹۰ درہموں، پر سالِ ملکیت کا نیا شمار شروع کیا جائے گا جو ۱۴ اگست ۱۹۸۲ء کو ختم ہوگا۔

(ب) دوسری طرف، اگر دوسری دولت پر زکوٰۃ واجب الادا ہونے سے پہلے، اسی نوع کی مزید دولت حاصل ہو جائے، خواہ اس کی مقدار، مالیت یا تعداد نصاب کے برابر یا زیادہ یا کم ہو۔ جو پہلی دولت کے بقایا میں جمع ہو کر اسے نصاب کے برابر یا زیادہ بنا دے، تو اس مجموعے پر سالِ ملکیت کا شمار فوراً شروع ہو جائے گا، جس کا حساب الگ جاری رہے گا۔ اس صورت میں، مذکورہ دوسری دولت پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد، کم از نصاب بقایا دولت اس مجموعے میں شامل نہیں کی جائے گی، بلکہ وہ اس وقت تک زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی جب تک کہ مذکورہ مجموعے کے سالِ ملکیت کا شمار ختم ہو کر، اس کی زکوٰۃ واجب الادا ہو جائے: اس مجموعے پر زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد، بچنے والی مالیت میں دولت کا بقایا جمع ہوگا۔ اور نئے مجموعے پر سالِ ملکیت کا شمار اسی وقت سے شروع ہوگا۔

لیکن اگر پہلی دولت کے سالِ ملکیت کے شمار کے دوران، اسی نوع کی مزید دولت حاصل ہو جائے جس میں جمع ہو کر مذکورہ دوسری دولت کا زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد بقایا نصاب کے برابر یا زیادہ بن جائے تو اس نئے مجموعے پر سالِ ملکیت کا الگ شمار فوراً شروع ہو جائے گا۔

مثال :- مذکورہ بالا مثال میں، ۳۱ مارچ کو پہلے ۲۰۰ درہموں پر ۵ درہم زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد بقایا مالیت ۱۹۵ درہم، یعنی نصاب سے کم رہ گئی۔ اب فرض کیجئے، یکم اپریل اور ۱۴ اگست ۱۹۸۱ء کے درمیان کسی وقت، مثلاً ۱۵ جولائی ۱۹۸۱ء کو ۵۰ درہم کی مزید دولت مل جاتی ہے جس سے کل مالیت ۲۴۵ درہم، یعنی نصاب سے زیادہ ہو جاتی ہے چنانچہ اس پر سالِ مالیت کا شمار فوراً شروع ہو جائے گا۔ جو ۱۴ جولائی ۱۹۸۲ء کو ختم ہوگا۔

Marfat.com

۱۴ راگست ۱۹۸۱ ر کو دوسرے ۲۰۰ درہموں پر زکوٰۃ واجب الادا ہوگی، جس کی ادائیگی سے باقی ۱۹۵ درہم رہ جائیں گے۔ یہ کم از نصاب مالیت ۱۴ جولائی ۱۹۸۲ ر تک زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی، جس تاریخ پر ۲۴۵ درہموں پر سالِ ملکیت کا شمار ختم ہوگا۔ اور اس میں سے صرف ۲۴۰ درہموں پر ۶ درہم بطور زکوٰۃ ادا کئے جائیں گے: (باقی ۵ درہم زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں شمار ہوں گے) چنانچہ پہلی دولت، اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد ۲۴۰ - ۶ = ۲۳۴ + ۵ (یعنی زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے والے ۵ درہم) = ۲۳۹ درہم رہ جائے گی۔

اب اگر ۱۵ ر جولائی ۱۹۸۱ ر اور ۱۴ ر جولائی ۱۹۸۲ ر کے درمیان، یعنی پہلی دولت پر سالِ ملکیت کے شمار کے دوران، اسی نوع کی مزید دولت حاصل نہ ہو۔ جو دوسری دولت کے بقایا (۱۹۵ درہموں) میں جمع ہو کر مجموعے کو نصاب کے برابر بنا دے تو ۱۵ ر جولائی ۱۹۸۲ ر کو یہ ۱۹۵ درہم پہلی دولت کے بقایا میں جمع کر دیئے جائیں گے۔ اور نئے مجموعے (یعنی ۲۳۹ + ۱۹۵ = ۴۳۴ درہم) کے لئے سال ملکیت کا شمار شروع ہو جائے گا۔ جو ۱۴ ر جولائی ۱۹۸۳ ر کو مکمل ہوگا۔ جب صرف ۴۰۰ درہموں پر ۱۰ درہم بطورِ زکوٰۃ واجب الادا ہوں گے (باقی ۳۴ درہم زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں آئے ہیں)

یہ انتہائی اہم ہے کہ اگر اسی نوع کی ۱۵ جولائی ۱۹۸۱ ر اور ۱۴ جولائی ۱۹۸۲ ر کے درمیان مزید دولت حاصل کی گئی ہو۔ تو دوسری دولت پر ۱۴ ر اگست ۱۹۸۱ ر کو زکوٰۃ کی ادائیگی کے فوراً بعد یعنی) ۱۵ ر اگست ۱۹۸۱ ر کو، یا جب وہ اس تاریخ کے بعد حاصل ہوئی ہو، اس کو بقایا ۱۹۵ درہم میں جمع کیا جائے گا۔ ایسی مزید دولت کو (خواہ یہ بقایا ۱۹۵ درہموں میں جمع ہو کر مجموعے کو نصاب کے کم از کم برابر بنائے یا نہ بنائے) ۱۵ ر جولائی ۱۹۸۲ ر تک اس خیال سے الگ نہیں رکھنا چاہیئے کہ اسے پہلی دولت کے دوسرے سال کی ادائی زکوٰۃ کے بعد باقی ماندہ (۲۳۹ درہموں) مالیت میں شامل کرنا ہے۔

اگر مزید حاصل شدہ دولت کو ان ۱۹۵ درہموں میں جمع کر کے، مجموعہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو جائے تو اس کے لئے فوراً سال ملکیت کا شمار شروع کر دیا جائے گا۔

Marfat.com

لیکن اگر مزید دولت اتنی کم مالیت کی ہو (یعنی ۵ درہم سے کم) کہ اس کو ۱۹۵ درہموں میں جمع کر کے، مجموعہ پھر بھی نصاب سے کم ہی رہے۔ تو یہ کم از نصاب مجموعہ پہلی دولت کے بقایا میں ۱۵ جولائی ۱۹۸۲ء کو (یعنی اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے فوراً بعد) لازماً شامل کیا جائے گا۔

(ج) جب قابل زکوٰۃ دولت، جس پر سال ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہو، اپنی نوع کے لئے مقررہ شدہ نصاب کے برابر ہو۔ اور سال ملکیت کے دوران اسی کو نوع کی جو مزید دولت حاصل ہوئی ہو۔ وہ نصاب سے زیادہ مالیت کی ہو تو دونوں مالیتوں پر الگ الگ شمار جاری رہیں گے۔ پھر اس کے سال ملکیت کی تکمیل پر واجب الادا زکوٰۃ دینے کے بعد پہلی دولت نصاب سے کم رہ جانے کی صورت میں زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گا جب تک کہ دوسری کا سال ملکیت مکمل نہیں ہو جاتا۔ اسی وقت دوسری دولت پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد بقایا میں پہلی دولت کو جمع کیا جائے گا۔ اور مجموعے پر سال ملکیت کا نیا شمار شروع ہو گا۔

مذکورہ بالا جزو (ب) کے مطابق، اگر دوسری حاصل شدہ دولت پر زکوٰۃ واجب الادا ہونے سے پہلے اسی نوع کی مزید دولت حاصل ہو جائے جس کی مقدار یا مالیت اتنی ہو کہ اس میں پہلی دولت کے جمع کے بعد مجموعہ نصاب کے برابر یا زیادہ بن جائے تو اس مجموعے پر سال ملکیت کا شمار فوراً شروع کیا جائے گا۔

مثال :- ۱۲ جنوری ۱۹۸۰ء کو ایک شخص ۲۰۰ درہم حاصل کرتا ہے۔ جس کے لئے سال ملکیت کا شمار ہوتا ہے جو ۱۱ جنوری ۱۹۸۱ء کو مکمل ہو گا۔ پھر یکم ستمبر ۱۹۸۰ء کو اُسی کو مزید ۳۲۰ درہم ملتے ہیں جس کے لئے سال ملکیت کا شمار دوسرا فوراً شروع کیا جائے گا۔ یہ شمار ۳۱ اگست ۱۹۸۱ء کو مکمل ہو گا۔ ۱۱ جنوری ۱۹۸۱ء کو پہلے ۲۰۰ درہموں پر ۵ درہم بطور زکوٰۃ دینے ہوں گے جن کی ادائیگی کے بعد یہ دولت ۱۹۵ درہم یعنی نصاب سے کم رہ جائے گی۔ پھر ۳۱ اگست ۱۹۸۱ء کو دوسری دولت کے پورے ۳۲۰ درہموں پر ۸ درہم بطور زکوٰۃ واجب الادا ہوں گے۔ کیونکہ ان کا کوئی حصہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں نہیں آئے گا۔ زکوٰۃ کی ادائیگی دوسری دولت کو (۳۲۰ - ۸) = ۳۱۲ درہم کر دے گی۔ اس ادائیگی کے فوراً بعد، یعنی یکم ستمبر ۱۹۸۱ء

Marfat.com

کو پہلی دولت کے بقایا ۱۹۵ درہم کو، جو ۱۲ جنوری سے ۳۱ اگست تک زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے تھے، دوسری دولت کے بقایا ۳۱۲ درہموں میں جمع کر کے مجموعے پر (یعنی ۳۱۲ + ۱۹۵ = ۵۰۷ درہموں پر) سال ملکیت کا شمار شروع کیا جائے گا۔ جس کی تکمیل ۳۱ اگست ۱۹۸۲ء کو ہوگی۔ اس وقت صرف ۴۸۰ درہموں پر ۱۲ درہم بطور زکوٰۃ دیئے جائیں گے۔ باقی ۲۷ درہم زکوٰۃ سے مستثنیٰ اوقفے میں آجائیں گے۔

جیسا کہ جزو (ب) میں مذکور ہے۔ اگر اسی نوع کی مزید دولت ۱۲ جنوری ۱۹۸۱ء اور ۳۱ اگست ۱۹۸۱ء کے درمیان حاصل ہو جائے تو اس زائد دولت کو پہلی دولت کے بقایا ۱۹۵ درہموں پر لازماً جمع کرنا چاہیئے۔ اور اگر یہ مجموعہ نصاب کے کم از کم برابر بن جائے تو اس پر سال ملکیت کا شمار الگ فوراً ہی شروع کر دیا جائے گا۔

(د) درج بالا جزو (ج) میں مذکورہ صورتِ حال کے برعکس، اگر ایسی دولت جس پر سالِ ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہے، اپنی نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب سے زیادہ ہے اور اس کے سال ملکیت کے دوران اسی نوع کی جو مزید دولت حاصل ہوئی ہو، وہ نصاب کے کم از کم برابر ہے۔ تو دونوں مقداروں یا مالیتوں پر سالِ ملکیت کا شمار اپنے اپنے تکمیل سال تک الگ الگ جاری رہے گا۔ پھر پہلی دولت کے سال ملکیت کی تعمیل پر، اس پر واجب الادا زکوٰۃ دی جائے گی اور بقایا مقدار (یا مالیت) میں اسی نوع کی جو کچھ بھی (نصاب سے کم) دولت اس سالِ شمار کے دوران حاصل ہو، اس کو جمع کر کے نئے سال ملکیت کا شمار شروع کیا جائے گا۔

جب دوسری دولت پر سالِ ملکیت کے شمار کی تکمیل ہو جائے تو اس کی مقدار یا مالیت، نصاب کے برابر ہونے کے سبب، زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد کم از کم نصاب رہ جائے گی اور اس وقت تک زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔ جب تک کہ پہلی دولت پر دوسرے سالِ ملکیت کی تکمیل نہیں ہو جاتی۔ پھر پہلی دولت پر زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنے کے فوراً بعد بقایا میں دوسری دولت کو (بشرطیکہ اس کی مقدار یا مالیت ابھی تک کم از کم نصاب ہو) جمع کیا جائے گا۔ اور مجموعے کے لئے نئے سال ملکیت کا شمار شروع ہوگا۔ لیکن اگر پہلی دولت کے سال ملکیت کے دوران اسی نوع کی

Marfat.com

مزید دولت ملی۔ جو اس دوسری (کم از نصاب) دولت میں جمع ہوکر، اس کو نصاب کے کم از کم برابر بنائے، تو اس مجموعے پر سالِ ملکیت کا الگ شمار شروع کیا جائے گا اور دونوں (پہلی اور دوسری) دولتوں کے سالِ ملکیت کے شمار الگ الگ جاری رہیں گے۔

مثال: ایک شخص کو ۱۰ مارچ ۱۹۸۱ء کو، ۳۰۰ درہم ملتے ہیں اور اس پر سالِ ملکیت کا شمار شروع کر دیا جاتا ہے۔ یہ حساب ۹ مارچ ۱۹۸۲ء کو مکمل ہو جائے گا۔ بعد ازاں، فرض کیجئے، ۶ جولائی ۱۹۸۱ء کو اسے مزید ۲۰۰ درہم ملتے ہیں جن کے لئے بھی سالِ ملکیت کا شمار شروع کیا گیا ہے۔ یہ شمار ۵ جولائی ۱۹۸۲ء کو مکمل ہوگا۔ ۹ مارچ ۱۹۸۲ء کو ۳۰۰ درہموں میں سے صرف ۲۸۰ درہموں پر ۷ درہم بطور زکوٰۃ ادا کئے جائیں گے۔ (باقی ۲۰ درہم زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں آئیں گے) زکوٰۃ کی ادائیگی سے ۳۰۰ درہموں میں سے (۲۸۰ - ۷ = ۲۷۳ + ۲۰ =) ۲۹۳ درہم رہ جائیں گے۔ اگر ۶ جولائی ۱۹۸۱ء اور ۹ مارچ ۱۹۸۲ء کے درمیان اسی نوع کی مزید کم از نصاب مالیت حاصل ہو۔ مثلاً مزید ۱۶۰ درہم حاصل ہوں تو انہیں پہلی دولت کی ادائیگی، زکوٰۃ کے فوراً بعد یعنی ۱۰ مارچ ۱۹۸۲ء کو اس پہلی دولت کے ۲۹۳ درہموں میں جمع کر لیا جائے گا اور اس مجموعے پر (یعنی ۲۹۳ + ۱۶۰ = ۴۵۳ درہموں پر) سالِ ملکیت کا نیا شمار شروع کیا جائے گا۔ جو ۹ مارچ ۱۹۸۳ کو مکمل ہوگا۔

۶ جولائی ۱۹۸۲ء کو، ۲۰۰ درہموں پر ۵ درہم بطور زکوٰۃ واجب الادا ہوں گے جن کی ادائیگی کے بعد یہ رقم ۱۹۵ درہم، یعنی کم از نصاب رہ جائے گی۔ پھر اگر ۱۰ مارچ ۱۹۸۲ء اور ۹ مارچ ۱۹۸۳ء کے درمیان اسی نوع کی کوئی اور دولت حاصل نہ ہوئی ہو جو نصاب سے کم ہو اور جو ۱۹۵ درہموں میں شامل ہوکر، مجموعے کو نصاب کے کم از کم برابر بنا دے، تو اس تاریخ تک ۱۹۵ درہم زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہیں گے۔ جب ۴۵۳ درہموں میں سے صرف ۴۴۰ درہموں پر ۱۱ درہم بطور زکوٰۃ ادا کئے جائیں گے (باقی ۱۳ درہم زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں آ جائیں گے) اس طرح یہ دولت ۴۴۰ - ۱۱ + ۱۳ (

۴۴۲ درہم رہ جائے گی۔ اب اس میں ۱۹۵ درہموں کو جمع کیا جائے گا۔ اور اس مجموعے پر (یعنی ۴۴۲ + ۱۹۵ = ۶۳۷ درہموں پر) سال ملکیت کا نیا شمار ۱۰ مارچ ۱۹۸۳ء سے شروع کیا جائے گا۔

(ہ) جب ایک دولت جس پر سالِ ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہے۔ اپنی نوع کے لئے مقررشدہ نصاب سے زیادہ ہو۔ اور اس نوع کی اور دولت اسی سال ملکیت کے دوران حاصل ہو جس کی مقدار یا مالیت بھی نصاب سے زیادہ ہو، تو دونوں مقداروں (یا مالیتوں) پر سالِ ملکیت کے الگ الگ شمار جاری رہیں گے، حتیٰ کہ ایسا وقت آجائے گا کہ دونوں میں سے ایک مقدار (یا مالیت) نصاب سے کم رہ جائے۔ اس صورت میں حالات کے مطابق مندرجہ بالا اصول کا اطلاق ہوگا۔

(و) جب ایک ہی نوعیت کی دولت کی تین، یا تین سے زیادہ مقداریں یا مالیتیں مختلف تاریخوں میں حاصل ہوں تو انہیں مندرجہ بالا اصولوں کے مطابق جمع کرنا چاہیئے مثلاً اگر ایک دولت کی مقدار یا مالیت، اس کے حصول کے وقت، کم از نصاب ہو، یا اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے، یا اس کا کچھ حصہ خرچ کرنے سے اس کی مقدار یا مالیت نصاب سے کم رہ جانے کے سبب وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہو جائے تو مذکورہ قانون نمبر ۳ کے مطابق اسے اس دولت کے بقائے میں جمع کیا جائے گا۔ جو سب سے پہلے سال ملکیت کے شمار کو مکمل کرتی ہے۔ بشرطیکہ یہ کم از کم نصاب دولت اس وقت سے پہلے اس نوعیت کی کسی اور مقدار یا مالیت میں جمع ہونے سے نصاب کے کم از کم برابر نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہو تو اس پر قانون نمبر ۲، جزو ب اور جزو ج کا اطلاق ہوتا ہے۔

سال ملکیت کا شمار کس تاریخ سے شروع کیا جائے۔ اس کا انحصار فاضل دولت حاصل ہونے پر ہے۔ مثلاً ایک شخص کی آمدنی ماہانہ تنخواہ کی صورت میں ہو تو جو نصاب کے برابر یا زیادہ مالیت کے اس ماہانہ اخراجات کے بعد بچ رہتی ہے۔ اس پر سال ملکیت کا شمار اس تاریخ سے کیا جائے گا جس میں اسے یہ تنخواہ ملی تھی۔

دوسری طرف، اگر آمدنی روزانہ اجرتوں کی شکل میں ہو، یا تنخواہ کی طرح بتدریج ہو تو

Marfat.com

سالِ ملکیت کا شمار کرنے کے لئے سب ذیل دو طریقوں میں سے ایک استعمال میں لایا جائے گا۔ ابتدائی شمار یا تو اس دن سے ہوگا جب معلوم ہو جائے کہ نصاب کم از کم برابر مالیت جمع ہو گئی ہے، یا پھر مہینے کے اختتام پر جب واضح ہو جائے کہ پورے مہینے کی آمدنی میں سے اخراجات کے بعد بچت کیا ہے، یعنی یہ کہ جو فاضل دولت ہو، وہ نصاب کے کم از کم برابر ہے۔

جب فاضل دولت کا حصول باقاعدہ اور مسلسل ہو، مثلاً جیسے ہر ماہ کے اخراجات سے زائد آمدنی الگ رکھی جائے، اسے سال ملکیت کے اس شمار میں جمع کیا جائے گا، جو ابھی مکمل ہوا ہے۔ چنانچہ ایسی فاضل دولت اس نئے شمار میں داخل ہوگی جو اس صورت میں اس کا اپنا ہوگا۔ چونکہ ان تمام مالیتوں پر زکوٰۃ پر زکوٰۃ واجب الادا ہوگی۔ نتیجۃً زکوٰۃ کا مال خزانۂ زکوٰۃ میں باقاعدگی سے ہر ماہ آتا رہے گا۔ جو انصرام ادارۂ زکوٰۃ کے لئے ایک بہت بڑی منفعت اور بھلائی کی صورت ہوگی۔

(ز) آخراً جب ایک ہی قانونی مالک کی ایک ہی نوعیت کی دولت پر ایک سے زیادہ سال ملکیت کے شمار چل رہے ہوں، اور وہ اپنی دولت میں سے کچھ خرچ کرنا چاہتا ہے تو اسے سب سے پہلے وہ مالیت یا مالیتیں خرچ کرنی چاہئیں جن پر سالِ ملکیت کا شمار شروع ہوئے سب سے کم عرصہ گزرا ہے[1]۔ یہ اصول خاص اہمیت کا حامل ہے، خاصکر جب دولت نقدی کی صورت میں ہو۔

متعدد حسابات کے مذکورہ بالا اصولوں کا اطلاق عام طور پر قابلِ زکوٰۃ دولت کی تمام انواع و اقسام پر برابر ہوتا ہے جن پر نفاذِ زکوٰۃ کے لئے سال بھر کی ملکیت لازمی شرط ہے۔ اس فہرست میں مندرجہ ذیل اشیاء شامل ہیں: چاندی، سونا، موتی اور قیمتی پتھر، کرنسی نوٹ، اشیائے تجارت اور چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشی، بشرطیکہ اس دولت کو کما کر اور موجودہ دولت میں اضافے کے طور پر حاصل کیا گیا ہو۔ خواہ منافع یا تنخواہ یا

---

[1] ملاحظہ فرمائیں، ذاتی جائیداد کی قابلِ زکوٰۃ دولت کے تبادلے کا قانون نمبر ۶۔

Marfat.com

گوشوارہ

زکوٰۃ کے سلسلے میں متعدد حسابات کا جائزہ

اس گوشوارے میں، چاندی، سونے، کرنسی نوٹ، تجارتی سرمائے اور کمپنیوں کے حصص میں لگائی ہوئی دولت پر زکوٰۃ کے حسابات کرنے کا طریق کار اور متعدد حسابات کے طریقے بتائے گئے ہیں۔

۱۹۸۰ء کے لئے

فرضی نصاب: ۲۹۴۰ روپے صا زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفہ: ۵۸۸ روپے صا
(۲۹۴۰ کا پانچواں حصہ)

صا: گوشوارے میں درج شدہ تمام اعداد، مجموعے اور تواریخ کی مثالیں محض مفروضہ ہیں۔

Marfat.com

سونا، چاندی، کرنسی نوٹ، تجارتی سرمائے اور کمپنی کے حصص پر زکوٰۃ کے حساب کا طریقہ

فرضی نصاب کی رقم ۵۲۵/= [1] ــ پر ۱۰۵/= روپے کا اضافہ قابل زکوٰۃ ہوگا۔

۱ زکوٰۃ کا حساب شروع کرنے کی تاریخ	۲ تجارتی سرمایہ یا حصص کی سرمایہ کاری	۳ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رقم	۴ رقم جس پر زکوٰۃ ادا ہوتی ہے	۵ سونا چاندی اور کرنسی نوٹ [illegible]	۶ جملہ قابل زکوٰۃ رقم	۷ آخر سال قیمت یا رقم میں کمی	۸ باقی رقم	۹ زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفہ	۱۰ قابل زکوٰۃ رقم	۱۱ حساب ہونے کی تاریخ	۱۲ مقدار زکوٰۃ جو ادا ہوتی ہے	۱۳ ادائیگی زکوٰۃ کے بعد باقی رقم	۱۴ نئی حاصل شدہ دولت جس کا سال ابھی تمام نہیں ہوا	۱۵ رقم گذشتہ حساب کے نتیجہ میں نصاب سے کم رہ گئی	۱۶ جمع شدہ باقی رقم جو اگلے حساب میں شروع ہوگا (منتقل کالم ۱ میں)
یکم جنوری ۱۹۵۹ء	۵۰۰۰/= −	۲۰۰۰/= =	۳۰۰۰/=	۱۵۰۰/= =	۴۵۰۰/= −	—	۴۵۰۰/= =	۹۰/= −	۴۴۱۰/= =	۳۱ دسمبر ۱۹۵۹ء	۱۱۰/۴ ادا	۴۵۰۰/=-۱۱۰/۴=۴۳۸۹/۱۲	۵۵/= +	—	۴۹۴۰/۴ =
۱۵ فروری "	۲۰۰۰/= −	۷۵۰/۰۰ =	۱۲۵۰/=	— =	۱۲۵۰/= −	—	۱۲۵۰/= =	۹۵/= −	۱۱۵۵/= =	۱۴ فروری ۱۹۶۰ء	۲۸/۱۴ ادا	۱۲۵۰/=-۲۸/۱۴=۱۲۲۱/۲	۳۰۰/= +	—	۱۵۲۱/۲ =
۳۰ مارچ "	—	—	—	۲۳۵۰/= =	۲۳۵۰/= −	—	۲۳۵۰/= =	۴۰/= −	۲۳۱۰/= =	۲۹ مارچ "	۵۷/۱۲ ادا	۲۳۵۰/=-۵۷/۱۲=۲۲۹۲/۴	—	—	۲۲۹۲/۴
یکم اپریل "	—	—	—	۵۳۰/= =	۵۳۰/=	—	۵۳۰/=	۵/= −	۵۲۵/= =	۳۱ مارچ "	۱۳/۲ ادا	۵۳۰/=-۱۳/۰=۵۱۶/۱۴	—	—	—
۱۰ مئی "	—	—	—	۵۲۵/= =	۵۲۵/=	—	۵۲۵/=	— −	۵۲۵/= =	۹ مئی "	۱۳/۲ ادا	۵۲۵/=-۱۳/۲=۵۱۱/۱۴	+۵۰/= +	۵۱۶/۱۴ =	۷۸/۱۲
یکم جون "	۱۰،۰۰۰/= −	۴۱۰۵/= =	۵۸۹۵/=	— =	۵۸۹۵/=	—	۵۸۹۵/=	۱۵/= −	۵۸۸۰/= =	۳۱ مئی "	۱۴۷/-	۵۸۹۵/=-۱۴۷/-=۵۷۴۸/=	—	—	۴۸/۲ =
یکم جولائی "	—	—	—	۹۰۰/=	۹۰۰/=	—	۹۰۰/=	۶۰/= −	۸۴۰/= =	۳۰ جون "	۲۱/۰	۹۰۰/=-۲۱/==۸۷۹/=	۲۵۰/۸ +	—	۱۱۲۹/۸ =
یکم اگست "	—	—	—	—	—	—	—	—	— =	۳۱ جولائی "	—	—	۵۵۰/=	—	۵۵۰/=
یکم ستمبر "	۸،۰۰۰/= −	۴۵۰۰/۰۰ =	۴۰۵۰/=	—	۴۰۵۰/= −	۵۳۰/=	۳۵۲۰/=	۵۵/- −	۳۴۶۵/= =	۳۱ اگست "	۸۶/۱۰	۳۵۲۰/=-۸۶/۱۰=۳۴۳۳/۶	—	—	۳۴۲۳/۶
۱۵ اکتوبر "	۳،۴۰۰/= −	۱۰۰۰/۰۰ =	۲۴۰۰/=	— =	۲۴۰۰/= −	۲۴۰۰/=	—	—	—	۱۴ اکتوبر "	—	—	—	—	—
۵ نومبر "	۱،۵۰۰/= −	۷۰۰/= =	۸۰۰/=	۲۰۰/= =	۱۰۰۰/=	۵۰۰/= =	۵۰۰/=	—	—	۴ نومبر "	—	—	۲۵۰/= +	—	۷۵۰/=
یکم دسمبر "	—	—	—	۶۰۰/= =	۶۰۰/=	۶۰۰/= =	—	—	—	۳۰ نومبر "	—	—	—	—	—
یکم جنوری ۱۹۶۰ء	—	—	—	— =	۴۹۴۰/۴	—	۴۹۴۰/=	۵/= −	۴۹۳۵/= =	۳۱ دسمبر "	۱۲۳/۶	۴۹۴۰/=-۱۲۳/۶=۴۸۱۶/۱۴	۱۸۹/۶ +	—	۵۰۰۶/۴
۱۲ جنوری "	—	—	—	۶۰۰/= =	۶۰۰/=	—	۶۰۰/=	۷۵/= −	۵۲۵/= =	۱۱ جنوری ۱۹۶۱ء	۱۳/۲	۶۰۰/=-۱۳/۲=۵۸۶/۱۴	—	—	۵۸۶/۱۴
۱۵ فروری "	—	—	—	—	۱۵۲۱/۲	—	۱۵۲۱/=	۵۱/۲ −	۱۴۷۰/= =	۱۴ فروری "	۳۶/۱۲	۱۵۲۱/۲-۳۶/۱۲=۱۴۸۴/۶	۲۰۰/۲ +	—	۱۶۸۴/۶
۳۰ مارچ "	—	—	—	—	۲۲۹۲/۴	—	۲۲۹۲/۴	۹۲/۴ −	۲۲۰۰/= =	۲۹ مارچ "	۵۵/=	۲۲۹۲/۴-۵۵/-=۲۲۳۷/۴	۴۷۵/= +	—	۲۷۱۲/۴
یکم اپریل "	—	—	—	—	—	—	—	—	—	۳۱ مارچ "	—	—	—	—	—
۱۰ مئی "	۱۰۷۸/۱۲ −	۴۷۵/= =	۶۰۳/۱۲	—	۶۰۳/۱۲	—	۶۰۳/۱۲	۷۸/۱۲ −	۵۲۵/=	۹ مئی "	۱۳/۲	۶۰۳/۱۲-۱۳/۲=۵۹۰/۱۰	۲۲۵/= +	—	۸۱۵/۱۰

فٹ نوٹ:۔ ۱۔ تمام اعداد اضافے اور تاریخیں فرضی ہیں اور صرف سمجھانے کے لئے دیئے گئے ہیں۔ (۲) اس میں عمارت، مشینری، اوزار، فرنیچر اور گاڑیوں وغیرہ کی قیمت شامل ہے۔ (۳) اس میں محفوظ سرمایہ، چالو سرمایہ اور تجارتی اشیاء شامل ہیں
(۴) خط کشیدہ رقوم نصاب سے کم ہیں (۵) جنوری کے حسابات کی میزان کالم ۱۶ (۶) فروری کے حسابات کی میزان کالم ۱۶ (۷) مارچ کے حسابات کی میزان کالم ۱۶ (۸) مئی کے حسابات کی میزان کالم ۱۶

Marfat.com

اجرت کی صورت ہیں یا تحفے یا وراثت کی شکل ہیں یا نا قابلِ زکوٰۃ دولت کی فروخت سے ، وغیرہ وغیرہ۔

ان اصولوں کا اطلاق ایسی (نصاب کے برابر یا زیادہ قابلِ زکوٰۃ) دولت پر نہیں ہوتا جو اسی نوعِ دولت کے بدلے ہیں، قابلِ زکوٰۃ دولت کے تبادلے کے قانون نمبر ۴ ہیں تفصیل سے بیان کردہ حالات کے مطابق حاصل کی گئی ہو۔ اس صورت ہیں تبادلے ہیں دی ہوئی دولت کے سال ملکیت کا شمار منقطع نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ تبادلے ہیں نئی حاصل شدہ دولت پر جاری رہتا ہے۔

مندرجہ ذیل متعدد حسابات کے گوشوارے ہیں جس نصاب پر زکوٰۃ کا حساب کیا گیا ہے وہ پاکستان ہیں گیہوں کی ۱۹۸۰ء کی اوسط قیمت پر مبنی ہے جو تقریباً ۷۰ روپے فی من تھی۔ چنانچہ اس حساب سے (۱۹۸۰ کے لیے) نصاب (۷۰ × ۴۲ من) ۲۹۴۰ روپے اور زکوٰۃ سے مستثنیٰ دقفہ ۲۹۴۰ ÷ ۵ = ۵۸۸ روپے مانا جائے گا۔

اس کتاب کی طباعتِ اول کے وقت ، گیہوں کی اوسط قیمت (مغربی) پاکستان ہیں ½۱۲ روپے فی من تھی۔ اور اس وجہ سے نصاب (½۱۲ × ۴۲ من) = ۵۲۵ روپے اور زکوٰۃ سے مستثنیٰ دقفہ ۵۲۵ ÷ ۵ = ۱۰۵ روپے تھا۔

عملاً اگر نقد دولت کا نصاب ہمیشہ مستقل مان کر ، عام غذا کی اوسط بازاری قیمت کے لحاظ سے بدلا نہ جائے تو زر پر کم قیمت لگانے کی وجہ سے (جو آخر بیس سال سے نہ صرف پاکستان ہیں بلکہ سب ملکوں ہیں ساری ضروریاتِ زندگی کے اخراجات ہیں اضافہ کا ایک اہم سبب ہے) مسلمان عوام کے متوسط طبقے کو زکوٰۃ ادا کرنے ہیں بے حد تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا۔

ان بیس سالوں ہیں ، عام غذا کی قیمت ہیں اضافے کے سبب زر کی قیمت کم ہو جانے کے نتیجے ہیں ۔ نقد کا نصاب ۵۲۵ روپے سے بڑھ کر ۲۹۴۰ روپے ہو گیا ہے یا بالفاظ دیگر روپے کی حقیقی قوتِ خرید تقریباً ۱/۶ رہ گئی ہے۔

Marfat.com

شرط پنجم :۔ دولت کسی قرض کے ضمانت نہ ھو۔

فقہ حنفی اور مالکی کے برعکس، فقہ شافعی میں قانونی مالک کی قرض داری کے باوجود اس کی دولت پر زکوٰۃ کا جواز قائم رہتا ہے۔

بادی النظر میں اس رائے کی تائید میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر ایک قانونی مالک کے پاس نصاب کے برابر یا زیادہ دولت ہو۔ یعنی اس کی بنیادی جائز ضروریات سے فاضل ہو۔ تو کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ وہ کیوں مقروض ہو۔ علاوہ ازیں، اگر اس نے کسی بھی سبب کے لئے قرض لے ہی لیا ہو۔ حالانکہ فاضل دولت اس کی پاس تھی۔ تو ظاہر ہے کہ یہ قرض کسی ضرورت کے لئے نہیں بلکہ صرف کسی سہولت کی خاطر لیا ہو گا۔ اس لئے فاضل دولت پر زکوٰۃ کی فرضیت کو برقرار نہ رکھنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔

تاہم، ذرا غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً قرض داری زکوٰۃ کی فرضیت پر ضرور اثر انداز ہوتی ہے اور ثانیاً ایک شخص کے پاس نصاب کے کم از کم برابر قابل زکوٰۃ دولت ہونے کے باوجود وہ کسی معقول وجہ سے قرض لینے پر مجبور ہو سکتا ہے۔

مثلاً، ایک شخص، جس کے پاس چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی تعداد نصاب کے برابر یا زیادہ ہے ایسے حالات سے دوچار ہوتا ہے کہ اسے نقد رقم کی فوری ضرورت پڑ جاتی ہے اور وہ اپنے مویشیوں کو یا تو بیچنا نہیں چاہتا، یا بیچ نہیں سکتا۔ اس کے لئے یہ امر بالکل درست اور جائز ہو گا کہ مطلوبہ رقم قرض لے، اور اس قرض کے لئے اپنے قابل زکوٰۃ مویشیوں کو بطور ضمانت سمجھے۔

ایک اور مثال ایک ایسے شخص کی ہو سکتی ہے جس کے پاس نصاب کے برابر یا زیادہ مالیت کی چاندی یا سونا ہو۔ لیکن وہ اتنا کافی نہیں کہ جس سے تجارت ہو سکے۔ یا یہ دولت زیورات کی شکل میں یا ایسی اشیاء کی صورت میں ہو جن سے خاندانی لگاؤ ہو، جس کی بنا پر وہ اسے بیچنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس صورت میں بھی متعلقہ قانونی مالک کا قرض لینا جائز ہو گا۔ اور وہ اس پورے قرض، یا اس کے ایک حصہ کے لئے اپنی قابل زکوٰۃ دولت کو ضمانت کے طور پر سمجھ سکتا ہے۔

Marfat.com

ایک اور مثال یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک مسافر جو گھر سے دور ہونے کی وجہ سے غیر متوقع حالات کی بنا پر، اور عارضی طور پر اپنی دولت تک آزاد رسائی نہ رکھنے کے سبب اپنی سہولت کیلئے قرض لینے پر مجبور ہو۔ اس صورت میں بھی اس کی قانونی ملکیت میں جو قابلِ زکوٰۃ دولت ہے اس میں سے قرض کی مالیت کے برابر مبلغ قرض کے لئے ضمانت سمجھے، تو یہ رقم عارضی طور پر قرض واپس دینے تک زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔

زکوٰۃ کی ادائیگی پر قرض کا اثر اس حقیقت پر مبنی ہے کہ جب تک مقروضین پر قرض باقی رہتا ہے۔ اس قرض کی مالیت کی حد تک مقروض کی ملکیت اپنی قابل زکوٰۃ دولت پر سے (اس کے ضمانت ہونے کے سبب) اتر جاتی ہے۔ اور اس لئے وہ آزادی سے اس دولت کو خرچ نہیں کر سکتا۔ بذاتِ خود یہی سبب کافی ہے کہ قرض کے برابر دولت سے زکوٰۃ کی فرضیت معطل ہو جاتی ہے، کیونکہ، قانون زکوٰۃ کی رو سے، قابل زکوٰۃ دولت پر زکوٰۃ کی فرضیت کے شرائط میں سے دو شرائط یہ ہیں کہ قانونی مالک کو اس پر ملکیت کے مکمل حقوق حاصل ہوں۔ اور وہ آزاد مرضی سے جیسا چاہے، یہ دولت خرچ کر سکنے کے قابل ہو۔

ان مسائل کو درج ذیل قوانین میں مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

قرض کے لئے ضمانت شدہ دولت پر زکوٰۃ کے قوانین

۱۔ جب مقروض کا قرض اس کی قابلِ زکوٰۃ دولت کی مالیت کے برابر یا زیادہ ہو تو وہ اس وقت تک زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ رہے گا۔ جب تک کہ وہ اپنا قرض ادا نہ کر لے، اس لئے کہ قانوناً مقروض کو عارضی طور پر اپنے قرض کے لئے اس (قابل ضمانت) دولت پر مکمل حقوق ملکیت سے محروم سمجھا جاتا ہے اور نتیجتہً اس دولت کو خواہ وہ قرض کے لئے رہن رکھی ہو یا نہ رکھی ہو۔ "فاضل" نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ قرض ادا نہ کر دیا جائے۔

۲۔ اگر لیا ہوا قرض موجودہ قابل زکوٰۃ دولت کی مجموعی مالیت سے کم ہو تو دولت کا صرف وہ حصہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گا جو قرض کے لئے ضمانت ہو۔ مقروض کی باقی قابل زکوٰۃ

Marfat.com

دولت پر عام حالات کی طرح، زکوٰۃ واجب الادا ہوگی۔

۳۔ قانونِ زکوٰۃ متقاضی ہے کہ جو دولت قرض کے لیئے بطورِ ضمانت رکھی جائے وہ پیداوار دولت ہو، یعنی قدرِ دوام کی حامل ہو۔

اس قانون کا یہ مطلب ہے کہ مقروض کے پاس جو قابل زکوٰۃ دولت اپنے قرض کے لئے ضمانت ہو، اس پر زکوٰۃ عائد کرنے لئے یہ ضمانت مقروض کی غیر قابل زکوٰۃ جائیداد (مثلاً، مکان، گھریلو اشیاء، زمین، آمدنی، وغیرہ) کی طرف ہرگز منتقل نہیں کی جاسکتی۔

۴۔ قابل زکوٰۃ دولت کی تمام[1] انواع واقسام قرض کے لئے قابل ضمانت ہوسکتی ہیں اور اس وجہ سے انہیں عارضی طور پر زکوٰۃ سے مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ قرض کے لئے ضمانت رکھی ہوئی دولت پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا استثناء قرض ادا کرتے ہی ختم ہوجاتا ہے۔

۶۔ جب قرض ادا کردیا جائے، تو اس قابل زکوٰۃ دولت پر جو اس کے لئے ضمانت تھی (خواہ وہ بطور ضمانت ایک سے زیادہ سالوں کے لیئے رکھی گئی تھی) پچھلے عرصے کی زکوٰۃ ادا نہیں کی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک یہ دولت قرض کے لئے ضمانت رہی۔ اس پر قانونی مالک کا حقِ ملکیت متاثر رہنے کے سبب، وہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ تھی۔

۷۔ جب ایک قابل زکوٰۃ دولت قرض کے لئے ضمانت ہوتی ہے، تو اس پر سالِ ملکیت کا شمار موثر طور پر منقطع ہوجاتا ہے۔ چنانچہ، قرض کی ادائیگی کے وقت، نئے سرے سے سال ملکیت کا شمار شروع کیا جائے اور سال مکمل ہونے پر حسب معمول اس پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

---

[1] فقہ حنفیہ کی رو سے عشر، چونگی اور عورتوں کا زرِ مہر اس سے خارج ہے۔

۸۔ اگر ایک دولت پر زکوٰۃ واجب الادا ہو جانے کے فوراً بعد قرض لیا جائے تو اس کو قرض کے لئے بطور ضمانت رکھنے کا قطعی یہ مطلب نہیں ہوگا کہ اس پر گزشتہ (قرض لینے سے پہلے) عرصے کی واجب الادا زکوٰۃ نہ دی جائے۔ دوسری طرف اگر قرض تکمیل سال یا اس سے زیادہ عرصے تک رہے، تو اس کے لئے قابل ضمانت دولت اس وقت تک زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔ جب تک کہ قرض ادا نہ کر دیا جائے۔

۹۔ اگر مقروض اپنے قرض کو اقساط میں ادا کرے۔ تو قرض کے لئے ضمانت رکھی ہوئی دولت بھی قرض کی ادائیگی کی نسبت سے کم ہوتی جائے گی۔ چنانچہ جتنی دولت بارِ قرض سے آزاد ہوتی رہے گی۔ اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ضروری ہوتی رہے گی۔

۱۰۔ جب باہمی رضامندی سے ایک عورت کے مہر کے ادائیگی جس کی مالیت نصاب کے برابر یا زیادہ ہے ملتوی کر دی جائے تو یہ ادائیگی خاوند پر قرض تصور کی جائے گی۔ اور وہ اپنی قابل زکوٰۃ دولت میں سے اتنی مالیت کو قانونی طور پر قرض کے لئے بطور ضمانت رکھے گا۔ جتنی کہ مہر کی مالیت ہو۔ اور یہ مالیت مہر کی ادائیگی تک زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔

خاوند کا اپنی بیوی کو مہر ادا کرنے کے ساتھ ہی اس مالیت پر زکوٰۃ سے استثنا بھی ختم ہو جائے گا۔ اور اب اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی صرف بیوی کا فرض ہوگا۔

۱۱۔ اگرچہ جائز مقاصد کے لیے قرض لینا بجا ہے۔ تاہم جس حد تک ممکن ہو طویل عرصے کے قرض یعنی ایک سال سے زیادہ عرصے کے لئے قرض) لینے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ اس وجہ سے ایسے مقروض کو جس کی آمدنی (تنخواہ وغیرہ سے) اتنی نہیں ہے کہ وہ اس سے اپنا پورا قرض واپس کر سکے۔ لیکن جس کے پاس قابل زکوٰۃ دولت موجود ہو، اسے ترجیحاً اپنی اسی دولت میں سے زکوٰۃ واجب الادا ہونے سے پہلے، اگر پورا قرض نہیں تو اس کا کم سے کم ایک حصّہ

Marfat.com

واپس کر دینا چاہیئے ۔ اس صورت میں زکوٰۃ صرف دولت کے بقایا حصے پر ادا کی جائے گی۔ خواہ قرض کی ادائی اس دولت پر سال ملکیت کے شمار کی تکمیل سے صرف ایک روز پہلے ہی کیوں نہ ہو۔

اگر مقروض کی متعلقہ قابل زکوٰۃ دولت زرعی پیداوار ہو تو اسے اجازت ہو گی کہ فصل پر زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلے وہ اپنے پورے قرض یا اس کے ایک حصے کو فصل میں سے ادا کرے اور (بشرطیکہ وہ نصاب کے کم از کم برابر ہو) صرف فصل کی باقی ماندہ پیداوار پر زکوٰۃ کے واجبات ادا کرے۔

۱۲۔ مندرجہ ذیل قرآنی قانون کے مطابق کوئی مسلمان قرض خواہ کسی بھی صورت میں اس کے دیئے ہوئے قرض کے لئے تقاضا کرنے کا حق نہیں رکھتا جب کہ قرض کی ادائیگی سے مقروض کو پریشانی اور محرومی کا سامنا کرنا پڑے یا اسے ناواجب مشکلات اور پیچیدگیوں کا سامنا ہو۔

وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ ؕ وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۝

اور اگر کوئی (قرضدار ، یعنی مقروض) تنگدست ہو تو اس کو کشادہ دستی تک (تونگری تک) مہلت دینی چاہیئے اور معاف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے ، اگر تم کچھ علم بھی رکھتے ہو ۝

(سورۃ البقرہ : آیت نمبر ۲۸۰)

اس قرآنی آیت میں مندرج ممانعت متقاضی ہے کہ ایک قرض خواہ اپنے قرض کی واپسی کے مطالبے کے لئے بہت محتاط ہو۔ خصوصاً جب کہ مقروض اسے صرف زرعی پیداوار کی صورت میں قرض لوٹا سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہی دولت مقروض کی سال بھر کی رسد اور کل سرمایہ ہو۔ جسے اگر قرض خواہ وصول کرلے تو مقروض اپنے اور اپنے خاندان کے لئے غذا تک کے لئے محتاج ہو جائے گا۔

Marfat.com

اگر قرض خواہ خود ایسی سخت ضرورت میں ہو کہ وہ مقروض کی کشادہ دستی کا انتظار نہ کر سکتا ہو تو قانونِ زکوٰۃ کی رو سے اسے کم از کم اپنی فوری جائز ضروریات کی حد تک مالیاتِ زکوٰۃ میں سے طلب کرنے کی اجازت ہے۔ اگر قرض کی رقم کم ہے اور موجودہ مالیاتِ زکوٰۃ کافی ہیں تو پورا قرض مالیاتِ زکوٰۃ میں سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر قرض کی رقم زیادہ ہے اور قرض خواہ کی فوری ضرورت قرض کی رقم سے کم ہے تو وہ مالیاتِ زکوٰۃ میں سے صرف اپنی فوری جائز ضروریات کو پورا کرنے کے لئے لے سکتا ہے۔

اگر قرض کا ایک حصہ مالیاتِ زکوٰۃ میں سے ادا کر دیا جائے تو باقی ماندہ حصہ ادا کرنا مقروض کا فرض رہے گا۔ اور اس کو چاہیئے کہ قرض کے اس حصے کو جونہی اسے سہولت حاصل ہو واپس کر دے۔

قرآن پاک کی ہدایات کے مطابق ہر مسلمان معاشرتی ذمہ داری کا پورا احساس رکھنے اور اپنی روزمرہ زندگی کی منصوبہ بندی میں دور اندیشی سے کام لینے کا پابند ہے یہ بات نہ صرف اسلام کے پیروکار کی شایانِ شان نہیں بلکہ قرآن پاک کے معاشرتی اور معاشی اصولوں کے بھی خلاف ہے کہ انسان دوسروں کے مفادات کو نظر انداز کر کے خود غرضانہ مقاصد حاصل کرنے کے درپے ہو یا ذاتی اغراض کی تسکین کی خاطر اجتماعی فلاح و بہبود کو قربان کر دے۔

اس وجہ سے اور دولت کی آزاد بلا مزاحمت اور مسلسل گردش کی معاشی پالیسی کے نتیجے میں قرآن پاک میں ہر مسلمان کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے جائز ذرائع آمدنی کے اندر اپنی زندگی بسر کرے۔ اور اپنی دولت کو اس طرح سے خرچ کرے کہ اس سے نہ صرف خود اس کو بلکہ عام معاشرے کو بھی فائدہ پہنچے۔ علاوہ ازیں افراطِ زر کو عملی طور پہ روکنے کے لئے قرآن پاک میں ہر مسلمان کو تاکید ہے کہ وہ بے جا اسراف سے رکے اور خصوصًا یہ کہ اس دولت کو خرچ کرنے سے اجتناب کرے جو اس کی نہ ہو۔ قرآن پاک میں سودی اور غیر ضروری

Marfat.com

قرض لینے پر بھی سختی سے ملامت کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ درحقیقت دوسروں کی دولت خرچ کرنا ہے۔ بارہا ہمدردی کی وجہ سے غیر ذمہ دار طالب قرض کو قرض دے کر قرض خواہ اپنی دولت کے ایک حصے کو بے کار کر دیتا ہے، صرف اس لیے کہ کسی کی بے پروائی سے پیدا شدہ حالت کی چارہ جوئی کی جائے یا کسی بے جا اور غیر دانشمندانہ کام میں سرمایہ لگائے جس کے نتائج لیسا اوقات تباہی ہوتے ہیں۔

قرض لینا اسلام کے نزدیک انتہائی اہم ذمہ داری کا عمل ہے۔ خواہ یہ جائز مقاصد مثلاً غربت سے نجات حاصل کرنے یا کسی اور اہم ضرورت کے لئے ہی لیا گیا ہو اور ایسی صورت میں بھی مقروض پر واجب ہے کہ وہ اپنے قرض کو اولین موقعے پر یعنی کسی ناواجب پریشانی کا سامنا کئے بغیر جونہی اس کے وسائل اس کی اجازت دیں ادا کر دے۔

قرآن پاک میں سود خوری کے تمام طریقے خواہ کسی شکل میں ہوں قطعی طور پر ممنوع ہیں۔ لہٰذا ایک مسلم معاشرے میں مالی فائدے کو پیش نظر رکھ کر قرض دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

چنانچہ جب ایک مسلمان قرض دیتا ہے تو بے لوث مہربانی اور صدقہ اور خیرات کے جذبات کے تحت اور معاشرتی ذمہ داری کا صحیح احساس اس کے پیش نظر ہوتا ہے۔ جب قرض دینے والا اس خلوص نیت ایثار اور بے غرضی سے قرض دے تو مقروض کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنی معاشرتی ذمہ داری کا احساس رکھے اور اس بات کا ثبوت دے کہ وہ قرض خواہ کی حالت سے پوری طرح واقف ہے۔ اس سے ہمدردی رکھتا ہے اور اس کے مفادات کا لحاظ اور احترام کرتا ہے۔

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامنٰت الی اھلھا

"بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ جس کی امانت ہے اس کو واپس

کردو۔۔۔۔۔۔ ٥ (سورۃ النساء : آیت نمبر ۵۸)

چنانچہ یہ مقروض کا ایک مقدس اخلاقی فریضہ ہے کہ جونہی اس کے حالات سازگار ہوں۔ وہ قرض کی ادائیگی کرے۔ تاکہ قرض خواہ اپنی دولت کو آزادانہ استعمال کرنے کے حق سے کم سے کم حد تک محروم رہے۔

شرط ششم : دولت بطور قرض نہ دی گئی ہو۔

قانون زکوٰۃ کی رو سے یہ ضروری ہے کہ قابلِ زکوٰۃ دولت ، زکوٰۃ واجب الادا ہونے کے وقت قانونی مالک کے مکمل اختیار و قبضے میں ہو۔ جب قابلِ زکوٰۃ دولت قانونی مالک کے مکمل قبضے میں نہ ہو۔ تب زکوٰۃ کی ادائیگی اگرچہ بنیادی طور پر ختم نہیں ہو جاتی تاہم اس وقت تک معطل رہتی ہے جب تک کہ متعلقہ دولت قانونی مالک کے مکمل اختیار و قبضے میں واپس آجائے۔

چنانچہ ، جب کبھی قابل زکوٰۃ دولت کو بطورِ قرض حسنہ دیا جائے یعنی وہ اس وجہ سے قانونی مالک کے مکمل اختیار و قبضے میں عارضی طور پر نہ رہے تو چونکہ اس پر اس کا جائز اور قانونی حق ختم نہیں ہو جاتا ۔ یہ " محفوظ دولت " کی خاصیت اختیار کر لیتی ہے اور اس پر ذیل میں دی ہوئی شرائط کے مطابق زکوٰۃ عائد ہوگی۔

بطور قرضِ حسنہ دی ہوئی دولت کی زکوٰۃ کے قوانین

۱۔ جب قرض میں دی ہوئی قابلِ زکوٰۃ دولت اپنی نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب کے کم از کم برابر مقدار یا مالیت کی ہو اور اس پر سال ملکیت کا شمار ختم ہونے سے پہلے واپس مل گئی ہو تو اس پر واجب الادا زکوٰۃ حسب معمول سالِ ملکیت کی تکمیل پر دی جائے گی۔

۲۔ جب قابلِ زکوٰۃ دولت ، جس پر سال ملکیت کا شمار شروع کیا ہی ہو اور اسی روز بطور قرض دے دی اور پورا سال مقروض کے قبضے میں رہ کر

Marfat.com

اس پر زکوٰۃ واجب الادا ہونے کے دن واپس ہوئی ہو تو قانونی مالک پر حسب معمول، زکوٰۃ کی ادائی لازمی ہوگی۔

۳۔ جب قرض کی واپسی میں ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر جائے تو اس رقم پر واجب الادا زکوٰۃ اس وقت تک ملتوی رہے گی جب تک کہ یہ رقم واپس نہ مل جائے۔ قرض کی رقم واپس ملنے کے وقت قانونی مالک کو اس پر سابقہ ساری مدت کے زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنا چاہیئے۔ جب واپس ملی ہوئی رقم تمام دیئے ہوئے قرض کی رقم سے کم ہے تو اس پر واجب الادا زکوٰۃ مندرجہ ذیل قانون نمبر ۹ کے مطابق دی جائے گی۔

۴۔ جب قرض میں دی جانے والی دولت کی مقدار یا مالیت اس کی نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب سے کم ہے اور قانونی مالک کے پاس اس نوع کی اور دولت موجود نہیں ہے تو زکوٰۃ کا سوال ہی خارج از بحث ہے لیکن اگر دیئے ہوئے قرض کی واپسی سے پہلے قانونی مالک کو اسی نوع کی مزید دولت اتنی مقدار یا مالیت میں حاصل ہو جائے جس کو قرض کی رقم میں جمع کرنے پر مجموعہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو تو جس تاریخ پر نئی دولت حاصل ہوئی ہے اس تاریخ سے (نئی دولت اور قرض کی رقم کے) مجموعے پر سال ملکیت کا شمار شروع کیا جائے گا۔ اگر یہ نئی حاصل شدہ دولت کی مقدار یا مالیت کم از کم نصاب ہے۔ تو مجموعے کے اس حصے پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی جب تک کہ قرض قانونی مالک کو واپس نہ مل جائے، اس وقت (قرض اور نئی حاصل شدہ دولت کے) مجموعے پر سابقہ تمام عرصے کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ اس صورت میں چونکہ مذکورہ بالا دولت کے مجموعے پر سال ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہوگا۔ اگرچہ عارضی .. طور پر اس کا صرف ایک حصہ قانونی مالک کے مکمل قبضے میں ہو اس لئے اگر اس کے سالِ ملکیت کے دوران اسی نوع کی اور دولت حاصل ہو جائے جو نصاب سے کم نہ ہو، تو اس پر سالِ ملکیت کا الگ

شمار شروع کیا جائے گا۔ اور اگر یہ دولت نصاب سے کم ہو تو مذکورہ بالا دولت کے پہلے مجموعے کے سال ملکیت کی تکمیل پر زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنے کے فوراً بعد باقی ماندہ مقدار یا مالیت میں اس کو جمع کر دیا جائے گا۔

دوسری طرف اگر نئی حاصل شدہ دولت نصاب کے برابر یا زیادہ ہو تو اس پر سال ملکیت کا الگ شمار شروع ہو جائے گا۔ جس کی تکمیل پر اس کی زکوٰۃ دی جائے گی۔ قرض میں دی ہوئی کم از نصاب دولت پر جواب اسی نوع کی نئی حاصل شدہ نصاب کئے برابر یا زیادہ دولت میں جمع ہو گی، زکوٰۃ عائد نہیں ہو گی۔ جب تک کہ قرض قانونی مالک کو واپس نہ مل جائے قرض واپس ملنے کے وقت اس پر اس وقت سے زکوٰۃ واجب الادا ہو گی جب سے کہ وہ مذکورہ نئی حاصل شدہ دولت کا حصہ بن گئی۔ یعنی اسی وقت سے نئی حاصل شدہ دولت کا سال ملکیت ہی قرض والی دولت کا بھی سال ملکیت شمار ہو گا۔ اس طرح اگر یہ قرض نئی حاصل شدہ دولت کے آئندہ سال ملکیت کے شمار کے دوران ہی واپس مل جائے۔ تو اس پر نئی دولت کے حصول کی تاریخ سے لے کر آخری سال ملکیت کے ختم تک (قرض کی واپسی سے پہلے) زکوٰۃ دی جائے گی۔ اور زکوٰۃ کی اس ادائیگی کے بعد جو رقم بچ رہے، اسے نئی حاصل شدہ دولت کے ساتھ (جس کا وہ ایک حصہ ہے اور جس کے سال ملکیت کے شمار میں وہ شریک ہے) محسوب کر کے، اس مجموعے پر سال ملکیت ختم ہوتے پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

۵۔ جب کبھی قرض دینے کی وجہ سے خواہ قرض کی مقدار کتنی ہی ہو، دولت پر زکوٰۃ کی ادائیگی ملتوی ہو جائے۔ یعنی جب کبھی قانونی مالک کے قبضے میں قرض دینے کے بعد رہ جانے والی دولت نصاب سے کم ہو تو ایسی صورت میں اس دولت پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی۔ جب تک قرض کی رقم یا اس کا اتنا جزو واپس نہ مل جائے جو رہ جانے والی دولت میں جمع ہو کر اس کو نصاب

کے برابر یا زیادہ نہ بنا دے۔ اور جب کبھی ایسا ہو، زکوٰۃ ان دونوں اجزائے دولت کے مجموعے پر پچھلی تاریخوں سے عائد ہوگی۔ جیسا کہ قانون نمبر ۴ اور نمبر ۹ میں واضح ہے۔

۶۔ اگر قانونی مالک کے پاس صرف ایک ہی قابل زکوٰۃ دولت ہو جو نصاب کے برابر یا زیادہ ہو، اور اس کو قرض میں دینے کے بعد، دولت کی اس نوع کی ایک دوسری مقدار حاصل ہو جو نصاب سے کم ہو تو یہ دوسری دولت، حساب کے لئے بطور قرض دی ہوئی دولت میں اس کے سال ملکیت کے ختم پر ملا دی جائے گی۔ اور اس مجموعے پر سال ملکیت کا نیا شمار شروع کیا جائے گا۔

قرض واپس ملنے پر گزشتہ عرصے کی زکوٰۃ (الف) قرض سے واپس ملی ہوئی دولت پر اس کے اس سال ملکیت کے ختم تک جس کے دوران دوسری کم از کم نصاب دولت ملی تھی، ادا کی جائے گی۔ اور (ب) اس زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ دولت میں دوسری دولت جمع کی جائے گی۔ اور ان دونوں دولتوں کے مجموعے پر پہلی دولت کے سال ملکیت کے اختتام کی تاریخ سے زکوٰۃ کا حساب کیا جائے گا۔ اس طرح محسوب کی ہوئی گزشتہ مدت کی زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد جاری سال ملکیت کے اختتام پر بقیہ مجموعی دولت پر زکوٰۃ کا شمار عام قاعدے کے مطابق عمل میں آئے گا۔

۷۔ اگر قرض دینے سے خواہ اس کی مقدار یا مالیت کتنی ہی ہو، قانونی مالک کے قبضے میں رہ جانے والی بقیہ دولت پر زکوٰۃ کی ادائیگی معطل نہ ہو (یعنی وہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو) تو اس باقی ماندہ دولت پر زکوٰۃ حسب معمول وقت پر دی جائے گی۔ حالانکہ قرض میں دی ہوئی دولت پر واپس ملنے کے وقت، مجموعی دولت پر سال ملکیت کے شمار (یا شماروں) کے مطابق، سابقہ عرصے کی پوری زکوٰۃ واجب الادا ہوگی۔

قرض واپس ملنے پر خواہ وہ کتنا ہی ہو اس پر سابقہ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد باقی ماندہ دولت کو قانونی مالک کے قبضے میں رہ جانے والی دولت میں (جس کا وہ ایک لازمی حصہ ہے) جمع کر دیا جائے گا۔ اور اس مجموعی دولت پر اس کے سالِ ملکیت کے جاری شدہ شمار کے اختتام پر معمول کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

۸۔ اگر ایک ہی نوع کی دولت میں سے جس پر مختلف اوقات میں حاصل ہونے کے سبب سالِ ملکیت کے الگ الگ شمار شروع ہوں، ایک حصہ قرض میں دے دیا جائے۔ تو متعدد حسابات کے قانون نمبر ۳ کے جزو (ذ) کے مطابق چاہیئے کہ یہ قرض تاریخی ترتیب سے سب سے پہلے اس دولت کے اس حصے میں سے دیا جائے جس پر سال ملکیت کا شمار ابھی تازہ ہی شروع کیا گیا ہے۔ اس قانون کو خاص طور پر اس وقت ملحوظ رکھا جائے جب قرض میں نقد رقوم دی جاتی ہوں۔

اس صورت میں متعلقہ قرض صرف دولت کے اس حصے یا ان حصّوں پر اثر انداز ہو گا جو سال ملکیت کے شمار میں مشترک اور ہر حصّۂ دولت پر واجب الادا زکوٰۃ اپنے اپنے شمار سال کے مطابق دی جائے گی۔

۹۔ اگر قرض میں دی ہوئی دولت قانونی مالک کو اقساط میں ادا کی جائے تو سابقہ زکوٰۃ کی ادائیگی مندرجہ ذیل طریقے سے ہو گی۔

اوّلاً :۔ ہر قسط واپس ملنے کے وقت خواہ اس کی مقدار یا مالیت کتنی ہی ہو اس پر فوراً سابقہ عرصے کی متناسب واجب الادا زکوٰۃ دی جائے گی جس کے بعد باقی ماندہ مقدار یا مالیت کو اصلی دولت میں جس کا ایک لازمی حصہ ہے جمع کیا جائے گا۔ بشرطیکہ

(الف) قرض کی واپس ملی ہوئی قسط نصاب سے کم ہے اور جس دولت کا ایک لازمی حصّہ ہے (یعنی جو دولت قانونی مالک کے مکمل قبضے و اختیار

Marfat.com

میں موجود رہی ہے) وہ نصاب کے کم از کم برابر مالیت کی ہے۔

یا (ب) قرض کی واپس ملی ہوئی قسط نصاب کے کم از کم برابر ہے اور جس دولت کا یہ ایک لازمی حصہ ہے وہ نصاب سے کم ہے۔

یا (ج) قرض کی واپس ملی ہوئی قسط کے کم از کم برابر ہے اور جس دولت کا یہ ایک لازمی حصہ ہے وہ بھی نصاب کے کم از کم برابر ہے۔

یا (د) قرض کی واپس ملی ہوئی قسط اور جس دولت کا یہ ایک لازمی حصہ ہے دونوں انفرادی طور پر کم از کم نصاب ہیں۔ لیکن ان کا مجموعہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہے۔ اس کے بعد ایسی جمع کی ہوئی دولت کے مجموعے پر زکوٰۃ حسب معمول محسوب کی جائے گی۔

ثانیاً:۔ اگر قرض کی واپس ملی ہوئی قسط کو قانونی مالک کے پاس رہنے والی دولت میں جمع کرنے پر جس کے ساتھ اس کے سال ملکیت کا شمار مشترک ہے۔ مجموعہ نصاب سے کم رہ جائے اگرچہ اس پوری دولت (یعنی قرض میں دی ہوئی دولت اور قانونی مالک کے پاس باقی ماندہ دولت کا مجموعہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو تو قسطوں کی صورت میں واپس ملی ہوئی دولت کی مقدار یا مالیت پر گزشتہ عرصے کے واجبات زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہیں کیے جائیں گے۔ جب تک کہ مزید اتنی اقساط وصول نہ ہوں کہ جن کی مقدار یا مالیت کو مجموعۂ دولت میں جمع کر کے اس کو کم از کم نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ بنا دے۔ قانونی مالک کے قبضے میں مجموعۂ دولت کی مقدار یا مالیت نصاب کے برابر پہنچ جائے۔ اس پر گزشتہ سارے عرصے کی واجب الادا زکوٰۃ دی جائے گی۔

اس طرح، اگر قرض میں دی ہوئی دولت پر سال ملکیت کا نقطہ ایک ہی شمار ہے اور اسی نوع کی اور دولت قانونی مالک کے پاس نہ ہو تو اس قرض میں دی ہوئی دولت پر سابقہ عرصے کی واجب الادا زکوٰۃ

Marfat.com

صرف اس وقت دی جائے گی۔ جب قرض کی واپس ملی ہوئی قسط یا اقساط کے مجموعے کی مقدار یا مالیت نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہو جائے۔

۱۰۔ اگر قرض سے واپس ملی ہوئی دولت، اس پر سابقہ عرصے کی واجب الادا زکوٰۃ دینے سے پہلے، خرچ کی جائے تو اس کے اصلی قانونی مالک پر پوری ذمہ داری ہے کہ وہ اس پر تمام سابقہ عرصے کی زکوٰۃ ادا کرے۔

۱۱۔ یہ ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ اگرچہ قرض میں دی ہوئی دولت قانونی مالک کے قبضہ و اختیار سے عارضی طور پر باہر رہتی ہے۔ تاہم اس دولت پر اس کا مکمل حقِ ملکیت کبھی ختم نہیں ہوتا۔ نتیجتہً قرض دینے کی وجہ سے دولت کے سال ملکیت کا شمار جو پہلے سے شروع ہو چکا ہے متاثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ متعدد حسابات کے ان تمام اصولوں کو جو نہی مناسب حالات پیدا ہو جائیں۔ عائد ہونا چاہیئے۔ خواہ اس وقت دولت کا کوئی حصہ قرض میں پھنسا ہوا ہو یا نہ ہو۔

جب تک قرض میں دی ہوئی دولت قانونی مالک کو واپس نہ مل جائے اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے قانونی مالک کو قرآن پاک کے مندرجہ ذیل قانون کے مطابق مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

" اور اگر کوئی (قرض دار: مقروض) تنگدست ہو تو اس کو کشادہ دستی تک مہلت دینی چاہیئے، اور معاف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (اس بارے میں) کچھ علم بھی رکھتے ہو ۝

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۸۰)

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں جب تک ایک قرض یا اس کا ایک حصہ، قانونی مالک کو واقعی واپس نہ مل جائے تو ہر وقت قانونی مالک کی طرف سے

اس کو بطورِ خیرات یا صدقہ بخش دینے کا امکان ہے۔ اس وجہ سے قرض میں دی ہوئی دولت صرف اس وقت "محفوظ دولت" کی تعریف میں آتی ہے جب یہ قرض خواہ کو واقعی واپس مل جائے: چنانچہ صرف اس وقت ہی اس پر واجباتِ زکوٰۃ کی ادائیگی کا تقاضا قانوناً کیا جاسکتا ہے۔

امام مالک کی رائے میں جب کبھی کسی قانونی عذر کے سبب (مثلاً قرض میں دینا نقصان، چوری یا قانونی مالک کے طویل عرصے کے لئے غیر حاضری) زکوٰۃ کے واجبات کئی سال تک ادا نہ کئے گئے ہوں تو اس دولت کے واپس مل جانے پر صرف ایک سال کے واجبات زکوٰۃ ادا کئے جائیں گے لیکن دراصل جب ایک صاحب نصاب اپنی مرضی سے لمبے عرصے کے لئے گھر سے دور رہے تو یہ اصول قانونِ زکوٰۃ کی روح اور مقصد کو اطمینان بخش طریقے سے پورا نہیں کرتا۔ حقیقتاً دیئے ہوئے قرضوں کی واپسی پر صرف ایک سال کی زکوٰۃ ادا کرنا مستحقین کی حق تلفی ہے، بالخصوص جب قرض میں دی ہوئی دولت کی مقدار یا مالیت کافی زیادہ ہو۔ واپس ملنے کے وقت ایسی قابلِ زکوٰۃ دولت جو قانونی مالک کی مرضی سے قرض میں دی گئی ہے اس کی نوعیت مالک کے لئے (جس کا حقِ ملکیت اس پر کبھی ختم نہیں ہوا تھا) "محفوظ دولت" کی ہوتی ہے۔ چنانچہ اسلامی انصاف کی روح کے مطابق اس دولت پر سابقہ تمام عرصے کے واجباتِ زکوٰۃ بالکل اسی ترتیب سے ادا کئے جائیں گے۔ جیسے وہ دولت قانونی مالک کے قبضے و اختیار میں مسلسل تمام عرصے کے لئے رہی ہو۔ اور یہی اصول اس وقت بھی عائد ہونا چاہیئے جب ایک صاحب نصاب اپنی مرضی سے لمبے عرصے کے لئے غیر حاضر رہے اور اس کی دولت پر اس کا حقِ ملکیت قائم رہے اگر قانونی مالک اس عرصے میں اپنی زکوٰۃ کی ادائیگی کا انتظام نہ کرے یا نہ کر سکے تو وہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔

مندرجہ بالا حالات میں گزشتہ عرصے کے واجبات زکوٰۃ کی ادائیگی مندرجہ ذیل طریقے سے کی جائے گی۔

(الف) اگر قابل زکوٰۃ دولت جس کی مقدار یا مالیت اپنی نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب کے برابر ہے۔ اپنے قانونی مالک کے قبضے سے ایک سال یا اس سے زیادہ باہر رہے تو جب بھی واپس ملے اس پر پہلے ایک سال کی زکوٰۃ واجب الادا ہوگی۔ کیونکہ اس پہلے سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد باقی دولت کی مقدار یا مالیت نصاب سے کم رہ جائے گی لہٰذا اس پر زکوٰۃ عائد نہ ہو سکے گی۔

(ب) اگر مذکورہ بالا قابل زکوٰۃ دولت اپنی نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب سے زیادہ ہو تو اب زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے کو محسوب کر کے اگر ایسا کوئی وقفہ ہو۔ بقیہ دولت پر پہلے سال کی زکوٰۃ دی جائے گی۔ اس پہلی ادائی زکوٰۃ کی تاریخ وہی سمجھی جائے گی جو سال ملکیت کی تکمیل پر ہوتی۔ اگر یہ دولت اس عرصے میں اپنے قانونی مالک کے قبضے میں رہتی۔ اس طرح پہلے سال کی زکوٰۃ ادا کر کے، باقی ماندہ دولت میں سے زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے کا حصہ نکال کر اگر ایسا کوئی وقفہ ہو، دوسرے سال کی زکوٰۃ بقیہ دولت پر دی جائے گی۔ اسی عمل کا اعادہ گزشتہ عرصے کے باقی تمام سالوں کے لئے کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ پچھلی تمام واجب الادا زکوٰۃ کی ادائیگی مکمل طور پر ہو جائے۔

اگر گزشتہ عرصے کے واجبات زکوٰۃ ادا کرتے کرتے مذکورہ دولت کی مقدار یا مالیت نصاب سے کم رہ جائے تو اسی وقت سے اس دولت پر زکوٰۃ کی فرضیت ختم ہو جائے گی۔

اگرچہ اس ادائیگی کے طریقے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفوں کے سبب زکوٰۃ کے واجبات مسلسل کئی مرتبہ دولت کی ایک ہی متعین مقدار یا مالیت پر ادا کرنے ہوں گے۔ جیسا کہ عام طور پر، بروقت ادائیگی زکوٰۃ میں

Marfat.com

بھی ہوتا ہے۔ تاہم جب قابلِ زکوٰۃ دولت کی مقدار (یا مالیت) کافی زیادہ ہو یا سابقہ عدم ادائیگی، زکوٰۃ کا عرصہ کافی لمبا ہو تو اس سابقہ زکوٰۃ کی ادائی کے طریقے سے زکوٰۃ دینے والے کو یہ فائدہ ہوگا کہ اس کی زکوٰۃ کا بوجھ متواتر ہلکا ہوتا جائے گا۔ اور مستحقین زکوٰۃ کے حق میں یہ فائدہ ہوگا کہ انہیں اس دولت سے حسبِ معمول مسلسل مالیاتِ زکوٰۃ ملتے رہیں گے۔

مثلاً، سونے کا اصل نصاب لے کر (یعنی ۲۰ مثقال جس کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے پر ۴ مثقال ہوں گے) فرض کر لیجئے کہ ایک صاحب نصاب کو گزشتہ بارہ سال کے عرصہ کے لئے ۲۵ مثقال سونے پر زکوٰۃ ادا کرنی ہے تو اس کے واجبات کی ادائیگی کا یہ طریقہ ہوگا۔

مدت	دولت کی کل مقدار (مثقال سونا)	زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں دولت (مثقال سونا)	دولت کا قابل زکوٰۃ حصہ (مثقال سونا)	زکوٰۃ (مثقال سونا)	باقی دولت (مثقال سونا)
پہلا سال	۲۵	- ۱	= ۲۴	- ۶/۱۰	۲۴ ۴/۱۰ = ۱ + ۲۳ ۴/۱۰ =
دوسرا سال	۲۴ ۴/۱۰	- ۴/۱۰	= ۲۴	- ۶/۱۰	۲۳ ۸/۱۰ = ۴/۱۰ + ۲۳ ۴/۱۰ =
تیسرا سال	۲۳ ۸/۱۰	- ۳ ۸/۱۰	= ۲۰	- ۱/۲	۲۳ ۳/۱۰ = ۳ ۸/۱۰ + ۱۹ ۱/۲ =
چوتھا سال	۲۳ ۳/۱۰	- ۳ ۳/۱۰	= ۲۰	- ۱/۲	۲۲ ۸/۱۰ = ۳ ۳/۱۰ + ۱۹ ۱/۲ =
پانچواں سال	۲۲ ۸/۱۰	- ۲ ۸/۱۰	= ۲۰	- ۱/۲	۲۲ ۳/۱۰ = ۲ ۸/۱۰ + ۱۹ ۱/۲ =
چھٹا سال	۲۲ ۳/۱۰	- ۲ ۳/۱۰	= ۲۰	- ۱/۲	۲۱ ۸/۱۰ = ۲ ۳/۱۰ + ۱۹ ۱/۲ =
ساتواں سال	۲۱ ۸/۱۰	- ۱ ۸/۱۰	= ۲۰	- ۱/۲	۲۱ ۳/۱۰ = ۱ ۸/۱۰ + ۱۹ ۱/۲ =
آٹھواں سال	۲۱ ۳/۱۰	- ۱ ۳/۱۰	= ۲۰	- ۱/۲	۲۰ ۸/۱۰ = ۱ ۳/۱۰ + ۱۹ ۱/۲ =
نواں سال	۲۰ ۸/۱۰	- ۸/۱۰	= ۲۰	- ۱/۲	۲۰ ۳/۱۰ = ۸/۱۰ + ۱۹ ۱/۲ =
دسواں سال	۲۰ ۳/۱۰	- ۳/۱۰	= ۲۰	- ۱/۲	۱۹ ۸/۱۰ = ۳/۱۰ + ۱۹ ۱/۲ =

Marfat.com

گیارہواں سال : ۱۹ ۸/۱۰ مثقال، جس سونے کی مقدار اصل نصاب سے کم ہے اور اس لئے گیارہویں سال اور اس کے بعد کے سالوں کے لئے اس پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔

مندرجہ بالا مثال کے مطابق ۲۵ مثقال سونے پر بارہ سال کی زکوٰۃ ۵ ۱/۵ مثقال بنے گی۔ حالانکہ امام مالک کی رائے ہیں، زکوٰۃ صرف ۵/۸ مثقال بنتی اس لئے کہ وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفوں کو تسلیم نہیں کرتے اور وہ پورے ۲۵ مثقال پر صرف ایک سال کی سابقہ واجب الاداز زکوٰۃ عائد کرتے ہیں۔ دوسری طرف، اگر زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفوں کو حساب میں نہ رکھا جائے اور بارہ سال کی سابقہ زکوٰۃ کا ۲۵ مثقال سونے پر حساب کیا جائے۔ تو واجب الادا زکوٰۃ ۷ ۱/۵ مثقال سونا ہوگی۔

دوسری مثال : فرض کیجئے، ایک قانونی مالک کو سونے کے ۴۰۰۰ مثقال پر گزشتہ سات سال کے عرصے کی زکوٰۃ ادا کرنی ہے۔ تو اس کا حساب حسب ذیل ہوگا۔

مدت	دولت کی مکمل مقدار (مثقال سونا)	زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں دولت (مثقال سونا)	دولت کا قابل زکوٰۃ حصہ (مثقال سونا)	زکوٰۃ (مثقال سونا)	باقی دولت (مثقال سونا)
پہلا سال	۴۰۰۰	—	۴۰۰۰	۱۰۰ —	= ۳۹۰۰
دوسرا سال	۳۹۰۰	—	۳۹۰۰	۹۷ ۱/۲ —	= ۳۸۰۲ ۱/۲
تیسرا سال	۳۸۰۲ ۱/۲	۲ ۱/۲	۳۸۰۰	۹۵ —	= ۳۷۰۵ + ۲ ۱/۲ = ۳۷۰۷ ۱/۲
چوتھا سال	۳۷۰۷ ۱/۲	۳ ۱/۲	۳۷۰۴	۹۲ ۶/۱۰ —	= ۳۶۱۱ ۴/۱۰ + ۳ ۱/۲ = ۳۶۱۴ ۹/۱۰
پانچواں سال	۳۶۱۴ ۹/۱۰	۲ ۹/۱۰	۳۶۱۲	۹۰ ۳/۱۰	= ۳۵۲۱ ۷/۱۰ + ۲ ۹/۱۰ = ۳۵۲۴ ۶/۱۰
چھٹا سال	۳۵۲۴ ۶/۱۰	۶/۱۰	۳۵۲۴	۸۸ ۱/۱۰	= ۳۴۳۵ ۹/۱۰ + ۶/۱۰ = ۳۴۳۶ ۱/۲
ساتواں سال	۳۴۳۶ ۱/۲	۱/۲	۳۴۳۶	۸۵ ۹/۱۰	= ۳۳۵۰ ۱/۱۰ + ۱/۲ = ۳۳۵۰ ۶/۱۰
				۶۴۹ ۴/۱۰	

Marfat.com

یعنی، سابقہ سات سال کے واجباتِ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس قانونی مالک کو ۳۳۵۰ ۶/۷ مثقال سونا بچے گا۔

اس مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ ۴۰۰۰ مثقال سونے پر سات سال کی جملہ زکوٰۃ ۶۴۹ ۱/۷ مثقال بنتی ہے۔ امام مالک کی رائے کے مطابق یہی واجب الادا زکوٰۃ صرف ۱۰۰ مثقال ہوتی۔ اور اگر زکوٰۃ سے مستثنیٰ دفعوں کو پیش نظر نہ رکھا جاتا تو مذکورہ بالا حساب سے سات سال کی زکوٰۃ (۱۰۰ × ۷ =) ۷۰۰ مثقال ہوتی۔

اگر مذکورہ دولت چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی صورت میں ہوتی تو لمبے عرصے کی زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کے بعد سابقہ واجب الادا زکوٰۃ کا حساب کرتے وقت یہ ملحوظ رکھا جائے گا کہ (سوائے غیر معمولی حادثات کے مثلاً وبائی بیماری یا کوئی اور اتفاقی اسباب جن سے ریوڑ کا ریوڑ ہی ختم ہو جائے) عام طور پر جانوروں کی قدرتی پیدائش اور اموات کے نتیجے میں ریوڑ یا گلے میں ہر سال اضافہ ہی ہوتا ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اگر کسی وجہ سے زکوٰۃ کی ادائی نہ ہو سکے۔ اور اس عرصے کے دوران ریوڑ یا گلے کی تعداد نصاب سے کم رہ جائے یا بالکل ہی ختم ہو جائے تو زکوٰۃ کی فرضیت اس وقت سے ختم ہو جائے گی۔ جب کہ ریوڑ یا گلہ نصاب سے کم رہ جائے۔

ورنہ عام حالات میں بطور زکوٰۃ دیئے جانے والے مویشیوں کی تعداد اور ان کی عمر میں اختلاف پورے ریوڑ یا گلے کے سالانہ اضافے (یعنی وہ مویشی جو سال کے خاتمے تک ایک سال کی عمر کو پہنچ گئے ہوں ان کے اضافے) کے متناسب ہوگی۔ لہٰذا اگر کسی جائز وجہ سے (یعنی قانونی مالک کی غیر حاضری یا سخت بیماری کی وجہ سے) چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کے ایک ریوڑ یا گلے پر زکوٰۃ کے واجبات ایک یا زیادہ سالوں تک ادا نہیں کئے

گئے ہوں[1]۔ تو زکوٰۃ کے وصول کرنے والے زکوٰۃ کے منتظمین اور قانونی مالک کی طرف سے مقرر کردہ ریوڑ یا گلے کے نگہبان کا فرض ہے کہ ہر سال ملکیت کی تکمیل پر وہ متعلقہ ریوڑ یا گلے میں قابل زکوٰۃ مویشیوں کی تعداد کا صحیح حساب لگائیں۔ ایسا حساب رکھنے سے قانونی مالک کو واضح طور پر اپنے ریوڑ یا گلے میں سے ان مویشیوں کی تعداد اور عمر معلوم ہو گی۔ جو بطور زکوٰۃ واجب الادا ہیں۔ یہ بات یہاں واضح کر دینا ضروری ہے کہ شاذ و نادر ہی ایسا وقت آئے گا کہ پورا ریوڑ یا گلہ بطور قرض دے دیا جائے۔

اضافے والے مویشیوں کا حساب کرنے کے طریقے کی وضاحت کے لئے اگر ابتداء میں ۲۰۴ عدد بھیڑوں کا ریوڑ اور ان کے لئے فرضی اضافہ تصور کیا جائے گا۔ تو گزشتہ چار سال کی بقایا زکوٰۃ حسب ذیل طرح سے دی جانی ہو گی۔

مویشیوں کی ابتدائی تعداد	سالانہ اضافہ	مجموع	زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفہ	قابل زکوٰۃ مویشیوں کی تعداد	زکوٰۃ	باقی مویشی
۲۰۴	+۴۸	=۲۵۲	-۵۲	=۲۰۰	-۳	=۱۹۷+۵۲=۲۴۹
۲۴۹	+۶۰	=۳۰۹	-۹	=۳۰۰	-۴	=۲۹۶+۹=۳۰۵
۳۰۵	+۷۸	=۳۸۳	-۸۳	=۳۰۰	-۴	=۲۹۶+۸۳=۳۷۹
۳۷۹	+۹۳	=۴۷۲	-۷۲	=۴۰۰	-۵	=۳۹۵+۷۲=۴۶۷
					۱۶ بھیڑیں	

مندرجہ بالا مثال کے مطابق، اس خاص صورت میں چار سال کی عدم ادائیگی

[1] ۔ ایسی حالت صرف قانونی مالک کی سخت بیماری یا لمبے عرصے کی غیر حاضری کی وجہ سے حق بجانب ہو سکتی ہے کیونکہ یہ خلاف قیاس حتیٰ کہ خلاف عقل ہے کہ پورا ریوڑ یا گلہ ہی قرض میں دے دیا جائے

کے نتیجے میں واجب الادا زکوٰۃ ۱۶ بھیڑیں ہوں گی اور زکوٰۃ کی ادائی کے بعد، ریوڑ کے قانونی مالک کے پاس ۴۶۷ بھیڑیں بچ رہیں گی۔

اگر گلہ اونٹوں کا ہو جس کی گزشتہ عرصے کی زکوٰۃ ادا کی جانی ہے تو ایک دلچسپ بے قاعدگی نظر آتی ہے۔ چونکہ اونٹوں کے لئے نصاب ۵ اونٹوں کا ہے اور ۲۵ عدد اونٹ سے کم پر زکوٰۃ کی ادائیگی اونٹ کی نہیں بلکہ بھیڑوں کی شکل میں اس طرح دی جانی چاہیئے کہ ان میں سے ہر ۵ اونٹوں پر ایک بھیڑ کا حساب کیا جائے گا۔ اور اگر گلہ ۲۵ اونٹوں سے کم تعداد کا ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد بھی اونٹوں کی وہی تعداد ہو گی جو ادائیگی سے فوراً پہلے تھی۔

آخراً اگر مذکورہ دولت زرعی پیداوار پر مشتمل ہو جس پر گزشتہ عرصے کی زکوٰۃ ادا کی جانی ہے، تو چونکہ اس صورت میں نہ تو سال ملکیت کا شمار ہوتا ہے۔ اور نہ ہی جواز زکوٰۃ کی حدود کے پیمانے کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے اس لئے زکوٰۃ کے واجبات کی مقدار متعین کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہو گی۔ ہر نوع کی پیداوار کی گزشتہ سالوں کی مقدار معلوم ہو گی۔ اور اس کے مجموعے پر زکوٰۃ کی ادائی کردی جائے گی۔

شرط ہفتم: دولت چوری ہونے سے اور اتفاقیہ طور پر ضائع ہونے سے بچی رہے۔

قابل زکوٰۃ دولت زکوٰۃ کے واجب الادا ہونے یعنی سال ملکیت کے مکمل ہونے سے ایک دن پہلے بھی اگر چوری ہو جائے۔ تو قانونی مالک اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ دولت چوری ہو جانے یا ضائع ہو جانے سے پوری طرح قانونی مالک کے قبضے میں نہیں رہی لیکن اگر چوری یا نقصان کے کم عرصے کے اندر چوری شدہ یا ضائع شدہ دولت پوری طرح یا جزواً اُسے واپس مل جائے اور بعد ازاں اس کے پاس محفوظ رہے تو اگر اس واپس شدہ دولت کی مقدار یا مالیت اب بھی نصاب کے برابر یا زیادہ ہو۔ اس پر حسب معمول

سال ملکیت کی تکمیل پر زکوٰۃ عائد ہو گی۔

دوسری طرف، اگر چوری شدہ، یا ضائع شدہ دولت کلیتاً یا اس کا ایک حصہ کافی لمبے عرصے کے بعد قانونی مالک کو واپس مل جائے۔ اور اس کی مقدار یا مالیت نصاب کے کم از کم برابر ہو۔ تو دولت واپس ملنے کے روز سے اس پر سال ملکیت کا ایک نیا شمار شروع کیا جائے گا۔ اور اگر اب یہ دولت قانونی مالک کے قبضے میں محفوظ رہ جائے تو اس کے واپس ملنے کی تاریخ کے پورے ایک سال بعد قانونی مالک کو اس پر زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنے ہوں گے۔

چونکہ چوری اور اتفاقی نقصان کے معنی یہ ہیں کہ قانونی مالک کے قبضے و اختیار سے بغیر اس کی مرضی کے دولت چھین لی گئی ہے (حالانکہ برعکس اس کے بطور قرض دی ہوئی دولت مرضی سے دی جاتی ہے) اس لئے جب چوری شدہ یا ضائع شدہ دولت واپس مل جائے تو اس پر گزشتہ عرصے کی زکوٰۃ کی ادائیگی فرض نہیں ہے۔

امام مالک کی رائے میں ایسی دولت پر صرف ایک سال کی زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے خواہ یہ دولت کتنے ہی عرصے کے لئے قانونی مالک کے قبضے سے باہر رہی ہو۔ لیکن مذکورہ بالا بیان کے مطابق یہ رائے قابل اعتراض ہے کیونکہ چوری اور نقصان سے سال ملکیت کا شمار واقعی منقطع ہو جاتا ہے اور اگر مذکورہ دولت زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے کی تاریخ کے بعد اسے واپس مل جائے تو قانوناً مالک کو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا، بلکہ گزشتہ عرصے کی ادائیگی زکوٰۃ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔

لیکن اگر قابل زکوٰۃ دولت کے قانونی مالک نے اس پر زکوٰۃ واجب الادا ہونے کے وقت ادا نہیں کی تھی اور سال ملکیت کی تکمیل کے بعد یہ چوری یا اتفاقاً ضائع ہو گئی۔ تو اب دولت اس شخص کے قبضے و اختیار میں نہ ہونے کے سبب وہ واجباتِ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہو جاتا۔ اس صورت

Marfat.com

ہیں متعلقہ قانونی مالک کو وقت پر زکوٰۃ کی فرضیت پوری نہ کرنے کے سبب گناہگار سمجھا جائے گا۔ اور وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے جواب دہ اور ذمہ دار رہے گا۔

شرط ہشتم: قابلِ زکوٰۃ دولت تک آزادانہ رسائی اور اس کے آزادانہ مصرف پر اختیار

اسلامی ادارۂ زکوٰۃ خوش اسلوبی سے اس وقت اپنے فرائض انجام دے سکتا ہے جب قابل زکوٰۃ دولت مسلم مملکت کی حدود کے اندر موجود ہو کیونکہ صرف اسی صورت میں متعلقہ دولت تک آزاد رسائی اور اس کا آزاد مصرف ہمیشہ اور ہر حالت میں ہو سکتا ہے۔

تاہم دین اسلام کی مستقل توسیع کی وجہ سے ماضی میں بھی ایسا ہوا ہے اور مستقبل میں بھی ایسا ہو گا۔ انشاء اللہ کہ غیر مسلم ممالک کی حدود میں ایسی مسلم جماعتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو دین اسلام کے پیروکار ہونے کے سبب ملت اسلام کی خود بخود لازمی جزو بن جاتی ہیں۔ اس لئے باقی مسلم اقوام کی طرح ان پر بھی باضابطہ اور کامل طور پر قرآنی احکام کے مطابق عمل کرنا اور احکام کی بنا پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں۔ انہیں ادا کرنا واجب و ضروری ہے اس وجہ سے ان غیر مسلم ممالک میں جہاں مسلم جماعت موجود ہو۔ مسلمانوں کی قابل زکوٰۃ دولت پر قانونِ زکوٰۃ کے مطابق زکوٰۃ عائد کی جانی چاہیئے خواہ اس دولت کا قانونی مالک مقامی باشندہ ہو یا نہ ہو۔ زکوٰۃ کی جو مالیات اس طرح ہوں انہیں اسی مسلم جماعت کے حاجتمندوں کی بھلائی کے لئے وقف کیا جانا چاہیئے یہی اصول ان مسلم اقوام و جماعتوں پر بھی عائد ہوتا ہے جو غیر مسلم حاکموں کے زیرِ اقتدار آ گئے ہوں۔ اور انہوں نے ابھی تک آزادی حاصل نہ کی ہو۔

لیکن اگر ایک مسلم کی قابلِ زکوٰۃ دولت غیر مسلم ملک میں ہو۔ جہاں کوئی

مسلم جماعت موجود نہ ہو اور اس ملک کے قانون کی رو سے کسی کو اپنی دولت ملک سے باہر لے جانے کی اجازت نہ ہو اور اس لئے مسلمان اپنے واجبات زکوٰۃ کسی مسلم ملک میں نہ بھیج سکتے ہوں۔ تو ایسی دولت کے قانونی مالک کو اس سے زیادہ کی ادائیگی کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ قانونی مالک اس دولت تک آزاد رسائی اور آزادانہ مصرف نہیں رکھتا۔ اور اس غیر مسلم ملک میں جماعت کی عدم موجودگی کے سبب زکوٰۃ کی مالیات مقامی طور پر خرچ نہیں کئے جا سکتے۔ ایسے حالات میں اگر یہ قانونی مالک مذکورہ دولت کی زکوٰۃ دینا چاہے۔ تو اسے اپنی اس قابلِ زکوٰۃ دولت میں سے متعلقہ زکوٰۃ دینی پڑے گی۔ جو مسلم علاقے کی حدود میں اس کی ملکیت میں ہو اور جس پر زکوٰۃ پہلے ہی عائد ہو رہی ہوگی۔ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس قانونی مالک کی غیر مسلم ملک میں موجود دولت کے واجباتِ زکوٰۃ (جب کبھی اس ملک میں کوئی مسلمان جماعت نہ ہو) اپنی مسلم ملک یا ممالک میں موجود اسی نوع کی قابلِ زکوٰۃ دولت میں سے یا نقدی کی شکل میں ادا کرنا اس کا اختیاری فعل ہے جو اس کی مرضی پر منحصر ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں پابندیٔ وقت، اور بعد از وفات واجباتِ زکوٰۃ کی ادائیگی:

ادائیگی زکوٰۃ کا ایک انتہائی اہم اصول پابندیٔ وقت ہے، یعنی زکوٰۃ کے واجبات کو وقت پر ادا کرنا ہے جس پر نظام و انصرام زکوٰۃ کی خوبی کا انحصار ہے۔ اور جو ادارۂ زکوٰۃ کے مقاصدِ اعلیٰ کو پوری طرح حاصل کرنے کے لئے لازمی ہے۔ بلاوجہ اور دیدہ دانستہ، زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنا مقدس مہینوں میں التواء ڈالنے کی طرح قابلِ مواخذہ اور غیر قانونی ہے۔

انما النسیٔ زیادۃ فی الکفر یضل بہ الذین کفروا یحلونہٗ عاماً

ویحرمونہٗ عامًا لیواطئوا عدۃ ماحرم اللّٰہ فیحلوا ما حرم اللّٰہ زین لھم سوٓءُ اعمالھم ط واللّٰہ لا یھدی القوم الکفرین ہ

(مقدس مہینوں کو) ہٹا دینا کفر اور بے ایمانی ﷺ اور زیادتی ہے (تازہ بدعت ہے) جس سے کفار بھٹکتے ہیں۔ بے راہ ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔ ہ (سورۃ التوبہ آیت نمبر ۳۷)

زکوٰۃ جب واجب الادا ہو جائے تو درحقیقت یہ مسلمان صاحبِ نصاب پر مسلم قوم کا ایک مقدس قرض ہوتا ہے جسے فوری ادا کرنا چاہیئے اور قانون کا تقاضا یہاں تک ہے کہ اگر مسلمان، مرد یا عورت، زکوٰۃ کی ادائیگی سے پہلے وفات پا جائے تو اس کی دولت کو وارثوں میں تقسیم کرنے سے پہلے دوسرے قرضوں کے ساتھ قانونِ اسلام کے مطابق اس کے غیرادا شدہ واجبات زکوٰۃ کی ادائیگی کی جانی چاہیئے۔

اس سلسلے میں فقہائے شافعی کی رائے یہ ہے کہ مسلم کی وفات کے بعد بھی اس کی دولت میں سے اس کے تمام غیرادا شدہ واجباتِ زکوٰۃ کلیتًا وصول کئے جائیں گے۔ لیکن امام مالک کی رائے میں اگر ایک صاحب نصاب نے وفات سے پہلے اپنے زکوٰۃ کے واجبات ادا نہ کئے ہوں تو اس کے ترکے میں سے صرف ایک تہائی دولت زکوٰۃ کے غیرادا شدہ واجبات کے لئے قابل ضمانت ہو سکتی ہے۔ اور وہ بھی صرف اس صورت میں جب کہ متوفی نے اس بارے میں وصیت کی ہو۔ امام مالک کی یہ رائے ہے کہ اگر اس ادائی سے متعلق وصیت میں ذکر نہ ہو۔ تو وارثوں کو غیرادا شدہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ایسی ادائیگی پوری طرح وارثوں کی آزاد مرضی پر منحصر ہونی چاہیئے۔

اغلب یہ ہے کہ امام مالک کی رائے کی بنیاد قرآن پاک کے اس حکم پر ہے جو متقاضی ہے کہ متوفی نے جو قرض چھوڑے تھے ان کی ادائیگی اس طرح ہو کہ ورثاء کو ان کے جائز حصۂ وراثت سے محروم نہ کیا جائے۔ قرآن پاک

Marfat.com

کے الفاظ غیرمُضَارٍّ جن سے مراد یہ ہے کہ متوفی کے چھوڑے ہوئے قرضوں کو وراثت میں سے " وارثوں کو نقصان پہنچائے بغیر" ادا کرنا چاہیئے قرآن پاک کی سورۃ النسار آیت نمبر۱۲ میں دیئے ہوئے حکم کے مطابق، قانونِ اسلام میں گنجائش ہے کہ جو لوگ ترکے میں قانونی حقدار یا حصہ دار نہیں ہیں انہیں ترکے میں سے ایک تہائی سے زیادہ وصیّت کے ذریعے سے نہیں دیا جاسکتا۔

قانونِ اسلام میں واضح طور پر یہ لازمی شرط ہے کہ مقروض کی وفات کے بعد بھی اس کے چھوڑے ہوئے قرض ادا کیئے جانے چاہئیں۔ لیکن جب قرض کی مقدار یا مالیت کافی زیادہ ہو یا پیچیدہ حالات پیدا ہو جائیں تو قانوناً اجازت ہے کہ قرض خواہوں اور قانونی وارثوں کے درمیان ادائیگی قرض کے طریقے اور وقت کے بارے میں مصالحت ہو جائے۔

لیکن صاحبِ نصاب کی وفات کے بعد واجب الادا زکوٰۃ کی ادائیگی کے بارے میں مصالحت کی ضرورت کا سوال عموماً پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے کہ غیر ادا شدہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے وارثوں کو کسی بڑی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ عام قابلِ زکوٰۃ دولت کی نوع کے مطابق اس پر زکوٰۃ کی شرح ایک فیصد سے لے کر زیادہ سے زیادہ دس فی صد تک ہوتی ہے۔ صرف متوفی کی وفات سے پہلے کئی سال کے واجبات زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی صورت میں ترکے کی قابلِ زکوٰۃ دولت پر خاص اثر پڑے گا۔ لیکن ایک منظم مسلم ریاست میں ایسا واقعہ صرف ایک قابلِ زکوٰۃ دولت کے قانونی مالک کی وفات سے پہلے کسی مجبوری کے سبب مثلاً لمبے عرصے کے لئے غیر ارادی طور پر گھر سے غیر حاضر رہنے کے وقت ہی ہو سکتا ہے۔

قرض میں دی ہوئی قابلِ زکوٰۃ دولت جو قانونی مالک کی وفات کے بعد واپس ملے، اس پر گزشتہ (قرض میں رہنے والے) عرصے کے لئے زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی

Marfat.com

کیونکہ قرض دینے والے کی وفات کے ساتھ ہی اس کی اس دولت پر موثر ملکیت ختم ہو کر اس کی ذمہ داری بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اس واسطے ایسے قرضوں کی دولت وارثوں کے لئے نئی حاصل شدہ دولت کی خاصیت رکھتی ہے۔

اس کے برعکس، اگر قانونی مالک کی وفات سے پہلے قرض میں دی ہوئی قابل زکوٰۃ دولت یا اس کا ایک حصہ جو خود نصاب کے کم از کم برابر ہو۔ مالک یا اس کے ذمہ دار نمائندے کے علم میں واپس آ گیا ہو تو گزشتہ عرصے کے واجبات زکوٰۃ لازمی طور پر ادا کئے جائیں گے۔ تاہم اگر مذکورہ قرض میں دی ہوئی دولت یا اس کا ایک نصاب کے کم از کم برابر حصہ قانونی مالک کی وفات سے عین پہلے واپس کر دیا جائے۔ لیکن اتفاقاً اس کو یا اس کے ذمہ دار نمائندے کو اس کا علم نہ ہو سکا ہو، تو مالک کی وفات کے ساتھ ہی اس دولت پر گزشتہ عرصے کی زکوٰۃ کی ادائی کی ذمہ داری بھی ختم سمجھی جائے گی۔

چنانچہ نہایت خاص حالات کو الگ رکھتے ہوئے جو عموماً مشکل سے ہی پیدا ہوتے ہیں، قرآن پاک کے الفاظ "غیر مضی" (یعنی (وارثوں کو) نقصان پہنچائے بغیر) میں جو قانونی نکتہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کا مذکورہ بالا ذکر کے مطابق زکوٰۃ کی فرضیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس کو "وصیتوں" اور دوسری اقسام کے قرضوں سے منسوب کرنا چاہیئے۔

جن کی ادائیگی کے بارے میں قانونی مالک یا مقروض کی وفات کے بعد وارثوں اور مقروض یا وارثوں اور قرض خواہ کے درمیان مصالحت کرنے کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ خصوصاً جب قرض یا قرضوں کی مقدار یا مالیت اتنی زیادہ ہو کہ ان میں تمام ترکہ یا اس کا اکثر حصہ آ جاتا ہو۔

خالص قانونی نقطۂ نظر سے ایسی دولت وراثت یا ترکے کا حصہ نہیں ہے۔ جسے جائز طریقے سے نسبی تعلق رکھنے والے وارثوں کے علاوہ دوسروں کے نام وصیت کر دیا گیا ہے۔ ایسی وصیت پورے ترکے کے ایک تہائی

Marfat.com

حصے سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ یا جو متوفی کی وفات سے پہلے لیئے ہوئے قرض یا قرضوں کے لیئے قابل زکوٰۃ رہی ہو بلکہ یہ دولت وصیّت کے حقداروں کی جائز ملکیت ہے یا متوفی کے قرض خواہوں کا قانونی مال ہے اور نتیجتاً وارثوں کو اس پر کوئی دعویٰ رکھنے کا حق نہیں ہے۔ قرآن پاک کی سورۃ النسار کی آیات نمبر ۱۱ اور ۱۲ میں دی ہوئی تصریح اس نکتے کی وضاحت کر دیتی ہے کہ ورثے کو ورثار کے درمیان متوفی کی وصیّت پوری کر دینے اور اس کے لیئے ہوئے قرضوں کو پوری طرح ادا کرنے سے پہلے تقسیم نہیں کرنا چاہیئے۔

"....من بعد وصية يوصي (يوصين) بها او دين...."

چونکہ زکوٰۃ ارکانِ اسلام میں ہر مسلمان پر عائد کیا ہوا مقدس فرض ہے اس لیئے جونہی ایک مسلمان پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اس کی پوری مقدار یا مالیت زکوٰۃ دینے والے پر قرض اور حاجتمند مسلمانوں کی جائز ملکیت بن جاتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کی قانونی ملکیت واجب الادا زکوٰۃ کی مقدار یا مالیت پر اسی وقت ختم ہو جاتی ہے۔ اور نتیجتاً غیر ادا شدہ واجباتِ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بارے میں زکوٰۃ دینے والے کو یا اس کی وفات کے بعد اس کے وارثوں کو کسی انکار کا اختیار حاصل نہیں ہے۔

چنانچہ یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ایک صاحبِ نصاب کی وفات کے بعد اس کے غیر ادا شدہ واجباتِ زکوٰۃ کی ادائیگی کو اس کی وصیت پر چھوڑ دیا جائے یہ اس کا مقدس فرض تھا کہ وہ اپنی واجب الادا زکوٰۃ کو پابندیٔ وقت اور باقاعدگی سے ادا کرتا ایک صاحب نصاب کی غیر ادا شدہ زکوٰۃ کی ادائیگی اس کی وفات کے بعد "مرضی کا معاملہ" سمجھنا عملِ زکوٰۃ کی مقدس نوعیت کی تکذیب کرنا ہے حالانکہ یہ عمل اس نزدیک اللہ تعالیٰ اور کی طرف سے ایک فرض ہے۔ مزید برآں یہ حاجتمند مسلمانوں کے حقوق کی حق تلفی کے مترادف ہے زکوٰۃ دینے والے کے ساتھ ایسی بے جا نرمی زکوٰۃ کی خاص اہمیّت وفطرت کے قطعی خلاف ہے۔

مندرجہ بالا مشاہدات کے پیش نظر صاحب نصاب کی وفات کے بعد اس کی غیر ادا شدہ ادائیگی درج ذیل اصولوں کے مطابق ہونی چاہیئے۔

1۔ اگر ایک قابل زکوٰۃ دولت کے قانونی مالک کی وفات کے وقت اس کی زکوٰۃ کے واجبات ادا ہو چکے ہیں یا اس کی قابل زکوٰۃ دولت پر سال ملکیت کا شمار ختم نہ ہوا ہو۔ تو ان دونوں صورتوں میں متوفی پر سے زکوٰۃ کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

چونکہ وراثت اور ترکے پر ان کی اپنی حیثیت سے زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی اس لئے وراثت میں حاصل شدہ قابل زکوٰۃ دولت پر صرف اس وقت زکوٰۃ عائد ہوگی جب وہ قانونی وراثت یا وارثوں کے قبضے میں پورا ایک سال رہے اور ان کے لحاظ سے اس پر زکوٰۃ واجب الادا ہو۔ بالالفاظ دیگر اگر وراثت یا ترکے میں حاصل شدہ دولت کی مقدار یا مالیت نصاب کے برابر یا زیادہ ہو اور اس کی نوعیت ایسی ہو جس پر زکوٰۃ عائد کرنے کے سال ملکیت کی تکمیل ضروری ہو تو ہر وارث اپنی اپنی وراثت میں آئی ہوئی دولت پر اصل قانونی مالک کی وفات کے وقت سے نہیں[1] بلکہ اپنے قبضے و اختیار میں آنے کے وقت سے سال ملکیت کا شمار شروع کرے گا۔ اور اس سال ملکیت کی تکمیل پر وہ اپنے حصّہ دولت کی واجب الادا زکوٰۃ دے گا۔ دوسری طرف اگر وراثت میں ملنے والی قابل زکوٰۃ جائیداد کھڑی فصلوں پر مشتمل ہو جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے سال ملکیت کی شرح سے مشروط نہیں ہے تو وارثوں یعنی نئے قانونی مالکوں کو فصل کاٹنے وغیرہ کے بعد اس پر واجب الادا زکوٰۃ حسب معمول دینی ہوگی۔

---

[1] حنفی فقہ کی رو سے زکوٰۃ کے سال کا حساب متوفی کی تاریخ وفات سے ہونا چاہیئے نہ کہ اسی تاریخ سے کہ جب دولت ورثاء کے قبضہ میں آئے۔

Marfat.com

۲۔ اگر ایک قابلِ زکوٰۃ دولت کے قانونی مالک کی وفات زکوٰۃ واجب الادا ہونیکے وقت یا اس کے بعد لیکن اس کی ادائیگی سے پہلے واقع ہو تو وارثوں پر یہ لازم ہے کہ وہ وراثت کی تقسیم سے پہلے متوفی کے تمام غیرادا شدہ واجبات زکوٰۃ ادا کریں۔

۳۔ ایک مسلم ریاست میں جہاں ادارہ زکوٰۃ عمدہ تنظیم کے ساتھ بالکل صحیح طریقہ سے اپنا فرض انجام دے رہا ہو، ہر صاحب نصاب کی ظاہری قابل زکوٰۃ دولت پر سال ملکیت کے شمار کے شروع اور تکمیل کی تاریخیں سرکاری طور پر معلوم ہوں گی۔ لیکن جن ممالک میں ادارۂ زکوٰۃ منظم نہیں ہے وہاں ممکن ہے کہ نہ تو متوفی کے قانونی وارثوں کو اور نہ ہی حکومت کے مقامی افسران کو متعلقہ صحیح تاریخیں معلوم ہوں۔ ایسی صورت میں جب تک یہ تحقیق ممکن نہ ہو کہ متوفی کی دولت پر زکوٰۃ کی آخری ادائی کب ہوئی تھی (یعنی آخری سال ملکیت کے شمار کی شروع اور تکمیل کی تاریخیں کونسی تھیں) تو ذمہ دار زکوٰۃ دینے والے کی وفات کے بعد اس کے واجبات زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے اصرار کرنا قرین انصاف نہیں ہے کیونکہ صحیح شہادات کی عدم موجودگی میں ایسا کرنا ظن تخمینہ پر بنیاد رکھنا ہے اور ظن و تخمینہ پر انصاف کی بنیاد رکھنا اسلام کی روح اور قانون کے منافی ہے۔

جہاں تک زرعی پیداوار اور چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت کا تعلق ہے جن کے لئے سال ملکیت کی شرط نہیں ہے۔ ان کا اندازہ لگانا نسبتاً آسان ہے کہ فصل پکنے پر یا کان سے یافت حاصل ہونے پر، زکوٰۃ ادا کی گئی تھی یا نہیں۔

کوئی بھی سلیم العقل بالغ مسلمان مرد یا عورت جو قابلِ زکوٰۃ دولت کا قانونی مالک ہو اور جسے پوری آزادئ عمل اور اپنی دولت تک پوری آزاد رسائی حاصل ہو اپنے واجبات زکوٰۃ کی تاخیر سے ادائیگی کے لئے مناسب اور معقول عذر پیش نہیں کر سکتا۔ جب کبھی ایک قابل زکوٰۃ دولت کا قانونی مالک کسی بھی وجہ سے

Marfat.com

ایک لمبے سفر پر جانے کا ارادہ رکھتا ہو اور اس لئے اپنی زکوٰۃ واجب الادا ہونے کے وقت اس کے غیر حاضر رہنے کا امکان ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی زکوٰۃ کی ادائیگی بلاتاخیر کرنے کے لئے جس حد تک بھی اس سے ممکن ہو سفر پر روانہ ہونے سے پہلے مناسب انتظامات کرے۔ خصوصاً اگر اس کا مقصد ایک سال، یا ایک سے زیادہ سالوں تک غیر حاضر رہنا ہو یا دولت کی مقدار یا مالیت زیادہ ہو۔

زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی

فقہائے متقدمین کی قانون زکوٰۃ کی تشریح کے مطابق، زرعی پیداوار، شہد خام ریشم اور چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت کے سوا، ہر نوع کی قابل زکوٰۃ دولت پر زکوٰۃ کے واجبات پیشگی ادا کئے جا سکتے ہیں۔

اس اصول کی تصدیق مندرجہ ذیل حدیث سے ہوتی ہے جسے امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کی سند سے روایت کیا ہے:

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے اللہ کے رسول سے دریافت کیا کہ کیا وہ اپنی دولت پر سالِ ملکیت پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کر سکتے ہیں، تو (آنحضرتؐ نے) انہیں ایسا کرنے کی اجازت دے دی۔

(روایتِ امام ابوداؤد اور امام ترمذی)

قانون زکوٰۃ کی رو سے صرف اس دولت پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب الادا ہونے سے پہلے کی جا سکتی ہے جو واقعی موجود ہے۔ اور زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی کے وقت زکوٰۃ دینے والی کی ملکیت میں بھی ہے اور جس پر سالِ ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہے اس میں درج ذیل انواع واقسام کی دولت آتی ہے۔ چاندی، سونا، کرنسی نوٹ موتی اور قیمتی پتھر، چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشی، نقد رقوم اور اشیائے تجارت

کی شکل میں تجارتی سرمایہ۔

زرعی پیداوار، شہد، خام ریشم اور چاندی اور سونے کی کانوں کی بازیافت پر پیشگی زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

زرعی پیداوار کی زکوٰۃ عام طور پر فصل اتارنے کے فوراً بعد عائد ہوتی ہے۔ جب قابل زکوٰۃ پیداوار کی ہر قسم کی پوری مقدار معلوم ہوجائے۔ کھیت بونے حتیٰ کہ فصل کاٹنے سے پہلے پیداوار کی ادائیگی، زکوٰۃ کے لئے اجازت دے دینا زکوٰۃ کا خیالی حساب لگانے کے مترادف ہے۔ کیونکہ ابھی تو یہ دولت وجود میں نہیں آئی یا اس کی مقدار ابھی تک تو معلوم نہیں ہوئی۔ لہٰذا زکوٰۃ کا ایسا نفاذ ناجائز ہوگا۔

یہی اصول چاندی اور سونے کی کانوں کی بازیافت پر بھی عائد ہوتا ہے جس کی ابتدائی زکوٰۃ عام طور پر اس وقت واجب ہوتی ہے جب کانوں سے قیمتی دھات حاصل ہوچکی ہو۔ اس نوع دولت سے متعلق اس کی زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی نامعلوم مقدار پر نفاذ زکوٰۃ کی طرح ہوگی۔ اور ناجائز ہوگی۔ اسی لئے قانون زکوٰۃ کی رو سے صرف اس دولت پر زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی کی اجازت دی جاتی ہے جو واقعی موجود ہو اور زکوٰۃ دینے والے کے قبضے میں ہو۔ اور جس پر سال ملکیت کا شمار پہلے سے شروع ہوچکا ہو۔

زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی صرف زکوٰۃ دینے والے کی مرضی اور سہولت پر منحصر ہے۔ عامل زکوٰۃ ہرگز اس پر مجبور نہیں کرسکتا۔ اور جب کبھی زکوٰۃ واجب الادا تاریخ سے پہلے دی جائے تو دوہری رسید بنا کر زکوٰۃ دینے والے کو اس کی ایک نقل دیتے وقت زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی کی صراحت کردینی چاہیئے۔

درحقیقت صرف خاص حالات میں زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی مناسب معلوم ہوتی ہے: مثلاً جب زکوٰۃ دینے والے کا مقصد لمبے عرصے کے لئے غیر حاضر رہنا ہو اسی صورت میں صاحب نصاب روانگی سے پہلے اپنی ایسی قابل زکوٰۃ دولت پر پیشگی متوقع زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ جیسے چراگاہ میں چرنے والے

Marfat.com

پالتو مویشی، چاندی، سونا، کرنسی نوٹ موتی اور قیمتی پتھر اور یا اشیائے تجارت جس کی مقدار یا مالیت مذکورہ نوع دولت کے لئے مقرر شدہ نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہے اور جس پر سال ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہے۔

تاہم اس سے زیادہ قابل ترجیح تو یہ ہے کہ قانونی مالک اپنی طرف سے ایک ذمہ دار نمائندے کو مقرر کر کے اس کو واجب الادا زکوٰۃ کی وقت پر ادائیگی کا قانونی اختیار دے۔

لیکن جب کبھی ایسا ہو کہ ایک غیر حاضر صاحب نصاب قانونی مالک نے کسی وجہ سے روانگی سے پہلے اپنی قابل زکوٰۃ دولت پر واجب الادا زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی نہیں کی اور وہ مقررہ وقت پر خود ادائیگی نہیں کر سکتا، نیز اپنی طرف سے اس فرض کی ادائی کی تکمیل کے لئے کوئی بندوبست نہیں کر سکتا، تو اس کو اپنی واپسی پر گزشتہ تمام عرصے کا بقایا ادا کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

عاملین زکوٰۃ گزشتہ عرصے کی غیر ادا شدہ زکوٰۃ دینے پر مجبور کر سکتے ہیں سوائے اس صورت کے کہ متعلقہ دولت کے قانونی مالک نے اپنے کسی قصور کے بغیر سارا عرصہ ایسی مشکلات و سختی میں گزارا ہو جو اس کے اختیار میں نہ تھیں اور جن کی بنا پر اسے مالی لحاظ سے انتہائی نقصان پہنچا ہو۔

فقہائے شافعی کی رائے میں زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی زیادہ سے زیادہ ایک سال کے لئے کی جا سکتی ہے۔ تاہم فقہ مالکی کے مطابق جس وقت زکوٰۃ واجب الادا ہو جاتی ہے اس سے صرف ایک ماہ پہلے تک دی جا سکتی ہے[1]۔ ہمارے خیال میں اس بارے میں شافعی نقطۂ نظر بالکل درست ہے کیونکہ ایک سال سے زیادہ عرصے کے لئے زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی کی اجازت دے دینا بلاشبہ قانون زکوٰۃ کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔ دوسری طرف مالکی فتویٰ کہ پیشگی ادائیگی

---

[1] حنفی فقہ کی رو سے ایک سے زائد سالوں کی زکوٰۃ پیشگی ادا کی جا سکتی ہے۔

زکوٰۃ ایک ماہ سے زیادہ عرصہ پہلے نہیں کی جا سکتی۔ اس اجازت کے مقصد کو ہی فوت کر دیتا ہے۔ زکوٰۃ کے واجبات کو وقت سے پہلے ادا کرنے کی اجازت ظاہر ہے صرف خالص حالات میں ہی دی گئی ہے تاکہ زکوٰۃ دینے والے کو آسانی رہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسے عام قاعدہ معمول بنا لیا جائے۔ فرض بنانے کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ ان امور کے پیش نظر یہ درست معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی ایک سال تک کے عرصے کے لئے کی جا سکتی ہے۔

زکوٰۃ کے بارے میں انفرادی اور مشترکہ ذمہ داری

ہر مسلمان مرد اور عورت اپنے اسلامی فرائض کی بجا آوری کے لئے انفرادی طور پر ذمہ دار ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی

اور کسی کا بوجھ کوئی نہیں اٹھاتا۔۔۔۔ ہ

(سورۃ الفاطر، آیت نمبر ۱۸)

قرآن پاک میں انسان کے لئے واضح طور پر تنبیہہ ہے کہ:

واتقوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شیئاً ولا یقبل منها شفاعة ولا یؤخذ منها عدل ولا هم ینصرون ہ

اور اس دن سے ڈرو کہ جس میں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا اور نہ اس کے لئے شفاعت و سفارش قبول ہوگی۔ نہ اس کا کوئی بدل ہو سکے گا نہ اس کو کوئی نصرت و مدد دے سکے گا ہ

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۴۸)

چنانچہ قابلِ زکوٰۃ دولت کے ہر قانونی مالک، مرد یا عورت کی یہ اپنی انفرادی ذمہ داری ہے کہ وہ ملت اسلامیہ کو اپنی زکوٰۃ کا مقدس فرض ادا کرے مرد یا عورت کوئی بھی ہو وہ اپنی قانونی ملکیت میں جتنی دولت بھی رکھتے ہوں اس پر زکوٰۃ کی

Marfat.com

ادائیگی امن کی انفرادی ذمہ داری ہے جس کے لئے وہ اللہ تعالیٰ اور مسلم قوم کے سامنے جواب دہ ہے۔

مشترکہ کاروبار کے نتیجے میں پیدا شدہ مشترکہ ذمہ داری کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان انفرادی ذمہ داری سے مستثنیٰ رہتا ہے بلکہ اس کا نتیجہ دگنی ذمہ داری ہوتی ہے کیونکہ ہر شریک کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے دوسرے ساتھیوں کا محاسبہ کرے اور اگر ضرورت پڑے تو قرآن پاک میں ہر مسلم پر جو فرائض عائد کئے گئے ہیں انہیں پورا کرنے پر مجبور کرے۔ اسلامی ادارۂ نکاح مشترکہ ذمہ داری کی سب سے مکمل مثال پیش کرتا ہے۔

ان صفحات میں اسلامی قانون نکاح کی تفصیلات کا بیان مقصود نہیں لیکن اس پر روشنی ڈالنا اس لئے ضروری ہے کہ اسلام میں نکاح سے پیدا شدہ معاشی پہلو پر قانون زکوٰۃ کس طرح اثر انداز ہوتا ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اسلامی نکاح عملی شراکت اور مشترکہ ذمہ داری کی سب سے عمدہ مثال ہے۔ شراکت اور مشترکہ ذمہ داری کا ضروری پہلو یہ ہے کہ شریک کار جو نکاح کی صورت میں میاں بیوی ہوتے ہیں ایک دوسرے سے صلاح مشورہ کریں۔ مشترکہ مفادات کے بارے میں مسلمانوں کو ایک دوسرے سے صلاح مشورہ کی ضرورت قرآن پاک کا حکم ہی ہے۔ حتیٰ کہ قرآن پاک کی طرف سے عائد کردہ یہ فرض انسانی کامیابی کا ایک یقینی ذریعہ ہے۔

وما عند اللہ خیر و ابقی للذین اٰمنوا وعلی ربھم یتوکلون ۝
والذین استجابوا لربھم واقاموا الصلوٰۃ وامرھم شوریٰ
بینھم ومما رزقنٰھم ینفقون ۝

۔۔۔ اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور پائیدار تر ہے (یہ سب کچھ) ان (لوگوں) کے لئے ہے جو ایمان رکھتے ہیں اور اللہ پر توکل کرتے ہیں ۝ ۔۔۔ اور جو لوگ اپنے رب کے

Marfat.com

احکام قبول کرتے ہیں اور پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور ان کے تمام کام باہمی مشورے سے ہوتے ہیں اور ان کو جو کچھ ہم نے دے رکھا ہے اس میں سے (دوسروں کو بھی) دیتے ہیں ٥

(سورہ الشوریٰ : آیات نمبر ۳۶ اور ۳۸)

مندرجہ ذیل قرآنی آیت میں بھی خاوند اور بیوی کے درمیان باہمی مشورے کی تاکید کی گئی ہے :

فان ارادا فصالاً عن تراضٍ منهما وتشاورٍ فلا جناح عليهما ط

۔۔۔۔ اور اگر دونوں (خاوند اور بیوی باہمی) اپنی رضامندی اور آپس کے) مشورے سے (اپنے بچے کا) دودھ اس سے پہلے ہی چھڑا دینا چاہیں تو کچھ گناہ نہیں ۔۔۔۔ ٥

(سورۃ البقرہ : آیت نمبر ۲۳۳)

قانونِ اسلام، شادی کے صرف معاشی پہلو کی حد تک، خاوند پر اس کی ذات اور اس کی بیوی اور بچوں کی تمام جائز مادی ضروریات فراہم کرنے کا فرض عائد کرتا ہے۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ من النساء الا ما ملكت ايمانكم ج كتب الله عليكم ج واحل لكم ما ورآء ذلكم ان تبتغوا باموالكم محصنين غير مسافحين ط فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن فريضة ط ولا جناح عليكم فيما تراضيتم به من بعد الفريضة ط ان الله كان عليماً حكيماً ٥

۔۔۔۔ اور (اوپر جن رشتہ دار عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے نکاح منع ہے) ان کے سوا تمہارے (مردوں کے) لئے سب (مومن) عورتیں حلال ہیں، بشرطیکہ ان سے فائدہ (یعنی حظ اور آرام و سکون) اٹھانا مہر کے ساتھ ہو، تمہیں پاک دامنی ملحوظ

Marfat.com

ہو۔ شہوت رانی مقصود نہ ہو۔ پھر جیسے تم نے ان سے فائدہ
اٹھایا تو ان کا مفروضہ مہر بھی ادا کر دو۔ ہاں تم پر کوئی گناہ نہیں
اگر مفروضہ مہر پر تمہاری باہمی رضامندی ہو جائے۔ بے شک
اللہ بڑا ہی علم و حکمت والا ہے ٥
(سورۃ النساء : آیت نمبر ۲۴)

مذکورہ بالا قرآنی آیت اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ نکاح کے بعد خاوند کی موجودہ دولت اور بعد کی کمائی دونوں میاں بیوی کی مشترکہ جائیداد ہے۔ اس لئے اس دولت پر دونوں کی مشترکہ ذمہ داری ہے اس طرح قائم ہونے والی معاشی شراکت مطلق اور مکمل ہے۔ اور اس وقت تک رہتی ہے جب تک کہ عقدِ نکاح باقی ہے۔ یعنی جب تک کہ اسے طلاق کے ذریعے نہ توڑ دیا جائے یا موت سے اس کا وجود نہ ختم ہو جائے۔

بیوی کو اپنے خاوند کی زندگی میں دولت اور ذمہ داریوں میں عملی شریک کار کی حیثیت سے (قرآن پاک کے مطابق کہ دونوں میاں بیوی باہمی صلاح و مشورے سے کاروبارِ حیات چلائیں) نہ صرف حق حاصل ہے بلکہ وہ مجبور ہے کہ ان کے تمام امور کے انتظام میں عملی دلچسپی لے کیونکہ اب یہ تمام امور عقدِ نکاح کی وجہ سے باہمی تعلق بن گئے ہیں۔ اس کا یہ فرض ہے کہ وہ ہمیشہ محتاط رہے کہ ان کی دولت جائز و حلال ذریعے سے حاصل ہو۔ اور جائز و حلال طور پر خرچ ہو۔ اگر بیوی خود ہی بے ایمانی پر عمل کرے، ذخیرہ اندوزی کرے یا مال کا اسراف کرے، یا خاوند کے ایسا کرنے میں اس کی حوصلہ افزائی کرے۔ یا یہ کہ اس سے چشم پوشی کرے تو وہ اور اس کا خاوند دونوں ہی مجرم ہوں گے۔ اور دونوں پر احکام خداوندی کی خلاف ورزی کا برابر اطلاق ہوگا۔

.... وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان

Marfat.com

واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب ○

.....نیک کام اور تقویٰ ، خدا کی اطاعت و فرمان برداری میں ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور تعدّی و زیادتی میں مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو (تقویٰ اختیار کرو) بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے ○ (سورۃ المائدۃ، آیت نمبر ۲)

مندرجہ بالا احکام کی روشنی میں جب تک عقدِ نکاح باقی ہے، جو دولت خاوند کما کر لاتا ہے وہ عقدِ نکاح کی بنا پر، میاں بیوی دونوں کی مشترکہ جائداد قرار پاتی ہے اور اسے غیر منقسم یا مطلق شراکت کا عنوان دیا جاتا ہے۔ چنانچہ قانوناً زکوٰۃ کے واجبات، دونوں شریکوں کی طرف سے خاوند کو، اور اس کی غیر حاضری، بیماری یا کسی اور سبب سے ناقابل ہونے کی صورت میں یا کسی اور وجہ سے جبکہ وہ خود ادا کر نہ سکتا ہو یا وہ ان واجباتِ زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کا مجرم ہو، تو بیوی کو مشترکہ دولت میں سے دینا چاہیئے۔

ذیل میں آنحضرتؐ کی حدیث میں میاں بیوی کے درمیان عقد نکاح سے پیدا ہونے والی شراکت پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے۔ اور اس کی اہمیت بتلائی گئی ہے۔

یحییٰ بن یحییٰ اور زہیر بن حرب اور اسحاق بن ابراہیم ان تینوں نے جریر سے روایت کی ہے، یحییٰ نے کہا: ہمیں جریر نے منصور سے سن کر، انہوں نے شفیق سے سن کر اور انہوں نے مسروق سے سن کر ہمیں بتلایا: مسروق نے عائشہ رضؓ سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: جب ایک عورت، بغیر برائی کی نیت کے، اپنے گھر کے کھانے پینے کی چیزوں سے (بطور خیرات) خرچ کرتی ہے۔ تو اس کو اچھا اجر ملے گا اس لئے کہ اس نے خرچ کیا، اور اس کے خاوند کو بھی اس کا اجر ملے

Marfat.com

گا اس لئے کہ اس نے اس کھانے پینے کو حاصل کرنے کے لئے مال کمایا۔ ایک کا ثواب دوسرے کے ثواب کو کسی طرح کم نہیں کر دیتا۔ (روایت امام مسلم اور امام بخاری)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بیوی اس مال میں سے جس میں وہ اپنے خاوند کے ساتھ شریک ہے [1] خیرات دے سکتی ہے۔ چونکہ واجبات زکوٰۃ کی

---

[1] ۔ نکاح کی وجہ سے بیوی شوہر کی ملکیت میں شریک ملکیت نہیں ہوتی بیوی کو شریک ملک قرار دینا دین میں خالص افترا اور قرآن و حدیث کے خلاف صریح بہتان ہے بیوی کو بقدر نان و نفقہ و ضرورت کی اخراجات خرچ کرنے کا اختیار تو ہوتا ہے لیکن املاک میں شریک ہرگز نہیں ہوتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جس حدیث کو پیش کیا گیا ممکن ہے مضمون نگار نے علم حدیث اور لغت عربی اور مفہوم حدیث کو سمجھا ہی نہیں یا بڑا دجل و فریب سے کام لیا ہے۔ اولاً اس لئے کہ حدیث میں اذا تصدقت او اطعمت من بیت زوجها غیر مفسدہ کا لفظ بھی ہے۔ کذا فی البخاری ص ۱۹۳/۱۹ شاہ حسین بخاری نے اس کی شرح میں لکھا ہے ای باذنہ نصاً او دلالۃ یعنی عورت نے اگر بدون کسی زیادتی شوہر کی صریح یا کنائی اجازت سے شوہر کے مال سے صدقہ کیا اور کھانا کھلایا تو اس کو اور شوہر دونوں کو اجر ملے گا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حدیث وللخازن مثل ذالک کا جملہ بھی ہے یعنی خازن (خزانچی) نے اگر مالک کے مال سے صدقہ کیا یا کھلایا اسے بھی اجر ملے گا۔ اور مالک کو بھی مضمون نگار سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا خزانچی مالک کے مال اور دولت میں شریک ہوتا ہے نہیں تو اس کو بھی حدیث میں صدقہ کرنے اور کھانا کھلانے کا حق دیا گیا ہے تو اس کا کیا جواب ہوگا۔ ظاہر ہے خزانچی اور خازن کو مالک کی اجازت سے جس طرح صدقہ یا کھانا کھلانا کا اختیار ہوتا ہے اسی طرح بیوی کو بھی اختیار ہوتا ہے اس سے بیوی کی شرکت فی الاملاک لازم نہیں آتی۔ لہٰذا نکاح کی وجہ سے شوہر کی دولت میں شریک ہونے کا دعویٰ محض ایجاد بندہ ہے۔ (سید محمد عبد السلام)

Marfat.com

ادائیگی خیرات کا لازمی و ضروری جز ہے اور اس کی، اور اس کے خاوند کی ایک بنیادی ذمہ داری ہے جس کو پورا کرنے کے لئے دونوں برابر کے جواب دہ ہیں، اس لئے وہ عام خیرات سے زیادہ قانوناً زکواۃ کے مشترکہ واجبات ادا کرنے کی حقدار ہیں خصوصاً اگر خاوند غیر حاضر ہو یا زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کا مجرم ہو۔[1]

اسلامی عقدِ نکاح تعاون اور مشترکہ ذمہ داری کی مکمل ترین مثال ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ خاوند خاندان کی گزران کے لئے کسب دکمائی کی طرف توجہ دے اور بیوی گھریلو امور کے انتظام میں مستعد و ذمہ دار ہو۔ بحیثیت مشترکہ دولت کی ذمہ دار[2] منتظمہ کے اس کا یہ اہم بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ اس میں سے وقت پر، صحیح حساب کرکے زکوٰۃ کے واجبات ادا کرے۔

واکتب لنا فی ھٰذہ الدنیا حسنۃً وّ فی الاٰخرۃ انا ھدنآ الیک ؕ قال عذابی اصیب بہٖ من اشآء ۚ ورحمتی وسعت کل شیء ؕ فساکتبھا للذین یتقون ویؤتون الزکوٰۃ والذین ھم باٰیتنا یؤمنون ۝

۔۔۔ اور میری رحمت میں سب کی گنجائش ہے۔ پس میں اپنی رحمت کو ان لوگوں کے لئے واجب کرتا ہوں، لکھے دیتا ہوں۔ جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور زکوٰۃ دی اور ان لوگوں کے لئے جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ۝

(سورۃ الاعراف: آیت نمبر ۱۵۶)

---

[1] ۔ خاوند اگر زکوٰۃ نہیں دیتا تو قانوناً و شرعاً خاوند ہی جواب دہ ہے۔ بیوی قانوناً و شرعاً بالکل جوابدہ نہیں ہے اور اس میں کسی امام کا اختلاف بھی نہیں ہے۔

[2] ۔ بحیثیت مشترکہ دولت کی اصطلاح غلط ہے بلکہ بحیثیت امین و محافظ دولت حفاظت کی ذمہ دار ہے۔

Marfat.com

جزو دوم

زکوٰۃ کی شرحیں اور فرضیت زکوٰۃ کی حدود

وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۔

(۷۰ : ۲۴، ۲۵)

نصاب، اور زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے

قرآن پاک کی مندرجہ ذیل سورۃ المعارج کی آیتوں نمبر ۲۴ اور ۲۵ سے واضح ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مستحکم شرحوں کا تعین ایک قرآنی اصول ہے۔

والذین فی اموالھم حقٌ معلومٌ ہ للسّآئل والمحروم ہ

اور وہ لوگ جن کے مالوں میں معلوم حق لگا ہوا ہے (یعنی زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور جس حساب سے زکوٰۃ دی جاتی ہے وہ شرعاً معلوم اور معین ہے ہ (یہ مال دیا جاتا ہے) مانگنے والے اور محروم (نہ مانگنے والے) دونوں کو ہ

(سورۃ المعارج : آیات نمبر ۲۴ اور ۲۵)

تاہم قرآن پاک میں صرف مالِ غنیمت کے بارے میں یہ حکم آیا ہے کہ اس کا پانچواں (یعنی بیس فی صد) حصہ راہ خدا میں دیا جائے اور زکوٰۃ کی عام شرحوں کی بابت قرآن پاک میں واضح الفاظ میں کہیں ذکر نہیں ہے اور اس لئے ہم کو تاریخ اسلام کے مسلمہ سرچشمے صحیح احادیث نبوی کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا۔ تاکہ رسولِ کریمؐ کی مقرر کردہ زکوٰۃ کی اصل شرحیں اور فرضیتِ زکوٰۃ کی حدود جان سکیں۔ اور ان کی وجوہات سمجھ سکیں۔

اسلام کی اہم درس گاہ فقہ (یعنی فقہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) نے

Marfat.com

غالباً احادیثِ نبوی کی روشنی میں قانونِ زکوٰۃ کو مستنبط کیا ہے۔ ادائیگیٔ زکوٰۃ کے طریقہ کے بارے میں، فقہائے کرام کے درمیان جو کچھ اختلاف رائے پایا جاتا ہے وہ دراصل صرف احادیثِ نبوی سے ماخوذ بنیادی قواعد کی مختلف تشریحات پر مبنی ہے اور بڑی حد تک فرضیتِ زکوٰۃ کی حدود مقرر کرنے کے طریقوں سے متعلق ہے۔ ان میں سے دو بنیادی اختلاف خاص طور پر اہمیت کے حامل ہیں۔ اور درج ذیل نکات پر مبنی ہیں۔

۱۔ قابلِ زکوٰۃ زرعی پیداوار کے متعلق جب کہ عشری زمین کی ہو فقہ حنفی اس خیال کا حامی ہے کہ ہر مقدار پر زکوٰۃ عائد ہونی چاہیئے خواہ وہ زیادہ ہو یا کم یعنی اس میں نصاب کی پابندی تسلیم نہیں کی جاتی۔ لیکن فقہائے شافعی اور مالکی، نیز امام ابو یوسف، امام محمد بن الحسن، امام غزالی اور دوسرے آئمہ کرام زرعی پیداوار کے لیئے احادیثِ نبوی میں مذکورہ نصاب کو تسلیم کرتے ہیں۔ دوسری طرف نقد رقم کے لیئے تمام فقہائے کرام احادیثِ نبوی میں مقرر کردہ نصاب کو تسلیم کرتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے چند ایک جن میں امام شافعی، امام مالک، امام سفیان الثوری، امام ابو یوسف، امام محمد بن الحسن اور دوسرے آئمہ بھی شامل ہیں۔ اس رائے کی وکالت کرتے ہیں کہ جو کچھ رقم نصاب کے کم از کم برابر ہو اسی پر زکوٰۃ نافذ ہونی چاہیئے۔ اور بعض دوسرے فقہا، امام ابو حنیفہ سے اس معاملے میں اتفاق کرتے ہیں کہ نقد رقم پر بھی چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی طرح فرضیتِ زکوٰۃ کی حدود معین ہونی چاہئیں۔

۲۔ جو فقہائے کرام احادیثِ نبوی میں مقرر کی ہوئی فرضیت کی حدود کے پیمانے کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔ وہ بھی اس پر متفق نہیں ہیں کہ جو حدود مقرر کر دی گئی ہیں ان کے معینہ رقموں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ رکھا جائے یا نہیں۔

مذکورہ بالا دونوں اہم امور کو اسلامی انصاف کی رو سے، صحیح قرار دینے کے لیئے از بس ضروری ہے کہ احادیثِ نبوی کی طرف رجوع کیا جائے تاکہ رسولِ کریمؐ کے

زمانے میں قانونِ زکوٰۃ کا طریقۂ عمل اور اس کی غایت و مقصد کا اندازہ کیا جا سکے۔
مذکورہ آیت کے مطابق قرآن پاک میں خاص طور پر تصریح ہے کہ حاجتمندوں کا حصہ یعنی (زکوٰۃ) تسلیم کیا جانا چاہیئے۔ یعنی اس کی وضاحت قانونی طور پر کرنی چاہیئے۔ اسی لئے "حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ" کہا گیا ہے۔ اس تصریح سے ادائیگی زکوٰۃ کے لئے مستحکم شرحیں مقرر کرنے کی ضرورت صاف عیاں ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ فرضیت زکوٰۃ کی شرحیں رسول کریمؐ کو خود مقرر کرنی اور اپنے پیروکاروں کو سکھانی تھیں۔ درحقیقت، فرض زکوٰۃ کی مثال فرض نماز کے مشابہ ہے جس کی تفاصیل قرآن پاک کی عبارت میں موجود ہیں اور خود رسول کریمؐ کی تعلیم سے واضح ہیں۔
جب اس مسئلے کا جائزہ لیا جائے کہ آیا زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے نصاب مقرر ہونا چاہیئے یا نہیں۔ جس سے کم کسی بھی دولت کی مقدار، مالیت یا تعداد زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے تو یہ بالکل واضح طور پر یاد رکھنا چاہیئے کہ زکوٰۃ کا مقصد حاجتمندوں کی مدد و تحفظ ہے۔ قرآن پاک کے الفاظ میں زکوٰۃ سائل اور محروم کا معلوم اور متعین حق ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث اس قرآنی اصول کی روح کی پوری عکاسی کرتی ہے۔

> ابوعاصم الضحاک بن مخلد نے ہم سے روایت کی۔ اسے زکریا بن اسحاق نے بتایا۔ جسے یحییٰ بن عبداللہ بن صیفی نے بتلایا۔ انہیں ابومعبد نے عبداللہ بن عباسؓ سے سن کر روایت کیا کہ جب نبیؐ نے معاذؓ (بن جبل) کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا، تو آپؐ نے فرمایا: "وہاں کے باشندوں کو دعوتِ اسلام دو کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں، اور اگر وہ یہ مان لیں (کلمہ طیبہ پر ایمان لے آئیں) تو پھر انہیں بتلاؤ کہ اللہ نے ان پر ہر دن و رات میں پانچ مرتبہ نماز پڑھنا فرض کیا ہے، اور اگر

Marfat.com

وہ یہ مان لیں تو پھر انہیں بتلاؤ کہ اللہ نے ان کے اموال پر صدقہ (یعنی زکوٰۃ) فرض کیا ہے جو ان (مسلمانوں) کے امیروں سے لیا جائے گا۔ اور ان کے بے نوا وغریبوں میں واپس دیا جائے گا۔ (روایت امام بخاری)

فقہ حنفی کی دلیل کہ جس کے مطابق زرعی پیداوار کے لئے کوئی نصاب تسلیم نہیں کیا جاتا، یعنی زرعی پیداوار پر زکوٰۃ ضرور عائد کی جائے خواہ اس کی مقدار کتنی ہی ہو۔ قرآن پاک کی ان ذیل آیات پر مبنی ہے[ل]

یایھا الذین آمنوا انفقوا من طیبت ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض و لا تیمموا الخبیث منه تنفقون ولستم باخذیه الا ان تغمضوا فیه واعلموا ان اللہ غنی حمید ٥

اے ایمان والو! تم (خدا کے نام پر) خیرات کرو تو اپنی اچھی کمائی میں سے دو۔ اور اس چیز میں سے دو جس کو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا اور خبیث و ناکارہ چیزوں کے دینے کا ارادہ نہ کرو۔ تم ناکارہ چیز کو نہیں لیتے مگر یہ کہ تم اس میں چشم پوشی کر جاؤ اور خوب جان جاؤ کہ اللہ بے نیاز ہے (بے پرواہ ہے) مستحق حمد و ثنا ہے ٥ (سورۃ البقرۃ: آیت نمبر ۲۶۷)

ل۔ حنفیہ نے عشری زمین میں سے عشر لینے کا نصاب مقرر نہ کرنے کی دلیل آیات مذکورہ سے نہیں لی کیونکہ آیات مذکورہ میں زرعی زمین کے عشر کے بارے میں کوئی تذکرہ نہیں ہے بلکہ حنفیہ اس بارے میں بخاری کی روایت عبداللہ بن عمر کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ جو زمین بارانی اور نہروں کے پانی سے سیراب کی گئی۔ اس میں دسواں حصہ اور جو زمین سینچنے کے ذریعہ سیراب کی گئی اس میں بیسواں حصہ نصف عشر ہے اور یہ حدیث عام ہے اس میں کوئی نصاب مقرر نہیں ہے اور حدیث زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کے بارے میں ہے۔

وَھُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُکُلُہٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِھًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِہٍ کُلُوْا مِنْ ثَمَرِہٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّہٗ یَوْمَ حَصَادِہٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝

اور وہی تو ہے جس نے باغ پیدا کئے، چھتری دار اور بے چھتری اور درخت خرما اور زراعت مختلف قسم کے مختلف مزہ کے اور زیتون اور انار آپس میں ملتے جلتے اور نہ بھی ملتے جلتے جب یہ درخت پھلیں تو ان کے پھل کھاؤ اور کھیتی کاٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو (غریب لوگوں کو اس پر عائد کی ہوئی زکوٰۃ ادا کرو) اور اسراف ہرگز نہ کرو۔ اللہ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۝

(سورۃ الانعام : آیت نمبر ۱۴۱)

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں سے پہلی صرف زکوٰۃ کی ادائیگی کے بارے میں نہیں بلکہ انسانی ہمدردی اور عام خیرات دینے سے متعلق ہے اور نہ ہی دوسری آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ فصل کی مقدار کو پیش نظر رکھے بغیر، پوری حاصل شدہ فصل پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہے۔ مسلمانوں کو جو حکم دیا گیا ہے، یعنی کھیتی کاٹنے کے دن اس کا حق (زکوٰۃ کے واجبات) ادا کرو۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ اس حکم کا اطلاق ان فصلوں پر ہوتا ہے جو کچھ اہمیت کی حامل ہیں اور نہ ہی یہ کہ بغیر کسی امتیاز و تفریق کے چھوٹی بڑی ہر مقدار فصل پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔

چونکہ زکوٰۃ حاجتمند مسلمانوں کا شرعی حق ہے۔ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ غیر اتفاقی طور پر حاصل شدہ قابل زکوٰۃ دولت کے لئے ایک نصاب مقرر کر دیا جائے تاکہ زکوٰۃ کے نفاذ سے محدود سرمایہ والے مسلمانوں کی تھوڑی املاک متاثر نہ ہوں اور ان کو حکم الٰہی کو پورا کرنے میں کسی طرح کی پریشانی نہ ہو اگر ایسی احتیاط نہ کی جائے تو زکوٰۃ کا اصل مقصد ہی برباد ہو کر رہ جائے گا۔ سورۃ الغافر کی آیت

Marfat.com

نمبر ۳۱ میں بیان ہے۔

وما اللہ یرید ظلمًا للعباد ٥

۔۔۔۔ اور اللہ تو اپنے بندوں پر کسی قسم کا ظلم روا نہیں رکھتا ٥

(سورۃ المومن : آیت نمبر ۳۱)

چنانچہ نصاب میں مسلمانوں کی عام اور معقول جائز ضروریات زندگی کا لازمی لحاظ رکھا جانا چاہیئے اور دولت کے اس حصے کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا جانا چاہیئے۔ قابل زکوٰۃ دولت کے لئے نصاب اس طرح مقرر ہونا چاہیئے کہ کم ذرائع والے مسلمان کو اپنی دولت کے ایک حصے کا ایثار کرنے سے بے جا تکلیف نہ ہو۔ یہ اصول خاص کر زرعی پیداوار پر نفاذ زکوٰۃ کے وقت پیش نظر ہونا چاہیئے۔ جب ہو سکتا ہے کہ ایک کم مقدار فصل قانونی مالک اور اس کے خاندان کی پرورش کا واحد ذریعہ ہو۔ اس لئے ایک شخص اپنے آپ کو امام ابوحنیفہ سے مختلف الرائے ہونے پر مجبور پاتا ہے جو زرعی پیداوار کے لئے کوئی نصاب تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ قرآن پاک ہر مسلمان پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے وہ دولت خرچ کرے جو اس کی جائز ضروریات کی تکمیل کے بعد بچ رہے۔

ویسئلونک ماذا ینفقون ۃ قل العفو ط کذلک یبین اللہ لکم الایٰت لعلکم تتفکرون ٥

۔۔۔۔ (لوگ) تم سے پوچھتے ہیں کہ (راہ خدا میں) کیا صرف کریں تم کہو : زائد از ضرورت (یعنی جو کچھ تمہاری جائز ضروریات پوری ہونے کے بعد فاضل دولت ہے) ٥ (سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۱۹)

وما جعل علیکم فی الدین من حرج ط

۔۔۔۔ اور تم پر دین میں کوئی تنگی، کوئی سختی، روا نہیں رکھی جاتی۔ (سورۃ الحج : آیت نمبر ۷۸)

اس لئے اسلامی انصاف کی روح کے یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ زرعی

پیداوار کے لئے احادیثِ نبوی میں مقرر شدہ نصاب کو قائم و برقرار رکھا جائے۔
وہ اہم احادیث جن پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے نصاب کی بنیاد رکھی گئی ہے۔
مندرجہ ذیل ہیں:

عمرو بن محمد بن بکیر الناقد نے ہمیں کہا کہ انہیں سفیان بن عیینہ نے کہا کہ: میں نے عمرو بن یحییٰ بن عمارۃ سے پوچھا، تو اس نے اپنے والد کی روایت سے یہ بیان کیا، جس نے ابو سعید الخدری سے سنا جنہوں نے نبیؐ سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا: پانچ اوسق (یعنی پانچ اونٹ بوجھ)[1] سے کم پر کوئی صدقہ (الفرض یعنی زکوٰۃ) نہیں اور پانچ اونٹوں سے کم تعداد کے گلے پر بھی کوئی صدقہ (الفرض یعنی زکوٰۃ) نہیں اور پانچ اواق (چاندی کے پانچ اوقیہ کا وزن ۶۲ $\frac{22}{21}$ تولے یا ۷۲۶ گرام سے کم پر کوئی صدقہ (الفرض یعنی زکوٰۃ) نہیں ہے۔ (روایت امام مسلم)

اس حدیث کو امام بخاری نے ان اسناد سے روایت کیا ہے: اسحاق بن یزید سے، جس نے شعیب بن اسحاق سے سنا، جس نے الاوزاعی سے سنا۔ جس نے یحییٰ بن ابی کثیر سے سنا جس نے عمرو بن یحییٰ بن عمارہ سے سنا جس نے یحییٰ بن ابی الحسن سے سنا، جس نے ابی سعید الخدریؓ سے سنا۔

ابو سعید الخدریؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: کھجوروں اور غلے کے پانچ اوساق[2] سے کم پر صدقہ (فرض یعنی زکوٰۃ) نہیں ہے (روایت امام مسلم)

ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا غلے اور کھجوروں

---

[1] ۔ ۵ اوسق ۲۴ من یا ۱۲۰۰ سیر یا تقریباً ۶۸۵ کلوگرام کے برابر وزن رکھتے ہیں۔

[2] ۔ "اوسق" اور "اوساق" دونوں لفظ "وسق" کے جمع ہیں "وسق" ایک اونٹ بوجھ ہے۔

Marfat.com

پر اس وقت تک صدقہ الفرض (یعنی زکوٰۃ) نہیں لیا جا سکتا جب تک کہ وہ پانچ اوسق (یعنی پانچ اونٹ بوجھ) کے برابر نہ ہو جائیں اور پانچ اونٹوں کے گلے سے کم تعداد پر بھی صدقہ (الفرض یعنی زکوٰۃ) عائد نہیں ہوتا ہے۔ اس طرح پانچ اواق چاندی سے کم پر بھی صدقہ (فرض یعنی زکوٰۃ) نہیں۔ (روایت امام مسلم)

(روایت ہے کہ) جابر بن عبداللہ نے رسول اللہ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: پانچ اواق (چاندی) سے کم پر صدقہ (فرض، یعنی زکوٰۃ) نہیں لیا جا سکتا، اور پانچ اونٹوں سے کم تعداد والے گلے سے بھی صدقہ (فرض یعنی زکوٰۃ) نہیں لیا جا سکتا۔ اور کھجوروں کے پانچ اوسق (یعنی پانچ اونٹ بوجھ) سے کم پر بھی صدقہ (فرض یعنی زکوٰۃ) نہیں لیا جا سکتا۔ (روایت امام مسلم)

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے اور اسی کو دار قطنی نے عبدالکریم کی روایت سے لیا ہے جس نے عمرو بن شعیب سے سنا اور اس نے والد سے، جس نے اپنے دادا سے، سنا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: پانچ اونٹوں سے کم تعداد کے گلے پر کوئی (زکوٰۃ) نہیں اور چالیس بھیڑوں یا بکریوں سے کم تعداد پر (زکوٰۃ) نہیں اور بیس مثقال سونے سے کم پر کوئی (زکوٰۃ) نہیں اور دو سو (چاندی کے) درہموں سے کم پر (زکوٰۃ نہیں اور (زرعی پیداوار کے) پانچ وسق سے پانچ اونٹ بوجھ سے کم پر (زکوٰۃ) نہیں، اور کھجور، اور کشمش اور گندم اور جو پر عشر (یعنی دسواں حصہ زکوٰۃ) ہے اور جن فصلوں کو قدرتی ذرائع سے سیراب کیا جاتا ہے (مثلاً بارش دریا وغیرہ) ان پر دسواں حصہ (یعنی عشر یا دس فی صد زکوٰۃ) ہے۔ اور جن فصلوں کو صنعتی طریقے سے سیراب کیا جاتا ہے

Marfat.com

ان پر عشر کا نصف (یعنی پانچ فی صد زکوٰۃ) ہے۔

(روایت امام بخاری)

مذکورہ بالا احادیث میں نقد قیمت، چراگاہ میں چرنے والے چھوڑے ہوئے پالتو مویشی اور زرعی پیداوار پر زکوٰۃ کے نصاب معلوم ہوتے ہیں۔ ان تین قابل زکوٰۃ انواع دولت میں سے دو یعنی نقد قیمت اور چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں پر وہ قانون نافذ ہوتا ہے جس کے مطابق زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے سال ملکیت کی شرط لازمی ہے۔

تیسری نوع، یعنی زرعی پیداوار پر یہ قانون نافذ نہیں ہوتا۔ اور اس بارے میں غور کرنا خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ اس نوع کی قابل زکوٰۃ دولت کے لئے رسول کریم ؐ نے پانچ وسق مقدار کو بطور نصاب مقرر کیا ہے۔ جو تقریباً ۱۵۶۸ کیلو گرام یا ۴۲ من یا ۱۶۸۰ سیر کے برابر ہوتا ہے۔ مدنی نظام کے مطابق ایک اونٹ بوجھ ۶۰ صاع وزن ہوتا ہے، جو ۳۱۲ کیلو گرام یا ۳۳۶ سیر کے برابر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زرعی پیداوار کا نصاب ایسا رکھا گیا ہے کہ کم فصلوں والوں کو زکوٰۃ کی ادائیگی سے کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ اگر اناج کی یہ قسم زکوٰۃ دینے والے کی خاص غذا ہو تو بھی اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد اس کے پاس اس کے اور اس کے خاندان کے لئے سال بھر کھانے کے لئے کافی مقدار بچ رہتی ہے۔ مثلاً تقریباً ۱۵۶۸ کیلو گرام میں سے دس فی صد زکوٰۃ نکال دینے کے بعد تقریباً ۱۴۱۱ کیلو گرام (یعنی ۴۲ من یا ۱۶۸۰ سیر منفی دس فی صد مساوی ۳۷ من ۳۲ سیر یا ۱۵۱۲ سیر) بچ رہتے ہیں اور یہ ایک خاندان کے لئے اوسطاً روزانہ ۳.۸۶۰ کیلو گرام یا ۴.۱۴ سیر کے حساب سے معقول حصہ ہے۔

دوسرا اہم نقطہ جس پر فقہائے کرام کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے یہ ہے کہ کیا نقد قیمت اور چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کے لئے فرضیت زکوٰۃ کی حدود کا پیمانہ متعین ہونا چاہیئے۔ یا نہیں، جس سے مقررہ کردہ

حدود کے اندر زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے آ جائیں۔

نقد قیمت سے متعلق امام شافعی، امام مالک، امام ابو یوسف امام محمد بن الحسن اور امام غزالی کی رائے ہیں، اس مالیت پر زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے جو نصاب سے زیادہ ہے۔ لیکن جہاں تک مویشیوں کا تعلق ہے، سوائے امام محمد بن الحسن کے مذکورہ سب آئمہ امام ابو حنیفہ سے متفق الرائے ہیں کہ فرضیت زکوٰۃ کی حدود کے پیمانے کا تعین ہونا چاہیئے جن کے درمیان زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے ہوں امام محمد بن الحسن اور امام ظفر، دولت کی تمام انواع کے لئے زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نصاب سے زیادہ دولت کی جو کچھ بھی مقدار مالیت، یا تعداد ہو۔ اس پر زکوٰۃ عائد ہونی چاہیئے۔

نقد قیمت اور چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کے لئے زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے مقرر کرنے کے حق میں درج ذیل تاریخی نظائر پیش کی جاتی ہیں۔

(الف) حضرت معاذؓ بن جبل کو ۹ھ میں یمن کا عامل مقرر کرتے کے وقت جو ہدایات رسول کریمؐ نے دی تھیں:

معاذؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہؐ نے انہیں یمن بھیجا تو آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ وہ کسروں (یعنی زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفوں) پر کچھ (زکوٰۃ) نہ لیں (آپؐ نے فرمایا) جب چاندی کا وزن دو سو درہم ہو تو اس میں سے پانچ درہم (بطور زکوٰۃ) لے لو اور جو اس سے زیادہ ہو تو اس میں سے (زکوٰۃ) مت لو جب تک کہ چالیس درہم کا وزن نہ ہو۔ اور اگر (مزید وزن) چالیس درہم تک پہنچے، تو وہ ان میں سے (اور پھر ہر چالیس درہم میں سے بھی) ایک درہم اور لے لو۔ (روایت امام العینی)

رسول اللہؐ نے معاذؓ سے فرمایا، گائے بیلوں (پر، نفاذ زکوٰۃ

Marfat.com

کے وقت ان) کے لئے مقرر شدہ "اوقاص [1]" (یعنی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ونقصوں) سے کوئی زکوٰۃ مت لو۔ (روایت امام العینی)

(ب) حضرت عمرو بن حزم کو یمن کا عامل مقرر کر کے بھیجتے وقت جو ہدایات رسول اللہ نے انہیں لکھی تھیں:

ابو اویس نے ابوبکر بن عمرو بن حزم کے دونوں بیٹوں عبداللہ اور محمد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے والد (ابوبکر) سے اور انہوں نے ان دونوں کے دادا (عمرو بن حزم) سے روایت کی ہے کہ جب نبیؐ نے عمرو بن حزم کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا، تو انہیں زکوٰۃ کے بارے میں یہ ہدایات لکھ کر دیں۔ (چاندی پر) اس وقت تک نفاذِ زکوٰۃ نہیں ہے جب تک کہ وہ دوسو درہم تک نہ پہنچ جائے لیکن جب وہ دو سو درہم ہو جائے تو اس پر پانچ درہم (بطور زکوٰۃ دیئے جائیں گے) اور جو مقدار اس سے زیادہ ہے اس میں ہر چالیس درہموں پر ایک درہم (بطور زکوٰۃ دیا جائے گا) اور جو مقدار چالیس درہم سے کم ہو، اس پر صدقہ (فرض یعنی زکوٰۃ عائد) نہیں (کی جائے گی) (روایت امام العینی)

(ج) حضرت ابوموسیٰؓ الاشعری اور حضرت انسؓ کو زکوٰۃ کی مالیات کا انتظام والصرام تفویض کرتے وقت جو ہدایات خلیفۂ دوم عمرؓ بن الخطاب نے انہیں لکھی تھیں۔

ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمٰن بن سلیمان سے اور انہوں نے عاصم الاحول سے اور انہوں نے حسن البصری سے روایت کی ہے: انہوں نے کہا:

---

[1] "اوقاص" وقص کی جمع ہے، کم اور نقصان کے معنی میں آتا ہے اور یہ اصطلاح زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقصوں کے لئے بھی استعمال کی جاتی ہے۔

Marfat.com

عمرؓ نے ابو موسیٰؓ (الاشعری) کو لکھا: اور جو کچھ دو سو درہم (کی مقدار) سے زائد ہو تو اس سے ہر چالیس درہم پر ایک درہم (بطور زکوٰۃ لی جائے)

(روایت امام العینی)

ابو عبید القاسم بن سلام نے "کتاب الاموال" میں روایت کی ہے کہ یحییٰ بن بکیر نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے لیث بن سعد سے اور انہوں نے یحییٰ بن ایوب سے اور انہوں نے حمید سے اور انہوں نے انسؓ سے روایت کی۔ (انسؓ نے) کہا: عمرؓ بن الخطاب نے مجھے صدقات (فرض، یعنی زکوٰۃ) کا والی مقرر کیا اور مجھے حکم دیا کہ ہر بیس دینار میں سے نصف دینار (بطور زکوٰۃ) لے لوں۔ اور (ان کی) اس مقدار سے اوپر جب چار دینار تک پہنچ جائے تو ان پر ایک درہم (بطور زکوٰۃ) وصول کروں۔ اور دو سو درہم پر پانچ درہم (بطور زکوٰۃ) لے لوں۔ اور اس (مقدار) سے اوپر جب چالیس درہم تک پہنچ جائے۔ تو ان (ہر چالیس درہم) پر ایک درہم (بطور زکوٰۃ) وصول کروں۔

(روایت امام العینی)

نقد قیمت اور چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کے لئے زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفوں کے دو مقاصد ہیں:

اوّل: جس نوع یا قسم دولت پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ عام طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی اس ہی نوع یا اس ہی قسم سے کی جاتی ہے اس حقیقت سے زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے جو عملی مقاصد پورا کرتے ہیں ان کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً چاندی پر زکوٰۃ کی ادائیگی چاندی سے، غلے پر زکوٰۃ کی ادائیگی غلے سے کھجوروں پر زکوٰۃ کی ادائیگی کھجوروں سے بھیڑوں پر زکوٰۃ کی ادائیگی بھیڑوں سے کی جاتی ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس

اس اصول سے ایک قابلِ استثنا رقانون وہ ہے جس کی رو سے پہلے بیس اونٹوں تک بطورِ زکوٰۃ ہر پانچ اونٹوں پر ایک بھیڑ دی جاتی ہے اس استثنار کی وجہ یہ ہے کہ اونٹوں کی مالیت اور ان کی واجب الادا زکوٰۃ کے درمیان صحیح نسبت کو برقرار رکھا جا سکے ۔ صرف خصوصی حالات میں زکوٰۃ کے واجبات کو نقد رقوم کی صورت میں ادا کرنے کی اجازت ہے ۔ ورنہ اصولاً اسی نوع اور اگر ممکن ہو تو اسی قسم میں ادا کرنا چاہیے ۔ زرعی پیداوار کا دسواں حصہ علیحدہ کرنا آسان ہے کانوں سے خالص یا کثیف شکل میں نکالی ہوئی چاندی اور سونے پر واجب الادا زکوٰۃ صحیح مقدار بھی جو بیس فی صد تک ہوتی ہے اور جن کے لئے کوئی نصاب یا وقفے مقرر نہیں ہیں آسانی سے علیحدہ کی جا سکتی ہے لیکن یہ صورت حال مویشیوں یا ذاتی ملکیت میں موجود (سکوں ، زیوروں وغیرہ کی شکل میں) چاندی یا سونے یا قیمتی پتھر جو تجارت کے لیئے ہوں ورنہ زکوٰۃ نہیں ہوتی ۔

مثلاً ایک قانونی مالک کو جس کے پاس چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی تعداد نصاب سے زیادہ ہے اگر صحیح تعداد پر زکوٰۃ کی ادائیگی کرنی ہوتی تو ہو سکتا ہے (اور غالباً ہوتا بھی یہی ہے) کہ وہ نقد رقم یا زرعی پیداوار کی شکل میں زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنے کے قابل نہ ہو ۔ حالانکہ منطقی طور پر اس کے پاس مویشیوں کی جو واقعی تعداد موجود ہے اس پر پوری واجب الادا زکوٰۃ کی صرف نقد رقم یا زرعی پیداوار سے ہی تکمیل کی جا سکتی ہے مگر ایسا طریقۂ ادائیگی قانوناً مقرر ہو بھی تو قانون زکوٰۃ کی روح سے مطابقت نہیں رکھتا ۔ جو یہ چاہتا ہے کہ جس نوعِ دولت پر زکوٰۃ دی جا رہی ہے اس ہی میں سے کچھ حصہ دیا جائے ۔

مزید برآں تمام اسلامی قوانین کی طرح قانونِ زکوٰۃ کا نظام بھی تمام مسلم اقوام کے بارے میں ہر زمانے میں سب ممالک میں ۔ اور ہر قسم کے حالات میں قابل عمل ہونا چاہیئے ۔ جب قانونِ زکوٰۃ کو قابل عمل اور یکساں قانون کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے ۔ تو زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفوں کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے ۔ کیونکہ

Marfat.com

نقدی قوم یا زرعی پیداوار کی عدم موجودگی ہیں مثلاً گائے بیلوں کے نصاب سے زیادہ ایک ہی بیل پر زکوٰۃ کے واجبات دینا ناممکن ہو جائے گا۔ گائے کا چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ دینے کے لئے ظاہر ہے کہ اسے ذبح نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفوں کا مقصد یہ ہے کہ جس ریوڑ یا گلے پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے اس کی تعداد اس حد تک پہنچ جائے جس پر پورا ایک جانور بطور زکوٰۃ دیا جاسکتا ہے۔

ان ہی وجوہات کی بناپر چاندی اور سونے (سکوں، زرِ نقد وغیرہ) کے لئے زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے اس واسطے بالکل حق بجانب ہیں کہ یہ ایسی دولت کی چھوٹی کسروں پر واجب الادا زکوٰۃ کو جو چاندی یا سونے کے سب سے ادنیٰ قیمت کے سکوں سے بھی کم (یعنی نکل تانبے وغیرہ کے) سکوں میں دینی پڑتی ہے غیر ضروری بنانے ہیں؛ جیسا اوپر مذکور ہے۔ چاندی یا سونے پر زکوٰۃ کے واجبات کم قیمتی دھات میں ادا کرنا قانونِ زکوٰۃ کی روح سے مطابقت نہیں رکھتا زکوٰۃ کی ادائیگی میں ترجیح اس بات کی ہے کہ جس دولت پر زکوٰۃ عائد ہو اس ہی میں سے یا اس ہی نوع سے زکوٰۃ کے واجبات ادا کئے جائیں۔ بالفاظ دیگر زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفوں کا یہ فائدہ ہے کہ دولت پر واجباتِ زکوٰۃ پھر عائد ہونے سے پہلے وہ ایک ایسا عدد بن جائے جس کا حاصل اپنی نوع کی شرح کے مطابق تقسیم کرنے پر بغیر کسر کے صحیح رقم ہو۔

دوم:۔ زکوٰۃ دینے والے کے نقطۂ نظر سے زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے اسے زکوٰۃ کے بوجھ سے ایک حد تک نجات دیتے رہیں جو قرآنی آیت کے عین مطابق ہے؛ کسی اور مضمون کے تحت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔۔۔۔

يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ○

۔۔۔ کہ اللہ چاہتا ہے کہ تمہارا بوجھ ہلکا کرے۔۔۔۔○

(سورۃ النساء: آیت نمبر ۲۸)

Marfat.com

اگر مالدار مسلمان اس نکتے کو پوری طرح جان لیں۔ تو ان پر نفسیاتی اثر پڑے گا۔ ان میں زکوٰۃ کے مقدس فریضے کو صحیح طور پر اور باقاعدگی سے ادا کرنے کے لئے مزید جوش پیدا ہوگا۔

مدنی نظامِ اوزان و پیمائش:

زکوٰۃ کی شرحیں اور فرضیت زکوٰۃ کی حدود کا ذکر کرنے سے پہلے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم اس نظامِ اوزان و پیمائش کا مختصر مگر جامع جائزہ لیں۔ جس کو رسول کریمؐ نے معیار بنایا تھا۔ اور جسے خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ بن الخطاب نے منظم و منضبط کیا۔

ظہورِ اسلام سے پہلے عرب اقوام میں اوزان و پیمائش کے دو نظام رائج تھے ایک یونانی رومی نظام، دوسرا ایرانی نظام، چونکہ یہ دونوں نظام بھی ہر جگہ الگ الگ تھے اس لئے زکوٰۃ، جیسے اہم ادارے کے لئے انہیں قانونی معیار بنانا مناسب نہ تھا۔ چنانچہ بے ترتیبی اور بدنظمی کا ازالہ کرنے اور زکوٰۃ کی ادائی کرنے والے اوزان و پیمائش کو مستحکم کرنے اور قیمتوں اور مقداروں کا انضباط عمل میں لانے کے نتیجے میں ایک ایسا نظام وجود میں آیا جسے آئندہ صفحات میں مدنی نظامِ اوزان پیمائش کہا جائے گا۔

نبیؐ نے فرمایا: نظامِ اوزان و پیمائش وہی معیار ہے جو اہل مدینہ کا ہے۔ (روایت امام بخاری)

عہدِ اسلام سے پہلے، عرب اقوام میں جو اہم ترین اوزان اور پیمانے رائج ہیں اور جنہیں رسول کریمؐ نے حیاتِ طیبہ میں معیاری قیمتوں اور مقداروں کے طور پر نافذ کیا ان کی تفصیل درج ذیل ہے،

اوزان: حبّہ، قیراط، درہم، مثقال یا دینار، اوقیہ اور رطل۔
حجم کے پیمانے:۔ صاع اور وسق۔

Marfat.com

ان میں سے سب سے چھوٹی اکائی "حبہ" تھی۔ جس کا وزن جَو کے ایک دانے کے برابر تھا۔ چار حبہ مل کر ایک "قیراط" کے برابر ہوتے تھے۔ حبہ آج بھی قیمتی پتھروں اور دھاتوں کو تولنے کے لئے برطانوی نظام اوزان میں (جیسے "ٹرائے" - TROY - کا نام اوزان کہا جاتا ہے) استعمال ہوتا ہے[1]

یہ بالکل یقینی ہے کہ درہم، اوقیہ اور رطل کے درمیان یہ نسبت تھی کہ چالیس درہم ایک اوقیہ کے برابر اور بارہ اوقیہ ایک رطل کے مطابق ہے۔

قانون زکوٰۃ کی قدیم تشریحات میں "صاع" کی تعریف یوں ہے کہ یہ ۵ ⅓ حجازی رطلوں کے برابر مقدار تھی۔ تاہم دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رطل وہ نہیں ہے جسے ۱۲ اوقیہ کے برابر منضبط کیا گیا تھا۔ (یعنی ۴ء۱ کیلوگرام کے برابر یا ایک سیر ۶۸ تولے کے برابر وزن) بلکہ ایک کافی ہلکا وزن تھا۔ جو قاہرہ کے بڑے رطل کے برابر ہوتا تھا[2] یعنی تقریباً ۹۸۰ گرام یا ایک سیر وزن سے کچھ ہی زیادہ۔

اس مفروضے کو اس حقیقت سے بھی قابل قدر تقویت ملتی ہے کہ ایک اوسط قسم کا اونٹ زیادہ سے زیادہ ۳۳۶ سیر وزن (⅗ ۸ من یا ۲۱۳٫۵۲۸ کیلوگرام وزن) اٹھا سکتا ہے۔

مثلاً پاکستان میں فوجی قوانین کے مطابق جنگ کے دنوں میں ایک اونٹ پر زیادہ سے زیادہ پانچ من بوجھ لادا جاتا ہے۔ اگر جنگی خدمت کے لئے مسلسل اور مشقت طلب سفروں میں پانچ من (۲۰۰ سیر) وزن کو مناسب سمجھا جا سکتا ہے۔

---

[1] - عہد اسلام سے پہلے، بلاد شام میں ابجائے دانہ جَو کے، دانۂ خروب (یا خرنوب) سب سے چھوٹی اکائی کے لئے استعمال میں تھا۔

[2] - آج بھی رطل کا وزن ایک جگہ سے دوسری جگہ مختلف پایا جاتا ہے، کہیں یہ وزن ۲٫۵۶۴ کیلوگرام اور کہیں صرف ۰٫۱۵ گرام کے برابر ہے۔

Marfat.com

تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مدنی نظام کا "وسق" (حمل بعیر" یعنی اونٹ کا بوجھ) ایک اونٹ کا پورا، یا زیادہ سے زیادہ بوجھ ہے جس میں وہ غلّے یا کھجور وغیرہ کو اٹھا کر کھیت یا کھلیان، یا نخلستان سے بازار تک لاتا ہے (یعنی تھوڑے سے فاصلے کے لیے) اس لئے چونکہ وسق ۶۰ صاع کے برابر ہے تو ہر صاع کا وزن ۲۲۵ء۵ کیلوگرام یا ۵ ۱/۲ سیر کے برابر ہوگا۔ یعنی ۲ رطلوں کے برابر اور اس طرح ہر ایک رطل کا وزن ۱۲ اوقیہ ثابت ہوتا ہے۔

اغلب یہ ہے کہ چونکہ رطل کا قانونِ زکوٰۃ کے ساتھ کوئی راست تعلق نہیں تھا۔ اس لئے علماءِ کرام نے صاع کے ساتھ ۱۲ اوقیہ والے رطل کے وزنی تعلق کو خاص اہمیت نہیں دی، بلکہ صرف "حجازی رطل" کا ہی ذکر کرتے رہے جو اس زمانے تک بھی عام استعمال میں تھا۔ علاوہ ازیں اس زمانے کے حالات کے پیشِ نظر جب باربرداری اور نقل و حمل میں اونٹوں کا بہت زیادہ اور عام استعمال تھا۔ یہ قیاس حقیقت پر مبنی ہوگا۔ کہ اکثر لوگ صحیح طور پر جانتے ہوں گے کہ اونٹ زیادہ سے زیادہ کتنا بار اٹھا سکتا ہے اور یہ کہ ایک وسق اور ایک صاع میں ٹھیک طور پر اناج کی کتنی مقدار آتی تھی۔ اور اس ہی لیے اس زمانے کے علماء رطل کے وزن کی بات مزید تفصیل سے پیش کرنا غیر ضروری سمجھتے ہوں گے۔

درہم سے متعلق یہ امر یقینی ہے کہ وزن کے اعتبار سے مثقال یا دینار سے درہم کی نسبت دس درہم مساوی سات مثقال (یا سات دینار) اور زرِ مبادلہ کے اعتبار سے دس درہم ایک مثقال (یا ایک دینار) کے برابر متعین کی گئی تھی۔ دوسری طرف ان امور پر مختلف تاریخی بیانات میں اتفاق نہیں ہے کہ یہ ترتیب کب عمل میں آئی اور مدنی نظام کی ان دونوں اکائیوں میں سے ہر ایک کے وزن میں صحیح طور پر کتنے حبے یا قیراط قانوناً متعین کیے گئے تھے۔

Marfat.com

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس پر کسی بحث کی کوئی گنجائش ہی نہیں کہ اسلام کی آمد سے پہلے یہ اوزان معلوم و معروف اور عام استعمال میں تھے مندرجہ ذیل قرآنی آیات میں درہم اور دینار، دونوں کا ذکر موجود ہے لیکن ان کی صحیح مالیت کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔

وشروہ بثمنٍ بخسٍ دراھم معدودۃ وکانوا فیہ من الزاھدین ٥

اور ان کو (یوسفؑ کو) کھوٹے داموں، چند درہموں کے عوض خرید ا اور ان (یوسفؑ) کے خریدنے میں وہ کچھ بے رغبت سے تھے ٥ (سورۃ یوسف : آیت نمبر ٢٠)

ومن اھل الکتاب من ان تامنہ بقنطارٍ یؤدّہٖ الیک ومنھم من ان تامنہ بدینارٍ لا یؤدّہٖ الیک الّا مادمتَ علیہ قائمًا

اور بعض اہل کتاب ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کو ایک "قنطار"[1] روپیوں کے ایک ڈھیر، پر امین سمجھو تو وہ تم کو ادا کریں گے اور بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر ایک دینار پر بھی ان کو امین سمجھو (ان کا اعتبار کرو) تو وہ تم کو ہرگز ادا نہ کریں گے۔ مگر جب تک ان کے سر پر کھڑے رہو۔ ۔ ۔ ۔ ٥

(سورۃ آل عمران : آیت نمبر ٧٥)

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ درہم اور دینار دونوں عہد اسلام سے پہلے حتیٰ کہ درہم عہد اسلام سے دو ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے، نہ صرف معروف تھے بلکہ عام استعمال میں تھے۔ خواہ ان کی مالیت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ چونکہ مدنی نظام اوزان میں درہم ہی وزن کے لئے اہم ترین مرکزی اکائی ہے اور

---

[1] ۔ آج کل ایک قنطار ۱۰۰ رطل کا وزن ہوتا ہے۔

Marfat.com

اس کی بنیاد حبہ ہے، اس لئے ممکنہ حد تک درہم اور حبہ کی صحیح ترین نسبت کا تعین انتہائی ضروری ہے۔

امام العینی "صحیح البخاری" کی اپنی شرح میں کئی علماء سے جمع کردہ حقائق و معلومات کا حوالہ دیتے ہیں۔ جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ درہم کا وزن قانونی طور پر چھ دوانیق[1] مقرر کر دیا گیا تھا۔ ان درہموں میں سے دس کا وزن سات مثقال کے برابر تھا۔ یہ ترتیب امام النووی سے، اور امام الماوردی کی کتاب "الاحکام" میں بھی، مذکور رہا ہے۔ اور امام ابو عبید القاسم بن سلام نے اپنی کتاب الاموال" کے باب "الصدقہ" میں ذکر کیا کہ یہ نسبت آٹھ دانق والے ایرانی درہم اور چار دانق والے یونانی رومی درہم کو ضم کر کے اور ان کی اوسط الیت لے کر ایک چھ دانق والا قانونی درہم بنانے کا نتیجہ تھی۔

"قاموس المحیط" "قاموس الصحاح"، "قاموس المغرب" اور قاموس المصباح کے مطابق دانق کا وزن ۲ قیراط یعنی ۸ حبہ جو کے برابر تھا۔ اگر یہ توضیح درست ہے تو ۶ دانق والا درہم ۴۸ حبہ یا ۱۲ قیراط وزن کا ہوتا ہے جس کے دس درہم ۴۸۰ حبہ کے برابر ہوتے تھے۔ لہٰذا مثقال کے وزن کو (۴۸۰ ÷ ۷ =) $68\frac{4}{7}$ حبہ محسوب کیا گیا تھا۔ ابن سعد کی "کتاب الطبقات" کے مطابق اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے ۷۵ھ میں ان دونوں درہموں کو ملا کر ایک نیا درہم اس وقت بنوایا جب اسلام کی تاریخ میں پہلی مرتبہ دینار و درہم کے سکے تیار کر کے ان پر یہ عبارت کندہ کروائی گئی تھی:

"لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

دوسری طرف امام الواقدی نے اپنی کتاب المکاییل" میں معبد بن مسلم سے روایت کی ہے جس نے عبدالرحمان بن ثابت سے سنا کہ خلیفہ عبدالملک نے جس مثقال کا سکہ دمشق میں تیار کروایا تھا۔ اس کا وزن ۷۰ حبہ یا $\frac{1}{4}$ ۷۱

---

[1] یہ "دوانیق" اور "دوانق" دونوں "دوانق" کی جمع ہیں۔

Marfat.com

قیراط تھا۔ اگر یہ درست ہے تو، مثقال کا وزن ۹۰٫۰۶ حبہ کے برابر ہوتا تھا۔ یعنی ہر درہم ۲۲۵٫۱۵ قیراط کے برابر ہوتا تھا۔ امام الواقدی حساب کی خاطر ایک درہم کو ۱۵ قیراط یا ۶۰ حبہ کے برابر مقرر کرتے ہیں۔

مزید برآں امام القرطبی کا بیان ہے کہ عبدالملک بن مروان نے جو درہم بنوایا تھا وہ ۵۵ حبہ یا $\frac{3}{4}$ ۱۳ قیراط کے برابر تھا۔ اس کے لحاظ سے مثقال کا وزن ۷۸٫۵۷۱ حبہ یا ۱۹٫۶۴۲ قیراط ہوگا۔

امام القرافی نے اپنی کتاب "الذخیرہ" میں بیان کیا ہے کہ مصری درہم کی جس کا وزن ۶۴ حبہ تھا، مدنی درہم کے ساتھ یہ نسبت تھی کہ ۱۸۰ مصری درہم میں ۲ حبہ جمع کرنے سے ۲۰۰ مدنی درہم کے برابر وزن ہوتا تھا۔ اس طرح مدنی درہم کا وزن $\frac{3}{5}$ ۵۷ حبہ یا $\frac{2}{5}$ ۱۴ قیراط بنتا تھا اور مثقال میں $\frac{3}{7}$ ۸۲ حبہ یا $\frac{4}{7}$ ۲۰ قیراط ہوتے تھے۔

فقہ حنفی کے مطابق جو کہ اسلامی دور کی سب سے پہلی قانونی درس گاہ ہے۔ مدنی درہم ۱۴ قیراط یا ۵۶ حبہ کے برابر تھا۔ اور مثقال میں ۲۰ قیراط یا ۸۰ حبہ ہوتے ہیں اس طرح وزن کے اعتبار سے درہم اور مثقال میں ۷ : ۱۰ کی اور قیمت کے اعتبار سے ۱ : ۱۰ کی نسبت تھی۔ اس تخمینے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ بن الخطاب نے مرتب کر کے نافذ کر دیا تھا اس ترتیب کا ذکر "فتاوی الصغریٰ" میں ملتا ہے۔ جس میں بیان ہے کہ عہد عمر فاروقؓ سے پیشتر مسلمانوں میں تین قسم کے درہم رائج تھے۔ جن میں سے ایک ۲۰ قیراط یا ۸۰ حبہ کے برابر وزن کا تھا۔ اور یوں مثقال کے برابر تھا۔ اور یہ "کہ مثقال صرف ایک ہی قسم تھی۔" دوسرا درہم ۱۲ قیراط یا ۴۸ حبہ، یعنی $\frac{3}{5}$ مثقال کے برابر تھا۔ سو ایسے ۱۰ درہم کا وزن ۶ مثقال کے مساوی تھا۔ تیسری قسم کا درہم ۱۰ قیراط یا ۴۰ حبہ کے برابر تھا، یعنی $\frac{1}{2}$ مثقال کے برابر وزن کا تھا۔ اس کے ۱۰ درہموں کا وزن ۵ مثقال کے برابر تھا۔

جب حضرت عمر فاروقؓ نے ان تینوں درہموں میں سے سب سے وزنی درہم کو بنیاد بنا کر زکوٰۃ حاصل کرنی چاہی تو لوگوں نے ان سے زکوٰۃ کا بوجھ ہلکا کرنے کی درخواست کی۔ عمر فاروقؓ نے اس معاملے کو مشورے کے لئے صحابہ کرامؓ کے سامنے پیش کیا۔ سب نے یہ فیصلہ کیا کہ تینوں مروجہ دراہم کا اوسط نکال کر اسے معیاری قانونی درہم قرار دیا جائے۔ چنانچہ تینوں کا مجموعی وزن (۲۰ قیراط + ۱۲ قیراط + ۱۰ قیراط = ۴۲ قیراط) لے کر، اوسط (یعنی ۴۲ ÷ ۳ =) ۱۴ قیراط یا ۵۶ حبہ کا درہم عہد فاروقی میں بنوا کر، معیاری قرار دیا گیا تھا۔ ان ۱۴ قیراط والے درہموں میں سے ۱۰ درہم کا وزن چونکہ (۱۰ درہم × ۱۴ قیراط × ۴ حبہ =) ۵۶۰ حبہ ہوتا تھا تو یہ ۲۰ قیراط والے مثقالوں میں سے ۷ مثقال کے برابر تھے۔ جن کا وزن بھی (۷ مثقال × ۲۰ قیراط × ۴ حبہ =) ۵۶۰ حبہ ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ مدنی درہم کا وزن مختلف متعین کیا گیا تھا۔ یعنی ۴۸ حبہ یا ۱۲ قیراط اور ۵۰ حبہ یا ۱۲ ۲/۴ قیراط اور ۵۶ حبہ یا ۱۴ قیراط اور ۵۷ ۳/۵ حبہ یا ۱۴ ۲/۵ قیراط حتیٰ کہ ۶۰ ۹/۱۰ حبہ یا تقریباً ۱۵ ۱/۵ قیراط ہوتا تھا۔ دوسری طرف مدنی مثقال کے لئے بھی مختلف اوزان دیئے گئے تھے۔ جیسے ۶۸ ۵/۱۱ حبہ یا ۱۷ ۱۲/۱۱ قیراط اور ۷۸ ۵/۱۰ حبہ یا ۱۹ ۱۲/۲۵ قیراط، اور ۸۰ حبہ یا ۲۰ قیراط اور ۸۲ ۳/۱۰ حبہ یا ۲۰ ۳/۴ قیراط۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان دو مدنی اوزان کے بارے میں کئی غلط اعداد پیش کئے گئے ہیں اور اگر ان میں سے کوئی درست و صحیح ہے تو وہ صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ عقلی اور تاریخی نقطہائے نظر سے حضرت عمر فاروقؓ کی ترتیب جس میں ۱۴ قیراط والا درہم متعین کیا گیا ہے سب سے زیادہ قابل اعتماد نظر آتی ہے۔ مذکورہ بالا بیان کے مطابق، فقہ حنفی ۱۴ قیراط والے درہم اور ۲۰ قیراط والے مثقال کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں اور ان ہی کو مدنی نظام اوزان کا قانونی معیار تسلیم کرتے ہیں۔ اس تصنیف میں ہم حنفی قیادت و رہنمائی کی پیروی کرتے ہوئے اسی کے مطابق مدنی نظام کے اوزان

Marfat.com

کا اندازہ کریں گے۔"

ممکن ہے رسولِ کریمؐ کے زمانے میں نفاذ زکوٰۃ ۱۲ قیراط یا ۶ دانق والے درہم کی بنا پر ہوتا ہو لیکن تمام دنیائے اسلام اس امر سے واقف ہے کہ حضرت عمرؓ فاروق رسول کریمؐ کے قریب ترین صحابۂ کرام میں سے تھے۔ اس لئے انہیں اس اہم مسئلے کے بارے میں کہ زکوٰۃ کتنے وزن کے درہم میں لی جانی چاہیئے رسول کریمؐ کی سنت و ہدایت کا بہتر علم ہوگا۔ اسی لئے انہوں نے ۲۰ قیراط والے درہم میں زکوٰۃ لینے کا حکم دیتے ہوئے اپنے آپ کو حق بجانب سمجھا ہوگا۔ پھر ان کے اس فیصلہ ثانی سے کہ درہم کو ۱۴ قیراط پر متعین کر دیا معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریمؐ کے زمانے میں مدنی نظام اوزان میں درہم کے لئے قیراط یا حبہ میں نسبت وزن واضح طور پر مرتب نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ اس وقت درہم کی اوقیہ رطل، صاع اور وسق سے نسبتِ وزن واضح طور پر معلوم و معروف تھی۔

دینارؔ سے متعلق، مدنی دینار دراصل مثقال کا ہی دوسرا نام تھا۔ حضرت جابرؓ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: "دینار کا وزن ۲۴ قیراط ہے" اس حدیث میں رسول کریمؐ نے جس دینار کا ذکر فرمایا ہے، وہ خالص سونے کا دینار تھا۔ یہ باعث دلچسپی ہے کہ آج بھی معیاری خالص سونا ۲۴ قیراط ہی شمار ہوتا ہے۔

اس امر سے کہ آیا مثقال اور دینار میں، آغاز میں، کوئی فرق تھا یا نہیں، قانونِ زکوٰۃ پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ، بمطابق قانونِ زکوٰۃ، سونے کی زکوٰۃ مثقال کے ذریعے ادا کی جاتی ہے نہ دینار کے ذریعے نہیں۔ علاوہ ازیں۔ حالانکہ یہ دونوں اصطلاحات ایک ہی وزن کے لئے ہوتی تھیں۔ لفظ "دینار" مثقال کے وزن کے

لہ۔ دینار فارسی لفظ سے ماخوذ ہے جس کو لاطینی میں روم کے عہد میں دیناریوس (Denarius) کہا جاتا تھا۔ رومی دیناریوس ایک نقرئی سکہ تھا جو تقریباً ½ نقرئی روپیہ کے برابر قیمت کا تھا۔

Marfat.com

طلائی سکّے کو متعین کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

آج کل نقرئی درہم اور طلائی دینار دونوں کی قانونی سکہ کی حیثیت ختم ہو گئی ہے مزید برآں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جب ان کی حیثیت قانونی سکہ کی تھی تب بھی ان کی مالیت مستحکم و پائیدار نہیں تھی۔ یا تو اس وجہ سے کہ ان سکوں میں جو چاندی یا سونا ہوتا تھا اس میں ترمیم ہو گئی یا ان قیمتی دھاتوں کی اصل مالیت میں ہی کمی و بیشی ہو گئی۔ اس بے استحکامی کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی باہمی نسبت زر (یعنی دس درہم ایک دینار کے برابر کی نسبت جو مدنی نظام اوزان نے مقرر کی تھی) بُری طرح متاثر ہوئی۔ اس لئے ہمیں ان دونوں اکائیوں کو صرف ان کی اصلی حیثیت کی روشنی میں یعنی درہم اور دینار کو قیمت وزر کی شکل میں نہیں بلکہ صرف اوزان کے طور پر لینا چاہیئے۔

دیئے گئے گوشوارے سے ناظرین کو مدنی نظام اوزان کا ایک عام اندازہ ہو جائے گا۔ صحیح تقابلی اندازے کے لئے ان اوزان کے ساتھ ساتھ تولہ، سیر اور اعشاری نظام کے گرام و کلوگرام بھی درج ہیں (ملاحظہ ہو نظام اوزان و پیمائشی کے مدنی معیار کا تقابلی گوشوارہ) صفحہ ۱۱۸ پر۔

تعین نصاب کا بنیادی مقصد

اگر ہم ادارۂ زکوٰۃ کو شرع میں قائم کردہ حقیقی قدر و قیمت کی بنیاد پر دوبارہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس اہم نقطے کو پوری طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ رسول کریمؐ نے چاندی کا نصاب ۲۰۰ درہم، یا سونے کا ۲۰ مثقال اس لئے مقرر کیا تھا کہ جیسا کہ امام العینی نے اپنی "صحیح البخاری" کی شرح میں (کتاب الزکوٰۃ میں) ذکر کیا ہے۔ رسول کریم کے زمانے میں ان دونوں نصابوں میں سے ہر ایک نصاب ایک متوسط خاندان کے سالانہ اخراجات خوراک کی قیمت کے ہی برابر تھا۔

نظامِ اوزان و پیمائش کے مدنی معیار کا تقابلی گوشوارہ

آونس (ٹرائے)	سیر	تولہ	گرام اور کیلوگرام		وسق	صاع	رطل	اوقیہ	درہم	مثقال	قیراط	حبہ
۰٫۰۰۲	—	—	۰٫۰۶۴۸	—	—	—	—	—	—	۱/۸۰	۰٫۲۵	۱
۰٫۰۰۸	—	—	۰٫۲۵۹۲	—	—	—	—	—	—	۱/۲۰	۱	۴
—	—	۲/۴۵	۰٫۵۱۸۴	—	—	—	—	—	—	۱/۱۰	۲	۸
۰٫۰۳۲۱	—	—	۱	—	—	—	—	—	—	۱/۵	۳٫۸۵۸	۱۵٫۴۳۲
—	—	۲/۹	۲٫۵۹۲	—	—	—	—	—	—	۱/۲	۱۰	۴۰
۰٫۱۵۶۵۵	—	۱/۳	۳٫۶۲۸۸	—	—	—	—	۱/۴۰	۱	۷/۱۰	۱۴	۵۶
۰٫۲۲۳۶	—	۴/۹	۵٫۱۸۴	—	—	—	—	۱/۲۸	۱ ۳/۷	۱	۲۰	۸۰
۰٫۴۵۲۷	—	۱	۱۱٫۶۶۴	—	—	—	—	—	۳ ۳/۴	۲ ۱/۴	۴۵	۱۸۰
۰٫۷۵۴۵	—	۱ ۵۵/۱۰۰	۱۸٫۱۴۴	—	—	—	—	۱/۸	۵	۳ ۱/۲	۷۰	۲۸۰
۰٫۸۹۴۴	—	۱ ۷۷/۱۰۰	۲۰٫۷۳۶	—	—	—	—	۱/۷	۵ ۵/۷	۴	۸۰	۳۲۰
۱	—	۲ ۱/۵	۳۱٫۱۰۳۵	—	—	—	—	—	۸ ۱/۲	—	۱۱۹٫۲۵	۴۷۷
—	—	۳ ۱۱/۱۰۰	۳۶٫۲۸۸	—	—	—	—	۱/۴	۱۰	۷	۱۴۰	۵۶۰
۴٫۴۷۲	—	۸ ۲۲/۲۵	۱۰۳٫۶۸	—	—	—	—	۵/۷	۲۸ ۴/۷	۲۰	۴۰۰	۱۶۰۰
۶٫۰۳۶	—	۱۲ ۱۱/۲۵	۱۴۵٫۱۵۲	—	—	—	۱/۱۲	۱	۴۰	۲۸	۵۶۰	۲۲۴۰
۳۰٫۱۸	—	۶۲ ۱۱/۵۰	۷۲۵٫۷۶	—	—	—	۵/۱۲	۵	۲۰۰	۱۴۰	۲٬۸۰۰	۱۱۲۰۰
—	۱	۸۰	۹۳۳٫۱۲	—	—	—	۱/۲	۶ ۳/۷	۲۵۷ ۱/۷	۱۸۰	۳٬۶۰۰	۱۴۴۰۰
—	۱ ۷/۱۰	[illegible]	۱٬۰۰۰٫۰۰		—	—	۵۷/۱۰۰	۶ ۶/۷	۲۷۶	۱۹۲	—	—
—	—	۱۴۹ ۱/۳	۱٬۷۴۱٫۸۲۴		۱/۱۸۰	۱/۳	۱	۱۲	۴۸۰	۳۳۶	۶٬۷۲۰	۲۶۸۸۰
—	۲ ۴/۵	۲۲۴	۲٬۶۱۲٫۷۳۶		۱/۱۲۰	۱/۲	۱ ۱/۲	۱۸	۷۲۰	۵۰۴	۱۰٬۰۸۰	۴۰۳۲۰
—	۵ ۳/۵	۴۴۸	۵٬۲۲۵٫۴۷۲		۱/۶۰	۱	۳	۳۶	۱٬۴۴۰	۱٬۰۰۸	۲۰٬۱۶۰	۸۰۶۴۰
—	۳۳۶	۲۶۸۸۰	۳۱۳٬۵۲۸٫۳۲		۱	۶۰	۱۸۰	۲٬۱۶۰	۸۶٬۴۰۰	۶۰٬۴۸۰	۱٬۲۰۹٬۶۰۰	(۴)۸۳۸٬۴۰۰
—	۱۶۸۰	۱۳۴٬۴۰۰	۱٬۵۶۷٬۶۴۱٫۶		۵	۳۰۰	۹۰۰	۱۰٬۸۰۰	۴۳۲٬۰۰۰	۳۰۲٬۰۰۰	۶٬۰۴۸٬۰۰۰	۲۴٬۱۹۲٬۰۰۰

اس طرح آغازِ اسلام میں ۲۰۰ درہم چاندی کے بدلے میں پانچ اونٹ بوجھ عام غذا (غلہ یا کھجوریں) خریدی جا سکتی تھیں۔ جو ایک متوسط خاندان کی سال بھر کی ضروریات کے لئے معقول سامانِ خوردنی ہے لیکن بدقسمتی سے اب ۱۴۰۰ھ (۱۹۸۰ء) میں چاندی اور سونے کی حیثیت زرِ مبادلہ کی نہیں رہی بلکہ یہ محض اشیاء ہو کر رہ گئے ہیں اور قیمتی دھات ہونے کے سبب صاحبِ ثروت افراد واقوام کے ہاتھوں میں ایک کھلونا ہیں، ان کی روزانہ قیمتوں میں ایک ناقابلِ یقین حد تک اتار چڑھاؤ پایا جاتا ہے۔ اس لئے یہ بدیہی امر ہے کہ ان حالات میں ایک خاندان کی سالانہ ضروریاتِ خوردنی چاندی اور سونے کی قیمت کی اساس پر محسوب نہیں کی جا سکتیں۔

علاوہ ازیں چاندی اور سونے کی قیمتوں کا باہمی تناسب بھی جو آنحضرتؐ کے زمانے میں ۱۰ : ۱ تھا۔ اب برقرار نہیں رہا۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ ۱۹۸۰ء کے پہلے دو مہینوں میں ان کی قیمتوں کا تناسب ۲۶ : ۱ اور ۲۰ : ۱ کے درمیان بدلتا رہا۔

یہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ زکوٰۃ کے محاصل کا حساب چاندی کی بناء پر کیا جاتا تھا نہ کہ سونے کی بناء پر۔ سونے کے لئے ۲۰ مثقال کا نصاب مقرر کرنے کی صرف یہی وجہ تھی کہ اس کی قوتِ خرید اس زمانے میں ۲۰۰ درہم چاندی کے برابر تھی۔ جو اس زمانے میں غلے کے پانچ اونٹ بوجھ تک خریدنے کے لئے کافی تھی۔

مذکورہ بالا بحث[1] سے یہ عیاں ہے کہ چاندی اور سونے کے متعلق بنیادی

---

[1]۔ اگر مذکورہ بحث کا مقصد یہ ہے کہ ایک شخص باوجود اینکہ ساڑھے باون تولے چاندی کے مالک ہے لیکن مذکورہ نصاب یعنی ساڑھے باون تولے ان کے سالانہ ضروری اخراجات کے لئے کافی نہیں تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی جب تک ان کی سالانہ ضروریات پوری نہ ہو جائیں تو یہ بحث درست نہیں ہوگی کیونکہ ساڑھے باون تولے پر زکوٰۃ واجب ہونا اجماعِ امت سے ثابت ہے اور چودہ سو سال سے یہ تعامل جاری ہے لہٰذا ساڑھے باون تولے چاندی یا انکی قیمت کی مالیت پر زکوٰۃ لازم ہے اگرچہ یہ مقدار سالانہ ضروری

مسئلہ یہ ہے کہ صاحب نصاب کے پاس ہمیشہ اتنی مالیت کی دولت محفوظ رہے جو سال بھر کے لئے ضروری سامان خوردنی خریدنے کے لئے کافی ہو؛ یعنی ان قیمتی دھاتوں اور ان کی متعلقہ نوع دولت کا نصاب ہمیشہ اسی مالیت کے برابر ہونا چاہیئے۔ بالفاظ دیگر چاندی اور سونے کا حقیقی مقصد باوجود ان متواتر بازاری تغیرات کے، صرف بطور ایک آلۂ تبادلہ انسان کے کام آنا ہے۔ ان دونوں قیمتی دھاتوں کے نصاب کے اس اصلی مقصد کو لازماً ہر وقت پورا کرنا چاہیئے جس کو آنحضرتؐ نے خود مقرر کیا تھا۔

یہ بات انتہائی اہم ہے کہ اسلامی قوانین کی بنیاد زندگی کی مستقل اور حقیقی قدر و قیمت پر رکھی جائے۔ انسانی معاشرے میں خوراک ایک اہم بنیادی ضرورت زندگی کی حیثیت سے ایک مستقل قدر و قیمت کی حامل ہے چاندی اور سونا تو محض عارضی طور پر زر مبادلہ کے عمل میں انسان کی فوری ضروریات اور کاربرآوری کے لئے مالی بنیاد مقرر کئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں ماضی کے اقتصادی اندازوں پر جب کہ وہ موجودہ زمانے کے حقائق سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے۔ بغیر سوچے سمجھے عمل کرنا اسلام کی ترقی میں شدید رکاوٹ ثابت ہوگا۔ حالانکہ حقائق کا صحیح محاسبہ اسلامی قانون کی روح سے زیادہ قریب تر ہے۔ اور مسلم اقوام کے مفادات کی بہتر خدمت کا ضامن ہے۔

اگر چاندی اور سونے کی باہمی قیمت کا تناسب پھر سے بحال ہو کر اصل مدنی نسبت قدر کے مطابق ہو جائے۔ یعنی چاندی کے ۱۰ درہموں کی قوت خرید سونے کے ایک دینار کی قوت خرید کے مساوی ہو جائے۔ اور اسی طرح چاندی اور انواع خوراک کے درمیان بھی پہلی سی نسبت قدر بحال ہو جائے۔ یعنی ۲۰۰ درہم چاندی کے بدلے میں ۵ اونٹ بوجھ کے برابر گندم (یا جو، یا مکئی یا چاول) خریدا جا سکے۔ تو پھر قدیم قانون زکوٰۃ میں دیئے ہوئے چاندی سونے کے نصاب کی پابندی ضروری ہوگی ۔۔۔۔ ایسا مبارک وقت

Marfat.com

شاید کبھی نہ آسکے۔ لہٰذا حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے ہمیں ماننا پڑے گا کہ آئندہ چاندی اور سونے کے لئے نصاب اس ہی بنیاد پر مبنی ہو جو پیغمبرؐ خدا نے خود مقرر فرمایا تھا۔ یعنی مروجہ بازاری نرخوں کے مطابق بنیادی انواع خوردنی (اناج) کی سال بھر کی رسد کی قیمت کے برابر چنانچہ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جس طرح بنیادی انواعِ خوردنی کے نرخوں میں سال بہ سال کمی بیشی ہوتی ہے۔ اسی طرح ان نرخوں کے مطابق چاندی اور سونے کے نصاب میں بھی تغیر و تبدل ہوتا رہے گا۔

Marfat.com

رسول کریمؐ کے زمانے میں
مدنی نظام کے چاندی اور سونے کے درمیان
نسبت (بلحاظ قیمت) کا گوشوارہ :

سونا		چاندی
۲۰ مثقال	=	۲۰۰ درہم
۱ مثقال	=	۱۰ درہم
$\frac{1}{10}$ مثقال	=	۱ درہم

رسول کریمؐ کے زمانے میں
مدنی نظام کے چاندی اور سونے کے درمیان
نسبت (بلحاظ وزن) کا گوشوارہ :

سونا		چاندی
۱۴۰ مثقال	=	۲۰۰ درہم
۷ مثقال	=	۱۰ درہم
$\frac{7}{10}$ مثقال	=	۱ درہم

Marfat.com

چاندی اور سونے کیلئے فرضیتِ زکوٰۃ کی حدود اور شرحِ زکوٰۃ :

رسول اللہؐ نے فرمایا : پانچ اوقیہ سے کم (چاندی پر) کوئی صدقہ (فرض یعنی زکوٰۃ) نہیں ہے ۔ (روایت امام بخاری)

خالص چاندی اور خالص سونا ، سلاخوں کی شکل میں یا صنعت شدہ ، خواہ کسی شکل میں ہوں (ذرات ، ڈلے ، اینٹ ، سکے ، چادر ، پترہ ، زیورات ، برتن کپڑے ، سلمہ ستارہ ، وغیرہ ، خواہ روزانہ استعمال میں ہوں یا نہ ہوں) چونکہ یہ اپنی فطرت کے اعتبار سے قدر دوام کی حامل فاضل دولت کی تعریف میں آتے ہیں اس لئے جب کبھی ان کی مقدار یا مالیت ان کے لئے مقرر شدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو ۔ تو قانونِ زکوٰۃ کی رو سے ان پر زکوٰۃ واجب الادا ہو جاتی ہے ۔ چاندی اور سونا دونوں دولت کی اس نوع میں شامل ہیں جس پر زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے سالِ ملکیت لازمی شرط ہے

چاندی کے لئے اصل نصاب

رسولِ کریمؐ نے خالص چاندی کے لئے ۲۰۰ درہم کا نصاب مقرر فرمایا تھا ۔ جو مالیت اس سے کم ہو اس پر زکوٰۃ کسی حالت میں نافذ نہیں کی جاتی تھی ۔

۲۰۰ درہم خالص چاندی پر — جو رسول کریمؐ کے زمانے میں پانچ اونٹ بوجھ غلے یا کھجوروں کی قیمت تھی ۔ ڈھائی فی صد کی شرح سے ۵ درہم زکوٰۃ عائد ہوتی تھی چاندی اور سونے پر ڈھائی فی صد زکوٰۃ کا اصول رسولِ کریمؐ کے اس فیصلے کی بنیاد پر ہے جس میں آپؐ نے فرمایا : "وفی الرقۃ ربع العشر" یعنی " نقد میں سے زکوٰۃ عشر کا چوتھائی (ڈھائی فی صد) ہے ۔"

بعدازیں ، ہر ۴۰ درہم[1] کے اضافے پر — جو ایک اونٹ بوجھ غلے یا کھجوروں

---

[1] یہ مقدار امام ابو حنیفہؒ کے ہاں ہے اور یہ قول مفتیٰ بہ ہے ، صاحبین کے ہاں دو سو دراہم سے جب زائد ہو جائے تو اس کو زکوٰۃ بھی اسی حساب سے واجب ہے اگرچہ چالیس تک مقدار نہ پہنچا ہو ۔

کی بازاری قیمت تھی - ایک درہم یعنی ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کی جاتی تھی ۔

سونے کے لئے اصل نصاب

خالص سونے کے لئے رسول کریمؐ نے ۲۰ مثقال کا نصاب مقرر فرمایا ۔ جو مقدار اس زمانے میں ۲۰۰ درہم چاندی کے زرمبادلے کے برابر تھی ۔ یعنی ۲۰ مثقال خالص سونے سے پانچ اونٹ بوجھ غلہ یا کھجور خریدا جاسکتا تھا ۔ اگر سونا ۲۰ مثقال سے کم مقدار میں ہوتا ۔ تو اس پر کوئی زکوٰۃ عائد نہیں کی جاسکتی تھی ۔

۲۰ مثقال خالص سونے پر ½ مثقال سونا یا خالص چاندی کے ۵ درہم یعنی ڈھائی فیصد زکوٰۃ عائد ہوتی تھی ۔

بعد ازاں ہر ۴ مثقال کے اضافے پر مثقال کا دسواں حصہ ($\frac{1}{10}$ مثقال) یا خالص چاندی کا ایک درہم زکوٰۃ ادا کی جاتی تھی ۔

غلے کی مروجہ بازاری قیمت سے ترتیب شدہ چاندی اور سونے کا نصاب

رسول اللہؐ کی سنت کے مطابق چاندی اور سونے کا نصاب مقرر کرنے کے لئے ملک کے باشندوں کی عام غذا (مثلاً گندم جو، مکئی یا چاول وغیرہ) کے مروجہ نرخ کا اوسط لے کر، اس سے پانچ اونٹ بوجھ (۵۶۸ کیلوگرام یا ۱۶۸۰ سیر، یا ۴۲ من) کی قیمت نکالی جائے گی ۔ مثلاً جن ملکوں میں عام غذا گندم ہے ان میں گندم کی سال بھر میں اوسط بازاری قیمت سے نصاب کا تعین کیا جائے گا ۔ جن ملکوں میں عام غذا، چاول، جو، مکئی یا گھٹیا گندم[1] ہے ۔ اس میں جو اناج اکثر باشندوں کی عام غذا ہوتی ہے ۔ اس سال کے اوسط بازاری نرخ سے نصاب مقرر کیا جائے گا ۔

چنانچہ اگر ایک مسلمان پورے ایک سال کے لئے ، اتنی مقدار میں چاندی : /

---

[1] ۔ ایک قسم کا سیاہ گندم (RYE) جو سرد ممالک میں کاشت کیا جاتا ہے ۔

Marfat.com

یا سونے کا قانونی مالک ہو۔ جس کی مالیت کم از کم ملک کے باشندوں کے عام غذائی اناج کے پانچ اونٹ بوجھ (۱۶۸۰ سیر یا ۱۵۶۸ کیلوگرام یا ۴۲ من) کی اوسط بازاری قیمت کے برابر ہے تو اس مالیت پر جو اس سال کے لئے چاندی اور سونے کا نصاب ہے، ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی۔)

جس چاندی یا سونے کی مالیت نصاب سے زیادہ ہو لیکن اس کے نصاب کے ہر پانچویں حصے سے کم ہو وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی اور زکوٰۃ صرف اگلی قابل زکوٰۃ مقدار پر ادا کی جائے گی جو زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے سے عین قبل واقع ہے۔

توضیح کے لئے دو مثالیں درج ذیل ہیں :

الف : ۱۹۵۹ء میں پاکستان میں گندم کی اوسط بازاری قیمت ۱۲ روپے ۶ آنے من تھی۔ اس طرح اس سال کے دوران نصاب (۱۲ روپے ۸ آنے x ۴۲ من یعنی پانچ اونٹ بوجھ غلے کے برابر = ۵۲۵ روپے تھا) اور زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفہ نصاب کا پانچواں حصہ، یعنی (۵۲۵ روپے ÷ ۵ = ۱۰۵ روپے تھا) تو ۵۲۵ روپے کے نصاب سے اوپر ہر ۱۰۵ روپے کے اضافے پر مزید زکوٰۃ دی جانی چاہیئے۔ مثلاً ۵۲۵ روپے (یعنی نصاب) کی مالیت کی خالص چاندی، یا خالص سونے یا دونوں پر (اس میں سے ڈھائی فیصد = ۱۳ روپے ۲ آنے زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے۔ پھر ہر ۱۰۵ روپے کے اضافے یعنی ۵۲۵ + ۱۰۵ = ۶۳۰ روپے اور ۶۳۰ + ۱۰۵ = ۷۳۵ روپے پر، علیٰ ہذا القیاس، مزید زکوٰۃ دینی چاہیئے یعنی ۶۳۰ روپے میں سے ڈھائی فیصد = ۱۵ روپے ۱۲ آنے زکوٰۃ، پھر ۷۳۵ روپے میں سے ڈھائی فی صد یعنی ۱۸ روپے ۶ آنے زکوٰۃ ادا کی جانی چاہیئے، وعلیٰ ہذا القیاس ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن ۵۲۵ روپے اور ۶۳۰ روپے کے درمیان، ۵۲۶ روپے سے ۶۲۹ روپے تک اور اس طرح ۶۳۱ روپے سے ۷۳۴ روپے تک وغیرہ، تمام رقوم زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں آتی ہیں۔ تو ان پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔ بلکہ صرف اگلی قابل زکوٰۃ (۵۲۵ روپے، یا ۶۳۰ روپے، یا ۷۳۵ روپے)

Marfat.com

پر ہی زکوٰۃ نافذ ہوگی۔ اس طرح ۶۰۰ روپے پر زکوٰۃ کے واجبات وہی ہوتے جو ۵۲۵ روپے پر بنتے یعنی ۱۳ روپے ۲ آنے، کیونکہ ۶۰۰ روپے ۵۲۵ روپے اور (۵۲۵ + ۱۰۵ =) ۶۳۰ روپے کے درمیان زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں آنے کی وجہ سے (۶۰۰ روپے - ۵۲۵ روپے =) ۷۵ روپے پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی۔

(ب) مندرجہ بالا مثال کے بیس سال بعد یعنی ۱۹۸۰ء میں پاکستان میں گندم کی سالانہ اوسط بازاری قیمت ۶۰ روپے من تک ہوگی۔ اس لئے اس سال کا نصاب ۷۰ روپے × ۴۲ من (یا پانچ اونٹ بوجھ) = ۲۹۴۰ روپے اور زکوٰۃ سے مستثنیٰ اضافہ ۲۹۴۰ روپے ÷ ۵ (یعنی ایک اونٹ بوجھ یا نصاب کا پانچواں حصہ) = ۵۸۸ روپے ہوگا۔[۲] اس لئے ۲۹۴۰ روپے کے نصاب سے اوپر ہر ۵۸۸ روپیوں کے اضافے پر مزید زکوٰۃ دی جانی چاہیئے۔ مثلاً ۲۹۴۰ روپے (یعنی نصاب) کی مالیت کی خالص چاندی، یا خالص سونے، یا دونوں پر ۲۹۴۰ روپے میں سے ڈھائی فیصد =) ۷۳٫۵ روپے زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے پھر ہر ۵۸۸ روپے کے اضافے پر یعنی ۲۹۴۰ + ۵۸۸ = ۳۵۲۸ روپے پر ڈھائی فی صد زکوٰۃ = ۸۸٫۲۰ روپے اور ۳۵۲۸ + ۵۸۸ = ۴۱۱۶ روپے پر ڈھائی

---

[۱] ہمیشہ ذہن نشین رہے کہ جو نصاب ان مثالوں میں دیئے گئے ہیں وہ صرف مذکورہ سالوں ۱۹۵۹ء اور ۱۹۸۰ء اور پاکستان کے لئے ہیں جہاں بیشتر گندم کھائی جاتی ہے۔ قطعاً مستقل تمام دنیائے اسلام کے لئے مقرر شدہ نصاب نہیں کیونکہ نصاب کی رقم یا مالیت کے حساب کے لئے اناج معیار بنایا گیا ہے۔ جس کی اوسط بازاری قیمت سال بہ سال اور ملک بہ ملک بدلتی رہے گی۔

[۲] ملاحظہ فرمائیں، سابقہ فٹ نوٹ۔

فی صد زکوٰۃ = ۱۰۲ روپے، وعلیٰ ہٰذا القیاس، ادا کی جانی چاہیئے۔ جو مالیات ۲۹۴۰ روپے (یعنی نصاب) سے کم ہو۔ وہ اس سال کے دوران زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔ اور جو ۲۹۴۰ روپے سے زیادہ کی مالیت کسی زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں آتی ہو۔ یعنی وہ ۲۹۴۰ روپے اور ۳۵۲۸ روپے، یا ۳۵۲۸ روپے اور ۴۱۱۶ روپے، یا ۴۱۱۶ روپے اور ۴۷۰۴ روپے کے درمیان آتی ہو۔ وہ بھی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہو جائے گی۔ اور زکوٰۃ صرف اگلی قابل زکوٰۃ رقم پر ادا کی جائے گی۔

چاندی اور سونے پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے قوانین:

۱۔ جس چاندی یا سونے کی ملکیت پر پورا سال گزر جائے اس کی مقدار پر زکوٰۃ کی فرضیت یا عدم فرضیت کا تعین سالِ ملکیت کے اختتام پر کیا جائے گا۔

۲۔ ملک کے باشندوں کے جس عام غذائی اناج کو نصاب کے تعین کے لئے معیار بنایا جائے۔ اس کے بازاری نرخ میں جب کبھی دورانِ سال کمی بیشی ہو تو اس کی اس سال کے دوران اوسط قیمت کو معیار سمجھا جائے گا۔

۳۔ جس چاندی یا سونے میں کھوٹ کی آمیزش ہو تو اس میں جتنا حصہ خالص چاندی یا سونے کا ہوگا صرف اسی پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔ جب اس مرکب دھات میں نوّے فی صد چاندی یا سونا ہو تو اس پوری دھات کو خالص چاندی یا سونے کا سمجھا جائے گا۔ اور پورے پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔ جب آمیزش میں گھٹیا دھات دس فی صد سے زیادہ ہو تو زکوٰۃ صرف اس میں موجود چاندی یا سونے کی مقدار پر عائد ہوگی۔

جب اس مرکب میں قیمتی دھات اور گھٹیا دھات کا "تناسب" معلوم نہ ہو تو وہ "ارشمیدس کے اصول" سے (قانون کثافت۔ Law of Densities

Marfat.com

سے معلوم کرنا چاہیئے ۔ اس طریقے سے ایک گہرے برتن میں پانی ڈال کر اس میں زیرامتحان شئے کو ڈبو دیا جائے اور جہاں تک پانی کی سطح بلند ہو وہاں نشان لگا لیا جائے ۔ پھر اس شئے میں موجود قیمتی دھات (چاندی یا سونا) اور کھوٹ میں سے زیرامتحان شئے کے برابر وزن لے کر باری باری پانی میں ڈبو دیئے جائیں ۔ اور ہر دفعہ پانی جس سطح تک پہنچے، وہاں نشان لگائے جائیں ۔ اس طرح جو سطحیں ملیں، ان کا حساب لگا کر، قیمتی دھات اور کھوٹ کا تناسب نکالا جاتا ہے ۔ اگر زیرامتحان شئے کو پانی میں ڈبونے پر پانی کی سطح کا نشان خالص قیمتی دھات والے نشان اور کھوٹ والے نشان کے عین درمیان آجائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خالص قیمتی دھات، اور کھوٹ اس مرکب میں برابر برابر ہیں ۔

۴ ۔ اگر آمیزش صرف چاندی اور سونے کی ہو، بجائے قیمتی دھات اور گھٹیا دھات کے (پیتل، تانبہ وغیرہ) تو جب اس میں چاندی یا سونے کا حصہ برائے نام ہو تو اس کو نفاذِ زکوٰۃ کے لئے پورا اس ہی دھات، کا سمجھا جائے گا ۔ جس کا حصہ اس میں زیادہ ہے ۔

۵ ۔ چاندی اور / یا سونے کی بنی ہوئی اشیاء پر زکوٰۃ کا نفاذ ان کی فنی قیمت کے مطابق نہیں بلکہ صرف ان میں موجود خالص قیمتی دھات کی مقدار پر ہوتا ہے مثلاً ایک تیار شدہ طلائی شئے میں جس پر ۱۹۶۰ء میں زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنے تھے، ۱۰ تولے خالص سونا استعمال ہوا تھا ۔ اور اس شئے کی قیمت ۱۹۶۰ء میں فرض کیجئے، ۱۶۰۰ روپے تھی تو ۱۳۰ روپے تولہ کے حساب ۱۰ تولوں کی قیمت، ۱۳۰۰ سو روپے بنتی تھی ۔ اس لئے زکوٰۃ صرف ان ۱۳۰۰ روپے پر ادا کی جائے گی ۔ مزید برآں ۱۹۷۰ء کے لئے مقرر شدہ نصاب اور متعلقہ زکوٰۃ کے مستثنیٰ وقفوں کے مطابق ۱۳۰۰ روپے ایک زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں (یعنی ۱۲۶۰ روپے اور ۱۳۶۵ روپے کے درمیان) آتے تھے ۔ اس لئے زکوٰۃ کی ادائگی

Marfat.com

۱۳۰۰ روپے پر نہیں بلکہ ۱۲۶۰ روپے پر ہوگی۔ جن کی مالیت ۳۱ روپے ۸ آنے ہوگی۔ اور باقی (۱۳۰۰ - ۱۲۶۰) ۴۰ روپے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے۔ بیس سال بعد، ۱۹۸۰ میں ایک تولہ خالص سونے کی اوسط قیمت (مفروضہ ۲۷۰ روپے کے حساب سے اسی تیار شدہ طلائی شئے پر ۶۶۱٫۵ روپے زکوٰۃ ادا کی جانی چاہیئے (یعنی ۲۷۰۰ × ۱۰ - ۴۰ ۵ = ۴۶۰ ۲۶ روپوں پر)

۶۔ جب ایک مسلمان کی ملکیت میں چاندی یا سونے یا دونوں کی مقدار یا مالیت پر زکوٰۃ کا حساب لگایا جائے تو اس کی اس نوع کی کل مقدار یا مالیت پر جو ایک ہی حکومت کی حدود کے اندر موجود ہے حساب کرنا ہوگا۔[۱]

۷۔ اسلامی نقطۂ نظر سے چاندی اور سونے کی بنیادی، بلکہ قطعی غرض وغایت یہ ہے کہ وہ مستحکم زرمبادلے کا کام دے۔ تاکہ انسانی معاشرے کی معاشی سرگرمیوں میں سہولت پیدا ہو۔[۲] ان دونوں قیمتی دھاتوں کو زرمبادلے کی خصوصیت سے ایک ہی قانونی نوع سمجھا جاتا ہے۔ تاہم دونوں اپنی اصل اور مالیت کے اعتبار سے مختلف ہیں۔[۳] قانون اسلام میں ان دو قیمتی دھاتوں کی یہ

۱۔ موجودہ دور میں اکثر ایک ملک سے دوسرے ملک میں پیسے منتقل کرنے کی ممانعت یا حد بندی ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں، فرضیت زکوٰۃ کی شرط ہشتم۔

۲۔ یہ بات واضح ہے کہ چونکہ آج کل چاندی اور سونے کی دنیا میں موجود کل مقدار تمام دنیاوی معاشی سرگرمیوں کو سرانجام دینے کے لئے ظاہرًا ناکافی ہے۔ ان دونوں قیمتی دھاتوں کے ساتھ کوئی اور عالمگیر طور پر تسلیم شدہ زرمبادلہ ضروری ہے۔

۳۔ اکثر وبیشتر علماء اس نکتے پر اتفاق کرتے ہیں، سوائے چند علماء کے، جو چاندی اور سونے کو ایک ہی قانونی نوع تسلیم نہیں کرتے۔ اور وہ امام شافعی امام احمد بن حنبل، امام ابوثور اور امام داؤد ہیں۔

Marfat.com

عملی افادیت قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت سے بھی واضح ہے۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ٥

۔۔۔۔ اور جو لوگ سونے چاندی سے خزانے بھرتے ہیں اور راہ خدا میں اس کو صرف نہیں کرتے ان کو الم ناک عذاب کی مبارک باد دے دو ٥ (سورۃ التوبہ : آیت نمبر ۳۴)

اس اصول کے مدنظر کہ زکوٰۃ اسی جنس میں ادا کی جائے جس پر کہ وہ واجب الادا ہے اور چاندی اور سونے کی عملی افادیت کے پیش نظر، چاندی کی زکوٰۃ چاندی یا سونے میں اور سونے کی زکوٰۃ سونے یا چاندی میں ادا کی جانی چاہیئے۔ اس اصول کی تائید حسب ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں خلیفہ دوم حضرت عمرؓ بن الخطاب نے حضرت انسؓ کو حصول زکوٰۃ کا ناظم بنا کر، انہیں ہدایت دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

یحییٰ بن بکیر نے ہمیں بتلایا، انہیں لیث بن سعد نے بتلایا۔ انہیں یحییٰ بن ایوب نے بتلایا، انہیں حمید نے اور انہیں انس نے بتلایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہدایت دیتے ہوئے مجھے حکم دیا کہ میں ہر ۲۰ دینار سے ½ دینار (بطور زکوٰۃ) لے لوں۔ اور جو ان سے زیادہ ہوں۔ جب ۴ دینار ہوں تو تو ان پر ایک درہم (بطور زکوٰۃ) لیا جائے۔ اور یہ کہ میں ہر ۲۰۰ درہم پر ۵ درہم (بطور زکوٰۃ) وصول کروں اور جو ان سے زیادہ درہم ہوں۔ جب ۴۰ درہم تک پہنچ جائیں ان میں سے ایک اور درہم (بطور زکوٰۃ) لے لوں۔

(روایت امام العینی)

چاندی یا سونے کے ذرات، سکوں اور ڈلوں پر زکوٰۃ کے واجبات ان کی

اپنی قسم میں بآسانی ادا کئے جا سکتے ہیں۔ اصولاً چاندی اور سونے کے پتروں اینٹوں اور چادروں اور ان دونوں قیمتی دھاتوں سے بنے ہوئے یا کھوٹ آمیزش کئے ہوئے۔ برتنوں، زیورات وغیرہ پر واجب الادا زکوٰۃ بھی ان ہی کی نوع سے دی جانی چاہیئے۔ لیکن اگر ضرورت کے مطابق سکوں یا ذرات یا ڈلوں کی شکل میں چاندی یا سونا موجود نہ ہو، تو پوری زکوٰۃ مقامی رائج الوقت سکوں یا کرنسی نوٹوں میں ادا کی جا سکتی ہے۔

یہاں یہ ذکر برمحل ہوگا کہ قانونِ اسلام چاندی اور سونے کے برتن کا استعمال بجا طور پر ممنوع قرار دیتا ہے۔ مذکورہ بالا فہرست میں چاندی اور سونے کے برتنوں اور ظروف کے قابلِ زکوٰۃ دولت میں ذکر کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ بہت سے دولت مند مسلمان اس ممانعت کی پرواہ کئے بغیر انہیں قدیم زمانے میں بھی استعمال کرتے تھے اور آج بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے ایسی اشیاء کو زکوٰۃ کے نفاذ سے بچانا قطعی غلط ہوگا۔ اگرچہ یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ ان کی موجودگی ہی اسلامی قانون کے الفاظ و روح کے منافی ہے۔

اس کے برعکس جب کوئی قیمتی دھات مفید کام میں استعمال کی جائے جو زرِ مبادلہ نہ ہو۔ مثلاً طب یا طبِ جراحی۔ یا دندان سازی میں تو ان صورتوں میں اس کا استعمال بالکل جائز ہے اور اس طرح استعمال شدہ چاندی یا سونا ہمیشہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہنا چاہیئے۔

اگرچہ مہروں اور زیورات کو بنانے میں چاندی اور سونے کا استعمال ممنوع نہیں ہے لیکن قرآن پاک چونکہ انسان کو خرچ کرنے کی تلقین اور ذخیرہ اندوزی کی ممانعت کرتا ہے۔ لہٰذا مہروں اور زیورات کے لئے چاندی اور سونے کا استعمال مناسب حدود کے اندر رہنا چاہیئے۔ جو ذخیرہ اندوزی کی حد تک نہ پہنچے ان ممنوعات دقیود کی تائید اس لئے ہے کہ جب تک چاندی اور سونے کو زرِ مبادلہ تسلیم کیا جائے۔ ان کی جتنی زیادہ مقدار ملک میں گردش کرنے سے

Marfat.com

روک دی جائے ۔ اتنا ہی کم حقیقی سرمایہ معاشرے کے مفید کاموں کے لیے میسّر ہو گا)

فقہائے حنفی کی رائے ہیں، چاندی اور سونے پر زکوٰۃ کی فرضیت قطعی ہے لہٰذا کسی شکل میں بھی ہوں۔ ان پر سے زکوٰۃ کی فرضیت ہرگز ختم نہیں ہوتی[1]

فقہ حنفی کی یہ رائے، طب میں استعمال کے سوا بالکل صحیح اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہے اس لئے کہ (الف) چاندی اور سونے کی قدرتی خصوصیت کی وجہ سے ان کی مالیت پوری طرح محفوظ ہوتی ہے خواہ انہیں کوئی شکل دے دی جائے۔ (ب) چاندی اور سونے کے زیورات خواہ قانونی مالک انہیں استعمال میں لائے یا نہ لائے عام طور پر مالک کی فاضل دولت ہوتے ہیں۔ جس کو وہ اپنے آرام و سہولت کی غرض سے سکوں میں رکھنے کی بجائے، زیورات کی شکل میں رکھنے کو ترجیح دیتا ہے۔ اس حالت میں چاندی اور سونے کے زیورات کو محض اس وجہ سے کہ وہ زیورات ہیں زکوٰۃ کی ادائیگی سے خارج کرنا نہ صرف انتہائی بے جا و بے مقصد بات ہے۔ بلکہ زکوٰۃ دینے والے کو ایک مقدس فرض کی ادائیگی سے بچانے کے لئے آسان بہانہ بھی مہیا کرتا ہے اور دوسری طرف یہ مستحقین زکوٰۃ کے ساتھ ظلم ہے کیونکہ ان کو ان کے خدا داد حق سے محروم کرتا ہے۔

مندرجہ ذیل احادیث سے جنہیں امام الترمذی نے بیان کیا ہے اور جن میں رسول کریمؐ نے قیمتی دھاتوں کے زیورات پر زکوٰۃ کا نفاذ خود مقرر فرمایا ہے حنفی نقطۂ نظر کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب سے روایت ہے، اس نے

---

[1] ۔ قدیم ترین علماء میں سے جو چاندی اور سونے کے زیورات پر وجوب زکوٰۃ کے قائل تھے، ان میں اہم حضرت عمر بن خطاب، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں۔

کہا کہ رسول اللہؐ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! (خدا کی راہ میں) خیرات کرو، خواہ تمہارے زیورات میں سے ہو۔ (روایت امام ترمذی)

عمرو بن شعیب نے اپنے والد، اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ کے پاس دو عورتیں حاضر ہوئیں۔ جنہوں نے سونے کے دو کنگن پہن رکھے تھے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا: کیا تم دونوں ان (کنگن) کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ دونوں نے جواب دیا: نہیں۔ تو رسول اللہ نے فرمایا: کیا تم کو یہ پسند ہے کہ اللہ تمہیں زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کی پاداش میں) آگ کے کنگن پہنائے؟ دونوں نے نفی میں جواب دیا۔ تو آپؐ نے کہا: پھر ان کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ (روایت امام ترمذی)

امّ سلمہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں سونے کے زیورات پہنا کرتی تھی۔ چنانچہ میں نے رسول اللہ سے پوچھا کہ کیا یہ ذخیرہ اندوزی (کی تعریف میں آتے) ہیں؟ تو (آپؐ نے فرمایا: ان کی مقدار سے قطع نظر، اگر تو ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہے، جس سے یہ پاک ہو جاتے ہیں تو یہ ذخیرہ اندوزی نہیں ہے۔ (روایت امام مالک اور امام ابوداؤد)

عام طور پر چاندی اور سونے کے زیورات پر زکوٰۃ نہ ہونے کے حق میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ ان کے قانونی مالک انکو استعمال کرتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کے قانونی مالک ان زیورات کی نمائش کرتے ہیں، ان کو محفوظ رکھتے ہیں تو زیادہ صحیح ہوگا۔ دراصل ایک چیز کے استعمال میں آنے کا یہ مطلب ہے، یا کم از کم یہ مطلب ہونا چاہیئے کہ اس سے استعمال کرنے والے کو کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہو۔ زیورات کے پہننے سے صرف یہی فائدہ سمجھ میں آتا ہے کہ

Marfat.com

اس سے ذاتی دل کشی بڑھانے کے جذبے کی تسکین ہوتی ہے اور ذاتی دلکشی بڑھانا، اپنے ایمان کے بنیادی اصولوں میں سے ایک کی ادائی نہ کرنے کے لئے کوئی معقول بہانہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں کسی دولت پر زکوٰۃ کی فرضیت یا عدم فرضیت اس کے افادے پر قطعاً منحصر نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی اس پر منحصر ہوتی ہے کہ متعلقہ دولت واقعی استعمال میں ہے یا نہیں۔ قانون زکوٰۃ کی رو سے کسی دولت پر زکوٰۃ کا نفاذ دو اہم شرائط پر مبنی ہے: اولاً یہ کہ دولت قدر دوام کی حامل ہو۔ اور ثانیاً یہ کہ دولت قانونی مالک کی جائز ضروریات سے فاضل ہو۔

مثلاً گائے بیل خواہ چراگاہ میں چرنے والے ہوں یا نہ ہوں قانونی مالک کے لئے کلیتاً مفید ہوتے ہیں۔ مالک کو بچھڑے جن کر دیتے ہیں۔ دودھ اور گوشت کی صورت میں ان سے حلال خوراک حاصل ہوتی ہے۔ ان کی کھالیں بھی استعمال ہوتی ہیں۔ ہل چلانے، گاڑی اور پانی کھینچنے کی خدمت بھی ان سے لی جاسکتی ہے؛ وغیرہ وغیرہ۔ تاہم چراگاہ میں نہ چرنیوالے گائے بیل یعنی جو سال میں ۶ ماہ سے زیادہ تھان پر کھلائے جاتے ہوں۔ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ حالانکہ چراگاہ میں چرنیوالے گائے بیل، یعنی جو سال میں چھ ماہ سے زیادہ چراگاہ میں چرتے ہیں۔ قابل زکوٰۃ ہوتے ہیں۔ یہی حال چراگاہ میں چرنے والے اونٹوں، بھیڑ بکریوں اور گھوڑوں کا ہے۔ جو سب اپنے مالکوں کے لئے نہایت مفید ہیں۔

چنانچہ کسی دولت کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرنے کے لئے اس کی افادیت قطعاً دلیل نہیں ہے۔ چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں پر زکوٰۃ کا نفاذ اور چراگاہ میں نہ چرنیوالے پالتو مویشیوں پر زکوٰۃ کے عدم نفاذ میں ان کی افادیت یا عدم افادیت کا کوئی عمل دخل نہیں ان دونوں اقسام میں فرق صرف یہ ہے کہ چراگاہ میں چرنیوالے پالتو مویشیوں پر قانونی مالک کا خرچ کچھ نہیں یا

Marfat.com

بہت کم خرچ آتا ہے۔ اور اس لیے جب ان کی تعداد ان کے مقررشدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہوتی ہے تو یہ قانونی مالک کے لئے واقعی قدرِ دوام کی حامل فاضل دولت ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس، دوسری قسم پر یعنی جو چرنیوالے مویشی چھ ماہ سے زیادہ تھان پر کھڑے کھلائے جاتے ہیں۔ ان پر قانونی مالک کا لازمی خرچ آتا ہے۔ لہٰذا ان کی تعداد خواہ کتنی زیادہ کیوں نہ ہو یہ قانونی مالک کے لئے قدرِ دوام کی حامل فاضل دولت نہیں بلکہ محدود مالیت کی ہی دولت ہیں۔ یہی دلیل چراگاہ میں نہ چرنیوالے پالتو مویشیوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرنے کے لئے کافی ہے۔

چاندی اور سونے کے زیورات سے متعلق، یہ حقیقت ہے کہ خریدنے کے بعد، قانونی مالک پر ان کے مزید اخراجات کا بار نہیں ہوتا۔ خواہ یہ پوری عمر اس کی ملکیت میں رہیں۔ دوسری طرف علاوہ ازیں زیورات کی زرگری کی قیمت کے چاندی کے بدلے چاندی اور سونے کے بدلے سونے کے حساب سے ان قیمتی دھاتوں کی مقدار میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے زیورات وغیرہ کی شکل میں چاندی یا سونا قانونی مالک کے لئے واقعی قدرِ دوام کی حامل دولت ہیں۔ جنہیں جب بھی جی چاہے، سکوں یا کسی بھی قسم کی قانونی کرنسی میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

امام شافعی عورتوں کے قیمتی زیورات کو لباس سے مشابہ کر کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح ان کی رائے میں، چاندی اور سونے کی مہریں بھی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونی چاہئیں کیونکہ یہ جائز روزانہ استعمال کی چیز ہیں۔ امام شافعی کی یہ رائے یقیناً ان کے زمانے کے عادات ورسوم سے متاثر تھی۔ امام مالک اور امام غزالی بھی اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ جو قیمتی زیورات ذاتی استعمال میں رہتے ہیں ان پر زکوٰۃ عائد نہیں ہونی چاہیئے۔ امام مالکؒ اپنے فتوے کی بنیاد اس دوسری روایت پر بھی رکھتے ہیں جسے عبدالرحمان بن القاسم

Marfat.com

نے، اپنے والد سے سن کر، بتلایا کہ حضرت ام المومنین عائشہ رض اپنے ایک مرحوم بھائی کی یتیم بچیوں کے طلائی زیورات پر زکوٰۃ ادا نہیں کرتی تھیں، جو ان کے زیر پرورش تھیں۔ پھر امام مالک اپنے فتوے کی بنیاد اس دوسری روایت پر بھی رکھتے ہیں، جسے نافع نے بیان کیا کہ عبداللہ بن عمر رض نے اپنی بیٹیوں اور نوکرانیوں کو جو سونے کے زیورات دے رکھے تھے، وہ ان پر زکوٰۃ نہیں دیتے تھے۔

لیکن ان دونوں روایتوں کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے بھی کوئی یقینی شہادت نہیں ہے کہ ہر دو صورتوں میں زیورات مقررشدہ نصاب کے برابر تھے۔ یہ عین ممکن اور اغلب ہے کہ ہر دو صورتوں میں الگ الگ ہر قانونی مالک کے پاس جو زیورات تھے وہ نصاب کے وزن سے کم ہوتے ہوں گے۔ اور اس لئے ان پر زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی ہوگی۔

یہ قانونی نکتہ بھی ذہن نشین رکھنا ہوگا کہ زیورات دے دینے کے بعد دینے والے کی ادائیگی زکوٰۃ کی ذمہ داری ان پر قانوناً ختم ہوگئی۔ صرف اگر بیٹیوں کی عمر بلوغت سے کم ہوتی۔ اور ہر ایک کے زیور یا زیورات کی مالیت نصاب کے برابر یا زیادہ تھی۔ تو ان پر زکوٰۃ کی ادائیگی ان کے والد کی ذمہ داری[۱] ہوتی۔ اور اسی طرح نوکرانیوں کے بارے میں فقط اس صورت میں ان کے زیورات پر زکوٰۃ کی ادائیگی حضرت عبداللہ بن عمر رض کی ذمہ داری ہوتی کہ ہر ایک نوکرانی کی عمر بلوغت سے کم ہوکر وہ ان رض کی سرپرستی میں تھی۔ اور ہر ایک کے زیور یا زیورات کی مالیت بھی مقررشدہ نصاب کے برابر یا زیادہ تھی۔

---

[۱] فقہ حنفی کی رو سے نابالغ لڑکا لڑکی پر زکوٰۃ واجب نہیں اور نہ ان کے والد پر یہ واجب ہے کہ ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کریں۔ البتہ امام الشافعی اور بعض ائمہ کے ہاں نابالغ لڑکا لڑکی اگر نصاب کا مالک ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

امام مالکؒ کی یہ رائے بھی ہے کہ چاندی اور/یا سونے کے ٹوٹے ہوئے زیورات پر زکوٰۃ عائد نہیں ہونی چاہیئے۔ جو قابلِ مرمت ہونے کی وجہ سے وقتی طور پر زیرِ استعمال نہ ہوں، بلکہ انہیں ناقابلِ زکوٰۃ جائیداد کی طرح سمجھنا چاہیئے۔ امام مالک کی اس رائے سے اتفاق کرنا مشکل ہے۔ اس لئے کہ زکوٰۃ کا نفاذ چاندی اور سونے کے وزن پر ہوتا تھا۔ نہ کہ ان کی تیار شدہ مالیت پر[۱]۔ چنانچہ ٹوٹے ہوئے زیورات کو اس لئے زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرنا معقول دلیل نہیں ہے کیونکہ ایسی صورت میں تو صرف ان کی بناوٹ کو نقصان پہنچا ہے، قیمتی دھات کی پوری مالیت تو موجود ہے۔

زیورات پہننے سے قرآن پاک نے روکا نہیں بلکہ واضح طور پر اس کی اجازت دی ہے تاہم اس اہم حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ عین وہی قرآنی آیات جو زیورات پہننے کو جواز عطا کرتی ہیں، اس امر سے بھی آگاہ کرتی ہیں کہ زیورات کا استعمال حدِ اعتدال سے نہیں بڑھنا چاہیئے۔ بلکہ وقار اور خوش ذوقی کی حدود کے اندر رہنا چاہیئے۔

یٰبنی ادم خذوا زینتکم عند کل مسجد و کلوا واشربوا ولا
تسرفوا ۚ انہٗ لا یحب المسرفین ۝ قل من حرم زینۃ
اللہ التی اخرج لعبادہٖ والطیبٰت من الرزق ۚ قل ھی للذین
امنوا فی الحیوۃ الدنیا خالصۃ یوم القیٰمۃ ۚ کذلک نفصل
الایٰت لقوم یعلمون ۝

اے بنی آدم! مسجد میں جاؤ تو اپنے آپ کو آراستہ کر لو۔ اور
کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو۔ یقیناً اللہ مسرفوں کو محبوب نہیں

---

[۱] جس وزن یا مقدار کا مقرر شدہ نصاب، رسول کریمؐ کے زمانے میں ۲۴ من اناج کی بازاری قیمت کے برابر تھا۔

رکھتا ٥ (اے نبی کریم! آپ) کہہ دیجئے: کس نے حرام کر دیا اس زینت و آرائش کو، اس پاک و ستھرے کھانے اور رزق کو جس کو خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا؟ (اے نبی کریم) تم ان سے یہ بھی کہہ دو کہ مومنوں کے لئے یہ سب دنیاوی زندگی میں قابل استعمال ہیں اور روز قیامت تو یہ سب چیزیں ان کے ساتھ خاص ہوں گی (دشمنانِ اسلام کو یا دشمنانِ خدا و رسول کو ہرگز نہ ملیں گی) ہم اسی طرح اپنے احکام کو تفصیل وار بیان کرتے ہیں (مگر کن کے لئے) علم والوں کے لئے، سمجھ والوں کے لئے ٥

(سورۃ الاعراف: آیات نمبر ۲ اور ۳۲)

"زیور" کی اصطلاح سے یہ مراد کبھی نہیں ہوتی ہے کہ وہ ضرور ہی خالص یا ملاوٹ شدہ چاندی یا سونے کے بنے ہوئے ہوں۔ اور نہ ان کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ان میں چاندی یا سونے کی مقرر شدہ نصاب کے برابر یا زیادہ مقدار شامل ہو۔ قومی معاشیات میں چاندی اور سونے کی انتہائی اہمیت کے پیش نظر کم قیمتی دوسری اشیاء سے فنکارانہ خوب صورتی کے حامل زیورات تیار کئے جا سکتے ہیں۔ قرآن پاک میں بھی اس طرف اشارہ ہے:

وما یستوی البحران ھذا عذب فرات سائغ شرابہ وھذا ملح اجاج ط ومن کل تاکلون لحما طریا وتستخرجون حلیۃ تلبسونھا ۔۔۔۔

اور یہ دونوں دریا آپس میں برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ میٹھا پیاس بجھانے والا، خوشگوار ہے۔ اور یہ نمکین، جو تلخ ہے کھارا کڑوا ہے اور تم ان میں کے ہر ایک سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور پہننے کے لئے زیور نکالتے ہو ۔۔۔۔ ٥

(سورۃ الفاطر: آیت نمبر ۱۲)

Marfat.com

ایک انسان کی زندگی میں چاندی اور سونے کے زیورات کا مقام قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات میں بالکل واضح کر دیا گیا ہے :

ولولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ لجعلنا لمن یکفر بالرحمٰن لبیوتہم سقفا من فضۃ ومعارج علیہا یظہرون ○ ولبیوتہم ابوابا وسررا علیہا یتکئون ○ وزخرفا وان کل ذلک لما متاع الحیوۃ الدنیا ط والاخرۃ عند ربک للمتقین ○

اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ لوگ سب ایک ہی جماعت ہو کر کثرت مال کی وجہ سے منکرین خدائے رحمٰن ہو جائیں گے۔ تو ہم ان کو اتنا دیتے کہ ان کے گھروں کی چھت اور سیڑھیاں چاندی کی ہوتیں جن پر وہ چڑھتے ○ اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی چاندی سے منڈھا دیتے جن پر یہ تکیہ دے کر بیٹھتے ○ اور سونا بھی اور یہ سب دنیاوی زندگی کی چند روزہ کامرانی اور تمتع ہے اور تمہارے رب کے پاس آخرت متقیوں کا حصہ ہے ○ (سورۃ الزخرف : آیات نمبر ۳۳ تا ۳۵)

امام شافعی کا یہ تقابل مبالغہ آمیز ہے کہ عورتوں کے زیورات پر خواہ وہ چاندی اور / یا سونے کے کیوں نہ ہوں۔ لباس کے مماثل ہونے کے سبب، زکوٰۃ محسوب نہیں ہونی چاہیئے ۔ دین اسلام کی نظر میں لباس انسان کی بنیادی ضروریات میں شامل ہے ۔ جس کا مقصد ستر پوشی ہے ۔ جو مقصد زیورات کا نہیں ہے ۔ پھر جس کپڑے سے لباس تیار ہوتا ہے ۔ وہ بلاشک قدر دوام کے حامل نہیں، جب کہ چاندی اور سونا دونوں قدر دوام کی حامل دولت کی شرط کو پورا کرتے ہیں ۔ لباس کے برخلاف زیورات اصولاً اپنی نوعیت سے فالتو ہیں ۔ خواہ وہ چاندی کے ہوں یا سونے کے، یا کسی اور چیز کے ؛ اس لئے زیورات

Marfat.com

کو لباس کے جیسی ضروری چیز کے برابر کا درجہ دینا قطعی درست نہیں ۔

۸ ۔ اگر ایک قانونی مالک کے پاس چاندی اور سونا دونوں ہوں جن کی مجموعی مالیت یا مقدار نصاب کے برابر یا زیادہ ہے ۔ خواہ ان میں سے ایک یا دونوں کی اپنی اپنی مالیت یا مقدار نصاب سے کم ہو تو زکوٰۃ اس چاندی اور سونے کی مجموعی مالیت یا مقدار پر ادا کی جائے گی ۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ چند علمائے کرام جن میں امام شافعی بھی شامل ہیں اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے کہ چاندی اور سونا ایک ہی قانونی نوع کی ہیں اور اس لئے وہ ان دونوں قیمتی دھاتوں کو ملا کر مجموعے پر زکوٰۃ کے نفاذ کے حق میں نہیں ہیں ۔

۹ ۔ جب کبھی چاندی اور سونے یا دونوں کا دوسری نوع کی قابل زکوٰۃ دولت سے تبادلہ کیا جائے ۔ خواہ تبادلہ تجارت کے لئے ہو یا اس میں ذاتی استعمال کے لئے قابل زکوٰۃ اشیاء خریدی ہوں تو یہ سودا قابل زکوٰۃ دولت کے تبادلے کے قوانین کے مطابق ہو گا ۔

۱۰ ۔ جب تک چاندی[۱] اور سونے کے قانونی مالک کی اپنے واجبات زکوٰۃ کی ادائیگی میں بے ایمانی کا واضح ثبوت موجود نہ ہو اس کی دیانت و امانت پر پورا اعتماد کیا جائے گا ۔ جس کی یہ ذاتی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام قیمتی اشیاء کا صحیح حساب رکھے جن پر زکوٰۃ واجب الادا ہے ۔

طاعةٌ و قولٌ معروفٌ فاذا عزم الامر

(اللہ اور پیغمبر کے احکام واجب الاطاعت ہیں اور ایک

---

[۱] ۔ سونا اور چاندی اموال باطنہ میں سے ہیں جن کی ادائے زکوٰۃ مالک کے ذمے ہیں ۔ حکومت کو اموال باطنہ کی زکوٰۃ لینے کا اختیار نہیں مگر سخت ضرورت کے وقت البتہ باقی اموال جیسے سائمہ یا خارج عشریہ میں مالک کی دیانت کا اعتبار ہو گا جب تک کہ واضح بے ایمانی معلوم نہ ہو ۔

Marfat.com

معقول اور مناسب بات ہے۔۔۔۔ ٥

(سورۂ محمد، آیت نمبر ۲۱)

۱۱۔ اگر چاندی یا سونے یا دونوں کے نصاب کے برابر یا زیادہ مقدار یا مالیت پر زکوٰۃ واجب الادا ہونے کے بعد[ل] لیکن اس کی ادائیگی سے پہلے اس دولت، یا اس کے ایک حصے کے بدلے میں ذاتی استعمال کے لئے ناقابلِ زکوٰۃ اشیاء خریدلی جائیں۔ یا اس چاندی یا سونے کو تحفے میں دے دیا جائے۔ یا یہ چوری ہوجائیں یا اتفاقاً ضائع ہوجائیں تو ان پر زکوٰۃ کی فرضیت قائم رہتی ہے۔ اور یہ فرضیت مذکورہ دولت یا اس کا ایک حصہ، قانونی مالک کے قبضے میں موجود نہ رہنے کے سبب ختم نہیں ہوجاتی۔ چونکہ وجوب زکوٰۃ کی تمام شرائط بمع سال بھر کی ملکیت کے پوری ہوچکی ہیں۔ تو زکوٰۃ کے واجبات حسب قاعدہ دیئے جائیں گے۔ اس قانون کا اطلاق قابلِ زکوٰۃ ہر دوسری دولت پر بھی اسی طرح ہوتا ہے۔

۱۲۔ اس کے برعکس اگر قانون نمبر ۱۱ میں مذکورہ خرچ یا نقصان، دولت پر سال ملکیت پورا ہوجانے سے پہلے ہوجائے تو اس دولت پر وجوب زکوٰۃ اور اس کی ادائیگی کی فرضیت تمام دولت یا اس کے غیر موجود حصے کی سال ملکیت کی شرط مکمل نہ ہونے سے کلّی یا جزوی طور پر ختم ہوجائے گی یہ قانون اس وقت بھی عائد ہوگا جب سال ملکیت پورا ہونے سے عین

ل۔ مال زکوٰۃ اگر خود بخود ہلاک ہوجائے تو اس پر زکوٰۃ دینا واجب نہیں اگرچہ یہ ہلاکت تقرر زکوٰۃ کے بعد کیوں نہ ہو۔ یہ مسلک امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا ہے۔ امام الشافعی کی ہاں زکوٰۃ دینا واجب ہے بشرطیکہ مالک کو زکوٰۃ دینے کا موقعہ اور ممکن ملا ہو۔ اگر مالک نے خود مال کو قصداً ہلاک کیا تو اس صورت میں اتفاقاً زکوٰۃ واجب ہے۔

Marfat.com

پہلے بھی قانونی مالک کا قبضہ مذکورہ دولت پر ختم ہو جائے۔

۱۳۔ آخراً اگر یہ ثابت ہو جائے کہ زیر بحث دولت کے قانونی مالک نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے اس کو بدنیتی سے مخفی کر دیا ہے۔ یا اس کو دانستہ ضائع ہونے دیا ہے یا ناقابلِ زکوٰۃ اشیاء کے بدلے میں دے دیا ہے۔ تو اس سے نہ صرف زکوٰۃ کے واجبات جبری طور پر وصول کئے جائیں گے بلکہ مجرم قانونی سزا کا بھی مستحق ہوگا۔

کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ کی فرضیت

عہد حاضر کے مسلمان کو، جس کا مقصد مسلم معاشرے میں ادارۂ زکوٰۃ کی دوبارہ بحالی ہے۔ اس متنازع فیہ مسئلے کے حل کا سامنا ہے کہ جس فاضل دولت کو کرنسی نوٹوں کی شکل میں رکھا گیا ہو۔ اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہے یا نہیں۔

آج کل، دنیا بھر میں چونکہ کرنسی نوٹ عام استعمال میں ہیں۔ اس لئے جس دولت کی وہ نمائندگی کرتے ہیں اس پر قانونِ زکوٰۃ کا نفاذ بذاتِ خود بے محل نہیں ہے لیکن صورت حال کی اصلیت کو سمجھنے کے لئے خود کرنسی نوٹ کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔

(الف) کرنسی نوٹ کا آغاز کیسے ہوا؟

(ب) اس سے کس شئے کی نمائندگی مقصود ہے؟

(ج) درحقیقت یہ کس شے کی نمائندگی کرتا ہے؟

(د) اور اس پر کیوں زکوٰۃ فرض ہونی چاہیئے؟

ان نکات کو سمجھنے کے لئے کرنسی نوٹ کے تاریخی پہلو پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

جدید کرنسی نوٹ کی اولین شکل قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں سُنار کی دکانوں

Marfat.com

کی پشت پناہی میں وجود میں آئی۔ اس زمانے کا سنار دو فرائض انجام دیتا تھا ایک تو اس کے پیشے کی عام مصروفیات تھیں۔ دوسرا کام جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ اس نے سنبھال لیا۔ یہ تھا کہ دولت مند تجار کے سونے کے ذخیروں کی بڑی مقدار کا وہ امانت دار بن گیا تھا۔ حقیقتاً یہی دولت مند تجار اس طرح سے غیر ارادی طور پر، ایک فریب کارانہ نظامِ زر کے لئے زمین ہموار کرنے کا موجب بنے جس میں اس نظام کے پودے کو تقویت پہنچی۔ یہ لوگ حفاظت کی خاطر اپنا سونا سنار کے حوالے کر کے بسا اوقات اس کو واپس لینے سے پرہیز کرتے تھے۔ اور اپنی سہولت کے پیش نظر آپس کے لین دین میں ترجیحاً سنار کی رسیدوں کو ہی، بطور زرِ مبادلہ استعمال کرنے لگے۔

جب یہ طریقہ کار ایک عام دستور بن گیا تو لالچی سناروں نے اس سے پورا عیارانہ فائدہ اٹھایا، چنانچہ تجار کے طلائی سرمایہ کے ان امانت داروں نے آسانی سے حصول دولت کی اندھی حرص اور سود خوری کی لالچ میں یہ چالاک اور شرمناک طریقہ ایجاد کیا اور مصنوعی کرنسی کی بنیاد رکھی۔ آغاز میں بددیانت سناروں نے اس بطور امانت رکھے ہوئے سونے کی پشت پناہی میں قرضوں کی شکل میں خود اپنی رسیدوں کو پھیلانا شروع کیا۔ ان رسیدوں یا نوٹوں کی ضمانت پر جو سونا ان کے پاس ہوتا تھا۔ اس میں کچھ تو ان کا اپنا، لیکن زیادہ تر تجار کی رکھی ہوئی امانت کا ہوتا تھا۔ بعد ازیں یہ لوگ نام سونے کی مقدار پر[1]، وہ اپنی رسیدیں یا نوٹ جاری کر دیتے۔ یعنی موجود ہونے سے دس گنا زیادہ مالیت کی رسیدیں جاری کر کے اس کو پورا ہضم کرنے لگے۔ حالانکہ ان رسیدوں کی ضمانت کے طور پر جو بھی تھوڑا بہت سونا تھا بیشتر خود ان کا اپنا نہ تھا۔

تفصیلی معلومات اور واقفیت کے لئے جیفری مارک (Jeffery Mark)

---

[1] اکثر اوقات یہ سنار کے پاس موجودہ سونے کے دس فی صد سے زیادہ نہ تھا۔

کی کتاب " جدید بُت پرستی " (The Modern Idollatory)
کے مطالعے کی سفارش کی جاتی ہے[1] جنہوں نے قرونِ وسطیٰ کے یورپی ساہوکاروں ان کے جانشینوں اور پیروکاروں کی غیر معمولی کارستانیوں کی حیرت انگیز تصویر کھینچی ہے۔

ہمارے پہلے سوال کا جواب دیتے ہوئے۔ جفری مارک کی کتاب مدلّل طور سے ثابت کرتی ہے کہ عہدِ حاضر کے کرنسی نوٹ کا پہلا ڈھانچہ یورپ کے ان بے ایمان ادھار دینے والوں ساہوکاروں کا پیدا کردہ تھا۔ جن کا صرف یہی مقصد تھا کہ وہ بھولے عوام سے استفادہ کریں، جو اس بارے میں پسِ پشت خیانت اور عیاری کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

دوسرے سوال کے جواب میں یہ بات عام طور پر معلوم ہے کہ کرنسی نوٹ دراصل ایک مقرّرہ مقدار میں قیمتی دھات (یعنی سونا) کی نمائندگی کرتا تھا، جو آغاز میں ساہوکار کی تجوریوں میں اور پھر اس بنک کے تہ خانوں میں جو ان نوٹوں کو جاری کرنے کا ذمہ دار ہوتا تھا، محفوظ ہوتا رہا۔ درحقیقت پہلی جنگِ عظیم کے بعد کئی سالوں تک، اس فریب کو، کہ "کرنسی نوٹ کسی بھی وقت سونے میں تبدیل کروائے جا سکتے ہیں" کافی حد تک کامیابی سے چند ملکوں میں اس طرح برقرار رکھا

---

[1] اس کے علاوہ، جی۔ فرو (G. Ferro) کی کتاب "رومی سلطنت کی عظمت اور زوال" (Rise and Fall of Roman Empire) جلد ۶، صفحہ ۲۳۳، ڈاکٹر اے آئی قریشی کی کتاب "اسلام اور نظریہ سود" (Islam and Theory of Interest) کے صفحات ۱۲۳ تا ۱۵۳، اور ارنیسٹ سائیکس (Ernest Skyes) کی کتاب "بنکنگ اور کرنسی" (Banking and Currency) کا مطالعہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

Marfat.com

گیا کہ کوئی بھی نوٹ کا حامل مطالبہ کرکے نوٹ پر لکھی ہوئی مقدار کے برابر فوراً سونا لے سکتا تھا۔ ایسی ادائیگی دراصل وہ صدیوں پرانا تصور تھا جو یورپ میں، قرونِ وسطیٰ سے، رائج تھا کہ ان رسیدوں اور نوٹوں کے حاملین میں سے بہت کم اپنے اس سونے کا تقاضا کریں۔ یہ صورتِ حال انگلستان اور میکسیکو میں ۱۹۳۱ء تک، ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ۱۹۳۳ء تک اور سوئٹزرلینڈ میں ۱۹۳۶ء تک قائم رہی۔

تیسرے سوال کا جواب اس ناخوشگوار حقیقت میں مضمر ہے کہ موجودہ کرنسی نوٹ کی اولین صورت نوے فیصد دھوکے کے سوا اور کچھ نہیں تھی۔ قدیم نوٹوں اور آج کل کے نوٹوں میں اصل فرق یہ ہے کہ قدیم نوٹوں کے بارے میں لوگوں کا تصور یہ تھا کہ وہ جب جی چاہے انہیں سونے میں تبدیل کروا سکتے تھے جب کہ جدید کرنسی نوٹوں کی بابت یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ وہ ناقابلِ تبدیل ہیں بالفاظِ دیگر کرنسی نوٹ کی اصل خاصیت ایک رسید کی نہیں بلکہ نقد دولت کی علامت یا نشانی (Monetary Token) ہے۔

اب ہم چوتھے سوال کا جواب تلاش کریں گے: کرنسی نوٹ میں وہ کون سی خاصیت ہے جس کی بنا پر اس پر زکوٰۃ واجب الادا ہوتی ہے؟ لیکن قبل اس کے ہمیں یہ دریافت کرنا ہے کہ چاندی اور سونا کن خصوصیات کی بنا پر قابلِ زکوٰۃ ہیں؟

عام رائے میں چونکہ چاندی اور سونا دولت کا سب سے شاندار مظہر اور اعلیٰ ترین نشانی سمجھے جاتے ہیں۔ اس لئے قابلِ زکوٰۃ ہیں۔

یہ درست ہے کہ انسانی تاریخ کے آغاز سے لے کر اب تک چاندی اور خصوصاً سونے کو اپنے اپنے زمانے کی اکثر مہذب و متمدن قوموں نے بڑی عزت و توقیر دی ہے۔ دوسری دھاتوں کے مقابلے میں ان دونوں دھاتوں کی طبیعی خوبیوں نے انکے لئے بہت قدیم زمانے میں "قیمتی" کا

Marfat.com

لقب حاصل کیا۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی مادی چیز کو جو بذاتِ خود انسان کی زندگی کے لئے لازمی نہیں "قیمتی" کی صفت سے منسوب کرنا صرف بنی آدم کے ایک نہایت ناپائیدار مادی تصور کے احساس کا اظہار ہے اور اس لئے یہ ایک بالکل اضافی مسئلہ ہے۔

تاریخ انسانی میں، مادی قدر و قیمت کی اضافی حیثیت کی وضاحت کے لئے سب سے دلچسپ مثال ازٹک (Aztec) تہذیب ہے جو ہسپانوی قبضے کے وقت (سولہویں صدی) تک میکسیکو میں کامیابی سے جاری و ساری تھی۔ ہسپانوی عہد حکومت سے پہلے امریکی براعظموں کی سب دوسری دیسی تہذیبوں کے ساتھ ازٹک تہذیب کی انتہائی دلچسپ خصوصیت یہ ہے کہ ان سب کے پاس، جدید اصطلاح کے مطابق، کوئی نظام زر تھا ہی نہیں۔ میکسیکو میں جیسے کہ پیرو اور کولمبیا میں بھی — چاندی اور سونا بہت بڑی اور وافر مقدار میں پایا جاتا ہے، اور سونے کی صناعی اور کاریگری میں قوم ازٹک بڑی اعلیٰ سطح تک پہنچی ہوئی تھی۔ وہ سونے سے نہایت ماہرانہ اور تخلیقی حسن کی چیزیں تیار کرتے تھے۔ تاہم چاندی اور سونا دونوں ان کے معاشی نظام میں کوئی اہمیت نہ رکھنے کے سبب کوئی مخصوص قوتِ خرید نہیں رکھتے تھے۔ قوم ازٹک میں تجارت اشیاء کے باہمی تبادلے سے ہوتی تھی اور ان اشیاء میں سے بھی کوکو کی پھلیاں، بطورِ معیاری شئے تبادلے کے لئے ہر جگہ قبول کی جاتی تھیں۔ چنانچہ جب ایک شخص کو دوسرے کی مصنوعات کی ضرورت ہوتی اور ان مصنوعات کا مالک خریدنے والے کا سامان تبادلے میں قبول کرنا نہ چاہتا تو یہ سودا کوکو کی پھلیوں کے ذریعے انجام پاتا۔ اس لحاظ سے، اس مہذب قوم کی معاشی تنظیم میں کوکو کی پھلیاں زرِ مبادلہ کا فرض انجام دیتی تھیں۔

مندرجہ بالا تاریخی مثال اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ مادی قدر و قیمت

Marfat.com

انسانی نظر میں صرف اضافی حیثیت رکھتی ہیں اور نتیجتاً چاندی اور سونے کو انسانی معاشیات میں "قیمتی" سمجھنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ اور نہ ہی ان دونوں دھاتوں کو کسی قوم کی معاشی زندگی میں ایک اہم عامل کا کردار لازمی طور پر ادا کرنا ہے چنانچہ قوم ازٹک کو چاندی اور سونا آسانی اور افراط سے مل جاتا تھا۔ اس لئے انہوں نے ان دھاتوں کو کوئی غیر معمولی اہمیت نہیں دی۔ چنانچہ اگر اس قوم میں زکوٰۃ عائد کی گئی ہوتی تو قانوناً چاندی اور سونے دونوں پر ہی زکوٰۃ کا نفاذ نہ ہوتا۔ دوسری طرف اس حقیقت کے پیش نظر کہ اس قوم میں کوکو کی پھلیاں باہمی تبادلے کے لئے تسلیم شدہ زرمبادلہ تھیں۔ یعنی کوکو کی پھلیوں کو ایک متعینہ قوت خرید دی گئی تھی — اس وجہ سے یہ قانوناً بالکل قرین عقل ہوتا کہ اس کی فصل آنے پر نہ سڑنے والی زرعی پیداوار پر زکوٰۃ کی عام شرح دس فی صد کے بجائے، بیس فیصد زکوٰۃ عائد ہوتی۔ جیسا کہ چاندی اور سونے پر کان سے نکالنے کے وقت، عائد کی جاتی ہے۔

اس دلیل سے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ چاندی اور سونے کو ان کی پائیداری کی وجہ سے "قیمتی" صفت سے منسوب کر رکھنے کی بنا پر، اور زرمبادلے کی حیثیت سے اہمیت حاصل ہے اگر چاندی اور سونے کو یہ مرکزی اور اہم حیثیت حاصل نہ ہوتی تو ان دونوں دھاتوں پر زکوٰۃ عائد کرنے کا کوئی سبب ہی نہ ہوتا۔ یہ درست ہے کہ اور بھی ایسی دھاتیں ہیں جو نگاہوں کو اسی طرح بھلی لگتی ہیں اور چاندی اور سونے کی طرح پائیدار بھی ہیں۔ مثلاً پلاٹینم اور پارہ[1] لیکن عام رائے میں ان کی مالیت وہ نہیں ہے جو چاندی اور سونے سے عموماً منسوب کی جاتی ہے اور اس لئے وہ ہماری معاشی زندگی میں کوئی خاص کردار ادا نہیں کرتیں حتیٰ کہ ان کی تجارتی حیثیت سے قطع نظر، یہ ناقابلِ زکوٰۃ اشیاء رہیں حقیقت

---

[1] - اس فہرست میں قدیم کتابوں میں تانبہ بھی مذکور ہے۔

Marfat.com

یہ ہے کہ چاندی اور سونے پر زکوٰۃ صرف اس واسطے عائد ہوتی ہے کہ اسے عالمگیر طور پر معیاری زرمبادلہ تسلیم کر لیا گیا ہے، بالفاظ دیگر زکوٰۃ کا نفاذ قیمتی دھات کے مادے پر نہیں۔ بلکہ اس خصوصیت پر ہے جس کی یہ دھات نمائندگی کرتی رہتی ہے، یعنی، ان سے منسوب قوت خرید پر۔

اگر عالمی اتفاق سے چاندی اور سونا غیر قیمتی دھاتیں تسلیم کر کے انہیں بطور معیاری زرمبادلہ مسترد کیا جائے۔ تو ان پر زکوٰۃ کی قابلیت خود بخود ختم ہو جائے گی۔ نتیجتاً عوام کی معاشی زندگی میں جو چیز باہمی رضامندی سے معیاری زرمبادلہ قرار پائے گی۔ اس پر زکوٰۃ قدرتی اور لازمی طور پر عائد ہو گی۔ خواہ وہ چاندی ہو، سونا، کوکو کی پھلیاں ہوں یا گھونگھے[1]، کوڑیاں[2] ہوں، یا پتھر[3] یا کرنسی نوٹ وغیرہ وغیرہ۔

چنانچہ کرنسی نوٹ پر کس خاصیت کی بنا پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں ایک خاص تسلیم شدہ اور موثر قوت خرید موجود ہے۔

چاندی اور سونے پر زکوٰۃ کی ادائیگی کی طرح، کرنسی نوٹوں پر ادائیگی زکوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ لینے والے (مستحق) کو اپنی فاضل قوت خرید کا ایک مقررہ جزو منتقل کر دیتا ہے۔

۱۔ جزائر مالدیپ والے سفید گھونگے بطور کرنسی استعمال کیا کرتے تھے۔

۲۔ پانچویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں، گپت خاندان کے عہد میں کوڑیاں بطور زرمبادلہ استعمال ہوتی تھیں۔ ساتویں صدی عیسوی میں یہی خاندان چاندی اور سونے کے سکوں اور موتیوں کو بھی بطور زرمبادلہ استعمال کرتا تھا۔

۳۔ یوکاتان (جنوب میکسیکو) کی مایا (Maya) قوم کوکو کی پھلیوں کے علاوہ کچھ خاص پتھروں کو اور پرندہ "کٹزال" کے پروں کو بھی بطور کرنسی استعمال کرتے تھے۔

جو کردار سابقاً چاندی اور سونے کا تھا۔ وہ آج کرنسی نوٹ انجام دیتا ہے حتیٰ کہ بیشتر ممالک میں، اس کے علاوہ عام شہری کے لئے بڑی حد تک اور کوئی ذریعۂ خریداری ہوتا ہی نہیں۔ اس لئے موجودہ زمانے کا مسلمان اپنی فاضل دولت کو اکثراوقات کرنسی نوٹوں کی شکل میں ہی محفوظ کرتا ہے۔ اور جتنی دولت اس طرح مختلف افراد جمع کرتے جاتے ہیں۔ اتنی ہی قوتِ خرید عوام میں گشت کرنے سے روک لی جاتی ہے۔ اس وجہ سے جب تک کرنسی نوٹ میں زرِ مبادلہ کی خاصیت موجود ہے۔ یعنی جب تک اس میں قوتِ خرید قائم ہے اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی میں اعتراض کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا کرنسی نوٹوں کی شکل میں رکھی ہوئی فاضل دولت پر جو بعض اوقات بڑی مقداروں تک جا پہنچتی ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی یا اس سے انکار، اسلامی نقطۂ نظر سے اتنا ہی بڑا گناہ ہے جتنا کہ دوسری قسم کی فاضل قابلِ زکوٰۃ دولت پر ادائیگیٔ زکوٰۃ میں کوتاہی کرنے یا انکار کرنے سے ہوگا۔

کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے متعلق ایک آخری ممکن اعتراض ہو سکتا ہے کہ چاندی اور سونے کے برعکس کرنسی نوٹوں کا کاغذ بنیادی طور پر پائیدار یعنی قدر دوام کا حامل نہیں ہوتا۔ وقت گزرنے کے ساتھ، اور استعمال سے یہ خراب ہو جاتا ہے اور بذاتِ خود کاغذ کی کوئی خاص قیمت نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ کرنسی نوٹ مصنوعی زرِ مبادلہ ہونے کے باوجود عالمی سطح پر چاندی اور سونے کی جگہ زرِ مبادلہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اور اس لئے ان کی علامتی قیمت کو پائیدار نہ تسلیم کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں جب کہ انہیں جاری کرنے والے بنک پھٹے پرانے نوٹوں کو فوراً تبدیل کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں کرنسی نوٹوں کی کاغذی قیمت سے متعلق یہ بات ذہن نشین رہے کہ ان پر زکوٰۃ کا نفاذ کاغذ پر نہیں بلکہ ان نوٹوں میں تسلیم شدہ اور مؤثر قوتِ خرید کی بنا پر ہوتا ہے۔

Marfat.com

کرنسی نوٹ کے لئے فرضیتِ زکوٰۃ کی حدود اور زکوٰۃ کی شرح

کرنسی نوٹوں کا نصاب اور شرح زکوٰۃ خالص چاندی کے نصاب اور شرح کے ساتھ اصولی طور پر وابستہ ہے، لہٰذا کرنسی نوٹوں پر فرضیت زکوٰۃ کی حدود اور زکوٰۃ کی شرح ان ہی اصولوں کی پابند ہے جو خالص چاندی کے لئے مقرر کئے گئے ہیں[1]

نصاب

یہاں بھی وہی اصول عائد ہوگا جو چاندی اور سونے کے بارے میں ہے یعنی ملک کے باشندوں کی عام غذائی اناج کی سال بھر کی ضروریات کے بازاری اوسط نرخ کے مطابق کرنسی نوٹوں کے نصاب کو بھی متعین کیا جائے گا۔

چنانچہ عملاً ملک کے باشندوں کی عام غذا کے پانچ اونٹ بوجھ (۴۲ مَن یا ۱۶۸۰ سیر یا ۱۵۰۸ کیلو گرام) کے برابر وزن کا سال میں اوسط بازاری نرخ معلوم کرکے اس مالیت کے برابر کرنسی نوٹوں کا نصاب مقرر ہوگا۔

اس طرح جب کرنسی نوٹوں کی شکل میں اتنی مالیت سال بھر محفوظ رہے۔ جس سے پانچ اونٹ بوجھ کے برابر وزن کا عام غذائی اناج (گندم یا چاول، وغیرہ) خریدا جاسکے، تو اس مالیت کے نوٹوں پر (جو کہ نصاب ہے) ڈھائی فی صد شرح سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

بعد ازاں، نصاب کے برابر رقم کے ہر پانچویں حصے کے اضافے پر اس کا ڈھائی فیصد حصہ بطور زکوٰۃ ادا کیا جائے گا۔ جو رقم نصاب اور پہلے اضافے اور اس کے بعد ہر اضافے کے درمیان یعنی زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفوں میں آجائے

---

[1] ملاحظہ فرمائیں، چاندی اور سونے کا اصل نصاب

وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔ اور زکوٰۃ صرف اگلی قابل زکوٰۃ رقم پر ادا کی جائے گی۔

مثلاً ۱۹۸۰ء کے لئے نصاب ۲۹۴۰ روپے[1] مقرر کرتے ہوئے اس حد تک کرنسی نوٹوں پر واجب الاداء زکوٰۃ ۷۳،۵۰ روپے ہوگی۔ ۲۹۴۰ روپے سے زیادہ مالیت کے ہر ۵۸۸ روپے (یعنی ۲۹۴۰ روپے کے پانچویں حصے) پر ۱۴،۷۰ روپے زیادہ زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ اور جو زائد مالیت ۵۸۸ روپے سے کم ہو زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔

کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے قوانین

۱۔ جب ملک کے باشندوں کے عام غذائی اناج کی بازاری قیمت سال کے دوران کم و بیش ہوتی رہے تو اس کی سال میں اوسط قیمت خرید لے کر کرنسی نوٹوں کے لئے معیاری نصاب کا تعین کیا جائے گا۔

۲۔ چونکہ کرنسی نوٹوں کو چاندی اور سونے کے بجائے یا ان کے ساتھ بطور زرِ مبادلہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس لئے انہیں ان قیمتی دھاتوں کی قانونی نوع میں شمار کیا جائے گا۔ نتیجتہً جب ایک ہی قانونی مالک کی دولت چاندی سونے اور کرنسی نوٹوں کی شکل میں ہو تو نصاب کی جانچ کرنے وقت ایک ہی حکومت کی حدود[2] کے اندر، سال ملکیت

---

[1] ملاحظہ فرمائیں چاندی اور سونے کے مروجہ اوسط بازاری نرخ سے ترتیب شدہ نصاب اور متعلقہ فٹ نوٹ۔

[2] زکوٰۃ کے وجوب میں صرف اتحاد ملکیت ضروری ہے۔ اتحاد حکومت ضروری نہیں البتہ اگر ایک شخص کا مال دارالحرب میں ہو تو ایسی صورت میں چونکہ اس مال پر اس کا تسلط نہیں اس لئے زکوٰۃ بھی اس مال کی واجب نہیں لیکن اگر کسی مسلمان ملک میں اس کا مال ہو تو حساب کرتے وقت اس مال کو بھی شمار کرے گا۔

کے ایک ہی شمار پر موجود ان تین اقسام دولت کو جمع کر کے حساب کیا جائے گا۔
(الف) اگر قانونی مالک کی ملکیت میں کرنسی نوٹوں کے علاوہ نصاب سے کم مقدار یا مالیت کی چاندی یا سونا یا دونوں قیمتی دھاتیں ہوں۔ تو اس دھات یا ان دونوں دھاتوں کی کم از کم نصاب مقدار کی مالیت کو کرنسی نوٹوں کی مالیت میں جمع کیا جائے گا۔ یعنی قانونی مالک کی فاضل قوت خرید کا مجموعہ بنایا جائے گا۔ اور اگر یہ مجموعہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہے تو حساب کے مطابق اس پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی مکمل طور پر کرنسی نوٹوں میں کی جا سکتی ہے۔ چاندی یا سونے کی شکل میں دینا ضروری نہیں۔
(ب) دوسری طرف اگر قانونی مالک کے پاس کرنسی نوٹوں کے علاوہ چاندی اور سونا یا دونوں میں سے ایک دھات نصاب کے برابر یا زیادہ ہو تو دونوں (کرنسی نوٹوں اور قیمتی دھاتوں) کے مجموعے پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا قابل ترجیح طریقہ یہ ہے کہ ان کی نسبت سے دونوں اقسام میں زکوٰۃ دی جائے۔ یعنی کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ کرنسی نوٹوں میں اور قیمتی دھات کی زکوٰۃ اسی دھات یا ان ہی دھاتوں کی شکل میں۔
(ج) اگر چاندی یا سونا، یا دونوں سکوں یا ذرات، یا ڈلوں کی شکل میں نہ ہوں بلکہ زیورات، یا برتن وغیرہ کی شکل میں ہوں تو پوری واجب الادا زکوٰۃ مقامی کرنسی میں بھی دی جا سکتی ہے۔

اگر قانونی مالک کی قابل زکوٰۃ دولت صرف کرنسی نوٹوں کی شکل میں ہو یعنی اس کے پاس چاندی یا سونا بالکل نہ ہو تو زکوٰۃ کے واجبات مقامی کرنسی نوٹوں میں ادا کئے جائیں گے۔ کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ کبھی بھی چاندی یا سونے کی شکل میں جبراً وصول نہیں کی جا سکتی۔

عہد ماضی میں روپیہ چاندی کا ایک سکہ ہوتا تھا۔ جس کی قیمت تقریباً ڈیڑھ انگریزی شلنگ کے برابر تھی لیکن آج کل پاکستان، ہندوستان، وغیرہ میں رائج

Marfat.com

روپے نکل اور دوسری ملاوٹ کے ہوتے ہیں۔ جن میں چاندی ہوتی ہی نہیں اس کے بارے میں ڈاکٹر اے آئی قریشی لکھتے ہیں کہ جدید روپیہ ہی ایک کرنسی نوٹ ہے جو کاغذ کے بجائے کم قیمتی دھات سے ڈھالا گیا ہے اس لئے روپے کے سکوں کی شکل میں محفوظ رکھی گئی فاضل دولت پر زکوٰۃ کا نفاذ بھی کرنسی نوٹوں کی طرح شمار کیا جائے گا۔

یہی اصول دوسرے ممالک میں بطور زرمبادلہ تسلیم شدہ ان اعلیٰ قیمت کے سکوں پر بھی منطبق ہوتا ہے جن میں چاندی یا سونا بالکل نہیں ہے۔

۴۔ عام طور پر ادنیٰ قیمت کے سکوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ رکھنا چاہیئے۔ عملاً بڑی بچت ادنیٰ اقسام کے سکوں میں سنبھال کر رکھی نہیں جاتی۔ اور نہ ایسا کیا جانا چاہیئے۔ کیونکہ اس طرح چھوٹی ریزگاری کی بہت بڑی مقدار کو گشت کرنے سے روکنا معاشی زندگی میں ایک ایک بڑی الجھن کا باعث ہوگا۔ اگر کوئی صاحب نصاب زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے ایسا کرے تو یہ دغابازی کے مترادف ہوگا۔ اور ایسا شخص لائق سزا ہوگا۔

۵۔ جب کبھی کرنسی نوٹوں کا کسی اور قابل زکوٰۃ دولت سے تبادلہ کیا جائے خواہ اس تجارت میں کرنسی نوٹ دیئے گئے یا لئے گئے ہوں یا ذاتی استعمال کی قابل زکوٰۃ اشیاء خریدی گئی ہوں تو اس سودے پر قابل زکوٰۃ دولت کے تبادلے کے قوانین کا اطلاق ہوگا۔

۶۔ جب تک واضح ثبوت نہ ہو کہ صاحب نصاب قانونی مالک نے اپنی کرنسی نوٹوں کی شکل میں محفوظ رکھی گئی فاضل دولت پر زکوٰۃ کی ادائیگی میں بے ایمانی کی ہے۔ اس کی ایمانداری پر پورا بھروسہ اور اعتماد کیا جائے گا۔ کیونکہ قانونی مالک اپنی قابل زکوٰۃ دولت اور واجبات زکوٰۃ کی ادائیگی کا پورا اور صحیح حساب رکھنے کا خود ذمہ دار ہے[1]

---

[1] ملاحظہ فرمائیں۔ چاندی اور سونے کی ادائیگی زکوٰۃ کا قانون نمبر ۱۰

Marfat.com

۷۔ اگر کرنسی نوٹوں کی شکل میں دولت پر زکوٰۃ واجب الادا ہونے کے بعد لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی سے پہلے یہ نوٹ کلیتًا، یا ان کا ایک حصہ، ذاتی استعمال کی قابل زکوٰۃ اشیاء خریدنے کے لئے خرچ کیا جائے۔ یا تحفتًا دیا جائے۔ یا اتفاقًا ضائع یا چوری ہو جائے تو اس دولت پر قانونی مالک کے قبضے میں نہ رہنے کی وجہ سے زکوٰۃ کی فرضیت ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس قانونی مالک کی ذمہ داری بدستور قائم رہتی ہے۔ چونکہ زکوٰۃ کے نفاذ کی تمام شرائط سال ملکیت کی شرط کے ساتھ مکمل ہو چکی ہیں۔ تو زکوٰۃ کی ادائی لازم ہو گی۔

۸۔ مندرجہ بالا قانون نمبر ۷ میں مذکورہ کرنسی نوٹوں کا کلی یا جزوی خرچ یا نقصان اگر سال ملکیت کی تکمیل سے ایک دن پہلے بھی ہو جائے تو ان کی مالیت پر خرچ یا نقصان کے سبب زکوٰۃ کی فرضیت کلیًا یا جزوًا اس لئے ساقط ہو جائے گی کہ خرچ کئے ہوئے یا ضائع شدہ کرنسی نوٹوں پر سالِ ملکیت کی تکمیل کی شرط پوری نہیں ہوئی۔

۹۔ اگر ثابت ہو جائے کہ صاحب نصاب قانونی مالک نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے دیدہ دانستہ اپنی کرنسی نوٹوں کی شکل میں محفوظ فاضل دولت کو پوشیدہ کر دیا ہے یا بددیانتی سے ضائع ہونے دیا ہے تو اسے نہ صرف واجبات زکوٰۃ کی ادائیگی پر مجبور کیا جائے گا بلکہ وہ سزا کا مستحق بھی ہو گا۔

موتیوں اور قیمتی پتھروں پر زکوٰۃ کی فرضیت

مدتوں سے یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ موتیوں اور قیمتی پتھروں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ رکھا جائے۔ لیکن یہ طرز عمل قانون زکوٰۃ کے بنیادی اصولوں کے مدنظر، نظر ثانی کا محتاج ہے۔ اس نوع کی دولت کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ رکھنے کے لئے

Marfat.com

رسول کریمؐ کی یہ حدیث بطور دلیل پیش کی جاتی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا "لاخمس فی الحجر" یعنی (قیمتی) پتھروں سے خمس یا ان کا پانچواں حصہ (گویا بیس فی صد زکوٰۃ) نہ لیا جائے)

اس حدیث نبوی کی وضاحت و تفصیل بیان کرتے ہوئے اکثر قدیم علمائے کرام[1] نے یہ رائے دی ہے کہ موتی اور قیمتی پتھر زکوٰۃ سے قطعاً مستثنیٰ ہیں۔ ایسے اوپری فیصلے سے نہ تو مندرجہ بالا حدیث میں مذکور معنوں کی ترجمانی ہوتی ہے اور نہ ہی یہ قانون زکوٰۃ کے اصولوں کے مطابق ہے۔

رسول کریمؐ کا یہ حکم کہ قیمتی پتھر اس خمس سے مستثنیٰ رہیں جو دفینوں، مال غنیمت اور چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت پر نافذ ہوتا ہے اس بارے میں کوئی جائز دلیل پیش نہیں کرتا کہ ذاتی ملکیت کی خاصیت رکھنے والے موتیوں اور قیمتی پتھروں پر عام زکوٰۃ محسوب نہ کی جائے ایسا استثنا نہ صرف قانون زکوٰۃ کی روح کو نظر انداز کرتا ہے بلکہ یہ زکوٰۃ کے اصل مقصد کے بھی منافی ہے۔

موتیوں کو سمندر سے نکالنے اور قیمتی پتھروں کو کانوں سے حاصل کرنے کے وقت ان پر زکوٰۃ نہ عائد کرنا بالکل حق بجانب ہے۔ لیکن جس وقت موتیوں اور قیمتی پتھروں کی خاصیت ذاتی ملکیت کی ہو اس وقت ان کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرنا اخلاقی اور قانونی دونوں لحاظ سے کوئی جواز نہیں رکھتا۔

چاندی اور سونے پر خواہ خالص یا کثیف صورت میں کان سے نکلنے کے وقت زکوٰۃ اور دو وجوہات کی بنا پر نافذ ہوتی ہے۔

(الف) یہ کہ قانون اسلام میں ان دونوں قیمتی دھاتوں کو معیاری زر مبادلہ تسلیم کیا گیا ہے اور

(ب) یہ کہ خالص چاندی اور خالص سونا دونوں اکثر خالص دھاتوں کی طرح، بنیادی

---

[1] امام حسن البصری اور امام ابو یوسف، برعکس دوسرے فقہا کے، موتیوں پر بیس فیصد زکوٰۃ کے قائل ہیں۔

Marfat.com

طور پر اپنی ماہیت میں تبدیلی پیدا نہیں کرتے۔ جو موتیوں اور قیمتی پتھروں کے لئے درست نہیں۔ اوّلاً موتیوں اور قیمتی پتھروں کو بطور معیاری زر مبادلہ تسلیم نہیں کیا جاتا ہے۔ ثانیاً ہر جوہر کیفیت اور ماہیت میں ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے سبب نمایاں طور پہ مالیت میں بھی مختلف ہوتا ہے۔ قیمتی پتھروں کی مالیت نہ صرف ان کی آب پہ منحصر ہوتی ہے بلکہ ان کی تراش خراش اور پالش کی ہنرمندی اور صناعی میں بھی مضمر ہوتی ہے۔ چنانچہ جب تک یہ عمل پورا مکمل نہ ہو جائے جوہر کی قیمت کا اندازہ کرنا ناممکن ہے علاوہ ازیں ایک ہی کان سے حاصل شدہ دو قیمتی پتھروں میں سے ایک کی مالیت جوہری کی نگاہ میں غیر معمولی طور پہ اہم ہو سکتی ہے اور دوسرا اس کی نظر میں بالکل معمولی ہو سکتا ہے ایک ہی قسم کے جواہرات کی مالیت کی اس عظیم عدم مساوات کی ایک عمدہ مثال ایک طرف کم مالیت کا صنعتی ہیرا اور دوسری طرف آبدار و تابندہ درجہ اوّل کے گلاب کی شکل کا تراشیدہ ہیرا ہوتا ہے۔ چنانچہ جہاں تک سمندر اور کان سے نکلنے والے موتیوں اور قیمتی پتھروں کا تعلق ہے اس میں ہمیشہ قیمت کی کمی وبیشی کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اگر قانون یہ بنا ہوتا کہ سمندروں سے موتی اور کانوں سے غیر تراشیدہ قیمتی پتھر نکالنے کے وقت ان پر بیس فیصد زکوٰۃ عائد کی جائے تو ممکن ہے کہ ان کا خمس، یا پانچواں حصہ یا تو کمترین قدر یا پھر نہایت عمدہ قدر کا ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں یہ زکوٰۃ کے مستحقین کے ساتھ ناانصافی ہے اور دوسری صورت میں یہ زکوٰۃ دینے والوں کے ساتھ زیادتی ہوتی۔ یہی حقیقت رسولؐ اللہ کے فرمان کو درست ثابت کرتی ہے کہ "لا خمس فی الحجر" یعنی "قیمتی پتھروں سے خمس (یا پانچواں حصہ) نہ لیا جائے"۔

لیکن ایک تراشیدہ اور پالش کیا ہوا قیمتی پتھر یا ایک موتی تعین قیمت کے بعد جب اس کو فروخت کے لئے پیش کر دیا جائے۔ تو صورت حال بالکل بدل جاتی ہے اس وقت دوسری اشیائے تجارت کی طرح ان پہ زکوٰۃ خود بخود عائد ہوتی ہے۔ اسی طرح

Marfat.com

جب ایسا موتی یا قیمتی پتھر جوہری سے خریدنے کے بعد ذاتی ملکیت کی خاصیت حاصل کرلے تو پھر اس پر بھی دوسری قدر دوام کی حامل فاضل ذاتی دولت کی مانند زکوٰۃ نافذ نہ ہونے کی کوئی جائز دلیل باقی نہیں رہتی۔

تاریخ کے ابتدائی دور سے چاندی اور سونے کی طرح موتیوں اور قیمتی پتھروں کو بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ تاہم چاندی اور سونے نے جلد ہی معیاری زر مبادلے کا مقام حاصل کر لیا۔ مگر موتی اور قیمتی پتھر صرف چند خاص افراد کے ہاتھ ہی میں رہے اس لئے ان پائیداری اور درخشانی کے سبب نہ صرف گزشتہ زمانے کے بلکہ آج کل کے نمائش کے شائقین کی نظروں میں بھی تمام سے زیادہ قابل توقیر سمجھے جاتے ہیں۔

شاندار اور پرشکوہ تہذیبوں کے عروج کے ساتھ ساتھ موتیوں اور قیمتی پتھروں کے ساتھ وابستہ کی ہوئی مالیت میں اس حد تک اضافہ ہوتا گیا کہ ان کے حصول پر گراں بہا رقمیں خرچ ہونے لگیں۔ اگرچہ قیمتی جواہرات بعض اوقات بطور تحائف خریدے جاتے ہیں۔ لیکن درحقیقت عام طور پر ان کا حصول جذبۂ نمائش کی تسکین یا فاضل دولت کو بہتر طریقے سے محفوظ رکھنے کے لئے یا دونوں مقاصد کے پیش نظر کیا جاتا ہے کیونکہ ان کا قیمتی ہونا ہی قانونی مالک کے لئے یہ یقین دلانے کے لئے کافی ہے کہ وہ جب چاہے ان میں لگائی دولت کو نقد حاصل کر سکتا ہے۔ اس طرح موتیوں اور قیمتی پتھروں کے قانونی مالک کے نقد سرمائے کا ایک اہم حصہ بسا اوقات اس کی پوری زندگی اور کبھی کبھی کئی پشتوں تک یوں ہی بے کار پڑا رہتا ہے جو کسی کے لئے بھی کسی فائدے کا نہیں ہوتا جبکہ اسے کئی ایک مفید کاموں میں لگایا جا سکتا ہے ایسی صورت میں موتیوں اور قیمتی پتھروں کی دولت کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرنا غیر معقول ہے کیونکہ جس دولت کو اس طرح عوام میں گشت کرنے سے روک دیا گیا ہے اسے کسی منفعت بخش کام، پیشے یا صنعت میں لگایا جا سکتا تھا جس سے قوم کے دوسرے افراد کے لئے

جائز روزگار اور بہتر گزران حاصل ہوتی جو قوم کے لئے بحیثیت مجموعی بہتر اور سودمند ثابت ہوتا۔

موتی اور قیمتی پتھر ایک اور زاویہ نگاہ سے زکوٰۃ کے نفاذ کی بنیادی شرائط کو پورا کرتے ہیں یہ قدر دوام کی شرط کو چاندی اور سونے کی طرح پورا کرتے ہیں کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور استعمال سے بھی ان میں کوئی کمی یا خرابی نہیں آتی۔ اس کے علاوہ اگرچہ انہیں بطور معیاری زرمبادلہ تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ پھر بھی وہ آسانی سے نقد رقم میں تبدیل کئے جا سکنے کے سبب بحیثیت امکان قوت خرید رکھتے ہیں چنانچہ موتی اور قیمتی پتھر کو بھی چاندی سونے اور کرنسی نوٹوں کی طرح محفوظ یا فاضل دولت کی فہرست میں شامل کر کے ان پر زکوٰۃ کا نفاذ بعینہ ان ہی اصولوں کے مطابق ہونا چاہیئے۔

لہٰذا موتی اور یا قیمتی پتھر کا قانونی مالک ان پر واجب الادا زکوٰۃ نہ دینے سے اتنا ہی گناہ گار ہے جتنا کہ دوسری نوع کی قابل زکوٰۃ دولت پر زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا ہے جو صاحب نصاب اپنی فاضل دولت کو موتیوں اور/ یا قیمتی پتھروں کی شکل میں محفوظ رکھ سکتا ہے، وہ یقیناً ان پر ڈھائی فیصد[1] واجبات زکوٰۃ بھی مستحقین کو بآسانی ادا کر سکتا ہے۔ جنہیں بحیثیت مسلم، زکوٰۃ کی ان مالیات سے فائدہ اٹھانے کا قانونی حق ہے۔

موتیوں اور قیمتی پتھروں کی فرضیت زکوٰۃ کی حدود اور زکوٰۃ کی شرح

موتیوں اور قیمتی پتھروں کا نصاب اور شرح زکوٰۃ قدرتاً خالص چاندی کے لئے مقررشدہ نصاب اور شرح سے وابستہ ہیں لہٰذا ان جواہرات کو خالص چاندی کی شرح اور اس کی فرضیت زکوٰۃ کی حدود میں تسلیم کر لینا چاہیئے اور اس پر

---

[1] موتیوں وغیرہ میں اگر زکوٰۃ کو بقول ابی یوسف؟ واجب قرار دیا جائے تو اس میں واجب قدر پانچواں حصہ ہوگا نہ کہ ڈھائی فیصد۔

Marfat.com

نافذ قوانین کی پیروی کرنی چاہیئے [1]

ایسے جواہرات جنہیں "قیمتی" کہا جاتا ہے قابلِ زکوٰۃ ہیں۔ ان میں موتی، ہیرے، لعل، زمرد، نیلم، فیروزہ، یشب، پکھراج، دودھیا پتھر، وغیرہ سب شامل ہیں۔

نصاب :

چاندی اور سونے کے نصاب کو مرتب کرنے والا اصول، یعنی اس خاص ملک کے باشندوں کے عام غذائی اناج کی ایک متوسط خاندان کی سال بھر کی ضروریات کی سال میں اوسط بازاری قیمت کے مطابق، موتیوں اور قیمتی پتھروں کا نصاب مقرر کرنے کے لئے بھی منطبق کیا جانا چاہیئے۔

چنانچہ جس قانونی مالک کے پاس موتی اور/یا قیمتی پتھر ہوں جن کی مالیت ملک کے باشندوں کے عام غذائی اناج کے پانچ اونٹ بوجھ کی سال میں اوسط بازاری قیمت کے کم ازکم برابر ہو۔ جو سال رواں کا نصاب ہوگا۔ اسے اس پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے۔

اس کے علاوہ مذکورہ نصاب کے ہر پانچویں حصے کے برابر اضافے پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ دی جائے گی۔ نصاب کے پانچویں حصے کے برابر اضافے پر ڈھائی فی صد زکوٰۃ دی جائے گی۔ نصاب کے پانچویں حصے سے کم رقم زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی، اور زکوٰۃ صرف پچھلی رقم پر ادا کی جائے گی [2]

موتیوں اور قیمتی پتھروں کی زکوٰۃ کی ادائیگی کے قوانین

۱۔ موتیوں اور قیمتی پتھروں پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ملک کے باشندوں کے

---

[1] ۔ ملاحظہ فرمائیں، چاندی اور سونے کے اصل نصاب۔

[2] ۔ ملاحظہ فرمائیں۔ چاندی اور سونے کے لئے غذائی اناج کے مروجہ بازاری نرخ سے ترتیب شدہ نصاب۔

Marfat.com

عام غذائی اناج کی قیمت خرید سے نصاب مقرر کیا جائے گا۔ جب سال کے دوران اس قیمت میں کمی و بیشی ہوتی رہی ہو تو پھر سال کی اوسط قیمت کو معیار بنا کر، موتیوں اور قیمتی پتھروں کے لئے اس سال کا نصاب قائم کیا جائے گا۔

۲۔ موتیوں اور تمام اقسام کے قیمتی پتھروں کا شمار ایک ہی قانونی نوع میں ہے لیکن موتیوں اور قیمتی پتھروں کو مسلمہ معیاری زرمبادلہ کی حیثیت حاصل نہ ہونے کے سبب چاندی اور سونے کے ساتھ جمع کر کے، ایک ہی قانونی نوع نہیں سمجھا جا سکتا۔ نوع میں اس فرق کا عملی نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر ایک قانونی مالک کی ملکیت میں ایک ہی حکومت کی حدود کے اندر چاندی سونا اور یا کرنسی نوٹ اور موتیوں اور قیمتی پتھروں کی شکل میں بھی دولت، ہو تو چاندی سونے اور کرنسی نوٹوں کا حساب الگ اور موتیوں اور قیمتی پتھروں کا حساب الگ کیا جائے گا۔ یعنی دولت کی دو مختلف قانونی انواع پر زکوٰۃ کا حساب کرنے کے لئے ان کو جمع نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ جب موتی یا قیمتی پتھر چاندی یا سونے یا دونوں سے بنے ہوئے زیورات میں جڑے ہوئے ہوں۔ ان پر واجبات زکوٰۃ کا حساب، ان کی قیمت کے مطابق الگ ہوگا۔ اور جو خالص چاندی اور / یا سونا زیورات میں ہو اس پر واجب الادا زکوٰۃ کا حساب، اس کی مقدار کے مطابق، الگ کیا جائے گا۔

۴۔ چاندی اور سونے کے زیورات کی طرح، عام طور پر موتیوں اور قیمتی پتھروں پر زکوٰۃ کے واجبات چونکہ اسی قسم میں سے ادا کرنا مشکل ہے، اس لئے ان پر زکوٰۃ کی ادائیگی ترجیحاً چاندی یا سونے کی شکل میں ادا کی جائے اور ایسا ممکن نہ ہو تو زکوٰۃ کی پوری ادائیگی مقامی کرنسی میں کی جا سکتی ہے۔

اگر قانونی مالک کی ملکیت میں کافی بڑی تعداد میں موتی اور / یا قیمتی پتھر ہوں تو اپنے زکوٰۃ کے واجبات اسی دولت (موتیوں اور / یا قیمتی پتھروں) کی شکل میں دے۔ جن کی قیمت واجب الادا زکوٰۃ کے برابر ہو۔ جب زکوٰۃ میں

Marfat.com

دیئے ہوئے موتی یا قیمتی پتھر کی مالیت واجبات سے تھوڑی سی زیادہ ہو تو زکوٰۃ دینے والے کو اس فرق کی مالیت ترجیحاً چاندی یا سونے یا کرنسی نوٹوں کی شکل میں واپس دی جائے گی۔ اس کے برعکس اگر زکوٰۃ کی ادائیگی میں دیئے ہوئے موتی یا قیمتی پتھر کی مالیت واجبات سے ذرا کم ہو تو زکوٰۃ دینے والا اس فرق کو چاندی یا سونے یا کرنسی نوٹوں کی شکل میں پورا کرے۔

۵۔ جب موتیوں اور / یا قیمتی پتھروں کا تبادلہ دوسری قابل زکوٰۃ دولت کے ساتھ کیا جائے تو اس سودے پر قابل زکوٰۃ دولت کے تبادلے والے قوانین کا نفاذ ہوگا۔

۶۔ جب تک واضح ثبوت نہ ہوں کہ موتیوں اور / یا قیمتی پتھروں کے نصاب کے برابر یا زیادہ مالیت کے قانونی مالک نے زکوٰۃ کی ادائیگی میں بے ایمانی کی ہے تو اس کی ایمانداری پر پورا بھروسہ اور اعتماد کیا جائے گا کیونکہ قانونی مالک اپنی قابل زکوٰۃ دولت اور واجبات زکوٰۃ کی ادائیگی اور اس کا پورا اور صحیح حساب رکھنے کا خود ذمہ دار ہے۔

۷۔ اگر موتیوں اور / یا قیمتی پتھروں کی شکل میں نصاب کے برابر یا زیادہ دولت پر زکوٰۃ واجب الادا ہونے کے بعد، لیکن اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے پہلے وہ کلیتاً یا اس کا ایک حصہ ذاتی استعمال کی ناقابل زکوٰۃ اشیا کے بدلے میں خرچ کیا گیا ہو یا تحفے میں دیا گیا ہو یا اتفاقاً ضائع یا چوری ہوگیا ہو تو اس دولت پر قانونی مالک کے قبضے میں نہ رہنے کی وجہ سے زکوٰۃ کی فرضیت ختم نہیں ہوجاتی۔ بلکہ یہ اس کی ذمہ داری رہتی ہے۔ چونکہ زکوٰۃ کے نفاذ کی تمام شرائط بمع سال ملکیت کی شرط کے پوری ہوچکی ہیں تو زکوٰۃ لازماً ادا کی جائے گی۔

۸۔ مندرجہ بالا قانون نمبر ۷ میں مذکورہ موتیوں اور / یا قیمتی پتھروں کا کلی یا جزدی تبادلے میں خرچ یا نقصان کے اگر سال ملکیت کے شمار کی تکمیل صرف

Marfat.com

ایک ہی دن پہلے ہو جائے تو اس پر خرچ یا نقصان کے تناسب سے زکوٰۃ کی فرضیت کلیتاً یا جزواً ساقط ہو جائے گی۔ اس لئے خرچ کی ہوئی یا ضائع شدہ دولت پر سال ملکیت کی شرط پوری نہیں ہوئی۔

۹۔ اگر ثابت ہو جائے کہ موتیوں اور قیمتی پتھروں کے قانونی مالک نے ان پر واجبات زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے بددیانتی سے عارضی طور پر ان کو ناقابل زکوٰۃ دولت کے بدلے میں دے دیا ہے۔ یا مخفی یا ضائع کر دیا ہے تو یہ مجرم نہ صرف سزا کا لائق ہو گا بلکہ جبراً اس سے واجبات زکوٰۃ بھی وصول کئے جائیں گے۔

جزسوم

اموالِ تجارت کی زکوٰۃ

دین اسلام میں یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ایک منظم معاشرے کی اجتماعی زندگی میں تجارت ایک نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے قرآن پاک نہ صرف تجارت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے بلکہ تجارت کے بارے میں تاکید بھی کرتا ہے کہ یہ تہذیب و تمدن کا ایک قابل قدر ذریعہ ہے۔ جیسا کہ سورۃ قریش میں مذکور ہے:

.....لایلٰفِهِم رحلة الشتآءِ والصیف ۝

..... ان (قریش) کے باہمی اتحاد و الفت کی وجہ سے سرما اور گرما کے موسم میں تجارت کا سامان لانے لیجانے میں اور تونگر و خوشحال ہونے پر اس کا شکر ادا کرو ۝

(سورۃ قریش، آیت نمبر ۲)

حقیقتاً، جب مختلف قوموں اور ملکوں کے درمیان باہمی ایماندارانہ تجارت

لے۔ عربی اصطلاح "ایلاف" فعل "الف" سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے "مانوس ہونا" "ملنسار بننا" "معاشرے کے مطابق ڈھلنا" "اپنے آپ کو مہذب بنانا" اور "ایلاف" کا وسیع تر مفہوم یہ ہے کہ "دوسروں کے ساتھ خوش اخلاقی اور مہذبانہ طریقے سے برتاؤ کرنا" "ملنا جلنا" یہی لفظ مجازاً اور کنایتاً "صلح نامہ" معاہدہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

Marfat.com

ہوتی ہے تو اس کے نتیجے میں نہ صرف مادی فائدے حاصل ہوتے ہیں بلکہ اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ مختلف لوگوں کے آپس میں دوستانہ طور پر ملنے جلنے سے انسانی تعلقات اور رشتوں پر گہرا اور مفید اثر پڑتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بین الاقوامی تجارت کے لئے مختلف تمدن کے لوگ اور اقوام ایک دوسرے سے معاملہ کرتے ہیں تو ان کے معاشی مفادات انہیں ایک کامیاب نتیجے پر پہنچنے پر آمادہ کرتے ہیں جس کے لئے امن اور ہم آہنگی، ایمانداری اور خوش خلقی نہایت ضروری ہے۔ اس طرح تجارت دوستی اور صحت مند سماجی تعلقات کو بڑھانے کے لئے ایک نہایت زرخیز زمین مہیا کرتی ہے۔

تجارت کے سبب سیر و سیاحت کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ جس کے نتیجے میں دنیا کے مختلف حصوں میں رہنے والے ایماندار تجار ایک دوسرے کو جاننے لگتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ایک دوسرے کی مشترکہ بہبود اور حفاظت کا اہتمام کرتے ہیں کیونکہ اسی طرح ہی ان کے باہمی معاشی مفادات عرصہ ہائے دراز کے لئے تحفظ پا سکتے ہیں۔ تجربہ نے ان کو تجارت کا وہ سب سے بنیادی اصول سکھایا ہے کہ تجارت میں بے ایمانی خود اُن کیلئے نقصان رساں ہے۔ اس لئے کہ دوسرے تاجر خود اپنی حفاظت کی خاطر غیر دیانت دار تاجر کے پاس پھٹکیں گے بھی نہیں۔ اگر کوئی قوم تجارت میں بددیانتی کو اپناتی ہے تو اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ اس کی تجارت لازماً کم ہوتی چلی جائے گی۔ اور انجام کار معطل و مفلوج ہو کر رہ جائے گی۔

کامیاب تجارت سے جو خوشحالی مہیا ہوتی ہے اس کے لئے انسان کو اپنے پروردگار کا تہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہیئے جس نے اس کو ایک نتیجہ خیز اور بار آور تجارتی پالیسی سجھائی۔ اور اس کی تجارتی کوششوں کو بار آور کیا۔ قرآن پاک ہمیں ہدایت کرتا ہے:

فلیعبدوا ربّ ھذا البیت ○ الذیٓ اطعمھم مِّن

جوعٍ ۵ وّ اٰمنھم مّن خوفٍ ۵

تو لوگوں کو چاہیئے کہ اس بیت (اللہ شریف) کے پروردگار
کی عبادت کریں ۵ جس نے ان کو کھلایا پلایا، بھوک سے بچایا
اور دشمنوں کے شر سے اور ان کے خوف سے امن دیا ۵
(سورۃ قریش، آیات نمبر ۳ اور ۴)

لیکن دین اسلام یہ نہیں چاہتا کہ انسان اپنی زندگی کے نظام العمل میں سب سے زیادہ اہمیت مادی فوائد اور دنیاوی اضافوں کو دے۔ قرآن پاک کی تمام تعلیمات کا مقصد انسانی زندگی کی صحت مند اور صحیح قدروں کو پیش نظر رکھنا ہے اور اس کے اپنے اندر جو مادی فوائد کی غیر معمولی تڑپ ہوتی ہے اسے قابو میں رکھنا ہے۔

دین اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان اپنی زندگی کو معتدل اور معقول روش پر بسر کرے اور دنیاوی وجود کی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے یہ امتیاز کرنا سیکھے کہ دینِ اسلام کے نقطۂ نظر سے اس دنیا میں کونسی چیزیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں اور کون سی ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ کونسی چیزیں عارضی اور سطحی ہیں اور کونسی پائیدار ہیں۔

چنانچہ تجارت پر زکوٰۃ کا نفاذ نہ صرف قانوناً جائز اور ضروری ہے بلکہ یہ مسلم تجار کے رویے اور ان کے طریق کار کو صحیح اسلامی راہ پر رکھنے کے لئے ایک لطیف اور نہایت مؤثر نگران عنصر بھی ہے۔ زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم رکن ہے جس کی ادائیگی اس پر فرض ہے۔ اور اسلام کا یہ رکن تاجر کو ہر وقت یاد دلاتا ہے کہ اس کے ذمے خدا کی طرف سے عائد شدہ فرائض کیا ہیں۔ اس کے ہم قوم مسلمانوں کے حقوق اس پر کیا ہیں۔ اور اس کی اپنی ذات کے اس پر کیا حقوق و فرائض ہیں۔

Marfat.com

زکوٰۃ کا فرض مسلمان تاجر کو مجبور کرتا ہے کہ وہ معاملات میں دیانت داری برتنے کے بارے میں بہت ہوشیار ہیں۔ کیونکہ اس نے پوری دیانت داری سے اپنی تجارت کے سودے نہ کئے تو نہ صرف اس کی اپنی تزکیہ نفس کی خاطر دی ہوئی زکوٰۃ کا ثواب ختم ہو کر رہ جائے گا۔ بلکہ وہ اپنی ناجائز دولت کے ایک حصے میں سے زکوٰۃ دے کر پوری مسلم اقوام کو اس میں شریک کر دینے کا گناہ گار بھی ہو گا۔ اس طرح زکوٰۃ مسلم تاجر کو بددیانتی سے روک کر قوم کی معاشی زندگی میں صحت مند کردار ادا کرتی ہے۔

یھدی اللہ لنورہ من یشآء ط ویضرب اللہ الامثال للناس ط واللہ بکل شیءٍ علیم ○ فی بیوتٍ اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہٗ ۃ یسبح لہٗ فیھا بالغدوّ والاٰصال ○ رجالٌ لا تلھیھم تجارۃٌ ولا بیعٌ عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وایتآءِ الزکوٰۃ ص یخافون یومًا تتقلب فیہ القلوب والابصار ○ لیجزیھم اللہ احسن ما عملوا ویزیدھم من فضلہٖ ط واللہ یرزق من یشآءُ بغیر حساب ○

۔۔۔ ۔ اللہ اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اللہ لوگوں کو سمجھانے کے لئے مثالیں دے رہا ہے اور اللہ ہر چیز جانتا ہے اور ہر چیز کی حقیقت خدا ہی کو معلوم ہے ○ ان گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کی تعظیم کی جائے۔ ان میں خدا کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان میں صبح شام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں ○ ایسے لوگ جن کو تجارت اور بیع وشریٰ غافل نہیں بنا سکتی۔ یادِ خدا سے اور پابندی سے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے یہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں

Marfat.com

بے قرار رہیں گی ٥ (قیامت کیوں ہوتی ہے) تاکہ اللہ ان کے اعمال
کی جزا دے اور زیادہ کردے اپنے فضل سے، اللہ جس کو چاہتا
ہے بے حساب دیتا ہے ٥

(سورۃ النور، آیات نمبر ۳۵ تا ۳۸)

تجارت کی زکوٰۃ، اپنی خاصیت سے چاندی کی زکوٰۃ سے اس لئے متعلق و مربوط ہے کہ مدنی نظام زر میں چاندی ہی معیاری زر مبادلہ تھی۔ لہٰذا قانون زکوٰۃ کی رو سے جن بنیادوں پر چاندی پر زکوٰۃ کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان ہی بنیادی شرائط کے مطابق تجارت میں لگائی ہوئی دولت پر بھی زکوٰۃ نافذ ہوگی: یعنی اشیائے تجارت اور نقد رقوم کی صورت میں محفوظ اور چالو سرمائے کے مجموعے پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔ یہ بنیادی شرائط درج ذیل ہیں۔

(الف) زکوٰۃ عائد ہونے سے پہلے پورے ایک سال تک یہ دولت قانونی مالک کے قبضے میں رہی ہو۔

(ب) چاندی کے مقرر کئے ہوئے نصاب کی مالیت سے تجارتی سرمائے کی مجموعی دولت (نقد رقوم اور اشیائے تجارت) کم نہ ہو۔

جیسا کہ پہلے بھی اس امر کی تصریح کی جا چکی ہے۔ فرضیت زکوٰۃ کے لئے ایک نہایت اہم شرط یہ ہے کہ متعلقہ دولت قانونی مالک کے پاس پورے سال بھر کے لئے رہی ہو، یہ شرط واضح کرتی ہے کہ زکوٰۃ صرف اس دولت پر عائد ہوتی ہے جو مالک کے لئے فاضل ہے۔

رسول اللہؐ نے اس اصول پر خاص طور پر زور دیا ہے اور تاکید کی ہے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف اسی دولت پر عائد ہوگی جو ایک شخص کی اپنی اور اس کے متوسلین کی سال بھر کی جائز ضروریات سے بلاشک و شبہ فاضل ہے۔ اس کے باوجود فقہ کی قدیم کتابوں میں اس اصول سے انحراف پایا گیا ہے۔ فقہائے اسلام پوری طرح متفق ہیں کہ قانون کی رو سے، سال بھر قبضے

Marfat.com

کی شرط ایک بنیادی اصول ہے ۔ اس لئے یہ اور بھی ناقابل فہم ہے کہ قانون زکوٰۃ کے ابتدائی مفسرین نے جہاں تاجر کے سرمائے اور اشیائے تجارت کے مجموعے پر نفاذ زکوٰۃ کا حکم دیا ہے وہیں تجارتی سرمائے اور تجارتی منافع کو خلط ملط کرکے اس کے منافع پر بھی زکوٰۃ دینے کا فتویٰ دیا ہے ۔ اس بنیادی اصول کو اس طرح نظر انداز کرنے کی فقط ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ قدیم فقہائے کرام متعدد حسابات کے مسئلے سے دوچار ہونے سے گریز کرتے تھے ۔

وجہ خواہ کچھ بھی ہو، اس بارے میں اختلاف رائے نہیں ہو سکتا کہ سرمائے اور منافع ، دونوں پر بیک وقت زکوٰۃ عائد کرنا ، جب کہ منافع پر سال ملکیت پورا نہ ہوا ہو ، قانون زکوٰۃ کے الفاظ اور روح دونوں کے منافی ہے ۔ اور یہ زکوٰۃ کو اس کی اہم ترین خاصیت سے محروم کرنے کے مترادف ہے ۔ علاوہ اس کے جب زکوٰۃ کے جائز منبع کو اس کی جگہ سے ہٹا دیا جائے جہاں سے زکوٰۃ لی جانی چاہیئے ۔ اور منافع پر بھی زکوٰۃ عائد کی جائے ، تو زکوٰۃ اور انکم ٹیکس میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا ۔ اور جیسا کہ فقہائے کرام نے اجازت دے دی تھی کہ سرمایہ اور منافع دونوں پر زکوٰۃ عائد کی جائے تو اسی طرح قانون زکوٰۃ کے ایسے مفسرین بھی ہیں جو یہ کہنے کی جرأت کرنے لگے ہیں کہ زکوٰۃ صرف منافع پر عائد ہونی چاہیئے یعنی ان کے خیال کے مطابق تجارت کے سرمائے اور اشیائے تجارت کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرنا چاہیئے ۔

اس بات کی تکرار کی قطعی ضرورت نہیں کہ زکوٰۃ انکم ٹیکس نہیں ہے اور قانون زکوٰۃ جن اصولوں پر بنایا گیا ہے اس میں یہ تاویل کبھی بھی ممکن نہیں کہ یہ کسی صورت میں بھی انکم ٹیکس سمجھا جائے ۔ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت صاف طور پر بتاتی ہے کہ دوسروں کی بھلائی پر جو دولت خرچ کی جانی چاہیئے وہ "عَفْوٌ" یعنی "فاضل" ہونی چاہیئے ، یا بالفاظِ دیگر ، ایک شخص کی اپنی اور اس کے متوسلین کی جائز ضروریات کو پورا کرنے کے بعد بچ رہنے والی دولت ہونی چاہیئے ۔

Marfat.com

...... ویسئلونک ماذا ینفقون ۃ قل العفو ط ...

...... اور تم سے پوچھتے ہیں کہ (راہ خدا میں) کیا صرف کریں۔
تم کہو: زائد از ضرورت (یعنی جو دولت ضروریات سے فاضل ہو۔ ...... ٥ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۱۹)

قرآن پاک کی اس آیت میں جو اصول بیان کیا گیا ہے۔ وہ ادارۂ زکوٰۃ کا سنگِ بنیاد ہے۔ بالفاظِ دیگر، قانون زکوٰۃ کا یہ اصول کہ زکوٰۃ صرف فاضل دولت پر لی جاسکتی ہے۔ قانونِ قرآن کا ایک اٹل اور ناقابلِ تبدیل اصول ہے۔ جسے کسی صورت میں بھی منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ اس اصول کی پابندی ہر طرح اور ہر حال میں لازمی ہے اور اس سے انحراف خواہ وہ خفیف ہی کیوں نہ ہو قانون کے پورے ڈھانچے اور اس کی پوری ماہیت کو بگاڑے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔

قانون زکوٰۃ کے بنیادی اصول حسب ذیل تین امور کو پیش نظر رکھ کر کسی دولت کے بارے میں ہم کو یہ بتاتے ہیں کہ آیا یہ فاضل دولت ہے اور اس پر زکوٰۃ عائد ہونی چاہیئے یا نہیں۔

(الف) زکوٰۃ عائد ہونے سے پہلے سال بھر کی ملکیت اور قبضہ،

(ب) دولت کی مالیت ایک سال کے لئے نہ سڑنے والی زرعی پیداوار کی مروجہ بازاری قیمت سے زکوٰۃ ہو۔

(ج) مذکورہ بالا دو صورتوں الف اور ب کے بجائے، مال غنیمت یا دفینوں کی صورت میں اتفاقاً حاصل شدہ دولت۔

قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۱۹) کے عین مطابق رسول کریمؐ کا یہ قول ہے کہ: " لا زکوٰۃ فی مالٍ حتی یحول علیہ الحول "، یعنی کسی دولت پر اس وقت تک زکوٰۃ عائد نہیں کی جاسکتی جب تک کہ یہ دولت قانونی مالک کے قبضے میں پورا سال بھر نہ رہے۔

رسول کریمؐ کا یہ فرمان خاص طور پر چاندی اور اس سے متعلقہ دولت، یعنی سونا اشیائے تجارت وغیرہ اور چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کے بارے میں ہے۔ مذکورہ بالا بیان کے مطابق کسی قابل زکوٰۃ دولت پر اس اصول کا اطلاق کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دولت یقیناً اس کے قانونی مالک کی جائز ضروریات سے فاضل ہے۔ کیونکہ اگر یہ اس کی جائز ضروریات سے فاضل نہ ہوتی تو قانوناً اس پر زکوٰۃ نافذ نہیں ہو سکتی۔

اب یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ تاجر کے منافع یا کسی اور آمدنی کو خواہ وہ کسی شکل میں ہو حاصل ہوتے ہی فاضل دولت میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اصولاً تمام ممالک اور ہر زمانے میں ہمیشہ آمدنی کے بارے میں یہ تصور رہا ہے کہ وہ قانونی مالک کی دنیاوی تمام ضروریات و احتیاجات کو پورا کرتے کے لئے ہے۔

ایک مسلم کے اپنی کمائی جائز طریقے سے خرچ کرنے پر دین اسلام کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔ اس کے برعکس دین اسلام جائز طور پر اپنی کمائی کو خرچ کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ کیونکہ اس طرح دولت تعمیری کاموں میں گردش کرتی رہتی ہے۔ جس سے صحت مند معاشی نظام قائم ہوتا ہے۔

الّذین ینفقون اموالھم بالّیل والنّھار سرًّا وّ علانیۃً فلھم اجرھم عند ربّھم ج ولا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون ٥

جو لوگ اپنے مال رات دن چھپے اور کھلے صرف کرتے ہیں (خرچ کرتے ہیں) ان کا بدلہ اور ثواب ان کے پروردگار کے پاس ہے اور نہ ان کو کسی قسم کا خوف ہو گا اور نہ حزن و ملال ٥

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۷۴)

درحقیقت جو دولت جائز راستوں میں خرچ ہوتی ہے وہ قومی مفادات کی اس زکوٰۃ سے بھی بہتر اور موثر تر خدمت انجام دیتی ہے۔ جس سے معاشرے

Marfat.com

کو مالی مدد میسر آتی ہے۔ کیونکہ جتنا زیادہ لوگ جائز راستوں میں خرچ کریں گے اتنے ہی زیادہ لوگوں کو کام کاج مہیا ہوگا۔ وہ دیانت اور محنت کے ذریعے اپنی گزر بسر کریں گے۔ اور اسی نسبت سے ان لوگوں کی تعداد میں کمی آتی جائے گی جن کو ادارۂ زکوٰۃ کی طرف سے مہیا کردہ اعانت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

دوسری طرف اسلام میں کوئی قانون ایسا نہیں ہے جو آمدنی پر ٹیکس لگانے پر مجبور کرتا ہو یا اس سے منع کرتا ہو۔ ایسی کارروائی صرف مسلم ریاست کے اختیار تمیزی پر منحصر ہے جب قومی ضروریات ٹیکس لگانے کی متقاضی ہوں تو اسلامی عدل کے پیش نظر ریاست کو ٹیکس لگانے کا حق ہے۔ لیکن ادارۂ زکوٰۃ کی اصل خاصیت جس پر اس ادارے کی بنیاد ہے۔ بالتصریح اور غیر مبہم طریقے سے یہ بات واضح کر دیتی ہے کہ کسی شخص کی آمدنی زکوٰۃ کا ایک جائز منبع نہ تو ہے اور نہ کبھی ہو سکتی ہے۔

تجارت پر زکوٰۃ کے تعلق سے قانونِ زکوٰۃ کے اصولوں نے واضح طور پر یہ تشریح کر دی ہے کہ زکوٰۃ سال بھر رہنے والی دولت کی صرف اس مالیت پر عائد ہوگی جو پورا سال، بغیر کسی تبدیلی کے قبضے میں رہی ہو۔ ایسی مالیت تاجر کے موجود سرمائے کا مجموعہ ہے۔ یعنی اس کا محفوظ اور چالو سرمایہ (نقد رقوم، چاندی سونا، کرنسی نوٹ، اور اشیائے تجارت) یہ اس طرح ممکن ہے کہ قابلِ زکوٰۃ دولت کے تبادلے کے قوانین کے مطابق، نصاب کے برابر یا زیادہ مالیت والی اشیا سے سودا کرنے میں سال ملکیت کے شمار میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

بطور مثال، اگر ایک تاجر کے کل سرمائے کی قیمت تیس ہزار روپے ہے جس میں سے نصف محفوظ سرمایہ ہے۔ اور باقی نصف چالو سرمایہ ہے تو اسے محفوظ اور چالو سرمائے کے مجموعے یعنی کل تیس ہزار روپے، پر سالانہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ خواہ اس کا یہ تمام سرمایہ یا اس کا صرف ایک حصہ، اشیائے تجارت میں لگا ہوا ہو۔ اگر سال کے خاتمے پر اس کے سرمائے میں کمی ہو جائے تو تاجر کو صرف

Marfat.com

اس کے پاس باقی بچے ہوئے سرمائے کی مالیت پر زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنے ہوں گے۔ مگر منافع اس وقت تک زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہتا ہے جب تک کہ وہ تاجر کے جائز اخراجات سے بڑھ نہ جائے اور فاضل دولت میں شمار نہ ہو۔ اور اپنے طور پر نصاب کے برابر یا زیادہ بھی نہ ہو۔ اس وقت اس پر الگ سال ملکیت کا شمار شروع ہوگا۔ پھر اگر اس فاضل دولت کو بھی تجارت کے سرمائے میں شامل کر لیا جائے تو تجارتی تبادلے کا ایک نیا دور شروع ہوگا۔ جو اس سے نئے حاصل شدہ منافع کو الگ رکھتے ہوئے متعلقہ سالِ ملکیت کے شمار پر اثر انداز نہیں ہوگا۔

جب مذکورہ بالا حسابات کو ماہانہ بنیاد پر استوار کیا جائے۔ جیسا کہ متعدد حسابات کے قانون نمبر ۳ جز "د" میں واضح کیا گیا ہے[1] تو معلوم ہوگا کہ اس نظام کی ظاہری پیچیدگی عام دوسرے تجارتی حسابات سے زیادہ پیچیدہ نہیں ہے۔

ایک اور اہم نکتہ، جس پر از سر نو غور کرنے کی ضرورت ہے وہ فقہ مالکی کا ایک فتویٰ ہے جس کی رو سے اگر ایک تاجر کے پاس کچھ اشیائے تجارت دو سالوں سے زیادہ عرصہ فروخت ہوئے بغیر پڑی رہیں۔ تو ان پر صرف ایک سال کی زکوٰۃ لی جائے گی۔

اس سلسلے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ خود امام مالک بھی یہ تسلیم کرتے تھے کہ جب ایک قابل زکوٰۃ دولت کے بدلے میں دوسری قابل زکوٰۃ دولت لی گئی ہے اور دی جانے والی دولت پر سال ملکیت کا شمار شروع ہو چکا تھا تو یہ دی جانے والی دولت کی ملکیت کا شمار سال ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ قائم رہ کر فوراً حاصل شدہ دولت پر نافذ کیا جائے گا۔ اس طرح اگر ایک شخص تجارتی اشیاء میں ایک رقم لگاتا ہے جس پر زکوٰۃ ادا ہو چکی ہے اور نئے سال ملکیت

---

[1] ملاحظہ فرمائیں "زکوٰۃ تجارت کا قانون نمبر ۲۹ اور اس کتاب کی جلد اول میں باب "متعدد حسابات کے قوانین"۔

Marfat.com

کا شمار بھی شروع ہو چکا ہے ۔ تو وہی سال ملکیت کا شمار ان اشیائے تجارت پر جاری رہے گا ۔ جو اس رقم کے بدلے میں خریدی گئی ہیں ۔ پھر اگر سالِ ملکیت کا شمار ختم ہونے سے پہلے وہ اشیار فروخت کر دی جائیں اور ان کے بدلے میں اسے رقم مل جائے تو وہ سال ملکیت کا شمار اس فروخت سے حاصل شدہ رقم پر بھی جاری رہے گا ۔

چنانچہ ، امام مالک سال ملکیت کے شمار میں نہ صرف اصل رقم ، یا مالیت کو لیتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ منافع کو بھی شریک کر لیتے ہیں ۔ حالانکہ منافع پر صرف اس وقت زکوٰۃ عائد ہو سکتی ہے جب کہ اس کی رقم یا مالیت پورا سال قانونی مالک کے قبضے میں رہی ہو ۔

چونکہ قابل زکوٰۃ دولت (خواہ نقد رقوم ، یا اشیائے تجارت یا پالتو مویشی وغیرہ) کا آپس میں تبادلہ سال بھر کے قبضے کے شمار پر کوئی اثر نہیں کرتا ۔ تو ظاہر ہے کہ دراصل یہ دو قابل زکوٰۃ مالیتوں کا آپس میں تبادلہ ہے اور اس لئے اس میں نئی ہوئی مالیت پر خواہ یہ قانونی مالک کے پاس کتنے ہی سالوں کے لئے پڑی رہے اس سے منافع نکال کر زکوٰۃ عام طور پر عائد کرنے کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی ۔

یہ درست ہے کہ بسا اوقات اشیائے تجارت اپنی خاصیت کی بنا پر قابل زکوٰۃ نہیں ہوتی ہیں ۔ لیکن جب وہ اشیائے تجارت بنتی ہیں ، تو ان پر زکوٰۃ تجارت عائد ہوتی ہے چونکہ قانون زکوٰۃ کی رو سے جو چیز تجارتی شئے بن جائے وہ خود بخود قابل زکوٰۃ ہو جاتی ہے ۔ لہٰذا جب تک یہ بطور شئے تجارت باقی رہتی ہے اس وقت تک اس پر زکوٰۃ معطل نہیں ہو سکتی ۔ بالفاظِ دیگر جب ایک چیز کے بارے میں تجارت کا ارادہ کر لیا جائے ۔ تو یہ چیز شئے تجارت بن جاتی ہے اور قانونی مالک کا اس سے تجارت کرنے کا ارادہ رکھنے تک یہ شئے تجارت رہے گی ۔ اور اس لئے یہ قابلِ زکوٰۃ ہوگی ۔

ان امور کے پیش نظر اس خاص مسئلے کے بارے میں فقہ مالکی سے اتفاق نہیں

کیا جا سکتا۔ اور یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ پہلے کی بہ نسبت اب تجارت کی زکوٰۃ قانونِ اسلام کے بنیادی اصولوں کی ایک زیادہ صحیح توجیہہ پر مبنی ہونی چاہیئے۔ اگر سچے مسلمانوں کی طرح ہم چاہتے ہیں کہ اسلامی ادارۂ زکوٰۃ اس مقصد کو مکمل اور مستقل طور پر ادا کرے، جس کے لئے اللہ تعالیٰ اور رسول کریمؐ نے اسؑ کی تشکیل کا حکم دیا ہے تو ہر حالت اور ہر صورت میں ہمیں اس کے بنیادی اصولوں کی پیروی و پابندی کرنی چاہیئے۔

قانونِ زکوٰۃ کے نقطہ نظر سے "تاجر کی اصطلاح اس کے وسیع تر مفہوم میں استعمال ہوتی ہے، اور اس میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جن کی آمدنی کے ذرائع میں خریدی ہوئی یا کسی اور جائز ذریعے سے حاصل کی ہوئی چیزوں کی فروخت مشتمل ہو خواہ ان چیزوں کو اس شکل میں جس میں وہ فروخت کی جا رہی ہیں یا خام مال کی شکل میں، خریدا گیا ہو۔

چنانچہ "تاجر" کی اصطلاح میں تھوک فروش بھی شامل ہیں اور خردہ فروش بھی بڑے تاجر، صنعت کار، دست کار، دکاندار، پھیری والے اور وہ لوگ بھی شامل ہیں جو جنگلات، تیل کے کنوئیں، معدنیات وغیرہ سے استفادہ کرتے ہیں۔

تجارت میں لگائی ہوئی دولت کا نصاب، فرضیت زکوٰۃ کی حدود، اور زکوٰۃ کی شرح

عربی زبان میں لفظ "نصاب" کا مفہوم "نقطۂ آغاز" ہوتا ہے۔ اس لئے اسلامی فقہ کی اصطلاحات میں، "نصاب" اس سب سے کم حد کو کہا جاتا ہے۔ جہاں سے زکوٰۃ کا اطلاق شروع ہوتا ہے۔

قانونِ زکوٰۃ کے اس اہم اصول کو خود رسولؐ اللہ نے دولت کی مختلف اقسام کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ ان مقررشدہ نصابوں کا مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان کے پاس جو فاضل دولت موجود ہو۔ اس میں سے اس قدر مقدار، مالیت یا تعداد

Marfat.com

زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی جو متوسط خاندان کی سال بھر کی جائز بنیادی ضروریات کو پورا کر سکے۔ چنانچہ نفاذِ زکوٰۃ کے لئے مقرر شدہ نصاب کا یہ فائدہ ہے کہ محدود ذرائع و وسائل کے مالک مسلمان کو، ادائیگیٔ زکوٰۃ کے سبب، بلا وجہ پریشانی سے محفوظ رکھا جائے۔

زکوٰۃِ تجارت چونکہ خالص چاندی کی زکوٰۃ سے منسلک ہے، جو مدنی نظام زر کا معیاری زرِ مبادلہ تھا اس بنا پر اس کے لئے بھی وہی نصاب، فرضیت زکوٰۃ کی حدود اور زکوٰۃ کی شرح ہو گی جو چاندی کے لئے ہے اور ان ہی بنیادی قوانین کی زکوٰۃِ تجارت میں بھی پیروی کی جائے گی۔

اصل نصاب

خالص چاندی کے نصاب کے عین مطابق، رسول کریمؐ نے تجارت میں لگائی ہوئی دولت کا نصاب بھی ۲۰۰ درہم وزنی خالص چاندی کی قیمت کے برابر مقرر کیا تھا۔ جو عہد نبوی مبارک میں پانچ اونٹ بوجھ جو یا کھجور[1] کی مروجہ بازاری قیمت تھی۔ تجارت میں کل لگائے ہوئے کم از نصاب سرمائے پر زکوٰۃ کا اطلاق نہیں ہوتا تھا۔

چنانچہ آپؐ کے زمانے میں اگر ۲۰۰ درہم خالص چاندی کی رقم یا مالیت تجارت میں لگائی گئی تھی تو اس پر سال ملکیت کے شمار کی تکمیل پر ڈھائی فی صد یعنی ۵ درہم، زکوٰۃ لی جاتی تھی۔ یا ۵ درہم کی مالیت کے برابر سونا یا اشیائے تجارت بطور زکوٰۃ لیئے جاتے تھے۔

اس کے بعد ہر چالیس درہم خالص چاندی کی مالیت کے برابر اضافے پر ایک درہم یا ایک درہم چاندی کی مالیت کے برابر سونا یا مساوی مالیت کی اشیائے

---

[1] عہد نبویؐ میں جو اور کھجور اہل مدینہ منورہ کی عام خوراک تھے۔

Marfat.com

تجارت، بطور زکوٰۃ وصول کئے جاتے تھے۔

مروجہ بازاری قیمت سے ترتیب شدہ موجودہ دور کا نصاب

جس طرح چاندی کے نصاب کے تعین کے لئے سال بھر کے اوسط مروجہ بازاری قیمت کے حساب سے ایک خاندان کی عام غذائی ضروریات کی قیمت نکالی جاتی ہے۔ یہی اصول تجارت میں لگائی ہوئی دولت کا نصاب نکالنے کے لئے بھی استعمال کیا جائے گا (لہٰذا تجارت میں لگائی ہوئی دولت کے نصاب کا تعین اس طرح ہوگا کہ جس ملک میں یہ نصاب مقرر کیا جانا ہے، یہ دیکھا جائے گا کہ وہاں کی اکثریت عام طور پر کونسی غذائی اناج (گندم، جو، چاول وغیرہ) استعمال کرتی ہے۔ پھر زیر بحث سال میں اس اناج کا اوسط بازاری نرخ معلوم کیا جائے گا۔ اس نرخ کے حساب سے پانچ اونٹ بوجھ (یعنی ۴۲ من۔ یا ۱۶۸۰ سیر یا تقریباً ۱۵۶۸ کیلوگرام وزن جو ایک عام خاندان کی سال بھر کی غذائی ضروریات کے لئے کافی ہوتا ہے) کی قیمت نکالی جائے گی۔ اور یہی مطلوبہ نصاب ہوگا۔

چنانچہ، جب ایک تاجر کا محفوظ اور چالو سرمایہ (نقد رقوم اور اشیائے تجارت) کا مجموعہ کم از کم اس نصاب کے برابر ہو۔ تو اس پر زکوٰۃ ڈھائی فی صد کی شرح سے عائد ہوگی۔

اس کے بعد رسولِ کریمؐ کی ہدایات کے مطابق۔ نصاب کے پانچویں حصے کے برابر ہر اضافے پر ڈھائی فی صد زکوٰۃ عائد ہوگی۔ جو رقم یا مالیت اس سے کم ہے وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔ اور زکوٰۃ صرف پچھلی قابل زکوٰۃ رقم یا مالیت پر ادا کی جائے گی۔

اموالِ تجارت کی زکوٰۃ کے قوانین:

درج ذیل قوانین میں صرف دو کو چھوڑ کر (یعنی منافع پر زکوٰۃ کی عدم

فرضیت[1] اور اشیائے تجارت پر زکوٰۃ کی مسلسل فرضیت[2]) باقی سارے قوانین عام طور پر وہی ہیں جو قدیم کتابوں میں مرتب کئے گئے تھے۔ تاہم موجودہ زمانے کی ضروریات کے پیش نظر ان کی تشریح کر دی گئی ہے۔

۱۔ چاندی اور سونے کے نصاب کے تعین کی طرح تجارت میں لگائی ہوئی دولت کے نصاب کا تعین ملک کے باشندوں کی عام غذائی اناج کی مروجہ بازاری قیمت کے مطابق مقرر کیا جائے گا۔ جب کبھی مذکورہ اناج کی مروجہ بازاری قیمت سال کے دوران بدل جائے تو اس اناج کی سال میں اوسط قیمت نکالی جائے گی۔ اور اس اوسط قیمت کو تجارت میں لگائی ہوئی دولت کا نصاب مقرر کرنے کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

۲۔ جب تجارت میں لگائی ہوئی نصاب کے برابر یا زیادہ دولت (یعنی محفوظ اور چالو سرمایہ، خواہ وہ نقد چاندی، سونا، کرنسی نوٹ کی شکل میں ہو یا ضمانتیں (Securities) یا اشیائے تجارت) مکمل سال بھر تک قانونی مالک کے پاس رہے۔ تو اس پر زکوٰۃ عائد کی جائے گی۔

جب تجارت میں لگائی ہوئی دولت پر زکوٰۃ عائد کی جائے گی۔ تو اس تمام دولت کے مجموعے کو ایک جو ایک ہی قانونی مالک کی ملکیت میں اور ایک ہی ملک کے علاقے یا علاقوں میں موجود ہو اور جس کے سال ملکیت کے ایک سے زیادہ شمار ہوں تو ان کو علیحدہ علیحدہ محسوب کرنا ہوگا۔

۳۔ دولت کی وہ تمام انواع و اقسام جو اشیائے تجارت بن جائیں۔ خود بخود قابلِ زکوٰۃ ہو جاتی ہیں۔ اور جب تک وہ اشیائے تجارت رہیں ان پر

---

[1] ۔ جیسا کہ اوپر (صفحہ ۱۶۷ تا ۱۶۹) بیان کیا گیا ہے۔ رسول کریمؐ کے مقرر شدہ قوانین زکوٰۃ میں سے یہ سب سے بنیادی قانون ہے۔

[2] ۔ یہ قانون رسولِ کریمؐ کے مقرر کئے ہوئے قوانین زکوٰۃ کے اصولوں کے بالکل مطابق ہے۔

Marfat.com

زکوٰۃ نافذ ہوتی رہے گی۔

(الف) ایسی تمام ذاتی دولت جو اپنی خاصیت کے اعتبار سے قابل زکوٰۃ نہیں ہے جب با قاعدہ اشیائے تجارت ہو جاتی ہے تو خود بخود قانون زکوٰۃ کے تحت آجاتی ہے۔

(ب) اس کے برعکس وہ تمام اشیائے تجارت جو صرف تجارت کی دولت ہونے کی وجہ سے قانون زکوٰۃ کے تحت تھیں، جب یہ کسی کی ذاتی جائیداد بن جائیں تو اسی وقت سے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہو جائیں گی۔

۴۔ اشیائے تجارت کی زکوٰۃ ان کی مالیت پر عائد ہوتی ہے نہ کہ اس کی قسم یا نوعیت پر ان اشیاء کی قیمت کا اندازہ چاندی سونے یا مقامی کرنسی میں کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ جب ایک دولت اپنی خاصیت کے اعتبار سے سالانہ عام زکوٰۃ کے قابل ہو (مثلاً چاندی، سونا، قیمتی پتھر، چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشی، وغیرہ) اور پھر یہ اشیائے تجارت بن جائیں تو ان پر صرف تجارت کی زکوٰۃ عائد ہو گی۔ جیسے ہی یہ دوبارہ ذاتی جائیداد بن جائیں تو ان کی زکوٰۃ صرف اسی نوع اور قسم کی صورت میں ادا کی جائے گی۔

مثال کے طور پر ذاتی جائیداد کی حیثیت میں چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشی (بھیڑ بکریاں، گائے بیل وغیرہ) کی زکوٰۃ محسوب کرتے وقت اس میں گلے کی تعداد اور جانوروں کی قسم اور جنس کو پیش نظر رکھا جاتا ہے اور اس میں ہر قسم کے پالتو مویشی کا نصاب، زکوٰۃ کی شرح اور فرضیت زکوٰۃ کی حدود مختلف ہوتی ہیں۔ لیکن جب کبھی یہ چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشی اشیائے تجارت بن جائیں۔ خواہ وہ کسی قسم، جنس اور نوعیت کے ہوں تو ان کے لئے وہی نصاب، زکوٰۃ کی شرح اور فرضیت زکوٰۃ کی حدود ہوں گی۔ جو چاندی کے لئے مقرر ہیں لہٰذا تجارت کے پالتو مویشیوں پر صرف ڈھائی فیصد زکوٰۃ تجارت ہو گی۔

Marfat.com

۶۔ جب تیار شدہ چاندی یا سونا (زیورات، برتن وغیرہ کی شکل میں) شئے تجارت بن جائے تو اس قیمتی دھات کے وزن اور کاریگری دونوں کے مجموعے پر زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی۔ برعکس اس کے جب قیمتی دھات ذاتی دولت ہوتی ہے۔ تو کاریگری کو نظر انداز کر کے صرف اس کے وزن کی موجودہ مالیت پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

۷۔ قانون زکوٰۃ کی رو سے جائز ذرائع سے حاصل شدہ وہ تمام دولت جسے قانونی مالک "اشیائے تجارت" بنانے کا ارادہ رکھتا ہے، جائز طور پر "اشیائے تجارت" قرار پائیں گی۔

اسلامی قانون نے دولت کے مندرجہ ذیل ذرائع حصول کو جائز قرار دیا ہے: تجارت، خرید، وراثت، تحائف، ترکہ یا وصیہ، زراعت، شہد کی مکھیاں اور ریشم کے کیڑے پالنا، وغیرہ، مرغبانی اور جانوروں کی افزائش نسل وغیرہ، صنعت، تعمیر، وغیرہ، صدقات و خیرات، حق مہر، معاوضہ طلاق اور نان نفقہ، تمام دوسری قسموں کے کام کے جائز معاوضے، خون بہا اور دیگر تاوان یا ہرجانے۔ دفینے اور دوسرے نامعلوم خزانوں کی دریافت مال غنیمت، کان کنی، جنگلات کی لکڑی اور کانوں کی دریافت وغیرہ۔

۸۔ کسی چیز کو اس وقت "شئے تجارت" قرار دیا جاتا ہے۔ جب اس کی تجارت کا ارادہ کر لیا جائے اس کی دو صورتیں ہیں۔

(الف) اس چیز کے حصول کے وقت،

(ب) اس چیز کے حصول کے بعد کسی وقت۔

چنانچہ، اگر ایک چیز کا قانونی مالک اس کے حصول کے وقت اسے "شئے تجارت" بنانے کا ارادہ نہیں رکھتا تو یہ چیز ذاتی استعمال کی سمجھی جائے گی۔ جب تک کہ اس سے وہ تجارت نہ کرنے۔

اس کے برعکس، اگر ایک چیز کو تجارت کے مقاصد کے لئے حاصل کیا گیا

Marfat.com

ہے تو یہ "شئے تجارت" ہے اور فروخت کرنے سے پہلے تک یہ "شئے تجارت" رہے گی، خواہ اسے ذاتی استعمال میں لایا جائے۔

۹۔ کسی شئے تجارت کی تجارتی خاصیت صرف اس وقت ختم ہوتی ہے جب اس کے قانونی مالک نے اسے کسی کے حوالے کر دیا ہو۔ یا واقعی اسے اپنے استعمال میں لے آئے۔

اس دوسری صورت میں اگر قانونی مالک کچھ عرصے بعد کسی سبب کی بنا پر دوبارہ اسی چیز کی تجارت کرنا چاہے۔ تو یہ چیز خود بخود دوبارہ "شئے تجارت" قرار پائے گی۔

۱۰۔ جب کبھی اشیائے تجارت کسی وراثت کا حصہ ہوتے ہوں اور نیا قانونی مالک، یعنی وارث یا ورثار ان اشیار کی تجارت جاری رکھنا چاہیں، تو ان اشیائے تجارت کی مالیت پر زکوٰۃ تجارت حسب سابق عائد ہو گی۔ لیکن سال ملکیت کے شمار کے اعتبار سے موروثہ اشیائے تجارت جس تاریخ کو وارث یا ورثار کے قبضے میں آتی ہیں اس تاریخ سے ان کے سالِ ملکیت کا نیا شمار شروع ہو گا۔

۱۱۔ ایسی اشیائے تجارت جو وراثت میں ملی ہوں اور نیا قانونی مالک، یعنی وارث یا ورثار ان کی تجارت نہ کرنا چاہتے ہوں، تو یہ ان کی ذاتی جائیداد بن جاتی ہیں۔ اور اگر یہ اپنی خاصیت سے قابل زکوٰۃ ہیں، تو ان کی زکوٰۃ ان کی نوعیت کے لحاظ سے ادا کی جائے گی۔ اگر یہ ان کی خاصیت سے ناقابل زکوٰۃ ہیں تو ان پر زکوٰۃ کی فرضیت ختم ہو جائے گی۔

۱۲۔ تجارت کی تعریف، "اشیار کو دوسری اشیار سے، یا رقم سے "تبدیل کرنا" ہے۔ بالفاظِ دیگر تجارت سے مراد ہمیشہ وہ عمل ہے جس میں ایک طرف سے فروخت، اور دوسری طرف سے خرید، ہوتی ہے۔

لہٰذا کسی چیز کو "شئے تجارت" قرار دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ فروخت

Marfat.com

کی صلاحیت رکھتی ہو: اس کا انحصار اس پر ہے کہ اس چیز کا قانونی مالک اسے فروخت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے یا نہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جب ایک چیز کو فروخت کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو۔ یعنی جب تک اس چیز کو کسی دوسری چیز، یا رقم کے بدلے میں تبادلہ کرنے کے حالات ہی پیدا نہیں ہوں گے۔ اس وقت تک یہ چیز "شے تجارت" نہیں کہلائے گی۔

چنانچہ جب کوئی چیز کرائے پر دی جاتی ہے تو اس میں دولت کا تبادلہ نہیں ہوتا۔ اور نہ اس سے حق ملکیت متاثر ہوتا ہے، صرف کرایہ ادا کرنے پر اس چیز کو استعمال کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اور جو دولت اس طرح کرائے پر دی جاتی ہے۔ چونکہ اس کا قانونی مالک اسے فروخت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ اس لئے وہ "شئے تجارت" نہیں کہلا سکتی۔ اس وجہ سے یہ دولت اگر اپنی خاصیت کے اعتبار سے قابل زکوٰۃ نہیں ہے تو زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔

مثلاً، ایک شخص ایک مکان کا قانونی مالک ہے جسے اس نے کرائے پر دے رکھا ہے لیکن اسے فروخت کرنا نہیں چاہتا۔ اب اسے اس مکان کی مالیت پر کوئی زکوٰۃ ادا نہیں کرنی ہوگی۔ اس لئے کہ وہ شخص مکانوں کی خرید و فروخت نہیں کرتا۔ اس لئے یہ مکان "شئے تجارت" نہیں ہے۔ اور نہ کرائے کی آمدنی پر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ کیونکہ آمدنی بہر حال زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔ اسے صرف اپنی آمدنی کے نصاب کے برابر یا زیادہ اس حصے پر زکوٰۃ واجب الادا ہوگی جو اس کے قبضے میں مکمل سال بھر رہے۔ لیکن اگر ایک شخص کا پیشہ ہی مکانات کی خرید و فروخت ہو تو اس صورت میں یہ مکانات "اشیائے تجارت" قرار پائیں گے۔ اور اس شخص کو ان کی مالیت پر حسب معمول زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی خواہ وہ ان مکانات کو

Marfat.com

اس وقت تک کرائے پر رکھتا ہو جب تک کہ وہ فروخت ہو جائیں۔

۱۳۔ اشیائے تجارت خواہ وہ کسی قسم یا نوعیت کی ہوں جو فروخت کے لئے رکھی گئی ہوں اور فروخت ہونے تک کرائے پر دے دی جاتی ہوں۔ "اشیائے تجارت" ہی رہتی ہیں۔ اس لئے زکوٰۃ تجارت ان پر عائد ہوگی۔

۱۴۔ جب ایک شئے تجارت کے بدلے میں کوئی اور چیز لی جائے۔ اگر اس بدلے میں لی گئی چیز کو فروخت کرنے کا ارادہ نہیں ہے تو یہ "شئے تجارت" کی خاصیت نہیں پائے گی۔

۱۵۔ جب ایک شئے تجارت اپنی خاصیت کے اعتبار سے قابل زکوٰۃ ہو اور اس کا قانونی مالک اسے واضح طور پر ذاتی استعمال کی چیز بنا لے تو اس چیز سے زکوٰۃ تجارت معطل ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بجائے اس پر ذاتی جائیداد کے قوانین زکوٰۃ کا اطلاق ہوگا۔[1] ان قوانین کے مطابق اگر یہ چیز پہلے "شئے تجارت" تھی اور اب ذاتی استعمال کی شئے ہے اور اگر قابل زکوٰۃ نوعیت کی ہو اور اپنی قسم اور اپنی نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہونے کے سبب قابل زکوٰۃ ہی رہے تو اس کا "شئے تجارت" والا سال ملکیت کا شمار منقطع نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ ہی سال ملکیت کا شمار بحیثیت ذاتی جائیداد اس چیز پر جاری رہے گا۔ مثلاً ایک قانونی مالک نے ۴۰ بھیڑیں ۴۰۰۰ روپے میں تجارت کے مقصد سے خریدیں۔ پھر انہیں چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی صورت دے کر ذاتی جائیداد میں تبدیل کر لیا۔ اب چونکہ بھیڑوں کے لئے ۴۰ کا نصاب مقرر ہے[2]۔ اور اس کا ریوڑ نصاب کے برابر ہے تو اگرچہ یہ

---

[1]۔ ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کا باب دوم

[2]۔ ملاحظہ فرمائیں اس کتاب کا باب چہارم "چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی زکوٰۃ"

Marfat.com

بھیڑیں اب ذاتی جائیداد کی خاصیت پا گئی ہیں۔ تب بھی ان جانوروں کے سالِ ملکیت کا شمار وہی ہوگا۔ جو اس وقت سے شروع ہوا تھا جب انہیں تجارتی مقصد کے لئے خریدا گیا تھا۔[1]

دوسری طرف اگر اس قانونی مالک کا ریوڑ ۳۰ بھیڑوں پر مشتمل تھا جسے اس نے ۴۵۰۰ روپے میں خریدا تھا (جس رقم پر آج کل نصاب سے زیادہ ہونے کے سبب زکوٰۃ نافذ ہوتی ہے) تو ان ۳۰ بھیڑوں کو "شئے تجارت" کی بجائے "ذاتی جائیداد" بنانے پر زکوٰۃ کا نفاذ اور سال ملکیت کا شمار دونوں ختم ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ ذاتی جائیداد کی بھیڑیں بنانے کیلئے نصاب ۴۰ بھیڑیں ہے۔

۱۶۔ جن بھیڑوں بکریوں، گائے بیلوں، اونٹوں، گھوڑوں، مرغیوں وغیرہ کو فروخت اور ذبح کے لئے پالا جاتا ہے۔ یا رکھا جاتا ہے وہ تمام اشیائے تجارت کے ضمن میں آتے ہیں۔ یہی اصول ان جانوروں پر بھی عائد ہوتا ہے جن کی کھالیں حاصل کرنے کے لئے نسل کشی کی جاتی ہے۔

۱۷۔ جن بھیڑوں، بکریوں، گائے بیلوں، اونٹوں گھوڑوں، مرغیوں، شہد کی مکھیوں، ریشم کے کیڑوں وغیرہ کو اون، بچے، دودھ انڈے شہد، ریشم وغیرہ حاصل کرنے کے لئے پالا جائے، جب تک انہیں فروخت کرنے کا ارادہ نہ ہو یہ "اشیائے تجارت" نہیں سمجھی جائیں گی۔ اسی طرح ان کا

---

[1] حنفی فقہ کے بعض علماء کا خیال ہے کہ جس روز سے یہ بھیڑیں تجارتی مال کی بجائے ذاتی جائیداد بن گئی ہیں اس روز سے سال کا نئے سرے سے شمار شروع ہونا چاہیئے لیکن چونکہ قانونی مالک کی دولت جوں کی توں محفوظ رہی اس لئے ملکیت اور قبضے کے سال شمار میں انقطاع کرنے کا کوئی معقول سبب معلوم نہیں ہوتا۔

Marfat.com

حاصل (اون، دودھ، انڈے وغیرہ صرف اس وقت "اشیائے تجارت" کی خاصیت پائیں گے۔ جب کہ انہیں فروخت کرنے کا ارادہ کر لیا جائے۔

۱۸۔ خام مال کی اشیائے صرف ان لوگوں کے لئے "اشیائے تجارت" ہیں جو خام مال کی تجارت کرتے ہیں۔

مصنوعات تیار کرنے کے لئے خرید کردہ خام مال کاریگر یا صنعت کار کے لئے "شئے تجارت" نہیں ہے۔ لیکن خام مال سے تیار شدہ مصنوعات جو فروخت کے لئے بنائی گئی ہیں "اشیائے تجارت" بن جائیں گی اور کاریگر یا صنعت کار کو ان پر تجارت کی عام زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

یہ قانون تمام ہاتھ سے اور مشین سے تیار شدہ مصنوعات پر نافذ ہوگا۔

۱۹۔ سابقہ قانون کے پیش نظر، کاریگر اور صنعت کار کی نقد رقوم کے تمام سرمائے (چاندی، سونا، کرنسی نوٹ) اور تجارت کے لئے تیار شدہ مصنوعات کی مجموعی مالیت پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

برخلاف اس کے چاندی، سونے اور قیمتی پتھروں کو چھوڑ کر (جو ہمیشہ ہی زکوٰۃ کی خاصیت رکھتے ہیں) کاریگر یا صنعت کار کے پاس موجود اس خام مال پر جو اپنی خاصیت کے لحاظ سے قابل زکوٰۃ نہیں ہے اور جس سے صنعتی اشیاء بنانے کا ارادہ ہے۔ زکوٰۃ عائد نہیں گی۔

۲۰۔ ایسی تمام تجارت پر جس میں خام اشیاء ہی (غیر تیار شدہ) فروخت کر دی جاتی ہیں، نقد رقوم کی صورت میں محفوظ اور چالو سرمائے (خواہ کرنسی نوٹ چاندی سونا یا ضمانتیں (Securities) اور حاصل شدہ پیداوار کی مجموعی مالیت پر زکوٰۃ کے واجبات نافذ کئے جائیں گے۔ اس پیداوار میں معدنیات کے ذریعے سے حاصل شدہ دھات جنگلات کے ذریعے سے حاصل شدہ لکڑی، زرعی پیداوار شہد کی مکھیاں پالنے سے حاصل شدہ شہد، ریشم کے کیڑے پالنے سے حاصل شدہ خام ریشم صورت میں پرورش

Marfat.com

کئے ہوئے موتی، نسل کشی سے حاصل شدہ جانور اور مرغیاں وغیرہ شامل ہیں۔

۲۱۔ صنعت اور کان کنی میں استعمال ہونے والی مشینری اور کاریگر کے اوزار قابلِ زکوٰۃ نہیں ہیں۔ یہ چیزیں اس اصطلاح کے کسی بھی مفہوم میں قدر دوام کی حامل فاسل دولت قرار نہیں دی جاسکتیں۔ اس لئے وہ استعمال میں لائی جارہی ہیں اور ان کا قانونی مالک ان کی تجارت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ یہ موثر انداز میں "اشیائے تجارت" کی خاصیت کھو چکی ہیں۔

اسی طرح سے فیکٹریوں اور ورکشاپوں کی عمارات کی مالیت پر بھی زکوٰۃ نافذ نہیں ہوتی۔

۲۲۔ جب کاریگر یا صنعت کار کے قبضے میں موجود صنعتی اشیاء پر سال ملکیت ختم ہونے کے بعد زکوٰۃ کے واجبات شمار کرنا ہو تو ان کی قیمت فروخت کو نہیں بلکہ قیمت حصول (یعنی قیمت خرید یا بناوٹ) کو منافع کو نظرانداز کرکے حساب کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

اس اصول کا اطلاق تھوک فروش، پرچون فروش اور دکانداروں کی اشیائے تجارت پر بھی ہوتا ہے جب ان کی ملکیت میں موجود اشیاء کی قیمت کا تعین نفاذِ زکوٰۃ کے لئے کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کانوں کے استعمال کرنے والوں، جنگلات سے لکڑی نکالنے والے مزارعین، شہد کی مکھیاں اور ریشم کے کیڑے پالنے والوں، موتیوں کے صدف پرورش کرنے والوں، جانوروں اور مرغیوں کی افزائش نسل کرنے والوں، وغیرہ کی ملکیت میں جو کچھ بھی حاصل شدہ پیداوار ہوگی۔ اس پر بھی یہی اصول نافذ ہوگا۔

۲۳۔ چونکہ بازاری قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کے زیر اثر اشیائے تجارت کی مالیت میں عموماً تبدیلی آتی رہتی ہے۔ اس لئے اگر اشیائے تجارت کی زکوٰۃ واجب الادا ہونے کے وقت ان کی اصل قیمتِ حصول (یعنی قیمت خرید یا بناوٹ)

Marfat.com

سے اس وقت کی بازاری قیمت کم ہو تو واجب الادا زکوٰۃ کا حساب کم تر بازاری قیمت سے لگایا جائے گا۔

لیکن اگر زکوٰۃ عائد ہوتے وقت اشیائے تجارت کی مالیت میں خریدنے کے وقت سے اضافہ ہو گیا ہو۔ تو اصل قیمت حصول پر واجب الادا زکوٰۃ کا حساب ہو گا نہ کہ نئی اضافہ شدہ قیمت پر، نئی زائد قیمت کا مطلب تاجر کی اس شئے تجارت میں لگائی ہوئی رقم پر منافع میں اضافہ ہے بالفاظِ دیگر تاجر کی اصل قیمتِ خرید یا بناوٹ کی اجرت اور بازار کی موجودہ قیمتِ خرید کا فرق تاجر کے منافع کا جزو ہے اور منافع پر زکوٰۃ عائد نہیں کی جا سکتی۔

۲۴۔ اگر سال ملکیت کی تکمیل کے وقت ایک تاجر کے محفوظ اور چالو سرمائے اور اشیائے تجارت کے مجموعے کی کل مالیت میں جس پر سال ملکیت کا ایک ہی شمار چل رہا ہے ابتدائے سال ملکیت کی نسبت کمی آ جائے تو زکوٰۃ صرف اسی مالیت پر ادا کرنی ہوگی۔ جو وجوبِ زکوٰۃ کے وقت اس کی ملکیت میں تھی۔

اگر یہ کمی اس حد تک واقع ہو گئی ہو کہ اس ساری دولت کی مالیت نصاب سے کم رہ جائے تو، زکوٰۃ کی فرضیت اس پر سے اس وقت تک ختم ہو جائے گی۔ جب تک کہ اس دولت میں اپنی نوع کی مزید مالیت کا اضافہ نہ ہو جو اس میں جمع ہو کر، مجموعے کو نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ تر بنا دے۔

۲۵۔ جب چاندی سونے یا/اور کرنسی نوٹوں کی شکل میں دولت جس کی مالیت نصاب کے برابر یا زیادہ ہو اور جس پر سال ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہو۔ تجارت میں لگا دی گئی ہو۔ تو سال ملکیت کا شمار منقطع نہیں ہو گا۔ بلکہ وہ اب اس تجارتی سرمائے کی خاصیت والی دولت پر جاری رہے گا۔

۲۶۔ جب تاجر کا کل سرمایہ (نقد رقوم اور اشیائے تجارت کا مجموعہ) جس پر سال ملکیت کا ایک ہی شمار چل رہا ہے۔ نصاب کے برابر یا زیادہ ہے تو اس

دولت کے تبادلے سے اس کے سال ملکیت کے شمار پر کوئی اثر نہیں پڑے گا خواہ تبادلہ نقد رقوم کے بدلے اشیائے تجارت کا ہو یا اشیائے تجارت کے بدلے نقد رقوم کا ۔ یا اشیائے تجارت کے بدلے دوسری اشیائے تجارت کا اور خواہ یہ انفرادی سودے نصاب کے کم از کم برابر مقداروں یا مالیتوں میں سے ہوں ۔ یا نہ ہوں ۔ چنانچہ جو دولت (نقد رقوم یا اشیائے تجارت) اس طرح تبادلے میں لی جاتی ہے ۔ منافع چھوڑ کر وہ خود بخود داصل زر کے مجموعے کے سال ملکیت کے شمار میں آجائیں گی ۔ کیونکہ جیسا کہ تبادلے میں دی ہوئی دولت اصل سرمائے میں شامل تھی اسی طرح اس کے بدلے میں نئی حاصل شدہ دولت اس کا ایک حصہ ہو جائے گی ۔

۲۷۔ جب نصاب کے برابر یا زیادہ مالیت کی اشیائے تجارت درج ذیل تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں حاصل کی گئی ہوں ۔

(الف) ناقابل زکوٰۃ دولت کے بدلے میں جس کی تجارت کرنے کا ارادہ پہلے نہ تھا ۔

(ب) قابل زکوٰۃ دولت کے بدلے میں جس کی تجارت کرنے کا ارادہ پہلے نہ تھا اور جس پر نفاذ زکوٰۃ کے لئے سال ملکیت کی لازمی شرط نہیں ہے (جیسے زرعی پیداوار، شہد اور خام ریشم) یا

(ج) قابل زکوٰۃ دولت کے بدلے میں جس پر نفاذ زکوٰۃ کے لئے سال ملکیت کی لازمی شرط ہے ۔ لیکن جس کی مالیت یا مقدار اپنی قسم یا نوعیت کے مقررشدہ نصاب سے کم ہے ۔ تو اس طرح نئی حاصل شدہ اشیائے تجارت کے سال ملکیت کا شمار ان کی تاریخ حصول سے شروع ہوگا ۔ جب اس طرح کے تبادلے میں حاصل شدہ شئے تجارت (جس کے سال ملکیت کا شمار اس کے حصول پر شروع ہو چکا ہے) فروخت ہو جائے تو سال ملکیت کا جاری شمار اصل قیمت خرید پر قطع نظر منافع برقرار رہے

Marfat.com

گا۔ خواہ تبادلہ شدہ دولت نقد رقوم کی صورت میں ہو یا اشیائے تجارت کی صورت میں۔ یعنی پوری قیمت خرید پر سال ملکیت کا شمار اور زکوٰۃ کے واجبات نہیں ہوں گے۔ بلکہ قیمت فروخت میں سے اس کا منافع نکال کر صرف قیمت خرید پر ہی، سال ملکیت کی تکمیل پر زکوٰۃ کے واجبات ادا کئے جائیں گے۔

۲۸۔ جب ایک ایسی دولت کے بدلے میں (خواہ وہ اشیاء یا نقد رقوم: چاندی سونے یا/اور کرنسی نوٹوں کی صورت میں ہو) جس کی مالیت اپنی قسم یا نوعیت کے لئے مقررشدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو اور جس کی تجارت کرنے کا ارادہ پہلے نہ تھا۔ نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ مالیت کی اشیائے تجارت حاصل کی جائیں۔ تو تبادلے میں دی ہوئی دولت کے سال ملکیت کے شمار کا حساب منقطع نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ نئی حاصل شدہ اشیائے تجارت کی مالیت پر جاری رہے گا۔

۲۹۔ تجارت میں لگائی ہوئی دولت پر زکوٰۃ کے واجبات کی صحیح تعین کے لئے متعدد حسابات کے اصولوں[1] کی سختی سے پابندی کرنی چاہیئے۔ ان اصولوں کے مطابق :

(الف) ہر ماہ کے آخر میں اپنے حسابات کی تحقیق کرنے اور تجارتی اور ذاتی اخراجات کو نکال لینے کے بعد تاجر کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خالص منافع کتنا ہے۔ یعنی مہینے کے تمام جائز اخراجات ادا کرنے کے بعد اس ماہ کے لئے زائد دولت کتنی باقی ہے۔ اگر یہ خالص منافع یا زائد دولت نصاب کے برابر یا زیادہ ہے تو اس کے لئے سال ملکیت کا شمار الگ سے شروع کیا جائے گا۔ پھر اگر اسے بھی تجارت میں لگا دیا جائے تو یہ تبادلے

---

[1] ملاحظہ فرمائیں۔ اس کتاب کے باب اول کا مبحث "متعدد حسابات"

Marfat.com

کا ایک نیا سلسلہ شروع کردے گی۔ جس سے نیا منافع الگ کرکے اس کا سابقہ سال ملکیت کا شمار جاری رہے گا۔

(ب) اگر ماہ کا خالص منافع یا حاصل شدہ دولت کا زائد منافع نصاب سے کم ہے تو زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔ جب تک اس میں کچھ زائد دولت جمع ہوکر اسے نصاب کے کم از کم برابر کردے اور اس ہی دن سے اس نئی قابل زکوٰۃ دولت پر سال ملکیت کا شمار شروع ہوگا۔

(ج) اگر تاجر کے اصل موجودہ سرمائے پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت تک یہ خالص منافع یا زائد تجارت نصاب کو نہ پہنچے تو تاجر اپنے مجموعے (نقد رقم اور اشیائے تجارت) سرمائے کے سال ملکیت کا شمار مکمل ہونے کے دن اس پر زکوٰۃ ادا کرتے ہوئے باقی سرمائے سرمائے میں یہ کم از کم نصاب منافع جمع کرے گا۔ پھر اس سرمائے کے نئے مجموعے پر سال ملکیت کا نیا شمار شروع ہوگا۔

(د) اگر تجارتی سرمائے (نقد رقوم اور اشیائے تجارت) کے مجموعے پر سال ملکیت کے ایک سے زیادہ شمار چل رہے ہوں تو جونہی اس میں سے پہلے سال کا شمار تکمیل کو پہنچے۔ تاجر اس کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔ پھر اس (باقی) میں کم از نصاب خالص منافع یا زائد دولت کو جمع کرکے مجموعے پر سال ملکیت کا نیا شمار شروع کرے گا۔

(ہ) جب تجارتی سرمائے میں سے دو یا زیادہ مقداروں یا مالیتوں (خواہ اشیائے تجارت ہوں یا نقد رقوم) کے تبادلے ہیں جن پر سال ملکیت کے الگ الگ شمار چل رہے ہیں دوسری اشیائے تجارت لی جاتی ہیں تو یہ دو یا زیادہ سال ملکیت کے الگ الگ شمار منقطع نہیں ہوں گے بلکہ وہ نئی لی ہوئی اشیائے تجارت پر جاری رکھے جائیں گے۔ پھر جب لی ہوئی اشیائے تجارت فروخت کی جائیں تو وہی دو یا زیادہ جاری سالِ ملکیت کے شماران

Marfat.com

کے بدلے ہیں، منافع چھوڑ کر صرف لی ہوئی اشیاء کی قیمت خرید پر (خواہ وہ نقد رقوم کی شکل میں ہوں یا اشیائے تجارت کی شکل میں ہو) متناسب طور پر قائم رہیں گے۔

(و) جب تبادلے کے لئے تجارتی سرمائے میں سے اشیائے تجارت کی دو یا زیادہ مقدار نکالی جائیں (جن پر سال ملکیت کے الگ الگ شمار چل رہے ہیں۔ اور وہ اشیائے تجارت ایک ہی ساتھ فروخت کر کے ان کے بدلے میں نقد رقوم حاصل کر لی جائیں۔ تو ان نقد رقوم میں سے منافع چھوڑ کر، صرف باقی رقوم (یعنی فروخت شدہ اشیائے تجارت کی قیمت خرید) اصلی سرمائے کے اپنے الگ الگ سال ملکیت کے شمار میں متناسب طور پر جمع کی جائیں گی۔ جن سے وہ اشیائے تجارت لی گئی تھیں اور جو اب ان اشیائے تجارت کی بدلے میں نئی حاصل شدہ رقوم پر جاری رہیں گے۔

بالفاظ دیگر سال ملکیت کے وہ الگ الگ شمار اس لین دین سے منقطع نہیں ہوں گے۔ خواہ تبادلہ نقد رقوم کی صورت میں ہو یا اشیائے تجارت کی صورت میں۔

۳۰۔ جب ایک تاجر کی ملکیت میں تجارتی سرمائے کے علاوہ اپنی ذاتی بچت کے طور پر کسی بھی شکل میں چاندی اور یا سونا، اور یا کرنسی نوٹ اور یا ضمانتیں (Securities) ہیں تو یہ دولت اس کے محفوظ سرمائے کا حصہ قرار پائے گی۔ چنانچہ اس تاجر کو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے اپنے تجارتی سرمائے کی مالیت کا حساب کر کے اس میں یہ ذاتی بچت بھی شامل کرنی ہو گی۔ بشرطیکہ ان سب پر ایک ہی سال ملکیت کا شمار ہو۔ اس طرح تجارتی سرمایہ اور ذاتی بچت کی رقوم میں سے اگر ایک یا دونوں کم از نصاب ہوں۔ لیکن دونوں کو جمع کرنے پر وہ نصاب کے برابر یا زیادہ

ہو جائیں۔ تو ان کی مالیت کے مجموعے پر واجب الادا زکوٰۃ دی جائے گی۔ لیکن جب تجارتی سرمائے اور ذاتی بچت پر سال ملکیت کے الگ الگ شمار چل رہے ہوں تو ان رقوم پر علیحدہ طور پر زکوٰۃ عائد ہو گی۔ اس صورت میں اگر تجارتی سرمایہ اور ذاتی بچت یا دونوں میں سے ایک کم از نصاب ہو تو جب تک یہ کم از نصاب رقم نصاب کے کم سے کم برابر نہ ہو جائے وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔ پھر اگر یہ کم از نصاب رقم، دوسری قابل زکوٰۃ رقم پر زکوٰۃ واجب الادا ہونے کے وقت تک نصاب کے برابر یا زیادہ نہیں ہو جاتی تو قابل زکوٰۃ رقم پر زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنے کے فوراً بعد اس میں یہ کم از نصاب رقم جمع کی جائے گی۔ اور مجموعے پر سال ملکیت کا ایک نیا شمار شروع ہو گا۔

۳۱۔ بیرونی ممالک میں سے درآمد شدہ اشیائے تجارت کی مالیت (یعنی تاجر کی قیمت خرید) کا اندازہ کرتے وقت، اس وقت کے زرمبادلہ کے مروجہ نرخوں کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ زکوٰۃ صرف اس رقم پر نافذ ہو گی جو واقعی ان اشیاء کی خرید میں لگائی ہوئی تھی۔ یا جو زکوٰۃ واجب الادا ہونے کے وقت ان اشیائے تجارت کی قیمت خرید تھی۔ ان دونوں رقوم میں سے جو کم ہو اس پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

۳۲۔ قرض کے لئے ضمانت شدہ دولت پر عائد کئے ہوئے قوانین کے مطابق[1] جب ایک تاجر نے قرض لیا ہو تو قرض ادا ہونے کے وقت تک اس کی مالیت کے مساوی تجارتی سرمائے (نقد رقوم اور/یا اشیائے تجارت) کا وہ حصہ جو قرض کی ضمانت تھا زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گا۔

جس وقت تاجر کا پورا قرض، یا اس کا ایک حصہ واپس دے دیا جائے تو

---

[1]۔ ملاحظہ فرمائیں اس کتاب کے باب اوّل کا عنوان "قرض کے لئے ضمانت شدہ دولت"

اس حصہ دولت کی شکل ضمانت ختم ہو جائے گی۔ یا واپس دیئے ہوئے حصّے کی نسبت سے کم ہو جائے گی جو اس دولت ضمانت سے آزاد ہوگی اس پر اسی وقت سالِ ملکیّت کا نیا شمار شروع ہوگا۔ بشرطیکہ اس کی مالیت نصاب کے برابر یا زیادہ ہو۔

۴۳۔ جب ایک تاجر کے کل تجارتی سرمائے کی مالیت نصاب سے کم ہے اور اس کی ملکیت میں کوئی اور بچت یا محفوظ (اسی نوع کی) قابل زکوٰۃ دولت نہیں ہے جس میں جمع ہو کر یہ نصاب کے کم از کم برابر ہو جائے تو اس کا تجارتی سرمایہ اس وقت تک زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گا۔ جب تک کہ منافع وغیرہ کے اضافے سے یہ نصاب تک نہ پہنچے۔ نصاب تک پہنچنے کے دن سے اس تجارتی سرمائے پر سال ملکیّت کا شمار شروع ہوگا۔

۴۴۔ اگر قرض لئے ہوئے سرمائے سے تجارت کی جا رہی ہو تو قرض خواہ کے لئے اس کی قرض میں دی ہوئی دولت پر اس کتاب کے باب اول میں "مذکورہ دیئے ہوئے قرض" کے متعلقہ قوانین کا اطلاق ہوگا۔ اور مقروض تاجر کے تجارتی سرمائے (یعنی قرض میں لی ہوئی دولت) پر اس کتاب کے باب اول میں بیان کئے ہوئے "قرض کے لئے ضمانت شدہ دولت کے قوانین" عائد ہوں گے۔

ان قوانین کے مطابق اگر قرض لینے والے تاجر کسی اور قابل زکوٰۃ دولت کا قانونی مالک ہے تو اسی دولت میں لئے ہوئے قرض کے برابر رقم قرض کے بدلے ضمانت کے طور پر رکھی جائے گی۔ اور اسی لئے اس دولت کے سال ملکیت کا شمار منقطع ہو جائے گا۔ اور جب تک کہ قرض کی مالیت قرض خواہ کو واپس نہ دی جائے گی۔ یہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گا۔ پھر جب قرض کی مالیت قرض خواہ کو واپس دی جائے اس کے لئے مذکورہ ضمانت شدہ دولت پر زکوٰۃ کی فرضیت دوبارہ رائج ہوگی۔ اور اس کے لئے نیا

Marfat.com

سالِ ملکیت کا شمار بلا واسطہ شروع ہوگا۔ لیا ہوا قرض مقروض کی ملکیت نہیں ہو جاتا، بلکہ وہ قرض خواہ کی قانونی جائیداد ہی رہتا ہے۔

اس لئے قرض کی مالیت اگرچہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو، مقروض سے اس پر ادائیگی زکوٰۃ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ اس کا وجوب قرض خواہ پر رہے گا، جو قرض کی مالیت کا قانونی مالک ہے۔ گو قرض دینے کی تاریخ سے اس کی واپسی کے دن تک اس کی مالیت، قرض خواہ (یعنی قانونی مالک) کو واپس ملے گی۔ قانونی ملکیت کا انقطاع نہ ہونے کے سبب اس دولت کے سالِ ملکیت کا شمار منقطع نہیں ہوا تھا۔ اس لئے گزشتہ تمام عرصے کے واجباتِ زکوٰۃ کی ادائیگی اس قرض خواہ کی ذمہ داری ہوگی۔[1]

اگرچہ قرض لے کر تجارت کرنے میں کوئی اعتراض اس وقت تک نہیں ہو سکتا، جب تک سود کی ممانعت سے متعلق اسلامی قانون پر پوری طرح عمل کیا جائے۔ لیکن تاجر کے ذاتی سرمائے کی عدم موجودگی میں قرض لینے کی بجائے تجارت میں شراکت قابلِ ترجیح ہے جس میں سرمایہ مہیا کرنے والا اور تجارت کرنے والا دونوں تجارت میں حصہ داری کے اصول پر شریک ہو جائیں اور نفع و نقصان طے شدہ نسبت سے تقسیم کریں۔

۳۵۔ تجارت پر زکوٰۃ نقد رقوم (چاندی، سونے یا مقامی کرنسی نوٹوں) یا اشیائے تجارت کی صورت میں ادا کی جا سکتی ہے۔

اگر زکوٰۃ کے واجبات اشیائے تجارت کی صورت میں ادا کئے جائیں۔ تو چاہیئے

---

[1] امام غزالی کی رائے میں، اگر ایک تاجر قرض لے کر تجارت کرتا ہے تو اس قرض کی رقم پر زکوٰۃ ادا کرنے کی ذمہ داری مقروض تاجر کی ہے۔ لیکن یہ رائے قانونِ زکوٰۃ کے اس بنیادی اصول کے منافی ہے جس میں واضح طور پر زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے دولت کا قانونی ملکیت ہونا لازمی شرط قرار دی گئی ہے۔

کہ اوسطاً اچھی قسم کی اشیاء دی جائیں۔ لیکن متعلقہ اشیاء کے قانونی مالک کو کسی بھی صورت میں زکوٰۃ کے واجبات پورا کرنے کے لئے عمدہ ترین اشیاء دینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری طرف، قرآن پاک کے اس واضح ارشاد کے مطابق، واجبات زکوٰۃ کی ادائیگی خراب اشیا کی صورت میں قابل قبول نہیں ہے۔

یایھا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبٰت ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باٰخذیہ الا اَن تُغمِضوا فیہ ط واعلموٓا اَنّ اللہ غنیٌّ حمیدٌ ○

اے ایمان والو! تم (خدا کے نام پر) خیرات کرو تو اپنی اچھی کمائی میں سے دو۔ اور ان چیزوں میں سے دو جن کو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا۔ اور خبیث و ناکارہ چیزوں کے دینے کا ارادہ نہ کرو۔ تم ناکارہ چیز کو نہیں لیتے مگر یہ کہ تم اس میں چشم پوشی کر جاؤ۔ اور خوب جان لو کہ اللہ بے نیاز ہے (بے پروا ہے) مستحق حمد و ثنا ہے (اور بڑا ہی خوبیوں والا ہے) ○

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۶۷)

۳۶۔ نشہ اور مشروبات، (دوائی میں استعمال کے علاوہ) خواب آور اور نشہ آور تمام مسکرات، سوّر اور سوّر کا گوشت، خون سے بنی ہوئی خوراک، مردار، غیر مذبوحہ گوشت، اللہ کے علاوہ کسی اور کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت، جوئے (قمار بازی) کا ساز و سامان طوائفوں سے متعلق اور فحاشی کی کتابیں، تصویریں اور فلمیں اور ایسی تمام چیزیں جو قانون اسلام میں اس لئے منع ہیں کہ وہ انسانی معاشرے میں بیماری اور بد دیانتی و بداخلاقی پھیلاتی ہیں، ایک مسلم کے لئے لائق

Marfat.com

تجارت نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان پر زکوٰۃ مقبول نہیں۔

مزید برآں، ان کا ایک مسلم کی ملکیت میں ہونا ہی بدرجۂ اتم قابل ملامت ہے، اور ان کی تجارت کرنا قانون اسلام کی نظروں میں مستوجب سزا ہے۔

۳۷۔ جب تک واضح ثبوت نہ ہو کہ تجارت میں قابلِ زکوٰۃ دولت لگانے والے تاجر نے ادائیگی زکوٰۃ میں بددیانتی کی ہے اس کی امانت و دیانت پر پورا بھروسہ کیا جائے گا۔ اور یہ اس کی ذاتی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اپنی تجارت میں لگائی ہوئی دولت کا پورا حساب رکھے اور اس پر زکوٰۃ کے واجبات صحیح طریقے سے ادا کرے۔

۳۸۔ اگر تجارت میں لگائی ہوئی دولت پر سالِ ملکیت کی تکمیل کی وجہ سے زکوٰۃ واجب الادا ہو گئی ہو۔ لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی سے پہلے اس دولت کے بدلے قانونی مالک نے ذاتی استعمال کی ناقابلِ زکوٰۃ چیزیں خرید لیں۔ یا اس دولت کو تحفے میں دے دیا، یا سوئے اتفاق سے ضائع ہو گئی، یا وہ دولت چوری ہو گئی۔ تو متعلقہ دولت اب اس کے قبضے میں نہ رہنے کے سبب زکوٰۃ کے واجبات ختم نہیں ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ اس کی تمام شرائط، حتیٰ کہ سالِ ملکیت کی شرط بھی پوری ہو گئی تھی۔ اس لئے اس دولت پر زکوٰۃ کی ادائیگی قانونی مالک کا دینی فرض رہتی ہے۔

البتہ اگر دولت کا یہ انتقال یا نقصان سال ملکیت کی تکمیل سے پہلے ہو جائے، خواہ صرف ایک دن پہلے ہو۔ تو زکوٰۃ کی فرضیت ختم ہو جاتی ہے۔

۳۹۔ اگر ثابت ہو جائے کہ قانونی مالک نے دیدہ و دانستہ، بددیانتی

Marfat.com

سے واجبات زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے تجارت میں لگائی ہوئی دولت کو مخفی کر دیا ہے۔ یا اس کے ضائع ہونے کا حیلہ بہانہ کیا ہے۔ تو وہ مجرم ہوگا۔ اور اس سے نہ صرف زکوٰۃ کے واجبات بزورِ قانون وصول کئے جائیں گے۔ بلکہ وہ سزا کا مستوجب بھی ہوگا۔

Marfat.com

جز سوم (باب دوم)

مشترکہ ملکیت کی دولت کی زکوٰۃ (مشترکہ کاروبار)

قانون زکوٰۃ کے بنیادی اصولوں کی رو سے مشترکہ ملکیت یا بالفاظ دیگر، کاروبار میں ایک سے زیادہ اشخاص کے اشتراک سے نہ تو زکوٰۃ کے نفاذ کے طریقۂ کار پر براہ راست کوئی اثر پڑتا ہے۔ اور نہ ہی ہر فرد کے اپنے حصے کی قابل زکوٰۃ مشترکہ دولت پر زکوٰۃ کی فرضیت کسی طرح متاثر ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مشترکہ کاروبار میں حصہ داروں کا استحقاق اور ذمہ داری بھی مشترک ہوتی ہے لیکن اس اشتراک سے ہر شریک کی قانونی ملکیت کا حق کسی طرح کم نہیں ہوتا اور نہ ہی کاروبار میں اس کے اپنے معاملات کو ٹھیک طرح انجام دینے کی ذمہ داری ختم ہوتی ہے اور نہ کم ہوتی ہے۔ درحقیقت بوجہ اشتراک مشترک کاروبار میں ذمہ داری دگنی ہو جاتی ہے۔ ہر شریک کا یہ فرض ہے کہ وہ نہ صرف اپنے بلکہ اپنے ساتھیوں کے معاملات کا بھی محاسبہ کرے۔ باہمی مشترک مفادات کی حفاظت کرے، اور اگر ضرورت مقتضی ہو تو قرآن پاک کے عائد کردہ قوانین کے مطابق، سماجی اور معاشی دائروں میں ان تمام فرائض کو پورا کرنے پر اپنے ساتھیوں کو بھی مجبور کرے چنانچہ مشترکہ کاروبار پر قانونِ زکوٰۃ کا اثر مادی سے زیادہ اخلاقی ہے۔

قرآن پاک نے ارشاد کے مطابق ایک منظم انسانی معاشرے کو بہتر طور پر چلانے کے لئے مشترکہ مصالح کے تمام امور میں باہمی مشورے سے کام لینا انتہائی اہم ہے۔

Marfat.com

فما أوتيتم من شيء فمتاع الحيٰوة الدنيا ج وما عند الله خير و
ابقىٰ للذين امنوا وعلى ربهم يتوكلون ۝ والذين يجتنبون
كبٰئر الاثم والفواحش واذا ما غضبوا هم يغفرون ۝
والذين استجابوا لربهم واقاموا الصلٰوة ص وامرهم شورىٰ
بينهم ومما رزقنٰهم ينفقون ج

پس تم کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ دنیوی زندگی کا چند روزہ تمتع اور بہرہ مندی ہے اور جو خدا کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور پائیدار تر ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں اور اللہ پر توکل کرتے ہیں ۝ جو لوگ اپنے رب کے احکام قبول کرتے ہیں (لفظاً: جو لوگ اپنے رب کی پکار کا جواب دیتے ہیں) اور پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور ان کے تمام کام باہمی مشورے سے ہوتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے دوسروں کو بھی دیتے ہیں ۝

(سورۃ الشوریٰ، آیات ۳۶ اور ۳۸)

اسی طرح اگرچہ مشترکہ کاروبار کا میدان عمل پورے معاشرے کے میدان عمل کی نسبت محدود ہے تاہم مشترکہ کاروبار کو کامیاب طریقے سے چلانے کے لئے سب سے اہم بلکہ لازمی امر یہ ہے کہ کاروبار کے شرکار اپنے مشترکہ مقصد کو آگے بڑھانے اور صحیح انتظام و انصرام کے لئے ہمیشہ اور ہر وقت باہمی مشورے سے کام لیں۔

رسول کریمؐ نے جائز مشترکہ دولت کی تنظیم کے لئے جو سادہ اور واضح قانون وضع کیا ہے وہ اس قرآنی اصول کے عین مطابق ہے اور وہ مشترکہ کاروبار کی ہر قسم اور ہر پہلو اور اس سے متعلق تمام فرائض پر جن میں زکوٰۃ بھی شامل ہے۔ پوری طرح منطبق ہوتا ہے۔

Marfat.com

محمد بن عبداللہ نے ہمیں تبلایا کہ: میرے والد نے مجھے تبلایا اور کہا: ثمامہ نے مجھ سے کہا کہ اسے انسؓ نے تبلایا کہ ابوبکرؓ نے انہیں وہ لکھا جو رسول اللہؐ نے (کاروبار میں شریک) دو حصہ داروں کے بارے میں فرض کیا جس میں انہوں نے فرمایا کہ کاروبار کا انتظام وانصرام ان کے اپنے درمیان مساوی طور پر طے پانا چاہیئے۔ (روایت امام بخاری)

حنفی اور مالکی فقہائے کرام کی رائے میں اس اصول کا مطلب یہ ہے کہ مشترکہ دولت پر نفاذ زکوٰۃ کے لئے ضروری ہے کہ ہر شریک کے حصے کی مقدار انفرادی طور پر قابل زکوٰۃ ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ (الف) اس پر زکوٰۃ نافذ کرنے کے لئے ہر حصہ اپنے طور پر کم از کم نصاب کے برابر ہونا چاہیئے جو اس دولت کی اپنی نوع کے لئے مقرر ہے اور (ب) ہر شریک کو اپنے اس حصۂ دولت پر زکوٰۃ کے واجبات کی فرضیت خود ادا کرنا چاہیئے جس کا کہ وہ قانونی مالک ہے لہٰذا اگر ایک شریک کا حصۂ دولت مطلوبہ نصاب سے کم ہو تو یہ واضح طور پر زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گا، خواہ مشترکہ مالیت کی دولت، بحیثیت مجموعی نصاب کی مقدار یا مالیت سے کہیں زیادہ ہو۔

یہ نقطۂ نظر قانون زکوٰۃ کے بنیادی اصولوں کے عین مطابق ہے: تاہم امام محمد ابن الحسن، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق، امام غزالی امام اللیث اور امام ابن حزم کی یہ رائے ہے کہ مشترکہ ملکیت کی دولت میں ایک شریک کی دولت دوسرے شریک، یا شرکا کی دولت کی تکمیل کرتی ہے۔ اور اس لئے متعلقہ مشترکہ دولت کو بحیثیت مجموعی ایک ہی سمجھنا چاہیئے یعنی تمام شرکا کی زکوٰۃ کی ادائیگی کی مشترکہ فرضیت کے لئے ایک ہی نصاب کافی ہے۔ مگر زکوٰۃ نافذ کرنے کا یہ طریقہ عام اور معمولی مشترکہ کاروبار میں نہ صرف مبالغہ آمیز ہے بلکہ قانونِ زکوٰۃ کی روح اور الفاظ کے بھی منافی ہے۔

Marfat.com

اور مندرجہ ذیل مثالوں سے جو ان فقہائے کرام کی بیان کردہ ہیں جنہوں نے اس رائے کو پیش کیا ہے یہ بات بالکل نمایاں ہوتی ہے۔

(الف) امام محمد بن الحسن کی رائے میں اگر پانچ اشخاص کی مشترکہ ملکیت میں پانچ اونٹ ہوں تو ہر ایک فرد کو ایک فرد کی مالیت کا پانچواں حصہ بطور زکوٰۃ ادا کرنا چاہیئے۔ اور اسی طرح اگر دس اشخاص کے پاس پانچ اونٹ مشترکہ ملکیت میں ہوں تو ان میں سے ہر ایک فرد کو ایک بھیڑ کی مالیت کا دسواں حصہ بطور زکوٰۃ دینا ہوگا۔

(ب) امام شافعی کی یہ رائے ہے کہ اگر چالیس اشخاص چالیس عدد بھیڑوں کے مشترک مالک ہوں تو ایک بھیڑ بطور زکوٰۃ دی جانی چاہیئے۔ بالفاظِ دیگر ہر شخص کو باوجودیکہ وہ صرف ایک ہی بھیڑ کا قانونی مالک ہے تاہم اس کو ایک بھیڑ کی مالیت کا چالیسواں حصّہ بطور زکوٰۃ دینا ہوگا۔

(ج) امام غزالی یہ رائے پیش کرتے ہیں کہ اگر کسی قابل زکوٰۃ مشترکہ ملکیت والی زرعی پیداوار کی مجموعی مقدار کم از کم پانچ اونٹ بوجھ نصاب کے برابر ہو تو اس زرعی پیداوار پر زکوٰۃ ضرور ادا کی جائے گی۔ خواہ مختلف شرکار کے انفرادی حصص کم از نصاب مقدار یا مالیت کے ہوں۔

(د) امام ابن حزم یہ مثال دیتے ہیں کہ اگر دو سو اشخاص مل کر دو سو درہم کے مشترک مالک ہوں یعنی ہر ایک شخص صرف ایک درہم کا قانونی مالک ہو، پھر بھی مشترکہ طور پر پانچ درہم زکوٰۃ ضرور ادا کی جائے گی۔

زکوٰۃ کے نفاذ کے اس طرح کے نتیجے میں ایک انوکھی بات ظہور میں آتی ہے وہ یہ کہ ایک مفروضہ مقدار میں مشترکہ ملکیّت کی دولت پر زکوٰۃ اتنی عائد نہیں ہوتی جتنی عام حالات میں ہونی چاہیئے بلکہ کبھی کم اور کبھی زیادہ بن سکتی ہے مثلاً ۲۰۲ عدد بھیڑوں کے ریوڑ کے دو مشترک مالک ہیں۔ انفرادی طور پر ہر ایک ۱۰۱ عدد بھیڑوں کا قانونی مالک ہے۔

Marfat.com

اب بھیڑوں سے متعلق قانونِ زکوٰۃ کے مطابق، ہر مشترک مالک کو اپنے ۱۰۱ عدد بھیڑوں پر ایک بھیڑ بطور زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ لیکن مذکورہ بالا طریقۂ حساب میں اگر پورے ریوڑ کو بحیثیتِ مجموعی ایک وحدت سمجھ کر اس پر زکوٰۃ عائد کی جائے تو ۳ عدد بھیڑیں زکوٰۃ عائد کی جائے گی۔ یعنی ہر حصہ دار کو ڈیڑھ بھیڑ دینی ہوگی۔

دوسری طرف اگر ۱۲۰ بھیڑوں کے ریوڑ کے دو یا تین اشتراکی مالک ہوں تو مذکورہ بالا طریقہ حساب کے مطابق، مجموعی طور پر اس ریوڑ پر زکوٰۃ کے واجبات ایک بھیڑ ہوں گے، یعنی ہر شریک کو نصف یا تہائی بھیڑ کی مالیت بطور زکوٰۃ دینی ہوگی۔ حالانکہ اگر ہر شریک کے حصے پر انفرادی طور پر زکوٰۃ لی جائے اور اور ہر حصہ کم از کم ۴۰ بھیڑوں پر مشتمل ہو۔ جو تعداد نصاب کے برابر ہے تو ہر شریک ایک بھیڑ بطورِ زکوٰۃ ادا کرے گا۔ یعنی اگر شریک دو ہوں تو اس ریوڑ پر نافذ شدہ زکوٰۃ ۲ بھیڑیں ہوں گی۔ اور اگر ۳ ہوں تو ریوڑ پر زکوٰۃ ۳ بھیڑیں ہوں گی۔

فقہ حنفی کی دلیل بالکل اصول کے مطابق ہے کہ زکوٰۃ کے مختلف نصاب انفرادی قانونی ملکیت کی بنیاد پر بنائے گئے ہیں اور اس لئے کم از نصاب مقدار یا مالیت پر زکوٰۃ کا نفاذ قانوناً جائز نہیں مزید برآں چونکہ ایک شریک دوسرے شریک (یا شرکار) کے حصے (یا حصص) پر کوئی قانونی حق نہیں رکھتا ہے۔ تو ثابت ہو جاتا ہے کہ دولت کا انفرادی حصہ مشترکہ ملکیت کی دولت کا شامل حصہ نہیں ہے۔ اور نہ بن سکتا ہے اور اس لئے مشترکہ ملکیت کی دولت کو ایک وحدت سمجھ کر، اس پر زکوٰۃ نافذ کرنا قانوناً صحیح نہیں ہے نصاب کا خاص مقصد زکوٰۃ کو انفرادی طور پر نافذ کرنے پر پابند کرنا ہے۔

دراصل دو یا زیادہ اشخاص کے عام و معمولی مشترکہ کاروبار میں اشتراک ضرور محدود نوعیت کا ہوتا ہے جو مادی اور قانونی نقطۂ نظر سے، متعلقہ شرکاء

Marfat.com

کے درمیان ایک محدود رشتہ ہوتا ہے صرف اخلاقی زاویہ نگاہ سے ذمہ داری سے متعلق ان کا رشتہ مکمل ہو جاتا ہے۔

اس اصول کا صرف ایک استثناء اسلامی عقدِ نکاح کی بنا پر وجود میں آنے والی معاشی شرکت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خاوند کے پاس شادی کے موقعے پر جو دولت ہوتی ہے اور جو دولت خاوند بعد میں کماتا ہے دونوں میاں بیوی کی مشترکہ اور ایک ہی جائیداد ہونے کی وجہ سے ان کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ حتیٰ کہ عام مشترک حصہ داری (مشترک کاروبار) سے بھی بڑھ کر خاوند اور بیوی یعنی دونوں شریکوں کا یہ فرض ہے کہ وہ مشترک مفادات کی حفاظت کریں۔ اور اپنے مقدس فرائض کی پوری ادائیگی سے متعلق تمام معاملات میں اپنے اور ایک دوسرے کے رویہ پر کڑی نگاہ رکھیں۔ لیکن عام مشترکہ کاروبار کے برعکس میاں بیوی دونوں کے درمیان اسلامی عقدِ نکاح سے قائم شدہ رشتے کی متحد خاصیت معاشی اشتراک کی مکمل تکمیل ہے جو عقدِ نکاح کے واقعی برقرار رہنے کے وقت تک قائم رہتی ہے۔ یعنی جب تک کہ طلاق کے ذریعے اس عقد کو توڑ نہ دیا جائے یا وفات کی صورت میں یہ خود بخود ختم نہ ہو جائے۔

علاوہ ازیں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اگرچہ قانونی نقطۂ نظر سے ازدواجی اشتراک کی مشترکہ دولت صرف خاوند ہی کما کر لاتا ہے[لہ] لیکن اس دولت پر بیوی کا واضح طور پر معینہ قانونی حق ہے۔ حالانکہ عام مشترکہ کاروبار میں ایسا قطعی نہیں ہوتا اس کے برعکس، جو کچھ دولت بیوی کی ذاتی قانونی ملکیت ہو میاں بیوی کی مذکورہ بالا مشترکہ جائیداد سے بالکل الگ رہے گی۔ اور اس

لہ۔ بیوی اگر ازدواجی اشتراک کو اپنی ذاتی دولت میں سے دینا چاہے تو اپنی رضامندی سے دے سکتی ہے لیکن قانون اسلام اس کو ایسا کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔

Marfat.com

دولت کا انتظام و انصرام وہ خود کرے گی۔ اور اپنی مرضی سے خرچ کرے گی۔ بشرطیکہ خرچ قرآنی احکام کی حدود کے اندر ہو اور وہ خود اپنی دولت پر زکوٰۃ کی ادائیگی کی ذمہ دار ہے ازدواجی مشترکہ دولت کو ایک مجموعہ سمجھ کر زکوٰۃ کے نفاذ کے وقت اگر اس کی مقدار یا مالیت نصاب کے برابر یا زیادہ ہو تو اس مجموعہ پر زکوٰۃ واجب الادا ہوگی۔ اور اس کی ادائیگی کے لئے میاں بیوی دونوں یکساں ذمہ دار رہیں گے۔

قانون زکوٰۃ کی رو سے عام مشترکہ کاروبار اور عقدِ نکاح سے بننے والے اشتراک دونوں صورتوں میں مفادات کے اتحاد سے حاصل ہونے والی اخلاقی ذمہ داری کے سبب زکوٰۃ کے واجبات ایک شریک کو دوسرے شریک (یا شرکاء) کی طرف سے ادا کرنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن بنیادی فرق عام مشترک کاروبار کے بارے میں یہ ہے کہ مشترک کاروبار کی ملکیت کی دولت پر زکوٰۃ ہر شریک کے حصہ دولت کے پیش نظر نافذ کی جائے گی۔ اور ہر شریک کا یہ اخلاقی اور قانونی فرض ہے کہ وہ اپنے حصہ دولت پر زکوٰۃ کے واجبات کی مقدار یا مالیت اشیاء یا نقد رقوم کی صورت میں اس شریک کو ادا کرے جس نے اس کی اور دوسرے تمام شرکاء کی طرف سے کل قابل زکوٰۃ مشترک دولت پر زکوٰۃ ادا کی تھی۔

عام مشترکہ کاروبار کی دو اقسام ہیں:

(الف) "خلطة الشیوع" جس عنوان کے تحت وہ تمام مشترکہ کاروبار شامل ہیں جو وراثت، تحائف یا تجارتی انجمنوں اور حصے جاری کرنے والی کمپنیوں کے نتیجے میں عمل میں آتے ہیں، اور

(ب) "خلطة الجوار" یعنی ہمسائیگی والے اشتراک یا سہولت کی وجہ سے بنائے ہوئے اشتراک، جس میں دو یا زیادہ شریک ہیں: مثلاً وہ ایک مشترک چراگاہ یا ایک مشترک نگہبان یا چرواہے کی خدمت یا ایک مشترک باڑے

یا اصطبل یا ایک مشترک چشمے یا کنوئیں کا استعمال، یا مختلف شرکا کا ایک مشترک زمین یا ایک مشترک ہل، یا ایک ہل چلانے والے کی خدمت یا مشترک ذرائع آب پاشی میں شریک ہیں اس عنوان کے تحت اتحاد باہمی کی انجمنیں شامل ہیں۔

ذیل میں مشترکہ ملکیت کی دولت پر نفاذ زکوٰۃ کے قوانین مذکور ہیں عام مشترک کاروبار میں شریک کے الگ حصۂ دولت پر نفاذِ زکوٰۃ کے طریقے اور عقدِ نکاح سے قائم شدہ اشتراک میں، نفاذ زکوٰۃ کے عام طریقے بتائے گئے ہیں۔

مشترکہ ملکیت کی دولت کی زکوٰۃ کے قوانین :

۱۔ قانون زکوٰۃ کے بنیادی اصولوں کے مطابق، مشترکہ ملکیت کی دولت پر خواہ وہ چاندی، سونا نقد رقوم (کرنسی نوٹ) اشیائے تجارت، قابل زکوٰۃ پالتو مویشی، قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار، شہد، خام ریشم وغیرہ ہو، زکوٰۃ نافذ کرتے ہوئے ہر شریک کے اپنے حصۂ دولت پر زکوٰۃ دی جائے گی۔
چنانچہ زکوٰۃ مشترکہ ملکیت کی دولت کے ہر ایک حصے پر صرف اس وقت نافذ ہو سکتی ہے جب کہ متعلقہ حصہ اس کی نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو۔ اور ہر شریک کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے مشترکہ دولت کے حصے پر زکوٰۃ کے واجبات خود ادا کرے۔ ذیل میں، بطورِ وضاحت چند مثالیں دی جاتی ہیں :

(الف) اگر ۴۰ عدد بھیڑوں کے ایک ریوڑ کی ملکیت میں ایک سے زیادہ اشخاص شریک ہوں۔ تو چونکہ ہر ایک کا حصہ بھیڑوں کے نصاب سے کم ہوگا، اس لئے کسی کو بھی زکوٰۃ نہیں دینی پڑے گی۔

(ب) اگر ۱۲۰ عدد بھیڑوں کے ریوڑ کے دو قانونی مالک ہوں، ایک حصہ دار کی ۳۹ عدد بھیڑیں ہوں اور دوسرے کی ۸۱ تو پہلے حصہ دار کی بھیڑیں، نصاب سے

Marfat.com

کم ہونے کے سبب زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہیں گی۔ حالانکہ دوسرا شریک اپنی ۸۱ بھیڑوں پر ایک بھیڑ بطورِ زکوٰۃ ادا کرے گا۔

(ج) اگر ۲۳۰ عدد بھیڑوں کے ایک ریوڑ کی قانونی مشترکہ ملکیت میں چار اشخاص شریک ہوں۔ جن میں سے پہلے شریک کی، مثلاً ۴۰، دوسرے کی ۱۲۱، تیسرے کی ۴۵، اور چوتھے کی صرف ۲۴ بھیڑیں ہیں تو پہلے شریک کو بطورِ زکوٰۃ ایک بھیڑ، دوسرے کو بطورِ زکوٰۃ ۲ بھیڑیں اور تیسرے کو بطورِ زکوٰۃ ایک بھیڑ دینی ہوگی، اور چوتھے شریک کا حصہ کم از نصاب ہونے کے سبب، زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گا۔

چنانچہ اس مثال میں مشترکہ ملکیت کے ریوڑ کی ۲۳۰ بھیڑوں پر زکوٰۃ کی ۴ بھیڑیں بنتی ہیں حالانکہ اگر اتنی ہی ۲۳۰ بھیڑیں فردِ واحد کی یا ایک شادی شدہ جوڑے کی ملکیت ہوتیں تو ان پر صرف ۲ بھیڑیں بطورِ زکوٰۃ دینی واجب ہوتیں۔

(د) اگر ۱۲۰ عدد بھیڑوں کے ایک ریوڑ کی مشترکہ ملکیت میں دو اشخاص شریک ہوں اور ہر شریک ریوڑ کے نصف حصے کا مالک ہو ہر شریک حصے پر زکوٰۃ کی ایک بھیڑ ہوگی۔ یعنی اس ریوڑ پر کل ۲ بھیڑیں بطورِ زکوٰۃ دی جائیں گی۔

لیکن اگر اسی ریوڑ کے قانونی مالک تین اشخاص ہوتے اور ہر ایک ۴۰ بھیڑوں کا مالک ہوتا تو ہر شریک کے حصے پر بھی زکوٰۃ کی ایک بھیڑ ہوتی۔ یعنی اس ریوڑ پر ۳ عدد بھیڑوں کی زکوٰۃ دینی پڑتی۔

اور اگر اسی ریوڑ کے قانونی مالک چار اشخاص ہوں اور ہر ایک ۳۰ بھیڑوں کا مالک ہو۔ تو ہر شریک کا حصہ، نصاب سے کم ہونے کے سبب، زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گا۔

حالانکہ ان ہی ۱۲۰ عدد بھیڑوں کے ریوڑ کا قانونی مالک اگر فردِ واحد

Marfat.com

ہوتا یا یہ ایک شادی شدہ جوڑے کی ازدواجی مشترکہ ملکیت ہوتی تو ان پر زکوٰۃ کی صرف ایک بھیڑ دینی پڑتی۔

۵۔ اگر ۲۰۲ عدد بھیڑوں کے ایک ریوڑ کی قانونی مشترکہ ملکیت میں دو اشخاص شریک ہوں اور ہر شریک ریوڑ کے نصف حصے کا مالک ہو، تو ہر ایک اپنے حصے پر بطور زکوٰۃ ایک بھیڑ دے گا، یعنی اس ریوڑ پر ۲ بھیڑوں کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

لیکن اگر اس ریوڑ کے مشترکہ قانونی مالک تین ہوتے اور ہر ایک کا حصہ ۴۰ بھیڑوں سے کم اور ۱۲۰ سے زیادہ نہ ہوتا۔ تو بھی ہر ایک شریک کو اپنے حصے کی زکوٰۃ میں ایک بھیڑ دینی ہوتی، یعنی اس ریوڑ پر زکوٰۃ ۳ عدد بھیڑیں دی جاتی۔

اور اگر اسی تعداد کے ریوڑ کے مشترکہ قانونی مالک تین اشخاص ہوتے جن میں سے دو کی چالیس چالیس بھیڑیں اور تیسرا ۱۲۲ عدد بھیڑوں کا مالک ہوتا تو پہلا اور دوسرا شریک اپنی ملکیت پر ایک ایک بھیڑ اور تیسرا ۲ عدد بھیڑیں بطور زکوٰۃ دیتا یعنی اس ریوڑ پر جملہ زکوٰۃ کی ۴ عدد بھیڑیں ادا کی جاتیں۔

حالانکہ یہی ۲۰۲ عدد بھیڑیں اگر فرد واحد کی ایک یا ایک شادی شدہ جوڑے کی مشترکہ ملکیت ہوتیں، تو اس پر زکوٰۃ ۳ بھیڑیں بنتی۔

(۶) اگر دس اونٹ بوجھ سے کم مقدار کی ایک ہی نوع سے تعلق رکھنے والی قابل زکوٰۃ پیداوار کی قانونی ملکیت میں دو (یا دو سے زیادہ) اشخاص شریک ہوں اور ہر شریک اس مقدار کے نصف (یا نصف سے کم) کا مالک ہو تو کسی پر بھی زکوٰۃ کا نفاذ نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہر ایک کا حصہ پانچ اونٹ بوجھ سے کم ہوگا۔

اگر اتنی ہی زرعی پیداوار کی ملکیت میں دو (یا دو سے زیادہ) اشخاص

Marfat.com

شریک ہوں ۔ اور پہلا شریک کم سے کم پانچ اونٹ بوجھ کا قانونی مالک ہو۔ اور دوسرے شریک (یا شرکار) باقی پیداوار کے قانونی مالک ہوں۔ تو صرف پہلا شریک ہی زکوٰۃ ادا کرے گا۔ اس لئے کہ باقی حصہ داروں کے حصے کی الگ الگ مقدار کم از نصاب ہونے کے سبب زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔

حالانکہ اگر اتنی ہی مقدار کی قابل زکوٰۃ پیداوار فرد واحد کی یا شادی شدہ جوڑے کی قانونی مشترکہ ملکیت ہو تو پوری مقدار پر اس کے نصاب سے زیادہ ہونے کے سبب زکوٰۃ نافذ ہوگی۔

(ز) اگر دس اونٹ بوجھ کی ایک ہی نوع سے تعلق رکھنے والی قابل زکوٰۃ پیداوار کی قانونی ملکیت میں دو اشخاص برابر کے شریک ہوں، یعنی ہر ایک اس میں سے نصف مقدار (پانچ اونٹ بوجھ) کا مالک ہو تو دونوں اپنے حصے پر زکوٰۃ ادا کریں گے۔

(ح) اگر گندم کی اوسط بازاری قیمت ۶۰ روپے[1] من ہے تو اس حساب سے پانچ اونٹ بوجھ[2] (۱۶۸۰ سیر یا ۴۲ من یا ۱۵۶۸ کیلوگرام) کی قیمت ۲۵۲۰ روپے کی مالیت چاندی سونے کرنسی نوٹ، قیمتی پتھر اور اشیائے تجارت کے لئے، اسی سال کے لئے معیاری نصاب ہوگا۔

---

[1] جو پاکستان میں ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں ایک من گندم کی اوسط بازاری قیمت ہے۔

[2] پانچ اونٹ بوجھ، پانچ وسق یا تین سو صاع، وسق اور صاع دونوں مقدار ہیں، وزن نہیں ہیں، شروع سے ان مقداروں کے مساوی اوزان ایک جگہ دوسرے سے مختلف تھے۔ اس کتاب میں اونٹ کا بوجھ یا وسق کا مساوی وزن پاکستانی تونج کے رواج کے مطابق دیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں اس کتاب کے جزو دوم کا باب " مدنی نظام اوزان و پیمائش "۔

Marfat.com

جس کا ہر پانچواں حصہ یعنی ۴۰۵ء۴ روپے کے اضافے پر زکوٰۃ نافذ ہوتی رہے گی۔ اس وقت پانچ شرکار کی تجارتی شرکت کا محفوظ اور چالو سرمایہ (نقد رقوم اور اشیائے تجارت کی بابت) کا مجموعہ -/۲۰۰۰۰ روپے ہے اور ہر ایک شریک کے حصہ سرمایہ کی تفصیل ترتیب وار -/۱۰۰۰، -/۲۰۰۰، -/۳۵۰۰، -/۶۰۰۰ اور -/۷۵۰۰ روپے ہے۔ تو ان پانچ شرکار کی زکوٰۃ فرض کرو کہ ان سب پر سالِ ملکیت کا ایک ہی شمار ہے، اس طرح دی جائے گی۔

پہلے اور دوسرے شرکار کے حصص یعنی -/۱۰۰۰ اور -/۲۰۰۰ روپے کم از نصاب ہونے کے سبب، زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہیں گے۔

تیسرے شریک کے حصۂ سرمایہ (-/۳۵۰۰ روپے) پر -/۷۵ء۶۰ روپے بطور زکوٰۃ ادا کئے جائیں گے۔ جو -/۳۰۲۴ روپے پر شمار کی جائے گی باقی ماندہ -/۴۷۶ روپے زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہیں گے۔ کیونکہ -/۳۵۰۰ روپے -/۳۰۴۰ روپے اور -/۳۵۲۸ روپے کی اس نصاب کے مطابق قابلِ زکوٰۃ کے درمیان زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں آتے ہیں۔

چوتھے شریک کے حصۂ سرمایہ (-/۶۰۰۰ روپے) پر ۱۳۸ء۶۰ روپے زکوٰۃ بنے گی (یہ زکوٰۃ -/۵۵۴۴ روپے پر شمار کی جائے گی۔ باقی -/۴۵۶ روپے زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہیں گے۔ کیونکہ یہ (-/۶۰۰۰ روپے) -/۵۵۴۴ روپے اور -/۶۰۴۸ روپے کی اس نصاب کے مطابق قابل زکوٰۃ رقوم کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں آتے ہیں۔

پانچویں شریک کے حصۂ سرمایہ (-/۷۵۰۰ روپے) پر -/۱۷۶ء۴۰ روپے زکوٰۃ بنے گی (یہ زکوٰۃ -/۷۰۵۶ روپے پر شمار کی جائے گی۔ باقی -/۴۴۴ روپے زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہیں گے۔ اس لئے کہ یہ (-/۷۵۰۰ روپے) -/۷۰۵۶ روپے اور -/۷۵۶۰ روپے کی، اس نصاب کے مطابق قابلِ زکوٰۃ

Marfat.com

رقوم کی درمیانی زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں آتے ہیں۔

چنانچہ مندرجہ بالا مثال میں اس مشترکہ ملکیت کی دولت کے ۲۰۰۰۰/ روپے پر مجموعی زکوٰۃ ۳۹۰،۶۰/ روپے ہوگی۔ حالانکہ اگر اتنی ہی رقم فرد واحد کی ملکیت یا ایک شادی شدہ جوڑے کی مشترکہ ملکیت ہوتی اور اس پر سالِ ملکیت کا ایک ہی شمار ہوتا تو اس پر ۴۹۱،۴۰/ روپے زکوٰۃ ہوتی جو ۱۹۶۵۶/ روپے شمار کی جاتی، باقی ۳۴۴/ روپے زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہتے۔ کیونکہ یہ (۲۰۰۰۰/ روپے) ۱۹۶۵۶/ روپے اور ۲۰۱۶۰/ روپے کی، اس نصاب کے مطابق، زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں آتے ہیں۔

۲۔ جب مشترکہ ملکیت کی دولت وراثت، یا تحائف کے نتیجے سے ایک ہی تاریخ کو ملے تو خود بخود اس میں تمام شرکار کے حصص پر سالِ ملکیت کے الگ الگ شمار ایک ہی تاریخ سے شروع ہوں گے اور ایک ہی تاریخ پر ختم ہوں گے۔

لیکن سال ملکیت کے شمار کے متعلق قوانین اور قابلِ زکوٰۃ دولت کے تبادلے کے قوانین دونوں کی وجہ سے[ھ] "خلطۃ الجوار" یعنی ہمسائیگی والے اشتراک، یا سہولت کی وجہ سے بنائے ہوئے اشتراک، اور تجارتی انجمنوں یا حصص جاری کرنے والی کمپنیوں کے نتیجے میں پیدا شدہ اشتراک میں بسا اوقات، شرکار ان میں جو دولت کی الگ الگ مقدار لگاتے ہیں۔ ان پر شروع سے ہی مختلف سالِ ملکیت کے شمار ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں مشترکہ کاروبار میں لگائے ہوئے ہر ایک شریک کے حصۂ دولت پر، جو سالِ ملکیت کا شمار اشتراک پیدا ہونے سے پہلے شروع

ھ۔ ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کی جلد اول کے متعلقہ باب۔

ہو چکا تھا۔ وہی شمار جاری رہے گا۔ اور اس کی تکمیل پر متعلقہ حصۂ دولت پر زکوٰۃ واجب الادا ہوگی۔

دوسری طرف جب ایک مشترکہ کاروبار سے ایک ہی تاریخ پر یا قابل زکوٰۃ پالتو مویشیوں کے ایک ہی سہ ماہی وقفے میں حاصل شدہ منافع کے قابل زکوٰۃ دولت کے حصص اسی کاروبار میں پھر لگا دیئے گئے ہیں یا اگر یہ قابل زکوٰۃ پالتو مویشی کی دولت ہوتے ہوئے حاصل شدہ (یعنی ظاہری اضافے کے) مویشیوں کو مشترکہ ملکیت کی دولت میں جمع کر دیا گیا ہو[۵]۔ اس مشترکہ منافع میں سے ہر شریک کے حصے پر، اگر وہ اس کی نوع دولت کے لئے مقرر شدہ نصاب کے کم از کم برابر ہے۔ ایک ہی تاریخ سے سال ملکیت کا شمار شروع ہوگا۔ اور اسی طرح، ایک ہی تاریخ پر مکمل ہوگا۔

۳۔ قانونی نقطۂ نگاہ سے عام مشترکہ کاروبار یا اشتراک میں واجبات زکوٰۃ کی ادائیگی کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں:

(الف) ہر شریک اپنے حصۂ دولت پر زکوٰۃ انفرادی طور پر خود ادا کرے۔ (کمپنی کے حصص کے مالکوں کو لازماً اپنے اپنے حصص کی بابت پر اسی طرح زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنا چاہیئے)

(ب) جب متعلقہ مشترکہ دولت کے تمام حصص کے سال ملکیت کے شمار ایک ہی تاریخ سے شروع ہوں اور ایک ہی تاریخ پر ختم ہوں۔ تو ان پر واجبات زکوٰۃ کی ادائی مجموعی طور پر کی جا سکتی ہے،

(ج) باہمی معاہدے سے، ایک شریک باقی تمام شرکاء کی طرف سے مشترکہ

۵۔ ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب جزو چہارم کا باب "چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی زکوٰۃ"۔

دولت ہیں ان کے حصول پر زکوٰۃ کے واجبات ادا کرے۔

(د) اگر شرکار میں سے کوئی غیر حاضر ہو، یا اگر کوئی عدم ادائیگی زکوٰۃ کا مجرم ہو تو موجود شریک، یا شرکار اپنی زکوٰۃ دیتے وقت، اس کی طرف سے بھی زکوٰۃ ادا کریں۔ اس صورت میں غیر حاضر یا عدم ادائیگیٔ زکوٰۃ کے مجرم شریک یا شرکار کا اخلاقی وقانونی فرض ہے کہ وہ اپنے حصے پر زکوٰۃ کے واجبات اس شریک یا شرکار کو واپس کر دے جنہوں نے اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی ہے۔

مشترکہ ملکیت کی دولت پر زکوٰۃ کی ادائیگی مندرجہ بالا کس طریقے سے کی جائے، متعلقہ شرکار کی مرضی پر منحصر ہے بشرطیکہ مذکورہ بالا قانون نمبرا کے مطابق، مشترکہ ملکیت کی دولت پر مجموعۂ زکوٰۃ کا حساب کرتے وقت اس دولت کے ہر شریک کے حصے کی تعداد، مقدار یا مالیت کو ضرور پیش نظر رکھا جائے۔

۴۔ اسلامی عقدِ نکاح سے قائم معاشی اشتراک کی حامل خاصیت کے نتیجے میں میاں بیوی دونوں کی کسی بھی قسم کی قابلِ زکوٰۃ مشترکہ دولت پر جو اپنی نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب کے کم از کم برابر ہو، واجب الادا زکوٰۃ کا حساب کرتے وقت، اس دولت کو دونوں کے درمیان تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ایک ہی ملکیت سمجھ کر، عام زکوٰۃ نافذ ہوگی۔

۵۔ اسلامی عقدِ نکاح سے قائم اشتراک میں واجبات زکوٰۃ کی ادائیگی اصلاً خاوند کی ذمہ داری ہے۔ لیکن جب خاوند اور بیوی کے درمیان ایسا اتفاق ہو، یا خاوند ادائیگیٔ زکوٰۃ کے وقت غیر حاضر ہو، یا وہ زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کا مجرم ہو تو بیوی کو ازدواجی مشترکہ دولت پر زکوٰۃ ضرور ادا کرنا چاہیئے۔

۶۔ جب خاوند کی غیر حاضری میں، یا مشترکہ دولت میں شریک کی عدم موجودگی کے وقت، یا کسی کے زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کا مجرم ہونے پر، اس کی طرف

سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ تو جب تک ادا کی ہوئی زکوٰۃ کی رقم فعلاً واجب الادا تھی۔ اسے اعتراض کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ اس کی طرف سے زکوٰۃ کی ادائیگی کو تسلیم کرنے سے انکار کر سکے گا۔ جیساکہ مذکورہ بالا قانون نمبر ۳ میں عام اشتراک کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے۔ غیر حاضر یا زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کے مجرم، شریک کا اخلاقی اور قانونی فرض ہے۔ کہ وہ جس ذمہ دار شخص نے اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی ہے اس کو اتنی ہی مقدار یا مالیت کی دولت واپس کردے۔

۷۔ جس طرح زکوٰۃ کے حساب کرنے والے قوانین مشترکہ ملکیت کی دولت پر انفرادی طور پر نافذ کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح قابلِ زکوٰۃ دولت کی مختلف انواع واقسام پر نفاذ زکوٰۃ سال ملکیت کے شمار، متعدد حسابات، قابل زکوٰۃ دولت کے تبادلے، دیئے ہوئے قرضوں کی دولت پر زکوٰۃ، لئے ہوئے قرضوں کے لئے ضمانت شدہ دولت پر زکوٰۃ، زکوٰۃ کے گزشتہ واجبات کی ادائیگی اور واجبات زکوٰۃ کی بعد از وفات ادائیگی وغیرہ کے سب قوانین مشترکہ ملکیت کی دولت پر بھی انفرادی بنیاد پر عائد ہوں گے۔ یعنی جب حالات متقاضی ہوں تو ہر شریک کا انفرادی حصہ اپنی تعداد، مقدار یا مالیت کے مطابق متناسب طور پر متاثر ہوگا۔

مشترکہ ملکیت کی دولت پر واجبات زکوٰۃ کے صحیح حسابات رکھنے کے لئے یہ بہتر ہے کہ تمام شرکاء کے اتفاق سے ایک شخص کو جو ترجیحاً شرکاء میں سے ایک ہو، متعلقہ ملکیت کی دولت کا اور ہر شریک کے حصے پر بھی واجب الادا زکوٰۃ کا مکمل اور صحیح حساب رکھنے کے لئے مقرر کیا جائے۔

علاوہ ازیں، ہر قسم کے مشترکہ کاروبار یا اشتراک میں ہر شریک کو نہ صرف

Marfat.com

اپنی بلکہ دوسرے شرکار کی مشترکہ ملکیت کی دولت کے حصص پر سال ملکیت کے شمار کی صحیح ابتدائی تاریخ اور تاریخِ اختتام کا علم ہونا انتہائی اہم ہے۔

۸۔ جب دو یا دو سے زیادہ اشخاص، منافع کی تقسیم کی غرض سے عام مشترکہ کاروبار یا اشتراک میں اس طرح جمع ہوں کہ شرکار میں سے ایک یا زیادہ متعلقہ کاروبار یا اشتراک میں دولت دے کر محفوظ اور چالو سرمایہ (نقد رقوم اور اشیائے تجارت) مہیا کریں اور دوسرا شریک یا دوسرے شرکار اپنی محنت یا کام سے مدد دیں۔ تو اصل سرمائے سے متعلق، زکوٰۃ کی فرضیت صرف اس کے قانونی مالک پر ہی نافذ ہوگی۔ یعنی جو شریک یا شرکار اس دولت کے اصل مالک ہوں وہ اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے۔ تاہم جو شریک شروع میں صرف اپنی محنت یا کام سے مدد دیں۔ اگر وہ پھر اس کاروبار یا اشتراک میں قابلِ زکوٰۃ دولت لگا کر (خواہ یہ دولت مشترکہ کاروبار یا اشتراک کے منافع سے حاصل ہو یا نہ ہو) محفوظ اور/ یا چالو سرمائے میں مشترکہ مالک بن جائے تو وہ اپنے حصّہ دولت پر زکوٰۃ کے عام قوانین کے مطابق ادائیگی زکوٰۃ کا ذمہ دار ہوگا۔

۹۔ اگر کسی قابلِ زکوٰۃ دولت میں ایک شریک یا حصہ دار کے پاس اس نوع کی مزید دولت موجود ہو جس پر سال ملکیت کا شمار پہلی مذکور دولت کے شمار کے ساتھ شروع اور ختم ہوتا ہے تو اسے چاہیئے کہ ان دونوں دولتوں (یعنی پہلی مذکور مشترکہ دولت میں سے اس کے حصّے اور اس کی اپنی مزید دولت) کو جمع کرے۔ اور اگر دونوں کے مجموعے کی تعداد، مقدار یا مالیت نصاب کے کم از کم برابر ہو۔ تو مجموعے پر زکوٰۃ کا حساب کر کے واجبات ادا کرے۔ دوسری طرف، جب شریک یا حصہ دار کے پاس مشترکہ قابلِ زکوٰۃ دولت کی نوع کی مزید دولت موجود ہو جو مشترک دولت کے اس کے حصہ سے مختلف

Marfat.com

تاریخ میں حاصل ہوئی ہو۔ تو اگر یہ مزید دولت نصاب سے کم ہو وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی جب تک کہ اس نوع کی اور دولت مل کر مجموعہ نصاب تک نہ پہنچ جائے۔ لیکن اگر مذکورہ مشترکہ دولت کے حصہ دار کے حصہ پر زکوٰۃ واجب الادا ہونے کے وقت تک، یہ مزید دولت نصاب کے کم از کم برابر نہیں ہو جاتی۔ تو وہ مشترکہ دولت کے اپنے حصے پر سال ملکیت مکمل ہو جانے کے فوراً بعد اس کی زکوٰۃ ادا کر کے، حصہ کی باقی مالیت میں اس مزید دولت کو جمع کرے گا۔ اور مجموعے پر سال ملکیت کا نیا شمار شروع کیا جائے گا۔

یہ قانون ہر قسم کے عام کاروبار، یا اشتراک، پر بھی لاگو ہوتا ہے جو وراثت یا تحائف یا تجارتی انجمنوں میں شراکت، یا حصص جاری کرنے والی کمپنیوں کے نتیجے میں وجود میں آتے ہیں۔ اور جن میں ہمسائیگی والے اشتراک بھی شامل ہیں۔

۱۰۔ عام مشترکہ کاروبار، یا اشتراک، میں جب مسلم اور غیر مسلم دونوں شریک ہوں تو مذکورہ بالا قوانین کے مطابق، مشترکہ ملکیت کی دولت کے صرف مسلم شرکا کی قانونی ملکیت والی قابل زکوٰۃ دولت کے حصے یا حصص، پر زکوٰۃ کا اطلاق ہوگا۔

مشترکہ ملکیت کی دولت کا وہ حصہ جو غیر مسلم شرکا کی قانونی ملکیت ہو اپنے قانونی مالک کے اسلام کا پیرو نہ ہونے کے سبب زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گا۔

۱۱۔ مشترکہ کمپنی کے حصص پر زکوٰۃ نافذ کرنے کے لئے دو مختلف حالات کو نظر میں رکھنا چاہیے۔

(الف) کمپنی کے حصص جو مسلسل طور پر خرید و فروخت کئے جاتے ہیں۔ یعنی ان سے تجارت کرنے کا ارادہ ہے ایسے حصص "اشیائے تجارت" کی خاصیت رکھتے ہیں۔ اور ان کو قانونی مالک (خریدنے والا) کے تجارتی سرمائے میں سے

سمجھا جائے گا۔ اس لئے ان پر زکوٰۃ تجارت کے قوانین کے مطابق ان کی مروج بازاری قیمت پر نہیں بلکہ ان کی قیمت خرید پر (یعنی واقعی لگائے ہوئے سرمایہ کی مالیت پر) ڈھائی فیصد کی شرح سے عائد کی جائے گی۔

(ب) کمپنی کے حصص جو آمدنی کے لئے حاصل کر کے حصہ داران کو اپنے قبضے میں ایک سال سے زیادہ وقت رکھتا ہے یعنی ان سے تجارت کرنے کا ارادہ نہیں ہے بلکہ سرمایہ کاری کا ارادہ ہے) ایسے حصص کو "ذاتی جائیداد" کی خاصیت حاصل ہوگی۔ اور ان پر عام زکوٰۃ کے قوانین کے مطابق زکوٰۃ نافذ ہوگی۔ ان پر واجبات زکوٰۃ کا حساب کرنے سے پہلے کمپنی کی تمام زکوٰۃ سے مستثنیٰ دولت (مثلاً عمارات، مشینری، زمین، وغیرہ) کی مالیت کو کمپنی کے کل سرمائے میں سے علیحدہ کرنے کے بعد دیکھا جائے گا کہ کمپنی کی اس قسم کی زکوٰۃ سے مستثنیٰ دولت کل سرمائے کا کتنا حصہ ہے پھر اس حصہ کا متناسب جزو ہر شریک (حصہ دار) کے لگائے ہوئے حصۂ دولت میں سے منفی کر کے صرف کمپنی کے محفوظ اور چالو سرمائے (نقد رقوم اور اشیائے تجارت) کے متناسب جزو پر جس سے شریک (حصہ دار) کے لگائے ہوئے حصہ دولت کا تعلق ہے اگر وہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہے زکوٰۃ ڈھائی فیصد کی شرح سے محسوب کی جائے گی۔ جب شریک یا حصہ دار کے پاس اسی سال ملکیت کے شمار کی اسی نوع کی مزید دولت (چاندی، سونا، کرنسی نوٹ) موجود ہو تو اس کو بھی اس حساب میں جمع کر کے، اگر مجموعہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو، مجموعے پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

کمپنی کے شریک یا حصہ دار کی لگائی ہوئی حصۂ دولت کے مذکورہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ جزو میں ہر سال کمی بیشی ہو سکتی ہے جو کہ کمپنی کی جانچ پڑتال کئے ہوئے گوشوارہ سے معلوم ہوگی۔

Marfat.com

جزء سوم (باب سوم)

کانوں سے حاصل شدہ چاندی اور سونے کی زکوٰۃ

"قانون اسلام میں فرد کی ذاتی ملکیت کے تسلیم شدہ حق کے مطابق اصولاً کانوں سے نہ صرف سرکاری بلکہ انفرادی اور اجتماعی طور پر بھی استفادہ کرنے کی اجازت ہے اس امر کی تصدیق اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ دین اسلام کی نظروں میں دولت خواہ وہ فرد واحد کی ملکیت ہو یا اجتماعی ملکیت یا ریاست کے اختیار میں ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی دانش و حکمت کا امتحان کرنے لئے سپرد کی ہوئی ایک امانت ہے۔ تاکہ انسان اپنی ذمہ داریاں صحیح طرح سے سمجھے اور ادا کرے۔ اور دولت کا انتظام اور خرچ اس طور سے کرے جس سے اس کی اپنی ذات اور تمام معاشرے کو زیادہ سے زیادہ فلاح و بہبود پہنچے۔ قرآن پاک نے فرمایا ہے:

اٰمنوا باللہ و رسولہ و انفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ ط
فالذین اٰمنوا منکم وانفقوا لھم اجرٌ کبیرٌ ۝

(لوگو!) اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اس (مال) میں سے جس کا تم کو خلیفہ بنایا ہے، اس میں سے خرچ کرو۔ پھر جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور راہِ خدا میں خرچ کیا۔ ان کے لئے بڑا ہی اجر ہے ۝ (سورہ الحدید، آیت نمبر ۷)

ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم
بانّ لھم الجنّۃ ط

"بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کے جان و مال خرید لئے
ہیں کہ ان کے عوض ان کو جنت دے گا ۔۔۔۔ ۵"
(سورۃ التوبہ، آیت نمبر ۱۱۱)

دین اسلام کی رو سے ہر مسلم پر فرض ہے کہ وہ اپنی دولت کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں یعنی مسلم قوم کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کرے۔ چنانچہ ایک حقیقی اسلامی معاشرے میں کانوں سے نکالی جانے والی بے بہا دولت کو انفرادی قبضہ میں بحفاظت دیا جاسکتا ہے کیونکہ صحیح اسلامی ذہنیت کی موجودگی میں، جو صحیح ضبط و نظم اور انسانی ایثار کی اپنی آپ مثال ہے خودغرضی اور غیر ذمہ دارانہ اعمال کی گنجائش نہیں رہتی اس لحاظ سے کسی شخص کی ذاتی ملکیت میں خواہ دولت کے کتنے ہی انبار کیوں نہ ہوں وہ قومی اثاثے کی ذخیرہ اندوزی اور بے جا اسراف کی طرف کبھی مائل نہ ہوگا۔

بدقسمتی سے آج کل جن حالات کا دور دورہ ان میں قومی مفادات کے پیش نظر ملک کے قدرتی ذرائع جیسے کانیں، تیل کے کنوئیں وغیرہ اور دوسرے معدنی ذرائع کو شخصی کنٹرول میں رہنے دینا عقلمندی کے خلاف تصور کیا گیا ہے۔ کئی ایک جدید ترقی یافتہ ملکوں نے تلخ تجربات کے بعد معدنیاتی ذرائع سے استفادہ کا کام ریاست کی تنظیم میں دے دیا ہے۔ ایسا اقدام نہ صرف اسلامی اصولوں سے متضاد نہیں ہے بلکہ مندرجہ ذیل قرآنی آیت اس کی تصدیق بھی کرتی ہے۔ جس میں مالِ غنیمت کے بارے میں حکم دیا گیا ہے :

مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ
وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ
مِنْكُمْ ۚ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ
وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

"قریہ والوں سے اللہ اپنے رسولؐ کو جو دلوائے وہ اللہ کا ہے، اور اللہ کے رسولؐ کا ہے اور (حاجتمند) قرابتداروںؐ[1] اور یتیموں اور مسکینوں (یعنی ناداروں) اور (حاجتمند) مسافروں کا ہے تاکہ تم میں سے غنیوں (مالداروں) کے قبضے میں نہ آجائے۔ پیغمبر تم کو جو دے وہ لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔ دیکھو (اللہ سے ڈرو، اتقاء کرو) اللہ سخت سزا دینے والا ہے ٥

(سورۃ الحشر، آیت نمبر ۷)

مندرجہ بالا آیت دو اہم نکات پر زور دیتی ہے :

(الف) جنگ کے دوران لیا ہوا مال غنیمت، خواہ وہ بغیر لڑائی یا لڑائی میں حاصل کیا ہوا ہو، امیر و طاقتور شہریوں کا ہی مال ہی نہیں بن جانا چاہیئے۔

(ب) مال غنیمت اور خصوصاً اس کے خمس (پانچواں حصّہ) کی متناسب تقسیم پیغمبر خدا (اور ہمارے زمانے میں ریاست) کے امتیاز کے مطابق مذکورہ مستحقین میں ہونا چاہیئے۔

درحقیقت دین اسلام کے معاشی و معاشرتی نظام کے دو اہم مقاصد ہیں جو زکوٰۃ، قرضہ جات، سود کی ممانعت، وراثت وغیرہ کے قوانین سے واضح ہیں :

اوّلاً، چند خاص لوگوں کے ہاتھوں میں دولت کے وسیع ذخائر جمع نہ ہو جائیں۔

---

[1]۔ ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جلد پنجم کے باب "التزام زکوٰۃ" کا قانون نمبر ۱۰۱۔

Marfat.com

اور ثانیاً، دولت لازماً مسلسل گشت کرتی رہے، تاہم قوم کے تمام افراد کے درمیان دولت کی منصفانہ تقسیم ہوتی رہے۔

لہٰذا دین اسلام میں مادہ پرستانہ اور خود غرضانہ نقطۂ نظر کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جو آج کل تجارت کے جدید طریقوں اور تنظیم میں سما چکے ہیں اور نہ ان غارت گرانہ طور طریقوں کی اجازت ہے جنہیں زر پرستانہ ذہنیتیں عام طور پر مروج کر دیتی ہیں۔

قانون زکوٰۃ کی رو سے معدنیات کی یافت، دراصل، "زمین سے حاصل شدہ مال غنیمت" ہے۔ اس لئے چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت میں مشابہت و مماثلت کو تسلیم کر کے، اس یافت پر جنگ کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں قرآن پاک نے رسولِ کریمؐ کو، اور آپؐ کے ذریعے مسلم ریاست کو یہ حق دیا ہے کہ وہ یا تو مستحق مسلمانوں کے درمیان اسے تسلیم کر دیں۔ یا حالات اگر متقاضی ہوں کہ متعلقہ دولت اگر اور بھی زیادہ اہم اور ضروری مقاصد کے لئے استعمال کرنا لازم ہے تو اس کو ان مقاصد کے لئے مسلم ریاست کے سپرد کریں۔ اسی طرح اس حق کا اطلاق، بالواسطہ، ان تمام امور پر ہونا چاہیئے جو قوم کے لئے خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ خاص طور پر جب کہ ہنگامی صورتِ حال درپیش ہو۔ اس دلیل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلم ریاستوں میں کانوں کو قومی ملکیت میں دینا بالکل حق بجانب ہے۔

قومی ملکیت میں لی ہوئی کانوں کا مفصل مطالعہ اس کتاب کے دائرۂ بحث سے خارج ہے۔ یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ جب تک تمام اسلام کے دعویٰ داروں کی ذہنیتیں ایسی نہ ہو جائیں کہ وہ اُمت سے مکمل وفاداری رکھیں، بے لوث ایثار کریں اور متحد مقصد پر عمل کریں۔ اس وقت تک قومی مفادات کے تحفظ کے لئے کانوں کو قومی ملکیت میں لینا لیسا اوقات ضروری ہوتا ہے۔

Marfat.com

چونکہ اسلامی اصولوں کی رو سے انفرادی، مشترکہ اور قومی ملکیت کے طور پر کانوں سے دولت نکالنے کی اجازت ہے۔ اس لئے قانونِ زکوٰۃ میں ان تینوں صورتوں کے لئے گنجائش ہونا چاہیئے۔ کیونکہ قومی ملکیت میں لی ہوئی کانوں کی یافت پر بھی زکوٰۃ واجب الادا ہوتی ہے۔ اس وجہ سے چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت پر زکوٰۃ کے عام قوانین کے علاوہ جو ایک صحیح اسلامی اُمت میں رائج ہوتے، قومی ملکیت میں لی ہوئی کانوں کی یافت پر زکوٰۃ کے نفاذ کے لئے کچھ خاص قوانین کی ضرورت ہے۔

یہ ذہن نشین رہے کہ قومی ملکیت میں لی ہوئی کانوں سے نکالے جانے والی دولت پر زکوٰۃ کے نفاذ سے مراد یہ نہیں ہے کہ مسلم ریاست کی تمام دوسری دولت پر بھی زکوٰۃ عائد ہوگی۔ جیسا کہ ریاست کے قائم کئے ہوئے تعلیمی اداروں ہوٹلوں ہسپتالوں، ریلوے، زراعتی اور پالتو مویشی فارموں اور فیکٹریوں وغیرہ وغیرہ کا سرمایہ۔ حتیٰ کہ اگر حکومت نے تجارتی کاروبار کرنے والے ادارے قائم کر رکھے ہوں۔ (مثلاً ٹرانسپورٹ وغیرہ) تو ان پر بھی زکوٰۃ نافذ نہیں ہوگی کیونکہ دراصل ان میں لگا ہوا ریاست کا سرمایہ قانوناً قومی ملکیت ہے جو قوم کی ہی ضروریات کو پورا کرنے اور اس کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہے پھر ریاست کے خزانے میں جو دولت جمع ہے وہ بھی اکثر عوام نے ٹیکسوں کی شکل میں ہی ادا کی ہے۔ اس کے برخلاف قومی ملکیت کی کانوں سے نکالی ہوئی دھاتیں، "اپنے ماخذ سے حاصل شدہ دولت" ہے جو ابھی تک کسی عام شہری کی ذاتی جائداد نہیں بنی ہے۔

مسلمانوں کی کفار سے، جائز جنگ کے نتیجے میں اتفاقاً جو مالِ غنیمت ان کے ہاتھوں لگے، اس کا خمس یا پانچواں حصہ، قوم کے مستحق افراد کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کیا جاتا ہے، اور چونکہ مالِ غنیمت اور کانوں سے نکالنے والی یافت کے درمیان مشابہت ہے اس لئے یہی اصول قومی ملکیت میں لی ہوئی کانوں کی یافت پر بھی نافذ ہوگا، اور مقررہ قوانین کے مطابق ریاست

کو چاہیئے کہ وہ ان کانوں کی یافت کا ایک معین حصہ زکوٰۃ کے خزانے میں جمع کرائے۔

کانوں کی یافت پر زکوٰۃ کا اطلاق رسولِ کریمؐ کی اس حدیث پر مبنی ہے جس کو فقہائے حنفی نے تسلیم کیا ہے۔ اور جس میں آپؐ نے فرمایا: "وفی الرکاز الخمس" یعنی "دفینوں کا خمس (یا پانچواں حصہ بطور زکوٰۃ ادا کیا جائے گا۔"

امام مالک کی رائے ہیں، "رکاز"[1] سے مراد فقط وہ دفینے ہیں جن کا اصل "غیر مسلم" ہے، یعنی جو غیر مسلموں کے ہاتھوں سے دفن کئے گئے ہیں۔ لیکن امام غزالی کا خیال ہے کہ حدیث میں جو لفظ "رکاز" استعمال ہوا ہے، جب "کانوں کی یافت" مراد لی ہے تو اس سے صرف وہی کانیں مقصود ہیں جو چاندی اور سونے کی ہوں اور جنہیں کسی مسلم نے دریافت کیا ہو، خواہ وہ اسلامی حدود میں واقع ہوں یا دشمنوں سے نئے فتح کئے ہوئے علاقے میں ہوں۔ لیکن فقہائے حنفی اس اصطلاح سے جو مطلب لیتے ہیں۔ اس میں تانبہ، لوہا، سیسہ اور پارہ کی کانوں کی حاصل شدہ دولت بھی شامل ہے۔

عربی اصطلاح "رکاز" کے لغوی معنی "ایک مدفون خزانہ" ہیں۔ لہٰذا یہی اصطلاح دفینے کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے۔ "رکاز" کا لفظ "رکز" سے ماخوذ ہے، جس سے مراد ہے "دفن کرنا" "زمین میں گاڑ دینا" جیسے کہ نیزہ زمین میں گاڑ دیا جاتا ہے اور اس سے یہ معنی اخذ ہوتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین میں چاندی اور سونے کی کانوں کا وجود میں آنا" اس واسطے یہ عمل بالکل درست ہوگا اور قانونِ زکوٰۃ کی روح کے عین مطابق ہوگا کہ اس اصطلاح کی

---

[1] لفظ "رکاز" جمع ہے، جس کا واحد "رکزۃ" یا "رکیزۃ" ہے۔

تشریح میں "رکاز" کو نہ صرف چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت کے معنی دیئے جائیں بلکہ دفینے کے معنی بھی دیئے جائیں۔ درحقیقت متعلقہ حدیث کے الفاظ صاف دلالت کرتے ہیں کہ اس میں دفینوں کی طرف اشارہ ہے جو اپنی فطرت کے اعتبار سے قابلِ زکوٰۃ ہیں۔ کانوں کی یافت سے متعلق، یہ دولت صرف چاندی اور سونا ہی ہو سکتی ہے۔

اس نقطۂ نظر کی پوری حمایت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جسے امام بیہقی نے اپنی کتاب "المعارف" میں حضرت ابوہریرہؓ کی سند سے روایت کیا ہے:

ابو یوسف سے روایت ہے، انہوں نے عبداللہ بن سعید سے روایت کی۔ انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ابوہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا: رکاز میں خمس (یعنی پانچواں حصہ، زکوٰۃ) میں دیا جاتا ہے۔ آپؐ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسولؐ، رکاز کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: رکاز وہ سونا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں اس روز پیدا کیا۔ جس روز زمین پیدا کی گئی تھی۔ (روایتِ امام بیہقی)

دوسری طرف، فقہائے مالکی، جن کی یہ رائے ہے کہ زکوٰۃ صرف چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت پر عائد ہونی چاہیئے۔ وہ بھی اس حدیث کو بیان کرتے ہیں، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کانوں کی یافت پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ کا اطلاق ہونا چاہیئے۔

یحیٰی سے روایت ہے: انہوں نے مالک سے جنہوں نے ربیعہ بن عبدالرحمان سے، جنہوں نے کسی اور سے سنا کہ رسول اللہ نے بلال بن الحارث المزنی کو جنوب کی سمت میں واقع سونے کی کانیں دے دیں۔ جو فروع کے قریب ہیں۔ اور آج تک ان کانوں کی

Marfat.com

یافت سے صرف (عام ڈھائی فیصد) زکوٰۃ لی جاتی ہے۔

(صحیح امام بخاری)

ان دو احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قانونِ زکوٰۃ میں کانوں سے حاصل شدہ یافت کی دو اقسام کے لئے گنجائش ہونا چاہیئے۔

پہلی قسم کی یافت ان چاندی اور سونے کی کانوں سے متعلق ہے۔

(الف) جو کسی مسلمان نے مسلم ملک کی حدود میں یا دشمن کے ہاتھ سے نئے فتح کئے گئے علاقے ہیں، دریافت کیا ہوا اور جو دریافت کے وقت کسی اور مسلمان فرد کی، یا کمپنی کی ملکیت نہ تھی۔ اور نہ ریاستی نگرانی یا قومی اثاثہ کا جزو تھی؟

(ب) جو ایک ملک کے مسلمان باشندوں کی مشترکہ عوامی جائیداد ہیں۔ یعنی ایسی کانیں جن سے اس ملک کے مسلمان باشندے بلا مزاحمت، گویا حکومت سے کسی خاص اختیار یا مراعات کے بغیر، استفادہ کر سکیں۔

اس پہلی قسم کی کانوں سے حاصل شدہ یافت ان وجوہات کے سبب کہ وہ اچانک دریافت شدہ ہے (یعنی دفینہ) یا ایک ایسی زمین سے نکالی گئی ہے جس سے استفادہ کا ہر ایک دریافت کرنے والے کو حق حاصل ہے یا اس سے پہلے مذکورہ زمین دشمن ملک کے قبضے میں تھی۔ اور اس لحاظ سے یہ "مالِ غنیمت" کی خاصیت رکھتی ہے وہ "قدرِ دوام کی حاصل فاضل دولت" ہوگی۔ اور اسی لئے اس یافت پر کان سے نکالنے کے وقت مالِ غنیمت کی طرح، خمس، یعنی بیس فی صد زکوٰۃ، عائد ہوگی۔ اس کی تائید قرآنِ پاک کی مندرجہ ذیل آیت اور رسولِ کریمؐ کا فرمان، دونوں کرتے ہیں۔

وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۔ ۔ ۔ ۔

"تو تم کو معلوم ہو کہ جو کچھ تم کو (بطورِ مالِ غنیمت) حاصل ہو اس کا

پانچواں حصہ اللہ اور رسولؐ اور (حاجتمند) قرابتداروں، اور (حاجتمند) یتیموں اور مسکینوں (ناداروں) اور (حاجتمند) مسافروں کے لئے ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ O

(سورۃ الانفال، آیت نمبر ۴۱)

اور: "وفی الرکاز الخمس" یعنی "دفینوں سے پانچواں حصہ (بطور زکوٰۃ) دیا جائے۔" (رسولؐ اللہ کا فرمان)

دوسری قسم کی یافت ان چاندی اور سونے کی کانوں سے متعلق ہے جو ریاست کی نگرانی میں قومی اثاثے کی خاصیت رکھتی ہیں، یا کسی مسلمان فرد یا کمپنی کے ہاتھوں خصوصی مراعات کے تحت حاصل کرنے، یا خریدنے، یا وراثت میں پانے کی وجہ سے جائز ذاتی جائداد بن جاتی ہیں۔ یعنی ان کانوں کے متعلق ہے جن کی حیثیت دفینوں یا مال غنیمت کی نہیں رہی بلکہ اب ان کی خاصیت تجارتی ادارے کی ہوگئی ہے۔

امام مالک کی رائے میں اس دوسری قسم کی کانوں کی یافت پر حاصل کرنے کے فوراً بعد ڈھائی فی صد زکوٰۃ عائد کی جانی چاہیئے اور برخلاف پہلی قسم کی کانوں کی یافت کے، جن کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہے اس یافت کے لئے چاندی اور سونے کے مقررشدہ نصاب کا اطلاق کرنا چاہیئے اس طرح امام مالک کی نظروں میں، اس دوسری قسم کی کانوں کی یافت بھی زمین کی قابل زکوٰۃ پیداوار کی ہی خاصیت کی حامل ہے۔ یعنی خراب نہ ہونے والی پیداوار۔

فقہائے شافعی کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ چاندی اور سونے کے لئے جو نصاب مقرر ہے اس کے برابر مقدار کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ چھوڑ کر چاندی اور سونے کی کانوں کے باقی کل حاصل پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ عائد کی جائے گی۔

امام مالک کی یہ رائے کہ چاندی اور سونے کی دوسری قسم کی کانوں کی

بافت پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ عائد کی جائے بالکل صحیح و درست ہے اور زمانہ حال میں بھی اس پر عمل ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ذاتی ملکیت کی حکومتی مراعات کے ذریعے حاصل شدہ منظم کان کنی کے لئے مستقل اخراجات (مشینری کی خرید اور اس کو اچھی حالت میں قائم رکھنے کا خرچ، مزدوروں کی تنخواہ وغیرہ) برداشت کرنے کے سبب، اس یافت کی دفینہ یا مال غنیمت کی سی خاصیت ساقط ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس پر خمس (بیس فی صد زکوٰۃ) کی بجائے ڈھائی فی صد زکوٰۃ کا اطلاق ہونا حق بجانب ہوگا۔

دوسری طرف، امام مالک کی یہ رائے کہ چاندی کا عام نصاب چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت کے لئے بھی مقرر کرنا ہے، نامناسب ہے۔ اگرچہ ایک کان میں موجود چاندی اور سونے کی کل مقدار و مالیت کا صحیح اندازہ ناممکن ہے، تاہم یہ قیاس غلط نہ ہوگا کہ کان میں موجود قیمتی دھات کی مقدار کا مجموعہ اس دھات کے لئے مقرر شدہ نصاب سے کئی گنا زیادہ ہوگا۔ مزید برآں کان میں موجود قیمتی دھات کی مقدار کا بالکل صحیح اندازہ چونکہ پہلے سے نہیں لگایا جا سکتا اس لئے خود کان پر زکوٰۃ نافذ نہیں ہوتی بایں ہمہ، یہ صورت اس حقیقت کو نہیں بدل سکتی کہ کان میں موجود چاندی یا سونا قانونی مالک یا صاحب مراعات، کے لئے جائز ملکیت ہے، اور یوں دراصل یہ ابتدا ہی سے ایک زکوٰۃ سے مستثنیٰ بنیادی مقدار ہے اس بنا پر ایک کان کی یافت سے متعلق نصاب کورد یہ عمل لانا قطعاً بے معنی ہے۔

بدیں وجہ، دوسری قسم کی کانوں سے حاصل شدہ چاندی یا سونے کی پوری مقدار پر نصاب کا لحاظ کئے بغیر ڈھائی فی صد زکوٰۃ عائد کی جائے گی۔

چاندی اور سونے کی کانوں کے علاوہ، کانوں سے حاصل شدہ

Marfat.com

کسی اور یا فت[1] پر، بجز قیمتی پتھروں کے، ہرگز عام زکوٰۃ نافذ نہیں ہوتی۔ نہ اس وقت جب وہ کان سے نکالی جائیں اور نہ ہی اس وقت کہ جب وہ کسی کی ذاتی جائیداد بن جائیں۔ اس واسطے کہ وہ نفاذِ زکوٰۃ کے لئے تمام شرائط پوری نہیں کرتیں۔ صرف اشیائے تجارت کی خاصیت حاصل ہونے پر باقی دھاتیں، تمام اشیائے تجارت کی طرح، قابل زکوٰۃ ہو جاتی ہیں۔

قیمتی پتھروں پر بطورِ ذاتی جائیداد زکوٰۃ اس لئے عائد کی جانی چاہیئے کہ جب وہ کسی کے ذاتی استعمال میں ہوں تو وہ اپنا قدر دوام اور اعلیٰ قیمت اور مالیت کی بنا پر محفوظ دولت کی خاصیت رکھتے ہیں اور جب وہ بطورِ اشیائے تجارت ہوں تو لازماً ان پر زکوٰۃ تجارت نافذ ہوتی ہے[2]۔

قانونِ زکوٰۃ سے لازماً یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ہر ایسی دولت زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہتی ہے جو قدر دوام کی حامل فاضل دولت نہ ہو، یعنی قانون زکوٰۃ کے

---

[1] مثلاً جب تک کہ وہ اشیائے تجارت کی خاصیت نہ رکھیں، مندرجہ ذیل اشیاء بنیادی طور پر "غیر قیمتی" یا غیر قدر دوام کی حامل اشیاء گردانی جانے کے سبب زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ تانبا، لوہا، سیسہ، ٹین، نکل، کروم، پلاٹینم، ایلومینیم، سنگ مرمر، سنگِ مردہ، سنگ سلیمان، سنگ جیڈ، الباسٹر، سنگِ نیل، عمارتی پتھر، چونے کا پتھر، وغیرہ ابرق، کوبالٹ وغیرہ، کوئلہ، جپسم، سنکھیا، نمک، پٹرول، پارہ وغیرہ وغیرہ۔

البتہ پارے کے بارے میں کچھ اختلافِ رائے ہے، امام ابو حنیفہ اور امام محمد بن الحسن دونوں کی رائے یہ ہے کہ بنیادی طور پر اس پر بیس فی صد زکوٰۃ عائد ہونی چاہیئے۔ امام ابو یوسف ان سے اتفاق نہیں کرتے بلکہ ان کے خیال میں پارہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہنا چاہیئے۔

[2] ملاحظہ فرمائیں۔ اس کتاب کے جزو دوم کا باب "موتی اور قیمتی پتھروں کی زکوٰۃ"

اصطلاحی مفہوم میں جو دولت انسان کی سال بھر کی جائز بنیادی ضروریات کے لئے لازم ہو یا گھر میں، یا عوام کے لئے یا صنعتی اداروں میں روزانہ استفادہ کی ہو۔ اس امر کے پیشِ نظر حنفی رائے جس میں چاندی اور سونے کی طرح تانبے سیسے، پارے اور لوہے کو اس قسم کی دولت میں شامل ہونا چاہیئے جس پر کان سے حاصل کرنے کے وقت زکوٰۃ عائد ہو جائے، قابلِ قبول نہیں کیونکہ قانوناً ایسا کرنے کا کوئی جواز نہیں۔

لیکن، چاندی اور سونے کے علاوہ، کانوں کی تمام دوسری یافت پر نفاذِ زکوٰۃ نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی یافت پر کسی اور قسم کا ٹیکس نافذ نہیں ہو سکتا۔ مراد صرف یہ ہے کہ ایسی یافت پر جائز طور پر حکومت کوئی اور ٹیکس عائد کر سکتی ہے۔ تاہم، ایسا ٹیکس زکوٰۃ نہیں، بلکہ حکومت کا ایک باقاعدہ ٹیکس ہوگا۔

اگرچہ "رکاز" کی اصطلاح دفینوں کے لئے مستعمل ہے لیکن چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت اور دفینوں کے قوانینِ زکوٰۃ کی وضاحت کے لئے دفینوں کے قوانینِ زکوٰۃ علیحدہ عنوان کے تحت بیان کئے گئے ہیں۔

چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت پر زکوٰۃ کی شرحیں

قانونِ زکوٰۃ کی رو سے، چاندی اور سونے کی کانیں دو اقسام پر مشتمل ہیں۔ چونکہ کان میں موجود چاندی یا سونے کی بالکل صحیح مجموعی مقدار ہمیشہ نامعلوم ہی رہتی ہے، اس لئے کان پر نہیں بلکہ صرف اس میں سے نکالی ہوئی قیمتی دھات کی مقدار پر زکوٰۃ نافذ ہوتی ہے۔

پہلی قسم کی چاندی اور سونے کی کانوں سے دھاتیں حاصل ہونے کے وقت خواہ یہ کثیف صورت میں ہوں یا خالص دھات کی صورت میں ان کی مقدار پر بیس فیصد شرح سے زکوٰۃ عائد ہوگی۔

Marfat.com

اسی طرح دریا کی ریت میں سے جو سونا اکٹھا کیا جائے۔ اس پر بھی بیس فیصد شرح سے زکوٰۃ عائد ہوگی۔

دوسری قسم کی چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ عائد ہوگی۔ خواہ وہ کثیف صورت میں ہو یا خالص دھات کی صورت میں۔

چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت پر ادائیگی زکوٰۃ کے قوانین

(دریا کی ریت سے نکالنے والے سونے پر بھی یہی قوانین نافذ ہوتے ہیں)

۱۔ چاندی اور سونے کی کانوں کی زکوٰۃ دراصل ان دونوں قیمتی دھاتوں کی اپنے منبع سے نکالنے کی ابتدائی زکوٰۃ ہے، اس وجہ سے اس کے لئے کوئی نصاب مقرر نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی سال بھر کی ملکیت کی شرط عائد ہوتی ہے۔

۲۔ چاندی اور سونے کی یافت پر بیس فیصد یا، منظم کان کنی کی صورت میں ڈھائی فی صد ابتدائی زکوٰۃ عائد ہو گی۔ خواہ یہ قیمتی دھات کثیف صورت میں نکلے یا خالص سونے کی صورت میں۔

۳۔ کانوں میں سے چاندی اور یا سونا نکالتے وقت جو ابتدائی زکوٰۃ نافذ ہوگی اس کی ادائیگی ماہ بماہ کر دی جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مہینہ بھر میں نکالی ہوئی قیمتی دھات کی مجموعی مقدار معلوم ہو جائے خواہ وہ کثیف صورت میں ہو یا خالص صورت میں، تو چاندی اور / یا سونے کی زکوٰۃ کی ابتدائی ادائیگی مہینے کے آخر میں کر دی جائے گی۔ زکوٰۃ کی یہ ابتدائی ادائیگی اس نکالی ہوئی قیمتی دھات میں کر دی جائے۔ یا زکوٰۃ دینے والے کی سہولت کے پیش نظر جب قیمتی دھات خالص ہو تو چاندی یا سونے کے سکوں کی شکل میں، یا بصورت دیگر اس کی پوری مساوی مالیت مقامی کرنسی نوٹوں کی شکل میں دی جائے۔

۴۔ ابتدائی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد چاندی اور سونے کی ادائیگی زکوٰۃ کے قوانین کے مطابق جو کچھ خالص قیمتی دھات (چاندی یا سونا) کی مقدار قانونی مالک کے قبضے میں پورے ایک سال تک رہے۔ خواہ قانونی مالک اس کا دریافت کرنے والا ہو (پہلی قسم کی کانیں) یا وہ کان کا مالک یا مراعات حاصل کرنے والا ہو۔ (دوسری قسم کی کانیں) اس خالص قیمتی دھات پر عام ڈھائی فیصد زکوٰۃ عائد کی جائے گی۔

۵۔ مذکورہ بالا قانون نمبر ۳ کے نتیجے کے طور پر ایک کان میں سے نکالی ہوئی خالص چاندی یا سونے کی مقدار پر جو قانونی مالک کی ملکیت میں ہو سال ملکیت کا شمار اس کی (ابتدائی ادائیگی) زکوٰۃ فرض ہونے کے اگلے روز سے شروع کیا جائے گا۔

۶۔ چاندی یا سونا جو کان میں سے کثیف صورت میں نکالا گیا ہو۔ جیسا کہ اکثر اوقات ہوتا ہے۔ تو اس میں سے ابتدائی زکوٰۃ (بیس فیصد) ادا کرنے کے بعد اس پر سالانہ عام ڈھائی فیصد زکوٰۃ کے لئے سال ملکیت کا شمار اس وقت تک شروع نہیں ہوگا جب تک کہ اس کو کثافتوں سے پاک نہ کر لیا جائے۔

جب یہ قیمتی دھات کثافتوں سے پاک ہو جائے اور قانونی مالک کی ملکیت میں پورا سال رہے مالک خواہ پہلی قسم کی کانوں کی یافت کا دریافت کرنے والا ہو یا دوسری قسم کی کانوں کا مالک یا مراعات حاصل کرنے والا ہو۔ تو چاندی اور سونے کی زکوٰۃ کے قوانین کے مطابق، سال ملکیت کی تکمیل پر باقاعدہ زکوٰۃ نافذ ہوتی رہے گی۔

۷۔ مذکورہ بالا قانون نمبر ۶ کے نتیجے میں جو چاندی یا سونا کان سے کثیف صورت میں حاصل ہو اس کی زکوٰۃ کی ابتدائی ادائیگی کے بعد جب قانونی مالک کو کثافتوں سے پاک شدہ خالص چاندی اور سونے کی پوری ماہانہ مقدار

کا علم ہو جائے تو مہینے کے آخر دن سے سال ملکیت کا شمار شروع ہوگا۔ جس کی تکمیل پر باقاعدگی سے سالانہ عام ڈھائی فی صد زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

۸۔ جب کان کا قانونی مالک کان میں سے نکالی ہوئی کثیف چاندی یا سونے کو خود صاف نہیں کرتا، یا کرواتا، بلکہ صاف کرنے یا کسی اور مقصد کے لئے کسی دوسرے فرد، یا کمپنی کو فروخت کر دیتا ہے، تو فروخت کرنے اور خریدنے والوں، دونوں کے سودے پر قابلِ زکوٰۃ دولت کے تبادلے کے قوانین نافذ ہوں گے۔[۱]

۹۔ جب چاندی یا سونے کی کانوں کی پوری بازیافت، یا اس کے ایک حصے کو قانونی مالک زکوٰۃ کی ابتدائی ادائیگی سے پہلے کسی بھی صورت میں خرچ کر دے، اگر متعلقہ کان پہلی قسم کی ہے۔ تو بیس فیصد زکوٰۃ اور اگر دوسری قسم کی ہے۔ تو ڈھائی فی صد عام زکوٰۃ کے واجبات نکال کر، اس سودے کی تکمیل سے پہلے بلا تاخیر ادا کرنا چاہیئے۔

۱۰۔ مسلم مملکت کی حدود کے اندر واقع زمین جو اس مملکت کے باشندوں کی عام مشترکہ جائیداد ہے، یا جو علاقہ دشمن سے نیا فتح کیا ہو، اس میں مسلمان کی دریافت کی ہوئی (یعنی پہلی قسم کی) کانیں اس دریافت کرنے والے کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتیں۔ حتیٰ کہ اس کو ایسے دعوے کا حق بھی نہیں ہے۔ اس صورت میں یہ کانیں مسلمانوں کی عام مشترکہ جائیداد بن جاتی ہیں۔ جن سے استفادہ وانتفاع کا حق مشترکہ جائیداد کے ہر مسلمان شریک کو اتنا ہی ہے جتنا اس دریافت کرنے والے کو ہے۔ جب تک کہ کسی کو ان کانوں کی منظم کان کنی کی اجازت ذمراعات نہ دی گئی ہوں، اس وقت تک مشترکہ جائداد کے تمام مالکین اپنی اپنی مرضی سے ایسی کانوں سے استفادہ

---

[۱] ۔ ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزءِ دوم کا باب: "قابلِ زکوٰۃ دولت کا تبادلہ"

Marfat.com

کر سکتے ہیں اور اسی وقت تک انہیں اپنے اپنے حاصل پر بیس فیصد ابتدائی زکواۃ ادا کرنی ہوگی۔

۱۱۔ ان تمام حالات میں جہاں مذکورہ بالا قانون نمبر۱۰ منطبق ہوتا ہے اگر حکومت سے ان کانوں کی منظم کان کنی کی مراعات کی درخواست کی جائے تو کان کے دریافت کرنے والے مسلمان کا حق دوسروں سے افضل ہے اگر کان عوام کی سرزمین پر دریافت کی گئی ہو تو ایسی کان سے استفادہ کرنے والے باشندوں کے اتفاق سے مراعات کا حق دیا جائے گا۔

اگر حکومت ایسا اجازت نامہ دیتی ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ ان سب باشندوں کے حقوق کی نگہداشت کرے جو اس مشترکہ جائیداد میں برابر کے شریک ہیں اور اس کے منافع میں حصہ دار ہیں اس صورت میں اجازت نامے کے مالک کا یہ فرض ہے کہ وہ زکواۃ کی ادائیگی خود کرے۔

قومی مفادات کے پیش نظر حکومت کو منظم کان کنی کے لئے اجازت نامہ دینے یا نہ دینے کا حق حاصل ہے۔

اگر کان کا دریافت کرنے والا اپنے حق اولیت سے فائدہ نہیں اٹھاتا تو حکومت اس کان کو کسی اور مسلم فرد یا کمپنی کے حوالے کرسکتی ہے۔ یا خود اپنی نگرانی میں لے سکتی ہے لیکن اسے مشترکہ جائیداد کے مالکوں کے حقوق کی حفاظت کرنی ہوگی کہ انہیں کان کنی سے حاصل شدہ منافع میں اپنا حصہ ضرور ملے۔

پہلی قسم کی کانوں کی کان کنی کی مراعات مذکورہ بالا قانون نمبر ۱ کے مطابق مسلمانوں کی مشترکہ عوامی جائیداد کے قانونی مالکوں کے مکمل اتفاق کے بغیر مملکت کے کسی غیر مسلم شہری کو نہیں دی جاسکتی۔ اگر اسے اتفاق سے مراعات دی گئی ہوں تو مشترکہ عوامی جائیداد کے مسلمان قانونی مالکوں کے حقوق و مفادات کا تحفظ کیا جانا چاہیئے۔ اور حکومت کو یہ فیصلہ کرکے

Marfat.com

(کہ غیر مسلم شہری کو مراعات دے دے) ہمیشہ قومی مفادات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اس صورت میں غیر مسلم شہری کو دیئے ہوئے مراعات نامے کی میعاد تک اس کی کانوں میں سے حاصل شدہ قیمتی دھاتوں کا حصہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گا۔

اجنبی (غیر مسلم) درخواست کرنے والوں کو پوری مراعات دینے سے اجتناب کیا جائے۔ جب کبھی منظم کان کنی کے لیئے اجنبی غیر مسلم سرمایہ کی ضرورت ہو تو قانوناً اس سرمائے کو مسلم ریاست کی نگرانی اور خدمت میں سمجھا جانا چاہیئے۔ اگرچہ اس صورت میں زکوٰۃ صرف مسلم ریاست کی کان سے حاصل شدہ حصہ یافت پر نافذ کی جائے گی۔

۱۲۔ جس وقت مسلم حکومت نے چاندی اور/یا سونے کی کانوں کے لیئے مراعات نامہ جاری کر دیا۔ اس وقت سے ان کانوں کی یافت کی خاصیت مالِ غنیمت یا دفینے کی نہ رہی بلکہ دوسری قسم کی کانوں میں شمار ہوگی اور اس کی یافت پر ڈھائی فی صد زکوٰۃ عائد ہوگی۔

۱۳۔ یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ کان کنی سے حاصل شدہ یافت کے لیئے جو حقِ ملکیت صاحب مراعات کو مشترکہ جائداد کے مالکوں یا حکومت کو ادا کرنا ہے، وہ زکوٰۃ سے مختلف ہے اگر صاحب مراعات مسلم ہے تو چاہیئے کہ وہ حکومت اور/یا مشترکہ جائداد کے قانونی مالکوں کو حقِ ملکیت ادا کرنے سے پہلے کان کی پوری حاصل شدہ یافت پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرے۔

۱۴۔ اگر ملکی قانون میں کانوں کو قومی ملکیت میں لینے کی کوئی خاص گنجائش نہ ہو اور پہلی قسم کی چاندی اور/یا سونے کی کانوں کی کان کنی حکومت خود سنبھال لے۔ تو جس وقت سے حکومت اسے اپنی نگرانی میں (یعنی قومی ملکیت میں) لے گی۔ اس وقت سے ان کانوں کی خاصیت مالِ

Marfat.com

غنیمت یا دفینے والی نہ رہے گی۔ بلکہ ان کا شمار دوسری قسم کی کانوں میں ہوگا جس پر ڈھائی فی صد زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ اگر اس مشترکہ جائیداد کے قانونی مالک ہوں تو انہیں مناسب معاوضہ ادا کیا جانا چاہیئے۔

چونکہ حکومت کی نگرانی میں لی ہوئی چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت منبع سے حاصل شدہ دولت ہوتی ہے اور ابھی تک کسی شہری کی ملکیت نہیں بنی ہے۔ تو حکومت کو عام طریقے سے اس کے واجبات زکوٰۃ خزانہ زکوٰۃ میں ادا کرنا چاہیئے۔

۱۵۔ جب حکومت کسی سے دریافت شدہ کان کی کان کنی خود کرواتی ہے تو کان دریافت کرنے والے کو مناسب معاوضہ ادا کیا جانا چاہیئے۔

۱۶۔ جب ملکی قانون میں کانوں کو قومی ملکیت میں لینے کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ تو اگر ایک مسلمان اپنی ذاتی جائیداد میں چاندی یا سونے کی کان دریافت کرلے۔ تو یہ اس کی جائز ملکیت ہوگی۔ اور پہلی قسم کی کانوں میں شمار ہوگی۔ اس لئے اس کی یافت پر بیس فی صد ابتدائی زکوٰۃ نافذ ہوگی[1]

---

[1] ۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل دونوں کی رائے میں اگر ایک شخص کی اپنی زمین میں جس پر اس کا خود مکان بنا ہوا ہے۔ چاندی یا سونے کی کان دریافت کی جائے۔ تو اس کان کی یافت پر ابتدائی بیس فیصد زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔ مگر اس سے یہ واضح نہیں ہوتا اور نہ یہ قابل فہم ہے کہ ایک شخص کی مملوکہ زمین کی حدود میں جو کان ملی ہے اس میں اور اسی شخص کی اپنی زمین کہ جس پر اس کا خود مسکن بنا ہوا ہے۔ احاطے میں دریافت شدہ کان میں فرق کیا ہے۔ قانون کی رو سے، دونوں ایسی جائیداد ہیں جو ایک فرد کی قانونی ملکیت ہیں اور اس لئے ایک کو

(باقی اگلے صفحے پر)

Marfat.com

اسی قانون کا اطلاق ان کانوں پر بھی ہوتا ہے جو ریاستی ملکیت میں زمینوں پر بغیر تلاش وتفتیش کے اتفاقی طور پر دریافت شدہ ہیں (یعنی جو زمینیں ذاتی یا عوام کی مشترکہ جائیداد نہیں ہیں) چونکہ ریاست ان زمینوں کی جائز مالک ہے اور یہ پہلی قسم کی کانیں شمار ہوتی ہیں۔ اس لئے ریاست ان کی یافت پر ابتدائی بیس فی صد زکوٰۃ ادا کرے گی۔

ان دونوں صورتوں میں جب زمین کے قانونی مالک کے علاوہ کوئی اور شخص اس زمین میں کان دریافت کر لیتا ہے تو دونوں کے سمجھوتے سے دریافت کنندے کو معقول معاوضہ وانعام دیا جائے گا۔ لیکن اسے یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ اس کان کی ملکیت کا ہی دعویدار بن بیٹھے اور نہ ہی کان کنی کی مراعات لینے میں وہ اولیت کے حق کی درخواست کرے گا۔

۱۷۔ اگر پہلی قسم کی چاندی اور/یا سونے کی کان کسی کی خاص ملکیت ہو اور اس کا قانونی مالک وفات پا جائے تو وارثوں کو یہ کان، وراثت میں

(بقیہ فٹ نوٹ) زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرنے اور دوسری پر زکوٰۃ عائد کرنے کی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔

جن فقہائے کرام نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ کسی شخص کی اپنی زمین جس پر اس کا خود مسکن بنا ہوا ہے اس کے احاطے میں چاندی یا سونے کی دریافت شدہ کانوں کی یافت پر ابتدائی زکوٰۃ ضرور نافذ ہوگی۔ ان میں امام ابو یوسف، امام محمد بن الحسن، امام مالک اور امام شافعی کے نام ممتاز ہیں۔ ان میں سے پہلے دونو ان کانوں کی یافت کو زمین کا مال غنیمت قرار دیتے ہیں اور بیس فی صد زکوٰۃ عائد کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ جب کہ موخر الذکر دو فقہائے کرام کا خیال ہے کہ چاندی اور سونے کے مقرر شدہ نصاب کے برابر مقدار چھوڑ کر باقی یافت پر ڈھائی فی صد زکوٰۃ نافذ کی جائے۔

Marfat.com

ملنے پر ان کے لئے وراثت، کا مال ہوتی ہے اور اس میں مال غنیمت یا دفینے کی خاصیت باقی نہیں رہتی۔ اب یہ دوسری قسم کی کانوں میں شمار ہوگی۔ جس پر ڈھائی فی صد زکوٰۃ نافذ ہوتی ہے۔

۱۸۔ کھدائی تحقیق و تفتیش کے بعد دریافت شدہ چاندی اور سونے کی کانیں خواہ یہ کام ایک فرد کرے یا ایک کمپنی، یا خود حکومت انجام دے۔ شروع سے ہی دوسری قسم کی کانوں میں شمار ہوتی ہیں۔ کیونکہ ان کانوں کا آغاز ہی تجارتی نظریے سے ہوا ہے۔ اس لئے ان پر ڈھائی فی صد ابتدائی زکوٰۃ عائد ہوگی۔

۱۹۔ اگر ملکی قانون میں کانوں کو قومی ملکیت میں لینے کی گنجائش نہ ہو اور کوئی غیر مسلم شہری اپنی ذاتی جائیداد میں چاندی اور/یا سونے کی کان دریافت کرے۔ تو قانون اسلام کی رو سے وہ اس کان کا جائز مالک ہوتا ہے اور اس کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے کان کی یافت زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔

اگر حکومت ایسی کان کی یافت پر کوئی ٹیکس عائد کرے تو یہ زکوٰۃ نہیں بلکہ سرکاری ٹیکس ہوگا۔

اگر کسی غیر مسلم کی جائیداد پر مالک کے علاوہ کوئی اور شخص چاندی اور/یا سونے کی کان دریافت کرتا ہے تو وہ غیر مسلم قانونی مالک سے مناسب اور معقول معاوضہ لینے کا حقدار ہے۔ لیکن اس کان کی ملکیت میں اس کا کوئی دعویٰ نہیں اور نہ ہی کان کنی کی مراعات لینے میں وہ حقِ اولیت کی درخواست کر سکتا ہے۔

۲۰۔ اگر چاندی یا سونے کی کان کا قانونی مالک غیر مسلم ہے اور وہ کان کنی کے لئے مسلم فرد یا کمپنی، یا مسلم حکومت کو اپنی کان مراعات کے تحت یا کرائے پر دے دے۔ تو کان سے حاصل شدہ یافت مسلم دولت یا ملکیت

ہوگی اور خود بخود قابل زکوٰۃ ہو جائے گی۔ اب یہ اس مسلم فرد یا کمپنی یا مسلم حکومت کا اپنا فرض ہے کہ وہ یافت پر ڈھائی فی صد زکوٰۃ ادا کرے۔ اس صورت میں اگر مسلم حکومت نے کسی قانون کے ذریعے غیر مسلموں کی کانوں کی یافت پر کوئی خاص ٹیکس عائد کیا ہو تو جب تک یہ کان ایک مسلم کے تصرف میں رہتی ہے وہ خاص ٹیکس معطل رہے گا۔

۲۱۔ جو چاندی یا سونے کی کان مسلمان عوام کی مشترکہ ملکیت نہ ہو بلکہ مسلم ریاست کی، یا کسی مسلم فرد کی ذاتی ملکیت ہو۔ اگر ریاست یا مسلم قانونی مالک اس کو مراعات کے تحت یا کرائے پر کسی غیر مسلم فرد یا کمپنی کو کان کنی کے لئے دے دے تو غیر مسلم کے تصرف میں رہنے کے وقت تک اس کان کی یافت زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔

۲۲۔ اگر مسلم مملکت کی حدود کے اندر ایک ایسی زمین میں جو مشترکہ عوامی جائیداد ہو یا غیر مسلم دشمن سے نئے فتح کئے ہوئے علاقے میں ایک غیر مسلم نئی کان دریافت کرتا ہے تو مشترکہ مسلم عوامی جائیداد کے قانونی مالکوں کی پوری رضامندی اور اتفاق کے بغیر اور مسلم حکومت کے قومی مفادات کو پیش نظر رکھے بغیر اس کو کان کنی کے لئے مراعات پر غیر مسلم دریافت کرنے والے کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔

۲۳۔ اگر ایک چاندی یا سونے کی کان کسی فرد یا کمپنی کی ذاتی جائیداد ہو، خواہ وہ پہلی قسم کی کان ہو یا دوسری قسم کی اور قانونی مالک اس کو فروخت کر دے تو اس پر قابل زکوٰۃ دولت کے تبادلے کے قوانین کا اطلاق نہیں ہوگا، کیونکہ کان بذاتِ خود قابل زکوٰۃ نہیں ہے۔

اگر اس کی فروخت سے پہلے مذکورہ کان پہلی قسم کی تھی تو بوجہ فروخت اس کی "مالِ غنیمت" یا "دفینے" کی خاص خاصیت ختم ہو جاتی ہے، اور اس سودے کے اختتام کے وقت سے یہ دوسری قسم کی کانوں میں

Marfat.com

شمار ہو گی۔ جن کی بازیافت پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

۲۴۔ جب تک قطعی ثبوت نہ ہو کہ کان کے قانونی مالک یا صاحب مراعات[1] یا ٹھیکہ دار نے زکوٰۃ کی ادائیگی کے بارے میں بے ایمانی کی ہے تو اسی کی ایمانداری پر پورا بھروسہ اور اعتماد کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ اس کی ذاتی ذمہ داری ہے کہ کان کنی سے حاصل شدہ قیمتی دھات کا مکمل اور صحیح حساب رکھے اور واجبات زکوٰۃ ادا کرے۔

۲۵۔ اگر چاندی اور یا سونے کی دوسری قسم کی کانوں کی بازیافت پر ابھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی ، یعنی مہینہ مکمل ہونے سے پہلے کان سے نکالی ہوئی اس مہینے کی پوری بازیافت یا اس کا ایک حصہ اتفاقاً ضائع یا چوری ہو گیا ہے تو قیمتی دھات کے نقصان کی مقدار کے متناسب واجبات زکوٰۃ ساقط ہو جاتے ہیں۔

۲۶۔ اگر چاندی یا سونے کی کان کی بازیافت پر زکوٰۃ واجب الادا ہونے کے بعد لیکن ادائیگی سے پہلے۔ یعنی قانونی مالک کے تساہل و غفلت سے زکوٰۃ کے واجبات ابھی ادا نہیں کئے گئے کہ پوری حاصل شدہ بازیافت یا اس کا ایک حصہ ضائع یا چوری ہو گیا۔ تو زکوٰۃ کی ادائیگی کا فرض قانونی مالک کی ذمہ داری رہتی ہے اور محض اس وجہ سے ختم نہیں ہو جاتا کہ قانونی مالک کے قبضے میں متعلقہ بازیافت باقی نہیں رہی۔

۲۷۔ اگر ثابت ہو جائے کہ کان کے قانونی مالک یا صاحب مراعات یا ٹھیکہ دار نے زکوٰۃ کے واجبات سے بچنے کے لئے چاندی اور یا سونے کی کان کی

---

[1] اگر صاحب مراعات یا کرایہ دار ، کمپنی ہو تو اس پر مشترکہ ملکیت دولت کی زکوٰۃ کے قوانین کا اطلاق ہو گا۔ ملاحظہ فرمائیں اس جلد کا باب "مشترکہ ملکیت کی دولت کی زکوٰۃ"۔

Marfat.com

پوری حاصل شدہ یافت یا اس کے ایک حصّے کو مخفی کر دیا ہے یا بدنیتی سے نا قابلِ زکوٰۃ دولت کے بدلے میں دے دیا ہے یا ضائع ہونے دیا ہے تو یہ مجرم نہ صرف قابلِ سزا ہو گا بلکہ اس سے پورے واجبات زکوٰۃ بھی بزورِ قانون وصول کئے جائیں گے۔

ضمیمہ

قومی ملکیت میں لی ہوئی چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت کی ادائیگی زکوٰۃ کے قوانین:

۱۔ جب مسلم ملکی قانون کے مطابق ملک کے اندر ہر قسم کی کانوں کو قومی ملکیت میں لے لیا جائے گا۔ تو چاندی اور سونے کی تمام ذاتی جائیدادیں دریافت شدہ کانیں کان کنی کے لئے قومی ملکیت کے حوالے کی جائیں گی اور ریاست کو چاہیئے کہ وہ اس جائیداد کے قانونی مالک کو پورا اور منصفانہ معاوضہ دے۔ خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ اگر کان حال میں دریافت کی گئی ہو تو ریاست کو چاہیئے کہ وہ اس کان کے دریافت کرنے والے کو انعام سے نوازے۔

۲۔ اسی طرح جب ملکی قانون کا تقاضہ مندرجہ بالا قانون نمبرا کے مطابق ہو تو مشترکہ عوامی جائیداد میں دریافت کی ہوئی چاندی اور سونے کی کانیں بھی ریاست اپنے قبضے میں لے لے گی۔ اور ان کے قانونی مالکوں کو منصفانہ معاوضہ ادا کرے گی۔ اگر کوئی تیسرا شخص ریاست کی جائیداد یا مشترکہ عوامی جائیداد میں کان دریافت کر لیتا ہے، (یعنی اس دریافت میں ریاست کی تفتیش و تلاش کا کوئی حصہ نہیں ہے) تو ریاست اس شخص کو منصفانہ معاوضہ بھی ادا کرے گی۔

Marfat.com

۳۔ مسلم قومی ملکیت میں لی ہوئی چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت پر زکوٰۃ دینے کی ذمہ داری صدر مملکت کی ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد حکومت کے اس محکمے پر ادائیگی زکوٰۃ کی ذمہ داری آتی ہے جو متعلقہ کانوں کا انتظام کرتا ہے۔ Ministry of Mines

۴۔ مشترکہ عوامی یا ذاتی جائیداد کی چاندی اور سونے کی کانوں کی طرح قومی ملکیت میں لی ہوئی چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت بھی اقسام میں منقسم ہے:

(الف) مملکت کی حدود میں مشترکہ عوامی جائیداد میں، یا ریاست کی جائیداد میں یا غیر مسلم دشمن سے نئے فتح ہوئے علاقے میں اتفاقاً (یعنی بغیر تفتیش و تلاش کے) دریافت شدہ چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت پر خواہ وہ کثیف صورت میں ہو یا خالص صورت میں مال غنیمت یا دفینے کی خاصیت رکھنے کے سبب بیس فی صد ابتدائی زکوٰۃ نافذ ہوگی۔

(ب) مسلم مملکت کی حدود میں ذاتی ملکیت کی یا مشترکہ عوامی یا ریاست کی جائیداد میں تفتیش و تلاش کے نتیجے سے دریافت شدہ چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت چونکہ اس دوسری قسم کی یافت مال غنیمت یا دفینے کی خاصیت نہیں رکھتی۔ اس لئے اس پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ نافذ ہوگی۔

۵۔ مسلم قومی ملکیت میں لی ہوئی چاندی اور سونے کی کانوں پر ماہ بماہ زکوٰۃ نافذ کرنا اور ماہانہ حساب کے بعد اس دوران حاصل شدہ یافت پر زکوٰۃ دینا مناسب ہوتا ہے۔ اس طرح کان کی یافت پر نافذ شدہ زکوٰۃ ہر مہینے کے آخر میں خزانۂ زکوٰۃ میں منتقل کردی جائے گی۔ جب مہینے کے دوران نکالی ہوئی قیمتی دھات کی تمام مقدار معلوم ہو۔

۶۔ سہولت کے پیش نظر مسلم قومی ملکیت میں لی ہوئی چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت پر زکوٰۃ کے واجبات کی پوری مقدار یا مالیت خزانۂ زکوٰۃ میں چاندی یا سونے کے سکوں کی، یا مقامی کرنسی کی صورت میں ادا کی جاسکتی ہے۔

Marfat.com

۷۔ مسلم قومی ملکیت میں لی ہوئی چاندی اور سونے کی کانوں کی بافت تمام قوم کی جائداد اور اس کی جائز ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ اس لئے ریاست کی ملکیّت میں کانوں سے حاصل شدہ چاندی اور سونے کی ابتدائی بیس فیصد یا ڈھائی فی صد زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد باقی ماندہ مقدار سالانہ ڈھائی فیصد زکوٰۃ سے اس وقت تک مستثنیٰ رہے گی۔ جب تک یہ دولت ذاتی قبضے میں یا کمپنی کے قبضے میں جا کر فاضل دولت یا محفوظ سرمائے کی خاصیت حاصل نہ کرے۔

دفینوں کی زکوٰۃ

چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت کی طرح دفینوں پر زکوٰۃ کی فرضیت رسول کریمؐ کے اسی فرمان سے ماخوذ ہے جس میں آپؐ نے فرمایا: "وفی الرکاز الخمس" اور زمین میں چھپی ہوئی دولت پر پانچواں حصہ (یعنی بیس فی صد زکوٰۃ) ہے۔

اگرچہ قدیم کتابوں میں دفینوں کے لئے "رکاز" کی اصطلاح ہی استعمال ہوئی ہے۔ لیکن فقہ حنفی میں دفینوں کو کانوں سے علیحدہ کرنے کے لئے "کنز" کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ جس کی لغوی معنیٰ "ذخیرہ یا "مخفی خزانہ" ہیں۔

جیساکہ پہلے بھی تحریر کیا جاچکا ہے۔ قانونِ زکوٰۃ کی نظروں میں دفینہ کی وہی خاصیت ہے جو مال غنیمت کی ہے۔ اس لئے دفینے کی دریافت پر بیس فیصد ابتدائی زکوٰۃ دی جانی چاہیئے۔

چاندی اور سونے کی کانوں کی طرح دفینوں کی بھی کئی اقسام گنی جاتی ہیں:

(الف) پہلی قسم کے دفینے وہ ہیں جو واضح طور سے شروع میں مسلمانوں کی دولت تھے۔ مثلاً جو چاندی یا سونے کے سکے دفینے میں دستیاب ہوں جن پر کسی اسلامی حکومت کی مہر کندہ ہو یا شہادت "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی مہر لگی ہوئی ہو؟

(ب) دوسری قسم کے دفینے وہ ہیں جن پر کوئی مہر یا نشان نہیں ہے جس سے ان کے اصل مالک کی شناخت ہوسکے۔

(ج) تیسری قسم کے دفینے وہ ہیں جن پر کسی غیر مسلم حکومت، یا کسی بت پرست

Marfat.com

مذہب کا نشان صاف کندہ ہو۔ اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتدائی طور پر غیر مسلموں کی ملکیت تھے۔

قانون زکوٰۃ کی قدیم تشریح کی رو سے ایسی دولت پر جو دفینے سے حاصل ہو اور جن کے مہروں یا نشانات سے صاف وضاحت ہو جائے کہ اصل میں یہ دولت کسی مسلمان کی تھی بیس فی صد ابتدائی زکوٰۃ نافذ نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ چونکہ یہ دولت کسی مسلمان کی تھی اس لئے اسے مال غنیمت شمار نہیں کیا جا سکتا۔ نتیجتاً یہ مال غنیمت کی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔ فقہائے کرام نے اس قسم کے دفینوں کو "لقطہ" میں شمار کیا ہے یعنی دولت جو ابتدا میں کسی مسلم کی ملکیت کی تھی۔ اور جو ضائع ہونے کے بعد پھر دوبارہ دریافت کی گئی ہو۔ بادی النظر میں اگر دفینوں پر نفاذِ زکوٰۃ کے لئے ان میں "مال غنیمت" کی خاصیت ضروری ہو تو یہ استثنا ء بالکل صحیح ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک ایسی مخفی دولت جو کبھی ایک مسلمان کی جائیداد تھی۔ اسے "مال غنیمت" نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اگر ہم یہ سوال کریں کہ مال غنیمت پر آخر کیوں زکوٰۃ عائد ہوتی ہے تو اس مندرجہ بالا صورتِ حال پر دوبارہ غور کرنا چاہیئے۔

اصل میں جب مسلمان دشمن اسلام کے خلاف جائز، یعنی مدافعانہ جنگ لڑتے ہیں۔ اس وقت جو مال غنیمت ان کے ہاتھ آتا ہے وہ اتفاقی طور پر ہاتھ آنے والی دولت ہوتی ہے۔ اس طرح اتفاقی طور پر حاصل شدہ جائز دولت ہونا ہی مال غنیمت کو فاضل دولت کی خاصیت عطا کر دیتا ہے اور اسی لئے اس پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر یہ فاضل دولت کی ہی خاصیت ہے جو حاجتمند مسلمانوں کو اس میں شریک ہونے کا حق دیتی ہے۔ چنانچہ مال غنیمت پر نفاذ زکوٰۃ کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ غیر مسلم دشمن سے حاصل ہوئی دولت ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اب پانے والے کے لئے کمائی ہوئی دولت

نہیں : وہ فاضل دولت ہے جو اتفاقی طور پر ہاتھ لگی ہے ۔

قرآن پاک مسلمان کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ صرف مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرے ۔ مسلمان فقط دشمن کے حملے یا حملے کی تجدید کے خلاف دفاعی جنگ میں ہی جائز طور پر حصہ لے سکتے ہیں اگر ایک ناجائز یعنی حملہ آور جنگ میں مال غنیمت حاصل ہو ۔ تو اس پر نفاذِ زکوٰۃ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا ۔ کیونکہ ایسی دولت کی خاصیت لوٹ مار کی ہے جو دین اسلام میں حرام ہے اور اس کو قبضے اور ملکیت میں رکھنا بھی مسلمان کے لئے غیر قانونی ہے ۔

اس سے واضح ہے کہ دفینے کی دریافت کرنے والے کے کندھوں سے بطورِ زکوٰۃ اس کا پانچواں حصہ ادا کرنے کے فرض کو اتارنے کے لئے یہ سبب ناکافی ہے کہ وہ دفن سے پہلے کسی مسلمان کی ملکیت تھا ۔

دفینے پر نفاذِ زکوٰۃ کا قانونی سبب اس کا مسلمان کے لیے اتفاقی حصول ہونا ہے ۔ اس لئے یہاں بھی قانون زکوٰۃ اسی بنیادی اصول پر عمل کرنے کا پابند ہے جس پر مال غنیمت کے خمس کا اطلاق ہوتا ہے یعنی کسی مسلمان کے ہاتھ سے دریافت کیا گیا دفینہ جس کی نوعیت قابل زکوٰۃ کی ہو خواہ وہ واضح طور پر اصل میں مسلم ملکیت تھا یا نہ تھا ۔ اس پر ہر صورت میں بیس فی صد ابتدائی زکوٰۃ لازماً عائد ہوگی ۔

قدیم فقہائے کرام مذکورہ بالا دوسری اور تیسری قسم کے دفینوں کو غیر مسلموں کی سابقہ ملکیت ہونے کے سبب ان پر بیس فیصد زکوٰۃ لازماً نافذ کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں ۔

اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کہ ان دو اقسام کے دفینوں پر زکوٰۃ نافذ ہونی چاہیئے ، یہ ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ دفینے میں کسی پائی جانے والی چیز مثلاً سکوں پر مسلمانوں کی مہر یا نشان نہ ہونا ہی مطلق ثبوت نہیں ہے کہ وہ اخفار کے وقت غیر مسلمانوں کی دولت تھی ۔ اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ جس دفینے کی

Marfat.com

دولت پر کسی غیر مسلم کا نشان یا مہر ہو۔ وہ دفن ہونے کے وقت غیر مسلم کی ملکیت تھی۔ دراصل سکھوں کے لیئے کوئی بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ دفن ہونے کے وقت یہ دفینہ ایک مسلم کی جائز جائیداد تھی یا ایک غیر مسلم کی۔ مثلاً ہو سکتا ہے کہ کسی مسلم ملک کے باشندوں سے جائز تجارت کر کے، غیر مسلم مہر یا نشان والے سکے حاصل کئے ہوں اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو سکے مسلمانوں کی مہر کے ہوں وہ جائز تجارت کے ذریعے غیر مسلمانوں کے ہاتھ میں پہنچ گئے ہوں۔ جنہوں نے ان کو محفوظ کرنے کے لیئے یا کسی اور سبب سے دفن کیا ہو۔

دفینوں پر زکوٰۃ کی بنیاد ایک قومی اور دانش مندانہ اصول پر ہونا چاہیئے نہ کہ دفینے کی دولت کے پہلے مالک کے مذہب کو اس کی بنیاد بنایا جائے۔ قانون زکوٰۃ کی نظروں میں دفینے کا مطلب ہی یہ ہونا چاہیئے کہ یہ ایک ایسی دولت ہے جو حسنِ اتفاق سے کسی شخص نے حاصل کر لی ہے۔ تو یہ اس کی فاضل دولت کی خاصیت سے قابل زکوٰۃ ہو گی۔

ایک اور قانونی نکتہ جو وضاحت طلب ہے۔ اور موجودہ زمانے میں ناقابلِ قبول بھی ہے وہ دفینے کی صحیح ملکیت کے تصفیے کے بارے میں ہے۔ امام ابو یوسف دلیل پیش کرتے ہیں کہ جو دفینہ کسی ذاتی جائیداد میں دریافت ہوتا ہے۔ اس کا جائز مالک اس جائیداد کا قانونی مالک ہے لیکن امام ابو حنیفہ اور امام محمد بن الحسن کی یہ رائے ہے کہ اگر ایک دفینہ کسی ذاتی ملکیت کی زمین سے برآمد ہوتا ہے۔ تو لازمی نہیں کہ وہ دفینہ اس زمین کے قانونی مالک کی ملکیت ہے جسے اسلامی فتح کے بعد یہ زمین دی گئی تھی۔ اور اس کے بعد اس شخص کے وارثوں کی جائیداد بن جاتا ہے۔ اگر یہ شخص یا اس کے وارث معلوم ہوں تو دفینہ انہیں دیا جائے گا۔ ورنہ اصل قانونی مالک کو جس کو یہ زمین مسلم حکومت نے دی تھی اور اگر اس کے وارث معلوم نہ ہوں تو امام محمد بن الحسن اور حنفی فقہ کے دوسرے فقہائے کرام کی رائے میں یہ دفینہ پھر اس شخص کی جائز

Marfat.com

ملکیت متصور ہوگا۔ جو اس زمین کا قدیم ترین معلوم قانونی مالک ہو۔ وہ اپنی رائے کے لئے یہ دلیل دیتے ہیں کہ زمین کا اصل قانونی مالک اور اس کے ورثار زمین کی سطح اور زیر زمین کے مالک ہوتے ہیں۔ لیکن اس زمین کے حقوق ملکیت دوسرے شخص کو منتقل ہونے کے وقت صرف سطح زمین کے حقوق ہی منتقل ہوتے ہیں۔ زیر زمین کے حقوق اور اس میں موجود تمام چیزیں اصل قانونی مالک اور اس کے ورثار کی ناقابلِ انتقال جائیداد ہیں۔ اس سے یہ مطلب اخذ ہوتا ہے کہ زیر زمین پر اصل قانونی مالک ابدالابد اپنا قانونی حق قائم رکھتا ہے خواہ اس نے اس زمین کو صدیوں پہلے بذریعۂ فروخت دوسرے شخص کو قانوناً منتقل کر دیا ہو۔

اس میں شک نہیں کہ اگر کسی قانونی مالک نے اپنی زمین مراعات یا کرائے پر دی ہو تو وہاں یہ دلیل درست اور قابلِ قبول ہے۔ لیکن اگر قانونی مالک نے اپنی زمین کو بیچ ڈالا ہو تو پھر صورتِ حال بالکل بدل جاتی ہے۔ اور اگر اس دلیل کو مان لیا جائے۔ تو اس سے نامعقول حالات پیدا ہو جائیں گے۔ اور مقدمہ بازی بھی ہوگی۔ اس لحاظ سے امام ابو یوسف کی رائے ہی صحیح و درست ہے کہ جو دفینے ذاتی جائیداد کی زمینوں سے برآمد ہوں عام حالات میں ان کا قانونی مالک وہی شخص ہوگا۔ جو دفینوں کی دریافت کے وقت متعلقہ زمین کا قانونی مالک تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ نامعلوم دولت جو ذاتی جائیداد کی حدود میں چھپی ہوئی تھی۔ اس کی ملکیت امکانی ہے۔ حقیقی نہیں ہے یہ امکانی حق اس وقت تک باقی و قائم رہتا ہے۔ جب تک کہ یہ جائیداد ایک قانونی مالک، یا اس کے ورثار کے قبضے میں رہے اور جونہی وہ اسے فروخت کر دے یا کسی اور جائز طریقے سے قانوناً منتقل کر دے۔ اگر بیع نامے میں اس حق کی حفاظت نہیں کی گئی ہو۔ تو یہ حق بھی ختم ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر ایک قانونی مالک نے اپنی کچھ دولت کو کسی وجہ سے دفن کیا اور اس کو واپس نہ لے سکا کہ اس زمین یا جگہ

کو منتقل کرنا پڑا اور اس کے منتقل ہونے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی اس شخص نے یا اس کے ورثاء نے آکر، موجودہ صاحب جائیداد کے اتفاق سے دفینے کی تلاش کی تو صرف اسی وقت اس اس دفینے میں ان کے دعویٰ کا جائز اعتراف کیا جاسکتا ہے۔ اور اس صورت میں بھی اس دولت کو دفن کرنے والے یا اس کے ورثاء اور زمین یا جگہ کے موجودہ قانونی مالک کے درمیان انصاف سے تقسیم کیا جائے گا۔

اگر ایک دفینہ کسی جگہ دریافت کیا گیا ہو جو چھپانے کے وقت، کسی کی ذاتی جائداد نہ تھی۔ اگرچہ یہ معلوم ہے کہ اس دفینے کا اصل قانونی مالک کون تھا پھر بھی اس قانونی مالک کے ورثاء کے دفینے کی ملکیت کا حق ختم سمجھا جائے گا۔ سوائے اس کے کہ ورثاء خود دفینے کے دریافت کندے ہوں۔ یا ان کی نشاندہی اور یا مدد سے یہ دفینہ دستیاب ہو۔

یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ جب ایک دفینے کو اس کے دفن کرنے والے اصل قانونی مالک نے یا اس کے ورثاء نے پھر حاصل کر لیا ہو۔ اور ان کا دعویٰ بلاشک وشبہ ثابت ہو جائے۔ تو یہ قانون کے اصطلاحی معنوں میں "دفینہ" نہیں کہلایا جاسکتا۔ اور اس لئے اس پر بیس فی صد زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔

اس صورت میں اصل قانونی مالک سے متعلق، اس کیلئے زمین سے پائی ہوئی دولت کی (جو کہ خود اس کے ہاتھوں سے دفن کی گئی تھی) خاصیت یہ ہے کہ قانونی مالک اس دولت تک آزاد رسائی اور اس کے آزاد مصرف سے عارضی طور پر معذور ہو گیا تھا۔ ورنہ یہ دولت اس ہی کی تھی۔ اس لئے اسے چاہیئے کہ پچھلے پورے عرصے کے سالانہ ڈھائی فیصد کی شرح سے غیر ادا شدہ واجبات ادا کرے کہ جتنی مدت یہ دولت زیر زمین رہی۔ لیکن اس کے ورثاء کے لئے یہ دولت وراثت میں حاصل کی ہوئی دولت کی طرح ہے اور جس وقت اس پر قبضے کا سال مکمل ہوگا۔ اس وقت عام ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

اسلامی قانون کی رو سے اگر ایک مسلم مملکت کا غیر مسلم شہری ایک دفینے کو اس مملکت میں دریافت کرے تو اسے بھی دفینے کی مالیت کا بیس فی صد حصہ ریاست کو بطور سرکاری ٹیکس ادا کرنا ہو گا۔ لیکن واضح طور پر ذہن نشین رہے کہ یہ سرکاری ٹیکس زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور وہ خزانہ زکوٰۃ نہیں بلکہ خزانۂ ریاست میں جمع کیا جائے گا۔

دفینوں کی زکوٰۃ کے قوانین

مذکورہ بالا تصریحات کے پیش نظر دفینوں کی زکوٰۃ کے لئے مندرجہ ذیل قوانین کی پابندی کی جائے گی۔

۱۔ قانون زکوٰۃ میں "دفینہ" کا نام صرف اس دریافت شدہ دولت کو دیا جاتا ہے جو اپنی خاصیت سے قابل زکوٰۃ ہے خواہ اس کی مقدار کتنی ہی کیوں نہ ہو اور جس کا قانونی مالک نامعلوم ہو یا اس کی ملکیت کا حق اس دفینے پر ختم ہو چکا ہو۔ پھر دریافت ہونے کے وقت وہ زمین میں دفن ہو۔ یا کسی عوامی عمارت یا نجی رہنے کی جگہ میں دیواروں یا فرش وغیرہ میں یا کسی فرنیچر میں چھپی ہوئی صورت میں ملے یا جو سمندر[1] یا جھیل، یا دریا یا شکستہ جہاز سے حاصل کی جائے۔

---

[1] امام ابو حنیفہ، امام محمد بن الحسن اور امام مالک کی رائے ہے کہ عنبر کی طرح سمندر سے نکلے یا نکالے ہوئے، ضائع ہونے کے بعد دریافت شدہ، چاندی، سونے اور موتیوں پر ابتدائی زکوٰۃ قطعی عائد نہیں ہوتی بلکہ جو شخص انہیں پالے وہ پوری طرح اس کی ملکیت ہو جائیں گے۔
اس کے برعکس امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ سمندر سے حاصل شدہ ہر قسم کی دولت پر جس میں چاندی سونا، موتی، عنبر اور (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

۲۔ مذکورہ بالا قانون نمبر ا کے مطابق، زکوٰۃ کا نفاذ صرف ان دفینوں پر ہوتا ہے جو مندرجہ ذیل اشیاء پر مشتمل ہیں: چاندی اور سونا، خواہ کسی شکل میں کیوں نہ ہوں (ڈلے، اینٹ، سکے، زیورات، برتن، وغیرہ) موتی، قیمتی پتھر اور ایسے کرنسی نوٹ اور چاندی اور سونے کے علاوہ، دوسری دھاتوں کی اعلیٰ مالیت کے سکے جو دریافت ہونے کے وقت بھی زر قانونی کی حیثیت رکھتے ہوں۔

۳۔ ان تمام دفینوں پر بیس فیصد زکوٰۃ (یعنی خمس) عائد ہوگی۔ جن پر کسی مسلم یا غیر مسلم کا حقِ ملکیت ثابت نہ ہو، یا جن پر حقِ ملکیت ختم ہو چکا ہو، اور جن کو مسلم مملکت میں یا نئے فتح شدہ علاقے میں، مسلمان نے دریافت کیا ہے چاہے ان پر کوئی نشان موجود ہو یا نہ ہو۔ ایسے دفینوں میں نصاب کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ اگر کسی قانونی مالک کی قابلِ زکوٰۃ دولت (ارادی طور پر نہیں بلکہ نادانستہ طور پر) ضائع ہو گئی ہو، اور پھر دریافت ہو جائے، تو اس کا شمار قابلِ زکوٰۃ دفینے میں نہیں ہوگا۔ اور اس لئے اس پر بیس فی صد ابتدائی زکوٰۃ نافذ نہیں ہوگی۔ ایسی دولت اصل قانونی مالک کو لوٹا دینی چاہیئے۔

(بقیہ پچھلے صفحہ سے آگے) مرجان شامل ہیں۔ ابتدائی بیس فی صد زکوٰۃ عائد ہوگی۔

امام شافعی دوسرے فقہائے کرام کی اس رائے سے متفق ہیں کہ زمین سے جنگلوں اور ویرانوں یا پہاڑوں سے حاصل شدہ دفینوں پر ابتدائی بیس فی صد زکوٰۃ نافذ ہوگی۔ لیکن وہ سمندر سے حاصل شدہ دولت اور گم شدہ دولت جو پھر پائی گئی ہو۔ ان سے متعلق صرف چاندی اور سونے پر ڈھائی فی صد ابتدائی زکوٰۃ نافذ کرنے کے حق میں ہیں۔

اگر اس دولت کا اصل قانونی مالک وفات پا گیا ہو، تو یہ دریافت ہونے کے وقت وراثت تصور کی جائے گی۔ اور ورثاء کو لوٹا دی جائے گی بشرطیکہ اس کے ورثاء کا اس گم شدہ دولت کے لئے دعویٰ برقرار ہو اور اس کو برآمد کرنے کے لئے انہوں نے ہر ممکن کوشش بھی کی ہو۔ ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ ان ورثاء نے اپنے حقوق ملکیت اس دولت پر ختم کر دیئے ہیں۔ اب اگر کوئی تیسرا شخص اس دولت کو دریافت کرتا ہے تو اسے ایک دفینہ سمجھا جائے گا۔

۵۔ اسی طرح اگر ایک قانونی مالک نے اپنی قابل زکوٰۃ دولت چوری سے محفوظ کرنے کے لئے دیدہ و دانستہ چھپائی ہو خواہ اپنی ذاتی جائیداد کی حدود کے اندر یا باہر اور پھر اس نے خود ہی یا دوسرے کی مدد سے کچھ عرصہ بعد اسے نکال لیا، تو یہ بھی دفینہ نہیں ہے اور اس پر بیس فی صد زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔ البتہ دولت کے مخفی رہنے کے سارے عرصہ کی غیر ادا شدہ عام زکوٰۃ ضرور نافذ ہوگی۔ اگر کسی جائز سبب کی وجہ سے اس کی ادائیگی اس پورے عرصہ میں وقت پر نہیں ہوئی تو اگر قانونی مالک نے دوسروں کی مدد سے مخفی دولت برآمد کی ہو تو اس مدد و تعاون کا معاوضہ اس دولت میں سے زکوٰۃ کے گزشتہ عرصہ کے تمام غیر ادا شدہ واجبات شمار کر کے ادا کرنے کے بعد دیا جائے گا۔

اگر مذکورہ دولت اصل مخفی کرنے والے قانونی مالک کی وفات کے بعد اس کے ورثاء کو مل جائے تو اگرچہ اس پر زکوٰۃ کے گزشتہ عرصہ کے غیر ادا شدہ واجبات کی خاصیت "بعد از وفات واجبات الادا زکوٰۃ" کی ہوگی[1] تاہم بوجہ غیر معمولی حالات کے، اس گزشتہ عرصہ کی واجب الادا

---

[1] ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزو اول کا باب ۱ "بعد از وفات زکوٰۃ کی ادائیگی"

زکوٰۃ نافذ کی جائے گی ۔

۶۔ جب ایک ذاتی جائیداد کی حدود میں ایسا دفینہ دریافت کیا جائے جس پر حق ملکیت ثابت نہ ہو یا ختم ہو چکا ہو۔ تو جس قانونی مالک کی جائیداد (گھر یا زمین وغیرہ) سے یہ دفینہ ملا ہے اس ہی شخص کی ملکیت شمار ہوگا۔ اگر مذکورہ جائیداد کے قانونی مالک ایک سے زیادہ لوگ ہوں (مشترکہ جائیداد کی ملکیت) تو یہ دفینہ سب مالکوں میں برابر تقسیم کیا جائے گا ۔ خواہ ان میں سے ایک شخص نے ہی اس کو دریافت کیا ہو ۔ اور بیس فیصد ابتدائی زکوٰۃ کی ادائیگی کی ذمہ داری میں بھی سب برابر کے شریک ہوں گے ۔ جو دفینے کی تقسیم سے پہلے ادا کی جائے گی ۔

۷۔ ایسے دفینے جن کے قانونی مالک نامعلوم ہوں ۔ یا ان کی ملکیت کا حق ان پر ختم ہو چکا ہو اور جو مشترکہ عوامی جائیداد کی زمین میں دریافت ہوں ۔ تو وہ مشترکہ عوامی جائیداد کے "قانونی" مالکوں کی مشترکہ ملکیت ہیں اور وہ سب ایسے دفینوں کی بیس فیصد ابتدائی زکوٰۃ کی ادائیگی کے ذمے دار ہیں ۔

۸۔ اگر دفینے کا دریافت کنندہ اس جائیداد (گھر زمین وغیرہ) کا قانونی مالک نہیں ہے جہاں دفینہ دستیاب ہوا ہے ۔ تو اس دریافت کنندے کو دفینے پر ابتدائی بیس فیصد زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد جائیداد کے قانونی مالک سے اس کے دریافت شدہ دفینے میں سے معقول حصہ لینے کا حق ہے ۔

۹۔ ایسے دفینے جن کا قانونی مالک نامعلوم ہے ۔ یا جن کے قانونی مالک کی ملکیت کا حق اس پر ختم ہو چکا ہے اور جو ویرانے میں دریافت کئے گئے ہوں یا سمندر ، جھیل دریا یا قدیم شکستہ جہاز سے برآمد ہوں ۔ یعنی ایسی جگہ سے جس کی ملکیت کسی کے حق میں ثابت نہ ہو تو یہ دریافت کنندہ کی قانونی

Marfat.com

ملکیت ہیں۔ اوران پر بیس فی صد ابتدائی زکوٰۃ کی ادائیگی اس کی ہی ذمہ داری ہوگی۔

اگر دفینے کو دو یا زیادہ لوگوں نے مشترکہ کوشش سے حاصل کیا ہے تو وہ سب اس میں برابر کے حصہ دار ہوں گے۔ اور اسی طرح بیس فیصد ابتدائی زکوٰۃ کی ادائیگی کی ذمہ داری بھی سب پر عائد ہوگی۔ جو تقسیم حصص سے پہلے ادا کی جانی چاہیئے۔

۱۰۔ جو دفینے ریاست کی مملوکہ جائیداد (زمینوں، عمارتوں وغیرہ) کی حدود میں پائے جائیں۔ اور جن کے قانونی مالک یا تو نامعلوم ہوں یا ان کی ملکیت کا حق ان پر ختم ہو چکا ہو۔ تو ایسے دفینے ریاست کی ملکیت شمار ہوں گے۔ اوران پر بیس فی صد زکوٰۃ کی ادائیگی کا فرض بھی ریاست کی ذمہ داری ہوگی۔ جو وہ خزانہ زکوٰۃ میں ادا کرے گی۔

اس صورت میں دفینے کے دریافت کنندوں کو ریاست سے معاوضہ لینے کا حق ہے اگر ریاست انہیں معاوضہ دفینے ہی میں سے دے تو بیس فی صد ابتدائی زکوٰۃ پہلے نکال کر باقی ماندہ دفینے میں سے معاوضہ دیا جائے گا۔

۱۱۔ جب ایک غیر مسلم ملک میں جو ملت اسلامیہ کے ساتھ حالت امن میں ہو ایک مسلمان دفینہ دریافت کرے تو متعلقہ معاملہ اس غیر مسلم ملک کے قوانین کے مطابق طے ہوگا پھر اگر غیر مسلم ملک کے قوانین دریافت کنندہ مسلمان کو دفینے میں سے حصہ دینے کے حق کا اعتراف کرتے ہیں تو اس کو اپنے دفینے کے پائے ہوئے حصے سے بیس فیصد ابتدائی زکوٰۃ صرف اس وقت نکالنا ضروری ہوگا جب اس غیر مسلم ملک میں مسلمانوں کی آبادی ہو۔

۱۲۔ دفینہ دریافت ہوتے ہی اس میں سے بیس فی صد ابتدائی زکوٰۃ ادا کر

Marfat.com

دینی چاہیئے۔ یہ بیس فیصد زکوٰۃ اسی دفینے میں سے (یعنی اس کا پانچواں حصہ) ہونی چاہیئے۔

چاندی اور سونے کے وزن پر بیس فی صد ابتدائی زکوٰۃ شمار کی جائے گی خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو اور موتیوں اور قیمتی پتھروں کی ابتدائی زکوٰۃ ان کی قیمت پر عائد ہوگی۔ چاندی اور سونے کے علاوہ دوسری دھاتوں کی اینٹ وغیرہ اور اعلیٰ قیمت کے سکوں اور کرنسی نوٹوں پر بھی ان کی رائج الوقت قیمت کے حساب سے بیس فیصد ابتدائی زکوٰۃ نافذ ہوگی۔ بشرطیکہ سکوں اور کرنسی نوٹوں کو اب بھی زر قانونی کی حیثیت حاصل ہو۔

۱۳۔ مذکورہ بالا بیان کے مطابق، بیس فی صد زکوٰۃ تو ایک ابتدائی زکوٰۃ ہے جو حسن اتفاق سے حاصل شدہ دولت پر نافذ ہوتی ہے۔ اس لئے دفینے کے باقی ⅘ حصہ پر جو قانونی مالک کے پاس بچ رہتا ہے عام سالانہ زکوٰۃ حسب معمول نافذ ہوگی: یعنی اگر دفینے کی نصاب کے برابر یا زیادہ مقدار یا مالیت سال بھر قانونی مالک کے قبضے میں رہے۔ تو اسے ڈھائی فیصد زکوٰۃ دینا ہوگی۔ جو اس کے ذمہ فرض ہوگی سال ملکیت کا شمار دفینہ دریافت کرنے کے دن سے شروع ہوگا۔

۱۴۔ اگر ایک مسلم ایسے مسلم ملک میں جس کے ساتھ اسلامی قوم حالتِ امن میں ہے۔ دفینہ دریافت کر لیتا ہے اور مذکورہ غیر مسلم ملک کا قانون اس کی حدود میں دریافت شدہ دفینہ اسی ملک کے باشندوں کی ملکیت سمجھتا ہے۔ تو اس مسلم کا یہ فرض ہے کہ پورا دفینہ اس کے قانونی مالک کے حوالے کر دے۔ اگر وہ، دیدہ و دانستہ یہ دفینہ اپنے قبضے میں رکھ لے جس کا وہ قانوناً حقدار نہیں۔ تو وہ چوری کا مجرم ہوگا اور مقامی (غیر مسلم) قانون کے موافق سزا کے لائق ہوگا۔

۱۵۔ مذکورہ بالا قوانین نمبر ا تا ۱۱ کی شرائط سے متعلق حالات میں اگر ایک

Marfat.com

مسلم ملک کی حدود میں اس کا ایک غیر مسلم شہری ایک دفینہ دریافت کرتا ہے۔ جس کا اصل قانونی مالک نامعلوم ہے، یا جس پر حق ملکیت ختم ہو چکا ہے تو اس دریافت شدہ دفینے پر مساوات کے مدنظر بیس فی صد سرکاری ٹیکس عائد ہوگا۔ جو ریاست وصول کرے گی ایسا ٹیکس زکوٰۃ سے بالکل جدا ہے۔ اس لئے مالیات زکوٰۃ میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔

۱۶۔ اگر ایک مسلم مملکت کی حدود میں ایک غیر مسلم اجنبی ایک دفینہ دریافت کرتا ہے۔ جس کا اصل قانونی مالک نامعلوم ہے" یا جس پر حق ملکیت ختم ہو چکا ہے تو اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا۔ جو اس کے ملک میں اس ملک کے قانون کے مطابق ایسی ہی صورت حال میں غیر ملکوں میں خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ خواہ مسلم ریاست مسلم مملکت میں غیر مسلم اجنبی کے دریافت شدہ دفینے پر ٹیکس لگائے یا بحق سرکار ضبط کرلے۔

۱۷۔ جب تک قطعی ثبوت نہ ہو کہ دریافت شدہ دفینے کے قانونی مالک نے زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنے میں بد دیانتی کی ہے اس وقت تک اس کی ایمانداری پر پورا بھروسہ اور اعتماد کیا جائے گا۔ جس کی یہ اپنی ذاتی ذمہ داری ہے کہ وہ متعلقہ دفینے کی مالیت کا صحیح اندازہ لگائے اور اس پر زکوٰۃ کے واجبات شمار کرکے ادا کرے۔

۱۸۔ اگر ایک دریافت شدہ دفینے کا قانونی مالک اس کو پوری طرح یا اس کے ایک حصے کو، خرچ کر دینا چاہتا ہے یا کسی اور طرح دے دینا چاہتا ہے۔ تو وہ یہ عمل صرف اس دفینے پر ابتدائی بیس فی صد زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد کر سکتا ہے۔

Marfat.com

۱۹۔ اگر ایک دریافت شدہ دفینہ، اس کے قانونی مالک کے ہاتھ میں آنے کے فوراً بعد اور اس پر ابتدائی بیس فیصد زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلے، کلیتاً یا جزواً، چوری ہو گیا یا اتفاقاً ضائع ہو گیا، تو قانونی مالک چوری ہونے والے یا ضائع ہونے والے دفینے یا دفینے کے حصے پر زکوٰۃ دینے کا اس وقت تک ذمہ دار نہیں ہے جب تک کہ یہ دولت اسے واپس نہ مل جائے۔ اگر یہ چوری شدہ دولت واپس مل جائے۔ تو اس کا خمس، یعنی بیس فی صد حصہ، بطور ابتدائی زکوٰۃ فوراً ادا کرنا ہوگا۔

۲۰۔ مذکورہ بالا قانون نمبر ۱۹ کے برعکس، اگر ایک شخص کے ہاتھ دفینہ لگا۔ اور اس کے پاس کافی وقت تھا کہ قانونی مالک کی حیثیت سے اس دفینے کی دولت کا حساب کر کے زکوٰۃ کے واجبات ادا کرے لیکن غفلت سے اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی اور اس عرصے میں دفینے کی پوری یا جزوی دولت ضائع یا چوری ہو گئی تو اس حالت میں قانونی مالک دفینے کی تمام واجب الادا زکوٰۃ، یعنی اس کے خمس یا پانچویں حصے کے برابر زکوٰۃ کی ادائیگی کا ذمہ دار رہتا ہے۔ اگرچہ اب اس کے پاس دفینے کی پوری دولت موجود نہیں ہے۔

۲۱۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کسی دفینے کے دریافت کنندے نے بدنیتی سے بیس فی صد ابتدائی زکوٰۃ سے بچنے کی خاطر، اس دولت کو کسی طرح خرچ کر دیا یا مخفی کر دیا ہے یا اس کا نقصان ہونے دیا ہے، تو یہ مجرم نہ صرف قابل سزا ہوگا۔ بلکہ اس سے واجب الادا زکوٰۃ بھی زبردستی وصول کی جائے گی۔

مالِ غنیمت کی زکوٰۃ

قرآن پاک کی حسب ذیل آیت جس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ (خمس) حاجتمند مسلمانوں کی امداد و اعانت کے لئے وقف کیا جائے، مؤثر طور پر زکوٰۃ پر دلالت کرتی ہے۔

واعلموا انما غنمتم من شیءٍ فان للہ خمسہ وللرسول
ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل ان کنتم
اٰمنتم باللہ وما انزلنا علیٰ عبدنا یوم الفرقان یوم
التقی الجمعٰن ؕ واللہ علیٰ کل شیءٍ قدیرٌ ۝

"تو تم کو معلوم ہو کہ جو کچھ تم کو (بطورِ مالِ غنیمت) حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسولؐ اور (حاجتمند) قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں (ناداروں) اور (حاجتمند) مسافروں کے لئے ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور ان احکام پر کہ ہم نے اپنے بندے پر اتارے فیصلے کے دن، اس دن کہ دونوں لشکروں میں آمنا سامنا ہو گیا تھا۔۔۔ اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

(سورۃ الانفال، آیت نمبر ۴۱)

لہٰذا مالِ غنیمت کا قابلِ زکوٰۃ دولت میں شمار نہ صرف قدرتی امر ہے بلکہ لازمی ہے اس خاص شرط کے پیشِ نظر مالِ غنیمت کے خمس یعنی بیس فی صد زکوٰۃ

کے اولین مستحقین وہ لوگ ہیں جنہیں متعلقہ جنگ سے نقصان پہنچا ہے جو دشمن کے حملے کے بلاواسطہ شکار ہوئے اور جنہوں نے اسلام کی کامیابی کے لئے دنیاوی مقبوضات کی قربانی دی۔

قانون زکوٰۃ کی رو سے " مال غنیمت " سے مراد وہ دولت ہے جو جہاد کرتے ہوئے یعنی دشمنانِ اسلام کے خلاف ایک جائز لڑائی لڑتے ہوئے اتفاقیہ طور پر حاصل ہو۔ مال غنیمت کا یہ اتفاقی طور پر حاصل ہونا ہی اسے فاضل دولت کی خاصیت عطا کرتا ہے اور اسی وجہ سے قابل زکوٰۃ ہے تاکہ اس میں وہ حاجتمند مسلمان بھی لازمی طور پر شریک ہو جائیں جن کا جہاد کے وقت اصل لڑائی میں شامل نہ ہونے کے سبب مال غنیمت پر کوئی بلاواسطہ دعویٰ نہیں ہے۔

قانون اسلام کی روشنی میں صرف دشمن فوج کی منقولہ جائیداد پر ہی ذیل میں دیئے ہوئے قانون ہذا کے مطابق جنگ میں بطور مال غنیمت قبضہ کیا جا سکتا ہے اور یہ جائیداد ہی مسلم فوج میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔ یہاں اس اہمیت کو نمایاں کرنے کی ضرورت ہے کہ قرآن پاک انسانوں کو منقولہ جائیداد میں شمار کرنے کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

غیر منقولہ جائیداد (زمینیں اور مکانات) اور موجودہ دور میں مندرجہ ذیل مذکور منقولہ اشیاء بھی ایسے مال غنیمت میں شمار نہیں کی جا سکتیں جو فوج کے سپاہیوں میں تقسیم ہو سکیں۔ اس لئے کہ وہ اپنی خاصیت سے، ریاست کی یعنی پوری قوم کی جائز ملکیت ہیں۔ مثلاً بھاری جنگی سامان مشینری، بھاری سواری اور بار برداری کے جہاز، ٹرک، ریل کے ڈبے اور انجن، ہوائی جہاز، بحری جہاز اور دوسرا بحری اور ہوائی ساز و سامان جن کا استعمال جنگ میں ضروری ہو فوجی سائنسی آلات وغیرہ، ان سب منقولہ اشیاء کی تنظیم استعمال اور نکاسی کی ذمہ داری صرف ریاست پر ہونی چاہیئے۔ اور یہ اشیاء فوج کے افراد میں تقسیم نہیں ہونی چاہئیں۔

قرآن پاک اجازت نہیں دیتا کہ مسلمان غیر مسلموں سے جن سے مسلم قوم حالت

امن میں ہے۔ جبرًا وقہرًا دولت چھین لے اور نہ ہی دشمن کی لڑائی میں شریک نہ ہونے والے غیر فوجی شہریوں سے (خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم) قرآن پاک کے نظریے سے ایسی دولت بجائے مال غنیمت کے چوری کا مال ہوتی ہے اگر یہ اس مجرم کے قبضے میں رہے تو اس سے زکوٰۃ قبول نہیں کی جائے گی۔ اور اس مجرم کو قانونًا مقررہ تعزیری سزا دی جائے گی۔

مال غنیمت پر زکوٰۃ کی شرح

جو کچھ جائز جنگ میں مال غنیمت حاصل ہو اس کی پوری مالیت پر خمس یعنی پانچواں حصہ بطور زکوٰۃ، بغیر کسی مقررہ نصاب کے نافذ کیا جائے گا۔

مالِ غنیمت پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے قوانین:

۱۔ مسلمان افواج جن چیزوں کو بطور مالِ غنیمت دشمن اور اس کے حلیفوں سے جائز طریقے سے حاصل کر سکتے ہیں اور جو ان کی ملکیت میں دی جا سکتی ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل منقولہ اشیاء ہیں۔ ہلکے ہتھیار اور اسلحہ بارود اور ہلکی گاڑیاں جو جہاد کے لئے اہم نہ ہوں۔ فاضل خوراک، فاضل کپڑے اور دوسرے عام استعمال کی چیزیں، ایسے پالتو مویشی جو مفتوحہ علاقوں کی شہری آبادی کی غذا یا باربرداری کے لئے یا شکست خوردہ دشمن کے قبضے میں چھوڑی ہوئی زمینوں کی کاشت کے لئے ضروری نہ ہوں۔

باستثناء ترک کی ہوئی جائیداد، دشمن کی لڑائی میں شریک نہ ہونے والی غیر فوجی آبادی کا مال و متاع مالِ غنیمت میں شامل نہیں ہے، اسلامی قانون کی رو سے، مسلم افواج کے نزدیک ایسے غیر فوجی اشخاص اور ان کی ذاتی جائیداد قابلِ عزت و تحفظ ہیں۔

۲۔ اسلامی قانون کے مطابق مالِ غنیمت صرف اسی شخص یا ان ہی اشخاص

کا حق نہیں ہے جو اس دولت پر قابض ہوں بلکہ یہ ان تمام مجاہدین میں تقسیم کیا جائے گا۔ جو دشمن کے خلاف اس معرکہ میں شریک ہوئے اور جو غیر مسلم حریف کے خلاف متحدہ کوشش اور جدوجہد میں کامیاب ہوئے۔

چنانچہ فوج کے تمام مجاہدین میں بطورِ غنیمت حاصل شدہ دولت کو منصفانہ طریقے سے تقسیم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر مجاہد جو چیز بھی حاصل کرے، وہ کلیتاً ذمہ دار فوجی افسران کے حوالے کردے۔ اب ان افسران کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ تمام جمع شدہ مال غنیمت کا خمس، یعنی پانچواں حصّہ بطور زکوٰۃ نکالنے کے بعد باقی مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کردیں۔

۳۔ اگر ایک مجاہد ایک ایسی دولت حاصل کرے جو جائز طور پر مال غنیمت شمار ہوتی ہے اور اسے ذمہ دار افسران تک نہ پہنچائے تو وہ اسلامی فوجی قانون اور قانون زکوٰۃ دونوں کی نظروں میں گناہ گار اور قابل سزا ہوگا۔

۴۔ مال غنیمت کی دولت کے واجبات زکوٰۃ کی ادائیگی متعلقہ فوجی افسران کی ذمہ داری ہے اور اس میں سے کسی بھی قسم کا حصہ نکالنے سے پہلے ان واجبات کی ادائیگی لازم ہے۔

قرآن پاک کی سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۴۱ میں مال غنیمت کے خمس (یا پانچواں حصہ یا بیس فی صد زکوٰۃ) کی تقسیم کے اصول بیان کرتے ہوئے دی گئی فہرست میں مذکورہ پہلے فائدہ اٹھانے والوں کے پیش نظر (یعنی: ”مال غنیمت میں پانچواں حصہ اللہ اور رسولؐ کے لئے ہے۔۔۔“)

مال غنیمت کی زکوٰۃ کا پورا مال جہاد کی ضروریات کے لئے وقف کیا جا سکتا ہے۔ جب کبھی ایسے ہنگامی حالات پیدا ہوں جن میں یہ قومی دفاع کے لئے ضروری ہو جائے۔

۵۔ مال غنیمت قبضے میں آنے کے بعد جس حد تک جلد ممکن ہو اس میں سے خمس (پانچواں حصہ یا بیس فی صد زکوٰۃ) الگ کر کے اس کو مستحقین میں تقسیم کرنا چاہیئے۔ لیکن جنگ کے زمانے میں بارہا غیر متوقع حالات نظر میں رکھتے ہوئے۔ زکوٰۃ کے واجبات کی ادائیگی کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام کی تاریخ سے ہمیں یہ مثال ملتی ہے کہ جنگ احد ۳ھ میں مال غنیمت حاصل ہونے کے ایک ماہ بعد تقسیم ہوا تھا۔

۶۔ جب مال غنیمت سے حاصل شدہ دولت جو اپنی خاصیت سے قابل زکوٰۃ ہے خواہ وہ چاندی، سونا، کرنسی نوٹ، قیمتی پتھر، قابل زکوٰۃ پالتو مویشی یا ایسی اشیاء ہوں۔ جن کی پھر تجارت کی جاتی ہے۔ کسی مسلم فرد کی ذاتی ملکیت ہو جائے تو اس پر زکوٰۃ کے ان تمام قوانین کا اطلاق ہوگا۔ جو عام حالات میں دولت کی اسی قسم اور نوع پر نافذ ہوتے ہیں۔

۷۔ جب کبھی جنگی نشیب و فراز کی وجہ سے بطور مال غنیمت حاصل شدہ تمام دولت یا ان کا ایک حصہ ضائع یا تباہ ہو جائے اور ذمہ دار افسران کو زکوٰۃ کے واجبات ان میں سے نکالنے کا موقع نہ ملے۔ تو مذکورہ افسران پر اس دولت، یا حصۂ دولت کی زکوٰۃ (خمس) کی عدم ادائیگی کی ذمہ داری اور ادائیگی کا فرض، باقی نہیں رہتا۔

۸۔ دوسری طرف، اگر ذمہ دار افسران نے بغیر کسی معقول وجہ مالِ غنیمت کا خمس (پانچواں حصہ یا بیس فی صد زکوٰۃ) نکالنے میں دیر کر دی۔ یا پھر تمام مالِ غنیمت یا اس کے ایک حصے کو اپنے فائدے کے لئے ناجائز طور پر قبضے میں کر لیا (تو یہ عمل چوری کے مترادف ہے) یا پھر تمام مال غنیمت، یا اس کے ایک حصے کو کسی طرح خرچ کر دیا۔

Marfat.com

سوائے ہنگامی حالات میں جنگی مقاصد کے لئے۔ تو ان تمام صورتوں میں وہ سزا کے مستحق ہیں۔ اور ان سے نہ صرف مال غنیمت کی وہ تمام دولت وصول کی جائے گی۔ جس پر انہوں نے غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ بلکہ وہ واجبات زکوٰۃ کی پوری ادائیگی کے بھی ذمہ دار ہوں گے۔

Marfat.com

قابلِ زکوٰۃ دولت کا تبادلہ

قانونِ زکوٰۃ متقاضی ہے کہ جب ایک قابل زکوٰۃ دولت کے بدلے میں دوسری قابلِ زکوٰۃ دولت لی جائے یا بالفظِ دیگر اس کی ادائیگی میں دے دی جائے۔ تو تبادلے میں لی ہوئی اور دی ہوئی انواع کی مقدار یا مالیت اور ان کی نوعیت کی بنا پر سال ملکیت کا شمار یا تو شروع کیا جائے گا۔ یا اس سودے سے پہلے والے شمار کو منقطع کر دیا جائے گا۔ یا دی ہوئی دولت پر سال ملکیت والے شمار کو نئی حاصل شدہ دولت پر جاری رکھا جائے گا۔

اس اصول کے دو فوائد ہیں :

۱۔ پہلے یہ کہ قابل زکوٰۃ دولت کے تبادلے میں باقاعدگی آجاتی ہے۔

۲۔ اور دوسرا یہ کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے سال ملکیت کے شمار کو بددیانتی سے توڑنے کی کوشش کرے تو اس کا سدباب کیا جا سکے۔ اس اصول کو مالکی اور شافعی فقہ نے تسلیم کیا ہے۔

فقہ حنفی کے مطابق ذاتی جائداد کی قابل زکوٰۃ دولت کے تبادلے میں دی جانے والی دولت پر سال ملکیت کا جو شمار جاری تھا۔ وہ منقطع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ تبادلے میں حاصل شدہ نئی دولت پر سال ملکیت کا شمار نئے سرے سے شروع کیا جائے گا۔ اور اس سودے کے ایک سال بعد اگر یہ دولت اس وقت تک اپنے قانونی مالک کے قبضے میں ہو۔ تو اس پر زکوٰۃ نافذ کی جائے گی۔

Marfat.com

قابلِ زکوٰۃ دولت کے تبادلے کے قوانین میں دو قسم کے سودوں، یعنی ذاتی جائیداد کی دولت اور تجارت میں لگائی ہوئی دولت دونوں کے تبادلے کے لئے گنجائش ہونا چاہیئے[1]

ذاتی جائیداد کی قابلِ زکوٰۃ دولت کے تبادلے کے قوانین

(یعنی ایسی دولت جس سے تجارت کا ارادہ نہ ہو)

۱۔ جب ایک قابلِ زکوٰۃ دولت کی مقدار یا مالیت جو اپنی نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہے اور جس پر نفاذِ زکوٰۃ کے لئے سال ملکیت لازمی شرط ہے، دوسری ایسی دولت کے تبادلے میں دی گئی ہو۔

(الف) جس پر اس کی قانونی نوع کے اعتبار سے سال ملکیت لازمی شرط نہیں ہے، مثلاً ۴۰ یا زیادہ عدد بھیڑوں کو دے کر زرعی پیداوار لے لی جائے، یا

(ب) جس کے لئے سال ملکیت کی شرط لازم ہے لیکن وہ اپنی قانونی نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب سے کم ہے۔ (مثلاً ۴۰ یا زیادہ عدد بھیڑوں کے بدلے میں ۴ عدد اونٹ لے لیئے جائیں۔ یا ۴۰۰۰ روپے دے کر ۵ عدد گائیں لے لی جائیں) تو دی جانے والی دولت سے متعلقہ سال ملکیت کا شمار موثر طور پر منقطع ہو جائے گا۔ بشرطیکہ یہ تبادلہ سال کی تکمیل سے پہلے کسی وقت واقع ہو۔ لیکن اگر سال ملکیت کا شمار مکمل ہونے اور زکوٰۃ واجب الادا ہونے کے وقت یا اس کے بعد اس دولت کا تبادلہ کیا

---

[1] ۔ تجارت میں لگائی ہوئی دولت کے تبادلے کے قوانین اس کتاب کے باب "اموالِ تجارت کی زکوٰۃ" میں دیئے گئے ہیں۔

Marfat.com

جائے۔ جب کہ واجب الادا زکوٰۃ ابھی تک نہ دی ہو۔ تو بدلے میں دی گئی دولت پر واجب الادا زکوٰۃ کی ادائیگی کا فرض ختم نہیں ہوگا۔ بلکہ ادائیگی لازمی طور پر کی جائے گی۔

۲۔ جب قابل زکوٰۃ دولت کی کچھ مقدار کو جو اپنی نوع کے اعتبار سے مقررشدہ نصاب سے کم ہے۔ خواہ یہ دولت سال ملکیت کی شرط سے مشروط ہو یا نہ ہو۔ کسی اور نوع کی قابل زکوٰۃ دولت سے تبدیل کر لیا جاتا ہے۔ جس کے لئے سال ملکیت لازمی شرط ہے۔ اور اس دولت کی مقدار بھی اپنی نوع کے لئے مقررشدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہے۔ (مثلاً ۴ عدد اونٹ یا ۴ اونٹ بوجھ کی زرعی پیداوار کے تبادلے میں ۴۰ یا زیادہ بھیڑیں یا چاندی، سونے، کرنسی نوٹ یا اشیائے تجارت وغیرہ کی شکل میں نصاب کے برابر یا زیادہ مالیت لے لے یا کم از نصاب عدد گائے بیل دے کر ۲۵۰۰ روپے وصول کر لیا ہو جس مالیت پر زکوٰۃ واجب الادا ہے[1]) تو جس تاریخ کو دولت کا یہ تبادلہ واقع ہو۔ اس ہی تاریخ سے نئی حاصل شدہ دولت پر سالِ ملکیت کا شمار شروع ہو جائے گا۔ پھر اگر یہ نئی حاصل شدہ دولت اپنے قانونی مالک کی ملکیت میں سال بھر رہے تو شمارِ سال کی تکمیل پر اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہو جائے گی۔ اسی طرح بعدازاں ہر سالِ ملکیت کی تکمیل پر زکوٰۃ کی ادائی ہوتی رہے گی۔

۳۔ جب ایک شخص اپنی زمین سے حاصل شدہ قابل زکوٰۃ پیداوار کی نصاب کے کم از کم برابر مقدار کو جسے تجارت کے لئے کاشت نہیں کیا ہے۔ ایک ایسی قابل زکوٰۃ دولت کے ساتھ بدلنا چاہتا ہے جس پر نفاذِ زکوٰۃ

---

[1] سنہ ۱۴۰۰ھ / سنہ ۱۹۸۰ء کے مقررشدہ نصاب کے اعتبار سے۔

Marfat.com

کے لئے سال ملکیت لازمی شرط ہے (مثلاً زرعی پیداوار کے بدلے میں چراگاہ میں چرنیوالے یا لتو مویشیوں کی نصاب کے برابر یا زیادہ تعداد حاصل کرلے یا ایسی زرعی پیداوار کے بدلے میں چاندی سونے ، کرنسی نوٹ یا اشیائے تجارت وغیرہ کی نصاب کے برابر یا زیادہ مالیت کے ملے) تو یہ تبادلہ صرف اس وقت روبہ عمل آسکتا ہے جب کہ زرعی پیداوار کے قانونی مالک نے اس کی (کٹائی کے بعد) آبیاری کی قسم کے مطابق دس فی صد یا پانچ فی صد زکوٰۃ ادا کردی ہو۔

اس قانون کا اطلاق حسب ذیل دو صورتوں پر بھی ہوتا ہے:

(الف) دفینوں کی دولت جسے صرف اس کی مالیت کی خمس ، یعنی بیس فی صد حصہ بطور زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد کسی دوسری دولت سے تبدیل کی جا سکتی ہے ، اور

(ب) چاندی اور سونے کی کانوں سے حاصل شدہ قیمتی دھات جو صرف اس وقت دوسری دولت سے بدلی جا سکتی ہے ، جب اس پر بیس فی صد یا اگر تجارتی استفادے کے لئے رکھی جائے تو ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کر دی جائے ، یا اس زکوٰۃ کی پوری مالیت نکال کر ادائیگی کے لئے الگ رکھ دی جائے۔[1]

ایسے تبادلے کے سودے کے فوراً بعد نئی حاصل شدہ قابل زکوٰۃ دولت پر سال ملکیت کا شمار شروع ہو جائے گا ۔ اور اس پہلے سال ملکیت مکمل ہونے کے بعد واجب الاداز زکوٰۃ دی جائے گی ۔ پھر ہر سال کی تکمیل پر زکوٰۃ کی ادائیگی ہوتی رہے گی ۔

۴ ۔ جب قابلِ زکوٰۃ دولت جس پر نفاذِ زکوٰۃ کے لئے سال ملکیت لازمی

---

[1] ۔ ملاحظہ فرمائیں ، اس کتاب کے جزو سوم کا باب "چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت کی زکوٰۃ"

شرط ہے، سال ملکیت کی تکمیل سے پہلے ایک دوسری قابل زکوٰۃ دولت سے تبدیل کی جائے۔ جس کے لئے بھی سال ملکیت کی شرط ضروری ہے اور یہ دو دولتیں اپنی اپنی نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہوں (مثلاً ۲۰۰۰۰ روپے کی رقم دے کر ۴۰ گائے بیل لے لئے جائیں) تو دی ہوئی دولت جو سال ملکیت کا شمار شروع کیا گیا تھا۔ اور تبادلے کے سودے کے وقت مکمل نہیں ہوا تھا۔ وہ منقطع نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ نئی لی ہوئی دولت پر بھی اس نئی دولت کی شرح، نوع، فرضیت زکوٰۃ کی حدود اور دیگر متعلقہ مقررہ قوانین کے مطابق واجب ہوگی (مثلاً جب ایک نصاب کے برابر یا زیادہ تعداد کی بھیڑوں یا گائے بیلوں کے بدلے میں نصاب کے برابر یا زیادہ تعداد کے اونٹ لئے جائیں۔ یا نصاب کے برابر یا زیادہ کی مالیت کی چاندی لی جائے۔ تو لئے ہوئے اونٹوں یا چاندی کی شرحوں پر فرضیت زکوٰۃ کی حدود اور دیگر متعلقہ قوانین کو ملحوظ رکھ کر زکوٰۃ ادا کی جائے گی)

ایسے سودے کے معاملے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک نصاب کے برابر یا زیادہ مالیت کا دوسری نصاب کے برابر یا زیادہ مالیت سے تبادلہ ہوا ہے۔ لہٰذا تبادلے میں لی ہوئی نصاب کے برابر یا زیادہ دولت دراصل پہلی نصاب کے برابر یا زیادہ دولت کی قائم مقام ہے جس پر سال ملکیت کا شمار شروع ہو چکا تھا۔ اور اس لئے لی ہوئی دولت کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا کہ وہ گویا اپنے نئے قانونی مالک کے پاس دی ہوئی دولت کے سال ملکیت کے شمار کے شروع سے ہی رہی ہوگی[1]

---

[1] ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزو چہارم کا باب "چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی زکوٰۃ"

چنانچہ اگر مندرجہ بالا نوع کا تبادلہ کرنے والے شخص کے پاس تبادلے میں لی ہوئی دولت کی نوع کی اور دولت پہلے موجود تھی جس پر سال ملکیت کا شمار دی ہوئی دولت کے سال ملکیت کے شمار کی ایک ہی تاریخ کو ختم ہوتا ہے۔ تو تبادلے میں لی ہوئی دولت کو بھی اس نوع کی موجودہ دولت میں جمع کر لیا جائے گا۔ تاکہ زکوٰۃ کے حساب کے لئے ایک مجموعہ بن جائے۔

لیکن اگر تبادلہ کرنے والے شخص کے پاس تبادلے میں لی ہوئی قابل زکوٰۃ دولت کی نوع سے پہلے سے اور دولت تھی جس کے سال ملکیت کا شمار دی ہوئی دولت کے سال ملکیت کے شمار سے مختلف تاریخ پر شروع اور ختم ہوجاتا ہے تو دونوں سال ملکیت کے شمار الگ الگ جاری رہیں گے۔ اور دی ہوئی دولت کے سال ملکیّت کے شمار کو برقرار رکھ کر اس کی جگہ نئی لی ہوئی دولت اسی سالِ ملکیّت کے جاری شمار کے تحت آجائے گی۔

۵۔ جب تبادلے کے دونوں طرف کی یعنی دی ہوئی اور لی ہوئی دولت ایک ہی نوع اور قسم کی ہوں تو باوجود اس کے کہ تبادلہ برابر تعداد، مقدار یا مالیت کا ہو یا ان میں کمی یا بیشی ہو ان حالات میں چند خصوصی صورتیں درپیش ہوں گی۔ مثلاً

(الف) جب چراگاہ میں چرنیوالے پالتو مویشیوں کے ایک نصاب کے برابر یا زیادہ تعداد کے بدلے میں اسی نوع اور اتنی ہی تعداد کے مویشی لے لئے جاتے ہیں (مثلاً ۴۰ عدد گائے بیل کے بدلے میں دوسری نسل کے ۴۰ عدد گائے بیل) یا ایک خاص شکل میں چاندی یا سونے کی نصاب کے برابر یا زیادہ مقدار دوسری شکل میں چاندی یا سونے کے بالکل برابر اتنی ہی مقدار کے بدلے میں لی جاتی ہے (مثلاً چاندی یا سونے کی اینٹوں کو چاندی یا سونے کے ڈیوں یا کرنسی نوٹوں میں بالکل برابر اتنی

ہی مالیت پر تبدیل کیا جاتا ہے۔ تو دی ہوئی دولت سے متعلقہ سال ملکیت کا شمار منقطع نہیں ہوگا۔ اور اس سودے پر مذکورہ بالا قانون نمبر ۴ نافذ ہوگا۔

(ب) جب ایک ہی نسل کے نصاب کے برابر یا زیادہ تعداد کے چراگاہ میں چرنیوالے پالتو مویشی جن کے قانونی مالک کے پاس اسی نوع کے اور کوئی مویشی باقی نہ رہے ہوں۔ جو ان کے ساتھ سال ملکیت کے شمار میں اشتراک رکھتے ہوں۔ ان کے بدلے میں اسی نوع کے لیکن اعلیٰ نسل کے نصاب کے برابر یا زیادہ تعداد کے مویشی لئے جاتے ہیں۔ جس سودے میں ادنیٰ نسل کے زیادہ تعداد مویشیوں کے بدلے میں اعلیٰ نسل کے کم تعداد مویشی دیئے جاتے ہیں (مثلاً ادنیٰ نسل کے ۴۰ عدد گائے بیلوں کو دے کر، اعلیٰ نسل کے ۳۰ عدد گائے بیل لے لئے جائیں) تو اس صورت میں سال ملکیت کا شمار جو دیئے ہوئے مویشیوں پر جاری تھا، منقطع نہیں ہوگا۔ لیکن زکوٰۃ تبادلے میں لئے ہوئے گائے بیلوں کی موجودہ کم تعداد (اس مثال کی رو سے ۳۰ گائے بیلوں) پر شمار کی جائے گی۔ کیونکہ قانون زکوٰۃ کے مطابق مویشیوں کی زکوٰۃ ان کی مالیت پر نہیں بلکہ تعداد پر عائد کی جاتی ہے۔

اسی طرح جب اینٹوں، ڈلوں یا سکوں وغیرہ کی شکل میں غیر صنعت شدہ چاندی یا سونا یا دونوں، یا/اور کرنسی نوٹ[1]۔ جن کی مالیت ان کی نوع کے لئے مقررہ شدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہے اور جن کے قانونی مالک کے پاس اسی نوع کی مزید ایسی دولت نہیں ہے جو مذکورہ دولت کے ساتھ سال ملکیت کے شمار میں اشتراک رکھتی ہو۔ صنعت شدہ چاندی

---

[1] ۔ ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزء دوم کا باب "چاندی اور سونے کی زکوٰۃ" اور باب "کرنسی نوٹ کی زکوٰۃ"۔

یا سونے کی ایسی اشیاء کے تبادلے میں دیئے جاتے ہیں جن میں قیمتی دھات کی مقدار نصاب کے برابر یا زیادہ ہے چونکہ ان اشیائیں کاریگری کی قیمت بھی شامل ہوتی ہے اس لئے دی ہوئی چاندی سونے یا کرنسی نوٹ سے لی ہوئی صنعت شدہ چاندی یا/اور سونے کی اشیاء ضرور کم مقدار یا کم وزن ہوں گی۔ تو اس تبادلے کے سودے میں جو سال ملکیت کا شمار دی ہوئی چاندی یا/اور سونے یا/اور کرنسی نوٹوں پر جاری تھا۔ منقطع نہیں ہوگا بلکہ قانون زکوٰۃ کی رو سے، سال ملکیت کا شمار مکمل ہونے کے وقت زکوٰۃ لی ہوئی صنعت شدہ اشیاء میں موجود قیمتی دھات کی کم مقدار پر جو کہ وزن میں کم ہوگی۔ عائد کی جائے گی۔

(ج) اگر مذکورہ بالا حالات کے برعکس ایک ہی نسل کے نصاب کے برابر یا زیادہ تعداد چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشی، جن کے قانونی مالک کے پاس اسی نوع کے اور مویشی نہیں ہیں جو سال ملکیت کے شمار میں ان کے ساتھ اشتراک رکھتے ہیں۔ ادنیٰ نسل کے نصاب کے برابر یا زیادہ تعداد مویشیوں سے تبدیل کئے جاتے ہیں (مثلاً کسی اعلیٰ نسل کے ۲۰ عدد گائے بیل دے کر اس سے ادنیٰ نسل کے ۴۰ عدد گائے بیل لئے جائیں) تو تبادلے میں دیئے ہوئے مویشیوں پر جاری سال ملکیت کے شمار کو بھی منقطع نہیں کیا جائے بلکہ اسی شمار کی تکمیل پر زکوٰۃ صرف لئے ہوئے مویشیوں کی اتنی تعداد پر ادا کی جائے گی۔ جتنی دیئے ہوئے مویشیوں کی تھی یعنی اسی تعداد پر جو پورا ایک سال قانونی مالک کے پاس تھی۔

متعدد حسابات کے قانون نمبر ۲ کی رو سے[1] تبادلے میں لئے ہوئے مویشیوں میں سے مزید تعداد اگر بذات خود کم از نصاب کی ہو مندرجہ بالا مثال میں ۲۰ عدد

---

[1] ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزو اوّل کا باب "متعدد حسابات"

Marfat.com

تو یا تو وہ اس وقت تک زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی جب تک کہ اس ہی نوع کے اور مویشی حاصل کر کے نصاب کے برابر یا زیادہ تعداد نہ ہو جائے۔

یا جیسا کہ چراگاہ میں چرنیوالے پالتو مویشیوں کے قانون نمبر ۴ جزو ط اور ی ص[1] میں ذکر ہے۔ قانونی مالک کے پاس مویشیوں کے سہ ماہی وقفے کے سال ملکیت کی تکمیل پہلے ہو گی۔ اس کے زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنے کے بعد باقی مویشیوں میں کوئی اور ظاہری اضافے کے ساتھ جو اس وقفے کے دوران ہوا ہو، جمع کر کے، اس نئے مجموعے پر سال ملکیت کا شمار شروع کیا جائے گا۔

دوسری طرف متعدد حسابات کے قانون نمبر ۳ کے مطابق اور جیسا کہ چراگاہ میں چرنیوالے پالتو مویشیوں کی زکوٰۃ کے سہ ماہی طریقہ حساب سے واضح ہوتا ہے[1]۔ اگر تبادلے کے سودے سے مزید مویشی بذات خود نصاب کے برابر یا زیادہ تعداد میں آ جائیں تو ان پر نئے سرے سے الگ سالِ ملکیت کا شمار اس سہ ماہی وقفے سے شروع کیا جائے گا۔ جس میں سودا ہوا ہو۔

اسی طرح جب نصاب کے برابر یا زیادہ مالیت چاندی یا سونے یا دونوں قیمتی دھاتوں کی صنعت شدہ اشیاء جن کے سال ملکیّت کے شمار میں قانونی مالک کے پاس اس ہی نوع کی مزید دولت نہیں ہے تبادلے میں دیئے ہوئے (الف) نصاب کے برابر یا زیادہ مالیت کے غیر صنعت شدہ (اینٹوں، ڈلوں، وغیرہ کی شکل میں) چاندی یا سونا یا دونوں قیمتی دھات یا چاندی یا سونے کے سکے لئے جاتے ہیں جس تبادلے میں صنعت شدہ قیمتی دھات کم مالیت دے کر

---

[1] - ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزو چہارم کا باب "چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی زکوٰۃ"

Marfat.com

غیر صنعت شدہ قیمتی دھات کی زیادہ مالیت لی جاتی ہے یا/اور (ب) نصاب کے برابر یا زیادہ مالیت کرنسی نوٹ سے لئے جاتے ہیں جس تبادلے میں قیمتی دھات کی کم مالیت دے کر کرنسی نوٹ کی زیادہ مالیت (جس میں کاریگری کی اجرت بھی شامل ہے) لی جاتی ہے۔ تو دی ہوئی دولت پر سال ملکیت کا شروع کیا ہوا شمار منقطع نہیں ہوگا۔ اور جب سال ملکیت کی تکمیل پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ تو تبادلے میں لی ہوئی قیمتی دھات یا کرنسی نوٹ یا دونوں میں سے صرف اتنی مالیت پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ جتنی دی ہوئی صنعت شدہ اشیاء میں موجود قیمتی دھات کی تھی۔

متعدد حسابات کے قانون نمبر ۲ کے مطابق[1]۔ اگر تبادلے میں لی ہوئی قیمت دھات یا کرنسی نوٹ کی مزید مالیت بذات خود نصاب کے برابر یا زیادہ نہیں ہے۔ تو (الف) یہ مزید دولت اس وقت تک زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔ جب تک کہ اسی نوع کی اور دولت قانونی مالک کے پاس جمع ہو کر دونوں کا مجموعہ نصاب کے کم سے کم برابر ہو جائے یا (ب) یہ کم از نصاب مزید دولت اس کی نوع کی اور دولت میں (جو قانونی مالک سے حاصل کی گئی ہو اور جس کے سال ملکیت کا شمار تاریخی ترتیب میں پہلے مکمل ہوتا ہو) اس کے زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنے کے فوراً بعد مالیتی رقم میں جمع کی جائے گی۔ پھر اس نئے مجموعے پر سال ملکیت کا نیا شمار شروع ہوگا۔

اگر تبادلے میں لی ہوئی قیمتی دھات یا کرنسی نوٹوں کی مزید دولت یا دونوں ہی، بذاتِ خود نصاب کے برابر یا زیادہ ہیں تو متعدد حسابات

---

[1] ۔ ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزو اول کا باب: "متعدد حسابات"

کے قانون نمبر ۳ کے مطابق [1] سودے کی تاریخ سے اس مزید دولت پر سال ملکیت کا شمار شروع ہو جائے گا۔

(د) اگر چراگاہ میں چرنے والے ایک ہی نسل کے پالتو مویشی بنا دلے میں دیئے ہوں جن کی تعداد نصاب کے برابر یا زیادہ ہو اور جن کے قانونی مالک کے پاس مزید اسی نوع کے مویشی نہ ہوں جو سال ملکیت کے شمار میں ان مویشیوں سے اشتراک رکھتے ہوں اور ان کے بدلے میں اعلیٰ نسل کے کم از نصاب تعداد مویشی لئے جائیں۔ (مثلاً ۳۰ عدد ادنیٰ نسل کے گائے بیل دے کر اعلیٰ نسل کے ۲۰ عدد گائے بیل لئے جائیں) تو دیئے ہوئے مویشیوں پر جاری سال ملکیت کا شمار موثر طور پر منقطع ہو جاتا ہے اور نتیجتاً زکوٰۃ کی فرضیت ختم ہو جاتی ہے۔

اسی طرح جب غیر صنعت شدہ چاندی یا سونے، یا دونوں قیمتی دھاتوں یا کرنسی نوٹوں کی نصاب کے برابر یا زیادہ مالیت بنا دلے میں دے کر (جس کے قانونی مالک کے پاس مزید اس نوع کی دولت نہ ہو جو سال ملکیت کے شمار میں مذکورہ بالا دولت سے اشتراک رکھتی ہے) کم از نصاب مالیت کی چاندی یا سونے یا دونوں قیمتی دھاتوں کی صنعت شدہ اشیاء لی جاتی ہیں (یعنی جن کی دھاتی مالیت بغیر کاریگری کی اجرت کے نصاب سے کم ہے) تو دی ہوئی دولت پر جاری سال ملکیت کا شمار موثر طور پر منقطع ہو جاتا ہے۔ اور نتیجتاً زکوٰۃ کی فرضیت ختم ہو جاتی ہے۔

(ہ) جب ایک ہی چراگاہ میں چرنیوالے پالتو مویشیوں کی کم از نصاب تعداد کے بدلے میں جن کے قانونی مالک کے پاس مزید اسی نوع کے

---

[1] ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزو اول کا باب: "منعدد حسابات"

Marfat.com

مویشی موجود نہ ہوں جو سال ملکیت کے شمار میں اشتراک رکھتے ہوں ادنیٰ نسل کے مویشیوں کی نصاب کے برابر یا زیادہ تعداد لی جاتی ہے (مثلاً ۲۰ عدد اعلیٰ نسلوں کے گائے بیل دے کر ۴۰ عدد ادنیٰ نسل کے گائے بیل لے لے) تو تبادلے میں لئے ہوئے مویشیوں پر سال ملکیت کا شمار اس سہ ماہی وقفے سے شروع ہوگا۔ جس میں یہ سودا ہوا ہے۔

اسی طرح، اگر صنعت شدہ چاندی یا سونے کی شکل میں اشیاء جن میں قیمتی دھات کی مقدار نصاب سے کم ہے۔ اور جن کے قانونی مالک کے پاس اسی نوع کی مزید دولت نہیں ہے۔ جو ان کے سالِ ملکیت کے شمار میں اشتراک رکھتی ہو۔ تبادلے میں دیئے ہوئے۔ غیر صنعت شدہ چاندی یا سونے یا دونوں قیمتی دھاتوں یا کرنسی نوٹوں کی ایک نصاب کے برابر یا زیادہ مالیت لی جاتی ہے تو تبادلے میں لی ہوئی دولت پر سال ملکیت کا شمار سودے کے تبادلے کی تاریخ سے شروع کیا جائے گا۔

(۹) مختلف انواع کی قابل زکوٰۃ دولتوں کے تبادلے کے برعکس جب ایک ہی نوع کی قابلِ زکوٰۃ دولت کا تبادلہ جزوی طور پر ہو۔ یعنی جب ایک حصۂ دولت کو خواہ یہ نصاب کے برابر ہو یا اس سے زیادہ یا کم ہو ایک نصاب سے زیادہ مجموعۂ دولت میں سے جس پر سالِ ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہے، نکال کر دوسری قابلِ زکوٰۃ دولت میں تبدیل کیا جائے۔ تو مجموعۂ دولت پر سال ملکیت کا شمار اس سودے سے منقطع نہیں ہوتا۔ کیونکہ تبادلے میں دی ہوئی دولت کی طرح لی ہوئی دولت بھی مجموعے کا ایک شامل حصہ ہے۔ اور اسی وجہ سے اگر لی ہوئی دولت اسی کی دی ہوئی دولت سے تعداد، مقدار یا مالیت میں کم ہو تو زکوٰۃ اس کم مجموعۂ دولت پر نافذ کی جائے گی۔

Marfat.com

مثلاً ۳۰۰ عدد بھیڑوں کے ایک ریوڑ میں سے جس پر ایک ہی سال ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہے۔ ۴۰ بھیڑیں نکال کر انہیں اعلیٰ نسل کی ۳۰ عدد بھیڑوں کے عوض دے دیا جاتا ہے۔ جن کی تعداد ان کی قانونی نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب سے کم ہے اس تبادلے میں لی ہوئی ۳۰ بھیڑوں کو ریوڑ میں شامل کر کے مجموعے کی تعداد ۲۹۰ رہ جائے گی اور سال ملکیت کے شمار کی تکمیل پر اس ہی کم تعداد پر زکوٰۃ دی دے جائے گی۔

ایک اور مثال : ۴۰۰۰ روپیوں میں سے جن پر سال ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہے۔ ۲۶۰۰ روپے نکال کر ان کے بدلے میں کچھ مقدار صنعت شدہ چاندی یا سونا لیا جاتا ہے۔ جس کی مالیت (کاریگری کی اجرت کے بغیر) فرض کیجئے ۲۱۰۰ روپے ہے اس رقم کو دولت کی باقی رقم (۴۰۰۰ - ۲۶۰۰ = ۱۴۰۰) روپے میں جمع کیا جائے گا۔ اور سال ملکیت کے شمار کی تکمیل پر اس مجموعے یعنی (۱۴۰۰ + ۲۱۰۰ =) ۳۵۰۰ روپے پر زکوٰۃ نافذ ہوگی۔

دوسری طرف، جب ایک ہی قانونی نوع کی قابل زکوٰۃ دولت میں سے اجزاء کا تبادلہ کیا جائے گا۔ جس میں دولت کی کم مقدار یا مالیت دے کر زیادہ مقدار یا مالیت لی جائے۔ تو مذکورہ بالا قانون نمبر ۲ جز (ج) کے اصول کا بھی اطلاق کیا جائے گا۔ بالفاظ دیگر، متعدد حسابات کے قانون نمبر ۲ کے مطابق لی ہوئی مزید دولت کی مقدار یا مالیت اگر اپنے طور پر نصاب سے کم ہے: تو متعلقہ حالات کے مطابق یا تو مزید دولت اس وقت تک زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی، جب تک کہ اس کا قانونی مالک اسی قانونی نوع کی اور دولت حاصل نہ کرے جس کے ساتھ مل کر مجموعہ نصاب کے کم از کم برابر ہو جائے۔ یا اگر ایسا نہ ہو تو قانونی مالک کی ملکیت میں،

Marfat.com

تاریخی ترتیب سے ، اسی نوع کی دولت کے سالِ ملکیت کی تکمیل ہوکر اس پر زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنے کے فوراً بعد ، باقی میں ان مزید دولت کو جمع کیا جائے گا ۔ اور اس نئے مجموعے پر سالِ ملکیت کا شمار شروع ہوگا ۔

لیکن متعدد حسابات کے قانون نمبر ۲ کے مطابق ، اگر یہ مزید دولت بذاتِ خود اپنی نوع کے لئے مقررہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہے ، تو عین سودے کی تاریخ پر ، اس مزید دولت پر سالِ ملکیت کا شمار شروع کر دیا جائے گا ۔ اگر قابلِ زکوٰۃ پالتو مویشی ہوں ۔ تو سالِ ملکیت کا الگ شمار اس سہ ماہی دقفے سے شروع ہوگا جس میں یہ سودا ہوا ہے ۔

مثلاً ۱۰۰ عدد گائے بیل کے ایک گلے میں سے ، جس پر سالِ ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہے ۔ ۲۰ عدد گائے بیل دے کر ، بدلے میں ادنیٰ نسل کے ۲۵ عدد گائے بیل لے لئے جاتے ہیں ، تو گلے میں تبادلے میں لیے ہوئے ۲۵ عدد گائے بیل میں سے صرف ۲۰ عدد گائے بیل شامل کئے جائیں گے ۔ اور گلے پر زکوٰۃ کی ذمہ داری پہلے کی طرح رہے گی ۔ اور اضافی ۵ عدد گائے بیل عارضی طور پر زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہیں گے اور انہیں گائے بیلوں کے اس سہ ماہی دقفے میں شامل کیا جائے گا ۔ جو تاریخی ترتیب میں ، سب سے پہلے قانونی مالک کے پاس سالِ ملکیت کی تکمیل کرے ۔

یا مثلاً ، ۱۰۰۰۰ روپیوں کی مجموعی مالیت کی چاندی ، سونے اور ان قیمتی دھاتوں کی تیار شدہ اشیاء میں سے [1] ، جس پر سالِ ملکیت کا شمار شروع

---

[1] ۔ اگر اس مجموعی مالیت میں چند کرنسی نوٹ بھی شامل ہیں ۔ تو ان پر بھی اسی اصول کا اطلاق ہوگا ۔

Marfat.com

ہو چکا ہے ۔ ۵۰۰۰ ہزار روپے مالیت کی صنعت شدہ چاندی یا سونے کی اشیا ر دے کر ان کے بدلے میں ۷۰۰۰ روپے کرنسی نوٹ لئے جاتے ہیں ۔ جس میں ۲۰۰۰ روپے کاریگری کی اجرت شامل ہے ۔ تو اس تبادلے میں لیے ہوئے ۷۰۰۰ روپیوں میں سے صرف ۵۰۰۰ روپے سابقہ مجموعے میں جمع کئے جائیں گے ، جس کے سالِ ملکیت کا شمار تبدیل نہیں ہوگا ۔ اور باقی ۲۰۰۰ روپیوں پر ، سودے کی تاریخ سے الگ شمار شروع کیا جائے گا ۔

۶ ۔ جب اپنی نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب کے برابر یا زیادہ قابل زکوٰۃ دولت اسی نوع یا غیر نوع کی ایک سے زیادہ مقداروں پر مشتمل قابل زکوٰۃ دولت کے بدلے میں لی جاتی ہے جو سال ملکیت والے متعدد حسابات کے تحت تھی تو تبادلے میں لی ہوئی دولت کو دی ہوئی مقداروں کی نسبت سے ان کے اپنے اپنے متعدد حسابات کے تحت آ جانا چاہیئے ۔ اور تاریخی ترتیب سے سال ملکیت کے علیحدہ علیحدہ شمار مکمل کرنا چاہیئے[۱] ۔ ان دی ہوئی دولت کی مقداروں کو تبادلے کے سودے میں پہلے دینا چاہیئے ۔ جن کے سالِ ملکیت کا شمار سب سے قریب کے زمانے میں شروع ہوا ہو ۔

۷ ۔ جب کبھی قابل زکوٰۃ دولت کے تبادلے سے قانونی مالک کے قبضے میں دولت کی اسی سالِ ملکیت کے شمار کے تحت رہنے والی مقدار کسی زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں آ جاتی ہے تو متعلقہ دولت کی نوع کے لئے مقرر شدہ فرضیت زکوٰۃ کی سابقہ حد کے مطابق

---

[۱] ۔ ملاحظہ فرمائیں ۔۔۔۔ اس کتاب کے جزو اوّل کا باب " متعدد حسابات "

Marfat.com

زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

مثلاً، فرض کیا کہ اگر ایک ۱۲۱ بھیڑوں کے ریوڑ کی تعداد، دولت کے تبادلے سے ۱۰۵ عدد رہ جاتی ہے تو ان ۱۰۵ عدد بھیڑوں پر نہیں بلکہ زکوٰۃ کی فرضیت کی اوّل حد، یعنی ۴۰ بھیڑیں پر زکوٰۃ نافذ ہوگی۔ کیونکہ ۱۰۵ بھیڑیں ۴۰ سے ۱۲۰ تک کے درمیان زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں آجاتی ہیں [1]

۸۔ جب تبادلے میں دی ہوئی دولت ایک مجموعۂ دولت کے صرف اس حصے سے نکالی جائے جو اُس نوع کے کسی زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں آتا ہے تو تبادلے کے نتیجے میں جو دولت قانونی مالک کے پاس بچ رہتی ہے ـــ وہ زکوٰۃ کی فرضیت کی مقررہ حد سے کم نہیں ہوتی (یعنی تبادلے کا سودا متعلقہ دولت کی زکوٰۃ کی فرضیت پر براہ راست اثر انداز نہیں ہوتا) اس لئے بطور زکوٰۃ ادا کی جانے والی مقدار یا مالیت غیر متبدّل رہے گی۔

۹۔ اگر قابلِ زکوٰۃ دولت کے تبادلے سے قانونی مالک کے قبضے میں باقی مقدار یا مالیت اس دولت کی نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب سے کم رہ جائے تو زکوٰۃ کی فرضیت اس پر ختم ہو جائے گی۔

۱۰۔ اگر واضح ثبوت ہو کہ کسی قابلِ زکوٰۃ دولت کا تبادلہ بدنیتی سے کیا گیا ہے۔ یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے دولت کا تبادلہ اس طرح کیا گیا ہو کہ اس پر زکوٰۃ کے واجبات ختم ہو جائیں، ـــ اس شبہ کو اس

---

[1] ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزوِ چہارم کا باب "چراگاہ میں چرنیوالے پالتو مویشیوں کی زکوٰۃ"۔

Marfat.com

امر سے تقویت پہنچتی ہے اگر تبادلہ اس وقت کیا جائے جب متعلقہ دولت کے سال ملکیت کے ختم ہونے میں مہینے سے بھی کم عرصہ باقی ہو۔ تو ایسا مجرم نہ صرف سزا کے لائق ہو گا۔ بلکہ اس سے بزدرِ قانون اتنی زکواۃ بھی وصول کی جائے گی، جتنی سالِ ملکیت کی تکمیل پر اس پر واجب ہوتی۔

Marfat.com

جزو چہارم (باب اوّل)

زرعی پیداوار کی زکوٰۃ

وَاٰتُوا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ۔

" فصل کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو ۔ ۔ ۔ ۔ "

(سورۃ الانعام ، آیت نمبر ۱۴۲)

قانون زکوٰۃ کے بغور مطالعے سے اس اہم حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ زرعی پیداوار کی زکوٰۃ ہی اس نظام کی بنیادی اور سب سے اہم خصوصیت ہے ۔

چونکہ زرعی پیداوار انسانی گزربسر کا اصلی ذریعہ ہے ۔ اس لئے یہ زکوٰۃ کے اہم قوانین کی تشکیل کے لئے قدرتی بنیاد فراہم کرتی ہے ۔

لہٰذا رسول کریمؐ نے زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کے لئے انسانی غذا کے دو اہم اجزا کو یعنی غلے اور کھجوروں کو (جو) عرب نان کے قبائل کی غذا کا ضروری حصہ ہیں) معیار قرار دیا اور زرعی پیداوار کا نصاب اس طرح مقرر کیا گیا کہ وہ عموماً ایک متوسط خاندان کی مستقل طور پر بنیادی غذا کی ایک مکمل سال کی ضروریات کو مناسب طریقے سے پورا کر سکے ۔

یہ نصاب مدنی نظام اوزان و پیمانے کے مطابق پانچ اونٹ غلہ ہے (جو آج کل کے اوزان کے مطابق ۱۵۶۸ کیلو گرام یا ۱۶۸۰ سیر تقریباً ہوتا ہے) جس کا مطلب یہ ہوا کہ زرعی پیداوار پر واجبات زکوٰۃ کی ادائیگی

Marfat.com

کے بعد ایک عام خاندان کو روزانہ ۵ ۸۶ ر ۳ کیلوگرام یا ۱۳/۴ سیر ضروری غذا ملتی رہا ہے۔

چاندی اور اس نوع کی قابل زکوٰۃ دولت کی تمام دوسری اقسام یعنی سونا کرنسی نوٹ، اشیائے تجارت، موتی اور قیمتی پتھر) کا نصاب مقرر کرنے کے لئے بھی اسی طرح پانچ اونٹ بوجھ یا وزن غلے کی سال میں اوسط بازاری قیمت خرید ہی کو معیار بنایا گیا ہے۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غلہ غالبًا جو یا کھجوروں کے ایک اونٹ بوجھ کی بازاری قیمت چاندی کے چالیس درہم تھی یعنی پانچ اونٹ بوجھ غلے کی بازاری قیمت دو سو درہم تھی۔ لہٰذا چاندی کا نصاب بھی دو سو درہم مقرر کیا گیا تھا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دو سو درہم ایک سال کے ایک متوسط خاندان کی ضروری غذا کی قیمت کی نمائندگی کرتے تھے۔

تاہم زرعی پیداوار کے نصاب کی خصوصی اور یقینی اہمیت کے باوجود فقہائے کرام نے اس نصاب کو متفقہ طور پر تسلیم نہیں کیا ہے اگرچہ اکثریت نے جن میں امام مالک، امام ابو یوسف، امام محمد بن الحسن امام شافعی، امام النوی اور امام غزالی بھی شامل ہیں۔ اس خصوص میں احادیث کی پیروی کی ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ اور ان سے پیشتر امام ابراہیم النخعی اور امام حمّاد بن ابی سلیمان نے کبھی زرعی پیداوار کا نصاب مقرر کرنا تسلیم نہیں کیا۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل قرآن پاک کی مندرجہ ذیل دو آیات پر مبنی ہے،

یایھا الذین امنوا انفقوا من طیبٰت ماکسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ الا ان تغمضوا فیہ واعلموا ان اللّٰہ غنیٌّ حمیدٌ ۵

اے ایمان والو! تم خدا کے نام پر خیرات کرو تو اپنی اچھی کمائی میں سے دو اور اس چیز میں سے دو جس کو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا اور خبیث و ناکارہ چیزوں کے دینے کا ارادہ نہ کرو تم ناکارہ چیز کو نہیں لیتے مگر یہ کہ تم اس میں چشم پوشی کر جاؤ اور خوب جان لو کہ اللہ بے نیاز ہے (اور) مستحق حمد و ثنا ہے (اور بڑا ہی خوبیوں والا ہے) ○

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۶۷)

وھو الذی انشا جنٰت معروشٰت و غیر معروشٰت والنخل والزرع مختلفاً اکلہٗ والزیتون والرمان متشابھا وغیر متشابہٍ ط کلوا من ثمرہٖ اذا اثمر واٰتوا حقہٗ یوم حصادہٖ ولا تسرفوا ط انہٗ لا یحب المسرفین ○

وہی تو ہے جس نے باغ پیدا کئے چھتری دار اور بے چھتری اور درخت خرما اور زراعت مختلف قسم کے مختلف مزے کے اور زیتون اور انار آپس میں ملتے جلتے اور نہ بھی ملتے جلتے جب یہ درخت پھلیں تو ان کے پھل کھاؤ اور کھیتی کاٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو (غریب لوگوں کو ان کا حق دے دو) اور اسراف نہ کرو۔ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ○ (سورۃ الانعام، آیت ۱۴۲)

ان دونوں آیتوں کے بغور مطالعے سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت تو صرف ادائیگی زکوٰۃ سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس میں عام مفہوم میں خیرات کا ذکر ہے۔ نہ ہی دوسری آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے۔ کہ فصل کی مقدار خواہ کچھ ہی ہو اس پر زکوٰۃ دینا فرض ہے تاہم امام ابو حنیفہ اور ان کے متقدمین امام ابراہیم النخعی اور

Marfat.com

امام حماد بن ابی سلیمان اور متاخرین امام محی الدین بن العربی اور امام العینی نے ان دونوں آیتوں سے یہ مطلب لیا ہے کہ ان میں خاص طور پر زکوٰۃ کا ذکر ہے اور یہ فصل کی تمام انواع (خواہ وہ سڑنے والی ہوں یا نہ ہوں) اور ہر مقدار پر عائد ہوتی ہے۔ دوسری طرف امام زہری گو تسلیم کرتے ہیں کہ سڑنے والی فصل پر بھی زکوٰۃ نافذ کی جائے مگر ان کی رائے میں تازہ پھل اور سبزیات پر نفاذ زکوٰۃ کے لئے شرط یہ ہے کہ ان کی بابت چاندی کے دو سو درہم کے برابر ہو۔

اس کتاب کے آغاز میں نصاب مقرر کرنے کا مقصد اور اس کی اہمیت تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ تاہم دوبارہ اس کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔ کہ زکوٰۃ کا بنیادی مقصد متقاضی ہے کہ ہر اس دولت کا نصاب مقرر کرنا چاہیئے جو اتفاقاً ہاتھ نہ آئی ہو۔ زکوٰۃ تمام حاجتمند مسلمانوں کا قانونی حق ہے لہٰذا یہ نہ صرف فطری امر ہے بلکہ انتہائی ضروری ہے کہ قانونِ زکوٰۃ ان مسلمانوں کو ان کی معاشی حفاظت کرنے کے لئے جن کی زرعی پیداوار صرف ان کی اپنی ضروریات کے لئے بمشکل کافی ہو، معقول حد تک زکوٰۃ سے مستثنیٰ رکھے۔

پھر یہ بھی ملحوظ رکھتے ہوئے۔ اور اس نکتے کو بار بار دہرانا ضروری ہے کہ قرآن پاک کا وہ حکم (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۱۹) جس پر قانونِ زکوٰۃ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ متقاضی ہے کہ جو دولت فاضل ہو، زکوٰۃ صرف اس میں سے ہی لی جاسکتی ہے۔

اس اصول کی عملی تطبیق سے یہ لازمی اور ناگزیر نتیجہ نکلتا ہے کہ جس دولت پر زکوٰۃ نافذ کی جائے وہ اپنی اصلیت کے اعتبار سے اپنی طبیعی حالت میں محفوظ رکھی جاسکتی ہے یعنی بالفاظ دیگر قدر دوام کی حامل ہو صرف اس خاصیت کی بنا پر یہ متعین کیا جاسکتا ہے کہ کوئی دولت اتنی مقدار میں

Marfat.com

ہے یا نہیں کہ اسے اس قانونی مالک کے لئے فاضل دولت قرار دیں۔

خاص طور پر زرعی پیداوار کی اس خاصیت کو آیا وہ قدرتی طور پر محفوظ رکھی جاسکتی ہے یا نہیں، نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ رسولِ کریمؐ کا زریں قول جو قرآن پاک کی سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۱۹ کی پوری طرح عکاسی کرتا ہے۔ اس اصول کے لئے بہت کافی ہے کہ زرعی پیداوار پر قانونًا اس وقت تک زکوٰۃ نافذ نہیں کی جاسکتی جب تک کہ اس کی ایک نہ سڑنے والی فاضل مقدار موجود نہ ہو۔ رسولِ کریمؐ نے فرمایا:

"لا زکوٰۃ فی مالٍ حتی یحول علیہ الحول"

یعنی "کسی دولت پر اس وقت تک زکوٰۃ نافذ نہیں کی جاسکتی جب تک کہ (قانونی مالک کے پاس) اس پر پورا سال نہ گزرا ہو۔"

اس قول کی رو سے، زرعی پیداوار پر زکوٰۃ نافذ کرنے کے لئے اس کو نہ صرف قانونی مالک کی سالانہ غذائی ضروریات سے فاضل ہونا چاہیئے بلکہ یہ دولت کم از کم ایک سال تک اپنی طبیعی حالت میں محفوظ رکھے جانے کے قابل بھی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تمام سڑنے والی پیداوار (مثلاً بیشتر تازہ پھل اور سبزیاں) خود بخود ناقابلِ زکوٰۃ دولت قرار پاتی ہے[1]

جیسا کہ ہم نے مطالعہ کیا ہے، قانونِ زکوٰۃ کے بنیادی اصولوں کے مطابق

---

[1] اگر کوئی اپنی ناقابلِ زکوٰۃ پیداوار (مثلاً تازہ پھل اور سبزیاں) کا ایک حصہ خیرات میں دینا چاہے یا حاجتمند مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کے لئے زکوٰۃ کے تقسیم کرنے والوں کو دے دے تو اسے اس کا پورا اختیار حاصل ہے۔ لیکن ایسی پیداوار پر کسی حالت میں بھی زکوٰۃ لازمی طور پر نافذ نہیں کی جاسکتی۔

Marfat.com

کسی دولت کی فاضل خاصیت اور اس بنا پر، اس کی زکوٰۃ کی قابلیت ان تین عوامل میں سے کسی ایک سے ثابت کی جاتی ہے:

(الف) جس دولت پر زکوٰۃ نافذ ہو رہی ہے اس پر زکوٰۃ کے نفاذ سے پہلے سال ملکیت مکمل ہو چکا ہو'

(ب) جس دولت پر زکوٰۃ نافذ ہو رہی ہے وہ نہ سڑنے والی زرعی پیداوار کی مقدار پورے ایک سال کی غذائی ضروریات سے زیادہ ہو۔

(ج) یا جس دولت پر زکوٰۃ نافذ ہو رہی ہے اتفاقاً حاصل ہو گئی ہو۔ یعنی وہ کمائی نہ گئی ہو۔

زرعی پیداوار پر زکوٰۃ نافذ کرنے کے بارے میں جو احادیث بعد کے صفحات میں مذکور ہیں (جن میں حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا: "غلے اور کھجوروں کے پانچ اونٹ بوجھ سے کم پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے") ان احادیث کی توضیح میں امام ابراہیم النخعی امام حماد بن ابی سلیمان، امام ابو حنیفہ اور ان کے پیروکاروں کی رائے ہے غلے اور کھجوروں کا حوالہ صرف اس وقت دیتے ہیں جب کہ وہ اشیائے تجارت کی خاصیت رکھتے ہوں۔ لیکن جب اشیائے تجارت نہیں ہیں تو ان کی رائے میں خواہ کتنی ہی کم مقدار ہو، اس پر زکوٰۃ لازماً ادا ہونی چاہیئے۔ اس وجہ سے فقہائے کرام مندرجہ ذیل تفصیل سے متضاد رائے رکھتے ہیں۔ اور ان کا یہ خیال ہے کہ پانچ اونٹ بوجھ کا نصاب دراصل چاندی کی بنیاد پر دوسو درہم کا نصاب ہے اور یہ نہیں کہ دوسو درہم چاندی کا نصاب دراصل پانچ اونٹ بوجھ کے برابر غلے یا کھجوروں کی مالیت کا نصاب ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مذکورہ فقہائے کرام کی اپنی اس رائے کی بنیاد یہ تھی کہ ان کے زمانے میں پانچ اونٹ بوجھ غلے کا بازاری نرخ دوسو درہم کے برابر قائم نہیں رہا تھا۔ بلکہ اس سے کم یا (غالباً) زیادہ

تھا۔ تاہم یہ رائے نصاب کا اصلی سبب واضح نہیں کرتی۔ اس کے علاوہ اس سے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۱۹ میں مذکورہ قانونِ زکوٰۃ کے بنیادی اصول کو کلیتاً نظر انداز کر دیا جاتا ہے جن کا منشا یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف فاضل دولت کے موجود ہونے پر لی جانی چاہیئے۔

فصلوں کا تخمینہ (خرص)

ان دو اختلافی نکات کے علاوہ ایک تیسرے مسئلے پر بھی فقہائے کرام کے درمیان اختلافِ رائے پایا جاتا ہے: وہ فصل اتارنے سے پہلے چند خاص پیداواروں کے تخمینے کے بارے میں ہے۔

تخمینہ یا خرص عام طور پر کھجوروں اور انگوروں کے لئے مخصوص ہے۔ جب فصل پکنا شروع ہو جاتی ہے اور قانونِ اسلام کے مطابق اس کی فروخت جائز ہوتی ہے تو ادارۂ زکوٰۃ کے عاملین فصل کا تخمینہ اور اس تازہ (کھجوروں یا انگوروں کے) پھل کے وزن کا اندازہ کر کے واجباتِ زکوٰۃ کا حساب کرتے ہیں۔

جو فقہاء خرص کو ضروری سمجھتے ہیں حتیٰ کہ قانون زکوٰۃ کا لازمی حصہ قرار دیتے ہیں وہ اس کی دلیل اور فائدہ یہ بتلاتے ہیں کہ فصل کے ادارۂ زکوٰۃ کی طرف سے اس طرح تخمینے کے بعد زکوٰۃ دینے والا (یا ع کا) قانونی مالک تازہ کھجوروں (رطب) اور تازہ انگوروں (عنب) کو آزادی سے کھا سکتا ہے اور جسے چاہے دے سکتا ہے یا فروخت کر سکتا ہے اس کے بعد وہ اپنے تمام پھل کی زکوٰۃ کے واجبات خشک کھجوروں (تمر) اور خشک انگوروں (زبیب یعنی کشمش) کی شکل میں ادارۂ زکوٰۃ کے اس تخمینے کے مطابق ادا کرے گا۔

اس دستور کی حمایت امام مالک اور امام شافعی کے ساتھ امام احمد

Marfat.com

بن حنبل ، امام زہری ، امام حسن ، امام ابو ثور اور امام داؤد بھی کرتے ہیں ان فقہائے کرام میں سے امام مالک کی طرح ، کچھ یہ رعایت دیتے ہیں کہ اگر ، ادارۂ زکوٰۃ کے اندازے کے بعد ، فصل کو نقصان پہنچ جائے یا اس کے اتارنے سے پہلے وہ بالکل برباد ہو جائے تو نقصان کی نسبت سے فصل کے قانونی مالک کی زکوٰۃ کے واجبات میں کمی کر دی جائے گی ۔ مگر امام شافعی کے ساتھ دوسرے فقہائے کرام اصرار کرتے ہیں کہ قانونی مالک کو فصل پر ادارہ زکوٰۃ کے تخمینے کے مطابق زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنے چاہئیں ، خواہ یہ نقصان اس کی کسی غلطی کے بغیر ہی پہنچا ہو ۔

اس کے برعکس امام ابو حنیفہ ، امام سفیان ثوری ، امام محمد بن الحسن ، امام محی الدین بن العربی ، امام طحاوی اور ان سب کے پیروکار مندرجہ بالا طریقہ کار کو قطعی ناجائز سمجھتے ہیں ۔ اس موقف کو امام طحاوی سے روایت کی ہوئی اس حدیث سے تقویت ملتی ہے ۔

> جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے خرص سے منع فرمایا اور آپؐ نے سوال کیا : کیا تم نے غور کیا کہ اگر کھجوریں برباد جائیں تو کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کا مال باطل طور پر لے لے ۔ (روایت امام طحاوی)

مزید برآں ، فصلوں پر تعینِ زکوٰۃ کے لئے ان کا پہلے سے اندازہ کرنا سود خوری کے مشابہ ہے جس کی ملامت کی گئی ہے کیونکہ اس طریقے میں ایک مفروضہ تازہ پھل کی مقدار کی نسبت سے زکوٰۃ کے واجبات متعین کئے جاتے ہیں جو بعد ازاں خشک پھل کی شکل میں ادا کئے جاتے ہیں ، اور اس وقت محض قیاس کیا جاتا ہے کہ پھل خشک ہو کر وزن اور حجم میں قدرتی طور پر کسی حد تک کم ہو جاتا ہے ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زکوٰۃ واجب الادا ہونے کے وقت پیمانے یا وزن کو پورا کرنے کے لئے خشک پھل کی زیادہ مقدار ادا کرنی

Marfat.com

پڑتی ہے۔

حقیقتاً زکوٰۃ کے نفاذ کا یہ طریقہ قرآن پاک میں دیئے ہوئے اخلاقی اور اقتصادی دونوں اصولوں سے قطعی متضاد ہے نہ صرف یہ طریقہ سود خوری کی حمایت میں ہے بلکہ یہ متعلقہ اقسام کی زکوٰۃ کو ظنی تخمینی اور قیاسی بنیادوں پر لے آتا ہے۔ اور قرآن پاک کے فرمان کے مطابق:

..... وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً ۝

...... یہ معلوم ہے کہ وہم و گمان امر حق کے متعلق نفع بخش نہیں ۝ (سورہ النجم، آیت نمبر ۲۸)

مذکورہ بالا بیان کے مطابق اس دستور کو سچا ثابت کرنے کے لئے جو دلیل پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ متعلقہ فصل کے قانونی مالک کو تخمینے کے بعد تازہ کھجوریں اور انگور جب جی چاہے کھانے کی آزادی ہونی چاہیئے۔ لیکن اس اصول کے پیش نظر کہ سڑنے والی پیداوار پر زکوٰۃ نافذ ہو نہیں سکتی، برعکس خشک کھجور اور خشک انگور کے تازہ کھجور اور تازہ انگور دونوں سڑنے والے ہیں کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ ایک نخلستان یا تاکستان (انگور کے باغ) کے قانونی مالک کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ اپنی تازہ یا بہ الفاظ دیگر اپنی سڑنے والی پیداوار کو خرچ کرنے سے باز رہے۔ درحقیقت مذکورہ قرآنی آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے:

کلوا من ثمرہٖ اذا اثمر واتوا حقہٗ یوم حصادہٖ ۝

...... جب (یہ درخت) پھلیں تو ان کے پھل میں سے کھاؤ اور فصل اتارنے کے دن اس کا حق ادا کرو ...... ۝

(سورۃ الانعام، آیت نمبر ۱۴۱)

اس آیت کے الفاظ اس نظریے کی تصدیق کرتے ہیں کہ قانونی مالک تازہ پھل کو پوری آزادی سے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے بغیر جہاں جی چاہے خرچ کر سکتا

Marfat.com

ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی نو صرف فصل اتارنے کے وقت واجب ہوتی ہے اور وہ بھی قانونِ زکوٰۃ کے بنیادی اصول پورے ہونے کی شرط پر کہ اتاری ہوئی فصل کو کم از کم ایک سال تک محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔

یہ معروف حقیقت ہے کہ کھجور کا پھل پہلے پک جانے کے وقت (یعنی جب "بلغ" یا "رطب" ہوتا ہے) کھانے کے قابل تو ہوتا ہے۔ لیکن اس وقت تک محفوظ رکھنے کے قابل نہیں ہوتا عموماً انہیں خشک ہونے کے لئے درخت پر ہی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس قسم کی پیداوار پر زکوٰۃ اس وقت وصول کی جا سکتی ہے "جب فصل اتارنے کا دن" ہو، یعنی کھجوریں خشک ہو جائیں اور محفوظ کئے جا سکنے کے قابل (تمر) ہو جائیں۔ اور انہیں اتار لیا جائے۔

بالفاظِ دیگر قانونِ زکوٰۃ کے اصولوں کے مطابق زکوٰۃ ایک زرعی پیداوار پر اس وقت نافذ ہوتی ہے جب اس نے، بغیر مصنوعی ذرائع کے قدرتی طور پر اس ہی "قدر دوام" کی خاصیت حاصل کر لی ہو جو تنہا اس کو قابلِ زکوٰۃ بناتی ہے۔

انگوروں سے متعلق ان کو اتار لینے کے بعد خشک کیا جاتا ہے۔ چنانچہ زکوٰۃ اس وقت نافذ ہوتی ہے جب انگور خشک کر لئے جائیں۔ یعنی جب وہ کشمش کی شکل میں آ جائیں اور خراب نہ ہونے کی خاصیت حاصل کر لیں [1]

ان دونوں صورتوں میں کھجور اور انگور صرف خشک حالت میں قابل زکوٰۃ ہیں۔ اور وہ بھی صرف اسی وقت جب ان کی مالیت نصاب کے برابر یا زیادہ ہو ان اصولوں کی روشنی میں زرعی پیداوار کا ایک قیاسی وزن یا مقدار جو ابھی زکوٰۃ کے نفاذ کی اہم بنیادی شرط پوری نہیں کرتا اس پر زکوٰۃ

---

[1] امام محمد بن الحسن اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ اگر انگور خشک کر کے کشمش نہ بنائے جائیں تو وہ قابل زکوٰۃ نہیں ہیں۔

Marfat.com

نافذ کرنے کے لئے ایک غیر اصولی طریقہ اختراع کرنا صریحاً ناقابل قبول ہے۔

کھڑی فصلوں پر ادارۂ زکوٰۃ کے اندازہ لگانے میں صرف ایک فائدے کا امکان ہے کہ زکوٰۃ کے واجبات حاصل کرنے میں عاملین زکوٰۃ کی سہولت و آسانی کا خیال رکھتے ہوئے وقت سے ذرا پہلے ادارۂ زکوٰۃ اور قانونی مالکوں دونوں کو معلوم ہو جائے کہ کن فصلوں سے قابل زکوٰۃ پیداوار حاصل ہونے کا امکان ہے، اور کن سے نہیں لیکن کھڑی فصلوں پر تعین زکوٰۃ کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنا یقیناً قرآنی اصولوں کی رو سے غیر اسلامی ہے۔

عشری اور خراجی زمینیں:

ایک آخری قانونی نکتہ جو خصوصی توجہ کا طالب ہے وہ فقہ حنفی کے نفاذ زکوٰۃ کا نامناسب طریقہ ہے جو خاص حالات میں تسلیم کرتا ہے کہ (الف) زمین کا مسلمان مالک دوگنا عشر یعنی اپنی زرعی پیداوار پر بیس فی صد زکوٰۃ ادا کرے اور (ب) زمین کا مسلمان مالک اپنی زرعی پیداوار پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا جائے اور اس کی بجائے وہ مسلم ریاست کو خراج ادا کرے۔

یہ حیران کن بے قاعدگیاں اس امر سے پیدا ہوتی ہیں کہ فقہ حنفی کی رائے میں محصول کو خواہ وہ عشر (زرعی پیداوار کی زکوٰۃ) ہو یا خراج، کچھ عوامل ناقابل تبدیل طریقہ سے زمین سے وابستہ کرتے ہیں۔ اس رائے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عشر کے اصلی مقصد میں قانونی مالک کے دعوئے اسلام کے بجائے اس کی زمین کی قانونی نوعیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

یہ بات ہمارے موضوع کے لئے قطعی بے محل ہوگی کہ ہم خراج کے ٹیکس کی ادائیگی کے اصولوں کو تفصیل سے یہاں بیان کریں۔ تاہم زیر بحث نکتے کی واضح تفہیم کے لئے یہ ضروری ہے کہ عشر والی زمینوں (الآراضی العشریہ) اور خراج والی زمینوں (الآراضی الخراجیہ) کا بنیادی فرق واضح کر دیا جائے اور یہ بھی

Marfat.com

بتلا دیا جائے کہ فقہ حنفی میں ان کے بارے میں عام اصول کیا دیئے گئے ہیں۔

خالص اسلامی نقطہ نظر سے تمام ان زمینوں پر جن کے قانونی مالک مسلمان ہوں۔ جب کاشت کی جاتی ہو اور ان کی پیداوار قانون زکوٰۃ کی رو سے قابل زکوٰۃ ہو تو وہ عشری زمینیں ہیں۔

عشر یعنی زرعی پیداوار کی دس فیصد زکوٰۃ قانونی مالک کے دعوئے اسلام ہی کی وجہ سے کاشت کی ہوئی زمین کی پیداوار سے وابستہ ہے چنانچہ اس کے اولین دور میں جزیرہ نمائے عرب کا تقریباً تمام علاقہ اس کے باشندوں کی اکثریت کے قبول اسلام کے سبب عشری زمین بن گیا صرف ان چند قبائل کو خراج ادا کرنا تھا جو دائرہ اسلام سے باہر رہے لیکن اسلامی ریاست کے باج گزار تھے۔

فقہائے کرام نے عشری زمینوں کی مزید تعریف اس طرح کی ہے۔

(الف) جن تمام علاقوں کو جنگ کے نتیجے کے طور پر فتح کیا جائے پھر ان کی زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائیں تو یہ مسلمانوں کی قانونی جائیداد ہونے کے سبب "عشری زمینیں" کہی جاتی ہیں۔

(ب) مسلمانوں کے رہائشی باغات بھی، جن کے قانونی مالک انہیں قابل زکوٰۃ پیداوار کی زراعت کے لئے کام میں لے آئیں، "عشری زمینیں" کہی جاتی ہیں۔

(ج) مسلم ریاست کی اجازت سے مسلمانوں کے ہاتھ سے صاف اور تیار کی ہوئی زمینیں جن میں قابل زکوٰۃ پیداوار کی کھیتی باڑی کی جائے اور اسی سبب سے ان ہی مسلم کاشت کاروں کی قانونی مسلمہ جائیداد بن جائیں تو یہ بھی "عشری زمینیں" کہلائی جاتی ہیں۔

خراج کا ٹیکس مسلمانوں کی ایجاد نہیں ہے اسلام سے پہلے کی حکومتیں

بھی خراج وصول کرتی تھیں۔ مسلمانوں نے بس اسے برقرار رکھا۔ چین قدیم، مصر کے قدیم فرعون، اشور اور بابل، ماذا اور فارس، رومی شہنشاہیت، قدیم یونانی ریاستیں، عیسائی بیزنطینی سلطنت، ساسانی ایران، وسطی یورپ کے ممالک عیسائیت کی نشاۃ ثانیہ سے پہلے اور بعد میں، ان سب قدیم حکومتوں میں ملکی لگان کے طور پر خراج کا وصول کرنا ایک عام اور معمولی رواج تھا۔

اسلامی قانون کی رو سے خراج کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ یہ مسلم ریاست، اپنی غیر مسلم رعایا پر ان کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے ان کی زمینوں کی پیداوار پر نہیں بلکہ ان کی زمینوں کی پیداآوری کی خاصیت کی بنا پر ٹیکس لے یعنی یہ قابل کاشت زمین پر عائد کردہ ٹیکس ہوتا ہے غیر مسلم رعایا اپنی مسلم حکومت کو خراج اس لئے دیتے ہیں کہ اس کے بدلے میں وہ امن وامان برقرار رکھیں اور مسلم حکومت انہیں دشمن کے حملوں سے محفوظ رکھے۔

خراجی زمینوں کی تعریف یوں ہے:

(الف) مسلم ریاست کے نئے مفتوحہ علاقوں کے غیر مسلم باشندوں کے پاس ان کی اپنی جو زمینیں رہنے دی جائیں۔ مسلّمہ قانون مالکوں کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے ان کو "خراجی زمینیں" کہا جاتا ہے۔

یہ اصول دونوں قسم کے غیر مسلموں پر عائد ہوتا ہے جنہیں فقہی اصطلاح میں "تغلبی" اور "ذمی" کہا جاتا ہے۔ "تغلبی" سے مراد وہ غیر مسلم ہیں جنہیں میدان جنگ میں شکست دی گئی تھی۔ اور وہ اب مسلم ریاست کے تحت ہیں اور "ذمی" ان غیر مسلموں کو کہا جاتا ہے جو ایک معاہدے کے تحت مسلم ریاست کی رعایا بننا قبول کریں اور مسلم ریاست اس کے بدلے میں انہیں جان، مال، شہری حقوق اور آزادی عبادت کا تحفظ دیتی ہے۔ یعنی ان کا ذمہ یا حمایت لے لیتی ہے۔ غیر مسلم مغلوب رعایا اور وہ غیر مسلم اقوام جو اپنی آزاد مرضی سے مسلم علاقوں میں رہنے اور تحفظ میں

آنے کی درخواست کریں۔ ذمی کی حیثیت حاصل کر سکتی ہیں[1]

(ب) ایسی بنجر زمینیں جنہیں ذمی مسلم ریاست کی اجازت سے کاشت کرنے کے لئے صاف و تیار کریں۔ پھر مسلم حکومت انہیں ان زمینوں پر حقوق ملکیت دے دے۔ وہ بھی "خراجی زمینیں" کہی جاتی ہیں۔

(ج) جن علاقوں کی زمینوں کو مسلم افواج فتح کرلیں، اور مسلم ریاست بطور انعام ذمیوں کو دے دے جنہوں نے اس جنگ میں مسلم ریاست کی خدمات انجام دی ہوں۔ یہ بھی "خراجی زمینیں" سمجھی جاتی ہیں۔

(د) ذمیوں کے رہائشی باغات بھی "خراجی زمینیں" شمار ہوں گے۔ جب انہیں کھیتی باڑی میں تبدیل کر لیا جائے۔

(ہ) عراق، مصر اور شام کی کچھ زمینوں کو جو اسلام کے دور اوّل میں مسلم تسلط کے تحت آئیں۔ فقہائے کرام نے لازمی "خراجی زمینیں" قرار دیا ہے کیونکہ خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضؓ نے ان پر خراج عائد کیا تھا۔

لیکن یہ نکتہ قابل غور ہے کیونکہ اس فیصلے میں اس امر کو پیش نظر نہیں رکھا گیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے ان زمینوں پر خراج اس لئے عائد کیا تھا کہ انہوں نے یہ زمینیں ان کے اصلی غیر مسلم مالکوں کے پاس رہنے دی تھی۔

ان عام اصولوں کے علاوہ صحابہ کرام کے متفقہ فیصلے سے یہ قرار پایا تھا۔ کہ اگر ایک تغلبی، یعنی مغلوب رعایا کا ایک فرد کسی مسلمان سے اس کی عشری زمین خریدے تو اسے چاہیئے کہ وہ مسلم ریاست کو دوگنا عشر (جو کہ بیس فیصد خراج کے برابر ہے) ادا کرے۔ امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے۔ لیکن امام محمد

---

[1] عربی زبان میں، "ذمی" سے مراد "تحفظ کیا گیا" ہے۔ جو معنیٰ غیر مسلم مستشرقین اس لفظ کو دیتے ہیں، یعنی "تحمل کیا گیا" وہ قطعی غلط ہے۔

Marfat.com

بن الحسن کی رائے یہ ہے کہ ملکیت کے تبدیل ہونے سے شرح محصول میں فرق نہیں آنا چاہیئے۔ اس لئے اس معاملے میں "تغلبی" کو اپنی پیداوار کا دس فی صد حصہ خزانہ زکوٰۃ میں نہیں بلکہ مسلم ریاست کو ادا کرنا چاہیئے اس توجیہ کی بنیاد غالباً اس رائے پر رکھی گئی تھی کہ ہر ایک ملکیت کے تبادلے کے ساتھ زمین کے محصول کی جو قسم حکومت کے دفتروں میں درج کی گئی تھی کہ اس کا اندراج کرنا زیادہ پیچیدہ ہوا ہو گا۔ اور شاید یہ رواج بھی قائم کرنا مقصد ہو گا کہ اگر عراق مصر اور شام کی وسیع زرعی پیداوار "خراجی زمینیں" جن سے مسلم ریاست بڑی آمدنی حاصل کرتی تھی۔ مسلمانوں کی ملکیت میں آئیں تو اس خراج سے حاصل شدہ آمدنی ریاست کے ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔

دوسری طرف، امام ابو حنیفہ کی رائے میں اگر ایک عیسائی ذمی ایک مسلمان سے عشری زمین خریدتا ہے تو اسے مسلمان ریاست کو خراج ادا کرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ اس کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے خراج کی ادائیگی اس کا فرض ہے۔ اور عشر یعنی زرعی پیداوار کی دس فی صد زکوٰۃ کی ادائیگی اس کا فرض نہیں امام ابو یوسف اس نقطہ نظر سے اختلاف کرتے ہیں ان کی یہ رائے ہے کہ اس صورت میں عیسائی مالک زمین کو دگنی زکوٰۃ مسلم ریاست کو دینی ہو گی۔ کیونکہ ایسا کرنا حکومت کے دفتروں میں محصول کی رقم کو عشر سے خراج میں تبدیل کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ امام محمد بن الحسن یہاں بھی اپنی رائے پر قائم رہتے ہیں کہ متعلقہ زمین "عشری زمین" ہی رہنی چاہیئے، یعنی اس زمین کی پیداوار کا دس فی صد حصہ ہی بطور محصول ادا کرنا ہو گا۔

پھر امام ابو حنیفہ کی یہ رائے ہے کہ اگر ایک مسلمان کسی عیسائی مالک زمین سے فوقیت کی بنا پر ہی سہی زمین خریدے یا کسی وجہ سے کسی عشری زمین کی عیسائی کے ہاتھوں ابتدائی فروخت کو باطل قرار دیا گیا ہو۔ اور وہ اصل مسلمان مالک کو واپس مل جائے۔ تو یہ زمین دوبارہ باقاعدہ "عشری

Marfat.com

زمین" قرار دے دی جائے گی۔ پہلی صورت میں جس مسلم نے زمین حالیہ عیسائی مالک سے خریدی ہے۔ تو اس خیال سے کہ اس کا اصل مالک ایک مسلمان ہی تھا۔ اس سودے کو یوں سمجھا جائے گا کہ یہ دو مسلمانوں کے درمیان طے پایا ہے۔ دوسری طرف میں جب عیسائی کو زمین کی فروخت ہی باطل قرار دی جائے اور زمین پھر اصل مسلمان مالک کو واپس ملے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس کا حق ملکیت کبھی ختم نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا خراج یا دو گنے عشر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مزید برآں امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک ذمی ایک تغلبی سے دو گنے عشر والی زمین خریدتا ہے تو اسے بھی دوگنا عشر یعنی اپنی پیداوار کا بیس فیصد حصہ محصول ادا کرنا پڑے گا۔ اور امام ابوحنیفہ کی رائے میں جب ایک مسلمان ایک ذمی سے، یا ایک تغلبی سے دو گنے عشر والی زمین خریدے یا ایسی زمین کا ذمی یا تغلبی مالک مذہب تبدیل کر کے مسلمان ہو جائے تو باوجود قانونی مالک کے دعوے اسلام کے اسی اصول کا اطلاق ہو گا۔ وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ دوگنا عشر ایسی زمین سے وابستہ ہو گیا ہے اور اس لئے اس کے مسلمان مالک کو بھی یہی دوگنا عشر ادا کرنا چاہیئے جس طرح کہ خراج زمین سے وابستہ ہو جاتا ہے اور ایسی زمین کو جو بھی مسلمان خریدے یا کسی اور جائز طریقے سے اس پر قانونی ملکیت حاصل کرے اس کو یہ خراج دینا ہو گا۔[1] فرق صرف یہ ہو گا کہ دو گنے عشر والی زمینوں

---

[1] امام ابوحنیفہ کا یہ مذکورہ فتویٰ ان کے مندرجہ بالا فتویٰ سے متضاد ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ خراج زمینوں پر اس لئے فرض ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔

امام ابو یوسف دو گنے عشر کی زمینوں کی بابت کہتے ہیں کہ جب (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کا مسلم مالک یہ دو گنا عشر خزانہ زکوٰۃ میں ادا کرے گا۔ اور خراج والی زمینوں کا خراج مسلم ریاست (یعنی خزانہ حکومت) کو ادا کیا جائے گا۔ بالفاظ دیگر متعلقہ خراجی زمینوں کا قانونی مالک اگر مسلم ہے تو عشر یعنی قابلِ زکوٰۃ زرعی پیداوار کی زکوٰۃ ادا کرنے کی فرضیت سے مستثنیٰ رہے گا۔

مذکورہ بالا بیان کے مطابق خراج زمین کے دوسرے عام ٹیکسوں کی طرح نہیں ہے بلکہ یہ صرف غیر مسلم رعایا کی زمینی جائیداد پر خاص ٹیکس ہے جو ان کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے عائد کیا جاتا ہے: یہ مسلم ریاست اور غیر مسلم رعایا کے درمیان معاہدہ کے ثبوت کے طور پر ہے جس کے مطابق غیر مسلم رعایا وفاداری کا عہد و پیمان کرتی ہے۔ اور مسلم ریاست اس کے بدلے میں دشمن سے ان کا بچاؤ اور ان کی جان و مال اور حقوق کی حفاظت کرتی ہے اس سے واضح ہے کہ جونہی یہ ٹیکس عائد کرنے کی وجہ ختم ہو جائے اس کا نفاذ بھی ختم ہو جائے گا۔ دوسرے الفاظ میں جب "خراجی زمین" کا قانونی مالک مسلمان ہو جائے۔ یا وہ ایک مسلمان کی قانونی ملکیت میں آجائے تو خراج عائد کرنے کی وجہ ختم ہو جاتی ہے اور اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہے کہ متعلقہ زمین "خراجی زمین" نہیں رہتی بلکہ اس کے قانونی مالک کے مسلمان ہونے سے خود بخود "عشری زمین" بن جاتی ہے۔

برخلاف اس کے جب ایک مسلمان اپنی زمین کسی غیر مسلم کو فروخت کرے تو یہ خود بخود اور لازماً ایک "عشری زمین" نہیں رہتی۔ بلکہ خراج کے تحت

(باقی پچھلے صفحہ سے آگے) ایک مسلمان ایسی زمینوں کو غیر مسلم سے خریدتا ہے تو یہ زمینیں پھر باقاعدہ عشری زمینیں ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ دوگنے عشر کا قانونی سبب (یعنی سابقہ مالک کا غیر مسلم ہونا) ساقط ہو جائے گا۔

Marfat.com

آجاتی ہے۔

زکوٰۃ سے متعلق یہ سمجھنا بہت مشکل ہے کہ قدیم فقہائے اسلام نے اسے زمین سے کیوں وابستہ کر دیا ہے کیونکہ یہ حقیقت تو لاریب فیہ ہے کہ زراعت کی زکوٰۃ صرف نہ سڑنے والی پیداوار سے وابستہ ہے اور یہ بھی صرف اسی وقت جب قابل زکوٰۃ پیداوار کا قانونی مالک اسلام کا پیرو ہے۔

قانون زکوٰۃ کے بنیادی اصولوں کی رو سے یہ ضروری نہیں کہ پیداوار کا قانونی مالک جس کے ذمہ لازماً اس پیداوار پر زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔ اس زمین کا قانونی مالک بھی ہو جس سے یہ پیداوار حاصل کی گئی ہے جب تک کہ وہ زمین جائز طور پر اس کے قبضے میں رہے۔ حتیٰ کہ اگر ایک مسلمان کسی غیر مسلم سے زمین کرائے پر لے تو اس زمین سے جتنی قابل زکوٰۃ پیداوار کا وہ قانونی مالک ہوگا۔ اس کی زکوٰۃ اسے ضرور ادا کرنی ہوگی۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ زمین کا قانونی مالک غیر مسلم ہے مسلمان کرائے دار پر زکوٰۃ کی ادائیگی اس کے دعوائے اسلام کی وجہ سے اور قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار کے قانونی مالک کی حیثیت سے فرض ہے۔

چونکہ زکوٰۃ کے نفاذ کی اصل وجہ تو قابل زکوٰۃ پیداوار کی موجودگی ہے تو مسلم مالک کے لئے اس پیداوار کی قانونی ملکیت ہی کافی شرط ہے کہ وہ اس پر زکوٰۃ ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

علاوہ ازیں زکوٰۃ چونکہ دین اسلام کا ایک رکن ہے ہر مسلمان کے لئے اس فرض کی ادائیگی ہمیشہ کے لئے لازمی ہو جاتی ہے جب کبھی اس کی ادائیگی کی شرائط پوری ہو جائیں۔ لیکن خراج چونکہ قرآن پاک سے نافذ شدہ ٹیکس نہیں ہے اس میں ریاست اضافہ یا ترمیم کر سکتی ہے۔ یا اس کا نفاذ معطل یا قطعی طور پر ختم کر سکتی ہے۔ اور اس کے بدلے دوسرے زمینی ٹیکس لگا سکتی ہے برعکس زکوٰۃ کے جس کو انسانی عقل و تدبیر سے کئے ہوئے

Marfat.com

کسی فیصلے سے کبھی بھی اور کسی بھی طرح نہ تو معاف کیا جا سکتا ہے نہ ختم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے بدلے میں کوئی اور ٹیکس لگایا جا سکتا ہے۔

فقہ حنفی کی رو سے ایک ہی شخص پر عشر (یعنی زرعی پیداوار کی زکوٰۃ) اور خراج عائد نہیں کئے جا سکتے۔ اس کے برعکس مالکی اور شافعی فقہ، کچھ خاص حالات میں دونوں نافذ کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ یہاں اس وضاحت کی ضرورت نہیں کہ قرآنی نقطۂ نظر سے ایک شخص پر عشر اور خراج عائد کرنا متناقص ہے یہ تو اس بات کے مترادف ہے کہ بعض خاص حالات میں ایک ہی شخص مسلمان بھی ہے اور غیر مسلم بھی۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے وہ اسلام کی طرف سے عائد شدہ فرائض ادا کرے اور بسبب غیر مسلم ہونے کے وہ غیر مسلموں پر واجب کئے ہوئے احکام بجا لائے۔

اس میں شک نہیں کہ اگر قومی حالات متقاضی ہوں تو ملک کی تمام پیداآور قابل کاشت زمینوں پر ریاست کا ایک باقاعدہ زمینی ٹیکس نافذ کرنا قطعاً قابل اعتراض نہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک مسلمان ایسا لگان دے کر اپنی قابل زکوٰۃ پیداوار پر ادائیگیٔ زکوٰۃ کی فرضیت سے سبک دوش ہو گیا ہے۔ بلکہ اسے زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ ایسا ریاستی ٹیکس بھی دینا ہوگا۔ تاہم مسلم ریاست کا ایک ایسا باقاعدہ زمینی ٹیکس خراج نہیں ہے۔ اور اس کو خراج کے مفہوم میں کبھی نہیں لینا چاہیئے۔

فقہ حنفی کے غیر طبیعی نقاط نظر میں سے آخری فتویٰ یہ ہے کہ تمام وہ دریا جھیلیں، چشمے اور کنوئیں جو خراجی زمینوں میں موجود ہیں، یا ان میں سے نکلتے ہیں، "آب خراج" ہیں [1]۔ اس فتویٰ کی رو سے اگر ایک مسلمان، مسلم افواج

---

[1]: امام محمد بن الحسن نے دریائے جیحون، دریائے صیحون، دریائے فرات اور دریائے دجلہ کو "آب عشر" قرار دیا تھا۔ کیونکہ ان (باقی نوٹ اگلے صفحہ پر)

کے فتح کردہ علاقوں میں مسلم ریاست سے کچھ زمین مکان کے لئے حاصل کرتا ہے۔ پھر متعلقہ زمین کو زیر کاشت لے آتا ہے، تو اگر اس زمین کو "آبِ عشر" سے سیراب کیا جائے۔ یہ "عشری زمین" قرار پائے گی۔ اور اگر اسے "آبِ خراج" سے سیراب کیا جائے۔ تو یہ "خراجی زمین" ہوگی۔ اس انوکھی بات کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ ایسے حالات میں محصول خواہ عشر ہو یا خراج لگاتے ہوئے یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ آیا قانونی مالک مسلمان ہے یا نہیں بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ زمین کو کس قسم کے پانی سے سیراب کیا جا رہا ہے۔

اسی طرح فقہ حنفی کے مطابق اگر ایک غیر مسلم اپنی زمین کو کھیتی باڑی کر کے "آبِ خراج" سے پانی دیتا ہے۔ تو اسے خراج ادا کرنا چاہیئے اور اگر "آبِ عشر" سے سیراب کرتا ہے تو اسے عشر، یعنی زرعی پیداوار کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگا!

امام محمد بن الحسن کی رائے ہیں، اگر متعلقہ زمین کو "آبِ عشر" سے سیراب کیا جاتا ہے تو غیر مسلم مالک کو چاہیئے کہ وہ اپنی پیداوار کا عشر یعنی دس فیصد حصہ مستقلاً مسلم ریاست کو ادا کرے۔ لیکن امام ابو یوسف کی یہ رائے ہے کہ اس صورت میں غیر مسلم مالک کو اپنی پیداوار کا "دوگنا عشر" یعنی بیس فی صد حصہ دینا ہوگا۔

اب یہ ایک غیر متنازع حقیقت ہے کہ عشر اور خراج کی اصل وجوہات

(سابقہ صفحہ کا) کے زمانے میں یہ دریا کسی خاص حکومت کے تحت نہیں تھے" امام ابو یوسف ان ہی دریاؤں کو "آبِ خراج" اس دلیل سے قرار دیتے تھے کہ "ان دریاؤں کے پانی پر جہاز رانی کرنے والی کشتیاں کسی نہ کسی غیر مسلم حکومت کے زیر تحفظ تھیں"۔

Marfat.com

کو ہٹا کر زمین کو سیراب کرنے والے پانی کی قسم کو اصل بنیاد قرار دینا دونوں محصولوں کو ان کی اصل اہمیت سے محروم کر دینے کے مترادف ہے اور ہر زاویہ نگاہ سے ان اصولوں اور شرائط کی قطعی نفی کرتا ہے جو ان دو بالکل مختلف محصولوں کے وجود اور نفاذ کی بنیاد ہیں ۔

اس لئے خراج کو جس سے ہمارا یہاں بلاواسطہ تعلق نہیں ہے ایک طرف رکھتے ہوئے ہم اس حقیقت کو زور دے کر دہراتے ہیں کہ زکوٰۃ ایک مقدس فرض ہے جو ہر مسلمان مرد اور عورت پر اس کے مسلم ہونے کی وجہ سے نافذ ہوتا ہے ۔ اور چونکہ وہ قرآن پاک کے امر سے نافذ کیا گیا ہے ۔ اس لئے اس کی خصوصیت اور نفاذ دونوں کے اعتبار سے کسی تبدیلی کو گوارا نہیں کیا جا سکتا ہے[1]

---

[1] ۔ یہ ذکر خالی از دلچسپی نہیں ہوگا کہ موجودہ زمانے کے غیر مسلم نقاد اس کو ناانصافی قرار دیتے ہیں کہ زرعی پیداوار کی زکوٰۃ دس فیصد ہوتی ہے اور اس کے مقابلے میں غیر مسلم مالکان اراضی پر خراج ٹیکس کی شرح بیس فی صد ہے یہ اعتراض کرتے ہوئے ، یہ ذہن میں نہیں رکھا جاتا کہ مسلم مالکین اراضی اپنی پیداوار کی زکوٰۃ کے علاوہ اپنی زمینوں پر حکومت کے دوسرے ٹیکس بھی ادا کرتے ہیں ۔
دوسری طرف موجودہ زمانے کے مسلم نقاد حکومت کے ٹیکسوں کی ادائیگی کے علاوہ مسلم مالکین اراضی کے لئے اپنی پیداوار پر زکوٰۃ ادا کرنے کو غیر منصفانہ قرار دیتے ہیں یہ تنقید کرتے ہوئے زکوٰۃ کی اصلیت اور مقصد کو سامنے نہیں رکھا جاتا ۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ آج کے زمانے میں اراضی کا مسلم مالک جو مسلم حکومت کے تحت رہ رہا ہو ایک غیر مسلم کے مقابلے میں اپنے آپ کو ناموافق حالات میں محسوس کرتا ہے کیونکہ لگان اراضی کے علاوہ وہ اپنی پیداوار کی زکوٰۃ بھی دیتا ہے ۔ موجودہ زمانے کی ہر مسلم حکومت کو یہ امر (باقی نوٹ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار کی انواع

قانون زکوٰۃ کی قدیم کتابوں میں زرعی پیداوار کو نفاذِ زکوٰۃ کے نقطۂ نظر سے دو انواع میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یعنی ان زمینوں کی پیداوار جنہیں قدرتی ذرائع سے سیراب کیا گیا ہے اور دوسری ان زمینوں کی پیداوار جن کے لئے آب پاشی کا بندوبست کیا گیا ہے۔

لیکن آج کل زراعت کئی لحاظ سے ایک خالص تجارتی کام بن کر رہ گئی ہے۔ جس میں کاشت کار بالخصوص اپنی گذران کے لئے اپنی پیداوار پر ہی بلا واسطہ انحصار نہیں کرتا بلکہ اس سے مکمل طور پر تجارت کرنے، یعنی اس کو "شئے تجارت" بنانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے قابل زکوٰۃ پیداوار کی ایک تیسری قانونی نوع کے لئے قانونِ زکوٰۃ میں گنجائش ہونا چاہیئے جس میں ہر قسم کی کاشت کاری، شجرکاری، باغات اور تجارتی فارم وغیرہ شامل ہوں۔ خواہ ان کے مالک ذاتی کاشت کار ہوں یا تجارتی ادارے یا انجمن ہائے امداد باہمی ہوں جس پر صرف زکوٰۃ تجارت کے قوانین نافذ ہوں گے۔ اس نظریے سے نقد آور فصلوں پر زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کی بجائے زکوٰۃ تجارت ادا کی جانی چاہیئے۔

زکوٰۃ تجارت کے قوانین کے مطابق تاجر کے محفوظ اور چالو سرمائے کے علاوہ اس کی اشیائے تجارت (اس صورت میں کاشت کار کی پیداوار کو بھی

(سابقہ صفحے کا باقی فٹ نوٹ) پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ وہ اراضی کے لگان پر اسلامی انصاف کے مطابق اس طرح نظر ثانی کرے کہ ٹیکس کا بوجھ سب پر برابر پڑے، اور اراضی کے مالک (خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم) کی حدِ استطاعت سے نہ بڑھ جائے۔

Marfat.com

شمار کر کے پوری مجموعی مالیت پر زکوٰۃ کے واجبات کا حساب کیا جاتا ہے
اس سے یہ مراد ہے کہ زرعی پیداوار کی تمام اقسام خواہ وہ سڑنے والی ہوں یا نہ سڑنے والی ہوں جیسے تجارتی بنیادوں پر کاشت کیا گیا ہو وہ خود بخود زکوٰۃ کے تحت آ جاتی ہیں ۔ اس لئے کہ وہ باقاعدہ " نشے تجارت" قرار پاتی ہیں ۔
لہٰذا مندرجہ ذیل اصول کا نفاذ اس زرعی پیداوار پر نہیں ہوتا جو بالکل واضح طور پر تجارتی بنیاد پر کاشت کی گئی تھی ۔ بلکہ وہ صرف ان ذاتی کاشت کاروں کے لئے ہیں جن کا مقصد ابتدائی طور پر ذاتی استعمال کے لئے کاشت کرنا ہے ۔ بشرطیکہ اس کے قانونی مالک کو اپنی ضروریات سے فاضل پیداوار اپنی مرضی سے جہاں چاہے فروخت کرنے کا پورا حق حاصل ہے ۔

زرعی پیداوار کے لئے نصاب اور زکوٰۃ کی شرحیں :

رسول کریم نے مندرجہ ذیل احادیث مبارک میں قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار کے لئے نصاب اور زکوٰۃ کی شرحیں متعین فرما دی ہیں ۔

ابو سعید الخدری سے روایت ہے ، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا : اگر پانچ اونٹ بوجھ سے کھجوریں یا غلہ کم ہو تو ان سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی ۔ (روایت امام مسلم)

محمد بن عبداللہ بن جحش سے روایت ہے اور اسے دار قطنی نے ابن جحش کے مولیٰ ابو کثیر سے ، جس نے رسول اللہ سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ نے معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو یہ حکم دیا کہ ہر چالیس دیناروں پر ایک دینار (بطور زکوٰۃ) لیں) اور ہر دو سو درہموں پر پانچ درہم (بطور زکوٰۃ) وصول کریں ۔ اور پانچ اونٹ بوجھ سے کم (زرعی پیداوار) پر صدقہ فرض (یعنی زکوٰۃ) نہیں ہے اور تازہ سبزیوں پر صدقہ فرض (یعنی زکوٰۃ)

Marfat.com

نہیں لیا جائے گا۔ (روایت امام دار قطنی)

سعید بن ابی مریم نے سم سے روایت کی، اور کہا: عبداللہ بن وہب نے روایت کی اور کہا: مجھے یونس بن یزید نے زہری سے (اور انہوں نے) بیان کیا کہ آپؐ نے فرمایا: اس (زرعی پیداوار) پر جسے بارش سے یا چشموں سے پانی دیا جائے یا اسے پانی دینے کی ضرورت ہی نہ ہو (یعنی "عثریاً" جیسے کھجور کے درخت جن کی جڑیں خود زیر زمین پانی حاصل کر لیتی ہیں) عشر (یعنی دس فی صد زکوٰۃ) ہے اور اس (زرعی پیداوار) پر جسے کسی جانور سے (دریا یا کنوؤں سے) یا ہاتھ سے سیراب کیا گیا ہے، نصف عشر (یعنی پانچ فی صد زکوٰۃ) ہے۔ (روایت امام بخاری)

مسلم نے جابرؓ سے روایت کی ہے، (جابرؓ نے) کہا کہ انہوں نے نبیؐ سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا کہ اس (زرعی پیداوار) پر عشر (یعنی دس فی صد زکوٰۃ) ہے جسے دریاؤں یا بادلوں (یعنی بارش) سے سیراب کیا جائے اور جس (زرعی پیداوار) کو آب پاشی کے چکر سے پانی دیا جائے۔ اس پر نصف عشر (یعنی پانچ فیصد زکوٰۃ) ہے۔ (روایت امام عینی)

چنانچہ مندرجہ بالا احادیث میں دیئے ہوئے احکام کے مطابق، قابلِ زکوٰۃ زرعی پیداوار کا نصاب ایک ہی نوع کے پانچ اونٹ بوجھ ہے یہ بوجھ تقریباً ۶۵۳ء۸ کیلوگرام، یا ۱۶۸۰ سیر یا ۴۲ من کے برابر ہے جس قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار کی مقدار پانچ اونٹ بوجھ سے کم ہے، وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔

اس اصول میں امام ابو یوسف ایک ترمیم کی حمایت کرتے ہیں کہ جس زرعی نوع کو عام طور پر اونٹوں کے بوجھ سے ناپا نہیں جاتا۔ مثلاً کپاس تو حصولِ فصل کے وقت اس کی مالیت پر زکوٰۃ نافذ کی جائے گی۔ جب یہ مالیت غلے کے پانچ

اونٹ بوجھ (یعنی ۴۲ من) کی قیمت کے برابر یا زیادہ ہو۔ امام ابویوسف کی رائے ہیں، سب سے گھٹیا قابلِ زکوٰۃ اناج مثلاً مکئی کی قیمت کو معیار تسلیم کیا جانا چاہیئے۔ اور اس قیمت کے مطابق نصاب مقرر کرکے، زکوٰۃ نافذ کی جانی چاہیئے۔[1] لیکن قانون زکوٰۃ کی روح کے پیش نظر یہ زیادہ قرینِ انصاف ہوگا کہ جو غلہ ملک کی اکثریت کی عام غذا ہو اس کی قیمت کو معیار بنا کر نصاب مقرر کیا جائے۔

اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ احادیث جن میں قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار کا نصاب مقرر کیا گیا ہے۔ ان میں صرف ان انواع (مثلاً: غلہ کھجوریں کشمش) کا ذکر ہے جنہیں اونٹوں کے بوجھ سے تولنے ناپنے کا رواج تھا۔ تاہم قرآن پاک کی سورۃ الانعام، آیت نمبر ۴۲ میں تصریح ہے کہ قابل زکوٰۃ زرعی انواع صرف اشیائے خوردنی تک محدود ہیں۔ اس لئے امام ابویوسف کی ترمیم معقول ہے اور یہ قابل زکوٰۃ

---

[1] ۔ اس نقطۂ نظر سے اختلاف کرتے ہوئے امام محمد بن الحسن نے رائے دی ہے کہ ہر قابلِ زکوٰۃ زرعی نوع پر زکوٰۃ اس وقت نافذ ہونی چاہیئے جب اس کی مقدار کم سے کم اس نوع کو تولنے والے بڑے بڑے پیمانے یا وزن سے پانچ گنا ہو۔ لیکن اس طریقے سے مختلف مالیتوں کے کئی ایک نصاب وجود میں آجائیں گے۔ اور اصل نصاب کی اہمیت کو برقرار رکھنا قطعی ناممکن ہو جائے گا۔

امام داؤد کی رائے یہ ہے کہ جو زرعی انواع اونٹوں کے بوجھ سے ناپی جاتی ہیں ان کا نصاب تو پانچ اونٹ بوجھ ہونا چاہیئے۔ اور جنہیں اونٹوں کے بوجھ سے عام طور پر ناپا نہیں جاتا ہے ان کا نصاب سرے سے ہونا ہی نہیں چاہیئے بلکہ جتنی بھی فصل ہو، اس ہی پر زکوٰۃ کا حساب کیا جائے۔

زرعی پیداوار کے غیر خوردنی انواع کے نصاب کی صحیح اہمیت کو برقرار رکھنے والی منطقی اور عملی حل کو پیش کرتی ہے۔

ذیل میں پیداوار کی ان دونوں اقسام کی جن پر زرعی پیداوار کی زکوٰۃ نافذ ہوتی ہے علیحدہ علیحدہ شرح دی گئی ہے۔

(الف) پہلی قسم ان زمینوں کی قابل زکوٰۃ پیداوار پر مشتمل ہے جو پورا سال یا سال کا بیشتر حصہ قدرتی ذرائع، مثلاً بارش، دریاؤں، ندیوں یا چشموں سے پانی حاصل کرتی ہیں۔ ان پر عشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ (دس فیصد) بطور زکوٰۃ نافذ کیا جائے گا، بشرطیکہ ان زمینوں کی حاصل شدہ پیداوار کی مقدار نصاب کے کم ازکم برابر ہو جو ملک کے اکثر باشندوں کی عام غذائی اناج کی قیمت سے اخذ کی ہوئی ہو۔

(ب) دوسری قسم ان زمینوں کی قابل زکوٰۃ پیداوار ہے جس کی آبیاری پورا سال یا سال کا بیشتر حصہ کنوؤں یا دریاؤں کے پانی سے ہو اور جسے اوپر لانے کے لئے جانور یا پمپ یا چکر درکار ہو یا ہاتھ کے ذریعے لایا جائے یا نہری پانی استعمال کیا جائے اور ایسی آبیاری کے لئے خصوصی اخراجات برداشت کرنے پڑیں۔ چونکہ ان سب ذرائع کے لئے زیادہ محنت اور خرچ کا بار اٹھانا پڑتا ہے۔ اس لئے ان زمینوں کی حاصل شدہ پیداوار پر پانچ فیصد زکوٰۃ عائد ہوگی۔ بشرطیکہ اس پیداوار کی مقدار یا مالیت نصاب کے کم ازکم برابر یا نصاب کی مروجہ قیمت کے کم ازکم برابر ہو جو ملک کی آبادی کی عام غذائی اناج کی نرخ سے اخذ کی ہوئی ہو۔

جیسا کہ وضاحت کی جا چکی ہے۔ قانون زکوٰۃ، نصاب کے علاوہ زرعی پیداوار کے لئے فرضیت زکوٰۃ کی حدود کا کوئی اور پیمانہ مقرر نہیں کرتا۔ چنانچہ ایک خشک زمین سے حاصل شدہ قابل زکوٰۃ زرعی نوع کی جو کچھ مقدار پانچ اونٹ بوجھ کی حد سے زیادہ ہو اس پر دس فی صد اور ایک تری زمین سے حاصل شدہ

قابل زکوٰۃ پیداوار کی مالیت مروجہ نصاب کی قیمت کے برابر یا زیادہ ہو، اس پر پانچ فی صد زکوٰۃ عائد ہو گی۔

زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کے قوانین:

۱۔ زرعی پیداوار کی ان تمام خوردنی انواع و اقسام پر زکوٰۃ نافذ ہوتی ہے۔ جنہیں مصنوعی ذرائع[۱] کے بغیر کم از کم ایک سال تک اچھی حالت میں محفوظ رکھا جا سکے۔ اور جن کی مقدار کم از کم نصاب (یعنی پانچ اونٹ بوجھ = ۱۵۶۸ کیلوگرام، یا ۴۲ من یا ۱۶۸۰ سیر) کے برابر ہو۔ (مثلاً گیہوں، دھان اور کشمش وغیرہ)

۲۔ زرعی پیداوار کے ان تمام غیر خوردنی انواع و اقسام پر زکوٰۃ نافذ ہوتی ہے جنہیں مصنوعی ذرائع کے بغیر کم از کم ایک سال تک اچھی حالت میں محفوظ رکھا جا سکے اور جن کی مالیت ملک کے باشندوں کی عام غذائی اناج کے پانچ اونٹ بوجھ (۱۵۶۸ کیلوگرام، یا ۴۲ من، یا ۱۶۸۰ سیر) کی قیمت کے برابر یا زیادہ ہو (مثلاً کپاس وغیرہ)

۳۔ غیر مزروعہ زمین کی تمام خودرو پیداوار، خواہ وہ خوردنی یا غیر خوردنی ہو ناقابلِ زکوٰۃ ہے جب تک کہ وہ "اشیائے تجارت" کی خاصیت نہ حاصل کر لے۔

اسی طرح مزروعہ زمین کی کاشت کی ہوئی تمام خوردنی اور غیر خوردنی پیداوار جو دواؤں میں استعمال کی جاتی ہے یا جو "غیر ضروری" اشیاء کی فہرست میں آتی ہے (مثلاً گرم مسالہ وغیرہ)، یا جسے اپنی اصل کے اعتبار سے بغیر مصنوعی

---

[۱] ۔ خوردنی چیز میں محفوظ رکھنے کے لئے مصنوعی ذرائع میں پکانا، اچار ڈالنا، ڈبوں میں بند کرنا، پاگنا، چینی کے قوام میں رکھنا، مٹھائی بنانا، وغیرہ، طریقے اور ترکیبیں شامل ہیں۔

طریقوں کے محفوظ نہ رکھا جا سکتا ہو زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔ جب تک کہ وہ "اشیائے تجارت" نہ بن جائے۔

اس ناقابل زکوٰۃ پیداوار میں مذکورہ ذیل اشیا شامل ہیں: سبزیاں اور تازہ پھل (جس میں تازہ کھجور (رطب) اور تازہ انگور (عنب) بھی شامل ہیں)[1] درخت نباتات، پھول (جس میں زعفران[2] وغیرہ شامل ہیں، شہتوت کے پتے، مہندی کے پتے[3]، کھجوروں کے پتے اور شاخیں، تمباکو، ایندھن گوند اور رال (قدرتی ربڑ، یعنی کاؤچو، جلوٹنگ، بنیانگ گوالیوے ربڑ، گٹا بلاٹا، گٹا پرچا، گٹا سیاک، مصطگی کا مسنگی، گوند، گل مہندی یا

---

[1]: امام غزالی کے نزدیک انگور اور تازہ کھجوریں (رطب) قابل زکوٰۃ نہیں ہیں۔ سوائے اس صورت کے کہ تاکستان یا نخلستان پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے اور کچے پھل کو اتارنا پڑ جائے۔ اس صورت میں ان کے خیال یہ ہے کہ ساری اتاری گئی پیداوار پر دس فی صد حصہ بطور زکوٰۃ ادا کیا جائے گا۔

[2]۔ بعض فقہائے کرام کی رائے کے برعکس امام ابو یوسف اور امام محمد بن الحسن فقہ کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ زرعی پیداوار کی طرح زعفران بھی قابل زکوٰۃ ہے۔ زعفران چونکہ صرف دواؤں میں یا بطور مصالحہ کام آتا ہے اپنی اصلیت کے اعتبار سے زکوٰۃ سے مستثنیٰ فہرست میں آتا ہے۔ جب اس کی تجارت کی جائے تو اس پر زکوٰۃ تجارت ضرور عائد ہو گی۔

[3]۔ مہندی کے پتوں کی بابت جو بحیثیت بطور دوائی استعمال ہوتے ہیں مذکورہ بالا دو اماموں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ امام ابو یوسف انہیں قابل زکوٰۃ پیداوار قرار دیتے ہیں۔ اور امام محمد بن الحسن انہیں زکوٰۃ سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں۔

Marfat.com

بلسان، کپال، کیا ئیبا، صمغ عربی، ترا گا کانٹ، صمغ سینگالی، عنبر وغیرہ) نرسل اور گھاس (اس میں گنا، پٹسن، بالس اور پیپرس وغیرہ شامل ہیں۔ بھوسا اور چارہ، چائے[۱] اور ماٹے کے پتے، تمام جنگلی پھل (جس میں گوندنی پھل، جنگلی مونگ پھلی اور سب غیر کاشت کی ہوئی گری دار میوہ شامل ہیں[۲]) گرم مسالے اور تمام دوسرے مسالے (لونگ، کالی مرچ، سب قسم کی سرخ مرچیں، جوتری، جائفل، دھنیا[۳] اور زیرے کے بیج[۴]، رائی کے بیج، سونف، الائچی کلاں، ہلدی وغیرہ) ادرک اور سونٹھ، سب قسم کے غیر خوردنی پھلیاں، اجوائن کے بیج کرفس کے بیج، کراوئے کے بیج، وانیلا کے بیج، دار چینی، غیر خوردنی نیل کی تمام پیداوار، السی کے بیج، تربوز کے بیج، ککڑی اور کھیرے کے

۱۔ چائے کے پتوں کو جو نہی اتارا جاتا ہے تو ان پر ضروری عمل مطلوب ہوتا ہے۔ اس لئے اسے قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار میں شامل نہیں کیا جا سکتا البتہ جب چائے "شئے تجارت" ہو تو پھر اس پر زکوٰۃ تجارت ضرور عائد ہو گی۔

۲۔ جنگلی پیداوار سے متعلق چونکہ اس میں قانونی ملکیت جو زکوٰۃ کے نفاذ کے لئے بنیادی شرط ہے کسی کی نہیں ہوتی اس لئے اس پر قانوناً زکوٰۃ عائد نہیں ہو سکتی مزید برآں چونکہ جنگلی پیداوار ہر ایک کے لئے مفت ہے اس لئے حاجتمند مسلمان اور غیر مسلم شہری سب ہی پوری آزادی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں حتیٰ کہ اپنے استفادے کے لئے انہیں جمع کر کے فروخت بھی کر سکتے ہیں۔

۳۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل دھنیے کو قابل زکوٰۃ قرار دیتے ہیں۔ دوسرے کئی فقہاء کی رائے ان سے مختلف ہے۔

۴۔ امام احمد بن حنبل سمیت کچھ دوسرے فقہائے کرام زیرہ اور رائی کو قابل زکوٰۃ پیداوار شمار کرتے ہیں۔

Marfat.com

بیج، اور وہ تمام بیج جنہیں بونے کے لئے رکھا جائے۔

۴۔ قانون زکوٰۃ کی رو سے تمام قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار کو قانونی انواع میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک ہی فصل میں ایک ہی قانونی نوع سے متعلق تمام پیداوار کو جمع کر لیا جاتا ہے۔ اور زکوٰۃ کے واجبات اس مجموعے پر شمار کئے جاتے ہیں غلے کی نوع میں گندم، جو، مکئی، چاول باجرا وغیرہ اکٹھے شمار ہوتے ہیں اور چنا مونگ وغیرہ جو دالوں کے نام سے موسوم ہیں، خشک میوے میں کھجوریں، کشمش خشک آلو بخارا وغیرہ شامل ہیں۔

چنانچہ، اگر ایک کاشت کار ایک ہی فصل کے وقت ایک ہی نوع کی دو یا دو سے زیادہ اقسام کی پیداوار حاصل کرتا ہے تو ان کو جمع کرنا چاہیئے اور اگر یہ مجموعہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہے تو اس پر اس حساب کے مطابق زکوٰۃ کے واجبات ضرور ادا کرنے چاہیئں۔ ایسی صورت میں یعنی جب ایک ہی قانونی نوع سے متعلقہ دو یا زیادہ اقسام کی فصلیں کاشت کی جاتی ہیں۔ اصولاً زکوٰۃ کے واجبات اس قانونی نوع کی ہر قسم سے متناسب لئے جانے چاہئیں[1]

بطور مثال اگر ایک کاشت کار کی قابل زکوٰۃ فصل قدرتی ذرائع (یعنی بارش، وغیرہ) سے سیراب ہوکر تیار ہوتی ہے۔ جس میں سے گندم دو اونٹ بوجھ کے برابر، یعنی کل وزن ۴۲ من (۱۶۸۰ سیر یا ۱۵۶۸ کیلو گرام) ہے۔

---

[1] ۔ امام غزالی نے صحیح فرمایا ہے کہ گندم کی زکوٰۃ جو سے ادا نہیں کی جانی چاہیئے۔ کیونکہ جو گندم کی نسبت سستا ہوتا ہے دوسری طرف وہ اسے تسلیم کرتے ہیں کہ ایک قسم کے جو کی زکوٰۃ میں دوسری قسم کے جو دیئے جا سکتے ہیں۔

Marfat.com

تو اس کے ایک ہی قانونی نوع ہونے کے سبب اس پوری فصل پر زکوٰۃ دس فی صد کے حساب سے ۱۶۸ سیر (یعنی ۴ من ۸ سیر یا ۱۵۶٫۸ کیلوگرام) ہو گی، جو اس طرح ادا کی جانی چاہیئے کہ اس میں دو حصے گندم، یعنی ۶۷ ۱/۵ سیر یا ۶۲٫۷ کیلوگرام ہو۔ اور جو کے تین حصے یعنی ۱۰۰ ۴/۵ سیر یا ۹۴٫۱ کیلوگرام ہو۔

دوسری طرف، اگر کاشت کار کی فصل میں دو اونٹ بوجھ کے برابر گندم ایسی زمین سے حاصل ہوا ہو جسے قدرتی ذرائع سے پانی ملا ہو اور تین اونٹ بوجھ کے برابر جو مصنوعی ذرائع سے سیراب کی گئی زمین سے حاصل ہوئی ہو یعنی جسے سیراب کرنے پر خاص اخراجات اٹھانے پڑتے ہوں۔ تو یہ فصل ایک ہی قانونی نوع کے ہونے کے سبب ان دونوں اقسام کی پیداوار کو اکٹھا کر کے گندم کے دو اونٹ بوجھ پر دس فیصد کے حساب سے ۶۷ ۱/۵ سیر یا ۶۲٫۷ کیلوگرام، زکوٰۃ دی جائے گی۔ اور جو کے تین اونٹ بوجھ پر پانچ فی صد کے حساب سے ۵۰ ۲/۵ سیر یا ۴۷ کیلوگرام ادا کیئے جائیں گے۔

اگر زکوٰۃ دینے والا، اپنی سہولت یا تقویٰ کی خاطر مذکورہ بالا فصل کے پورے واجبات زکوٰۃ گندم کی صورت میں دینا چاہے جو کہ دونوں کی نسبت زیادہ قیمتی غلہ ہے یا واجب الادا زکوٰۃ کی مقدار کو پورا کرنے کے لئے زیادہ حصہ گندم دینا چاہے تو اسے اس کی اجازت ہے۔ لیکن زکوٰۃ کے تمام واجبات کمتر قیمت کی فصل کی شکل میں یا زکوٰۃ کی واجب الادا مقدار کو پورا کرنے کے لئے کمتر قیمت کی فصل کا زیادہ حصہ دینے کی کبھی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

۵۔ قابل زکوٰۃ زرعی پیداواروں میں مندرجہ ذیل چیزیں شامل ہیں۔

غلہ (یا اناج): اس میں ہر قسم کا گندم جو مکئی باجرہ، گھٹیا گندم

مکئی اور چاول شامل ہیں۔ فصل کاٹنے کے بعد، بھوسی اتار کر، صاف کرکے، اس پر زکوٰۃ کا اندازہ کیا جائے گا۔ اور اگر اس کی مقدار نصاب کے برابر یا زیادہ ہو تو زکوٰۃ صاف غلے (یعنی جس میں بھوسی، مٹی اور دوسری چیزوں کی ملاوٹ نہ ہو) کی شکل میں ہی دینی چاہیئے۔

دالیں: اس میں ہر قسم کی دالیں، پھلوں کے بیج، مٹر اور چنے شامل ہیں۔ فصل کاٹنے کے بعد سکھا کر صاف کرکے (یعنی دانوں یا بیج کو علیحدہ کرکے) اس پر زکوٰۃ کا اندازہ کیا جائے گا اور زکوٰۃ صاف صاف دانوں یا بیج کی شکل میں ادا کی جائے گی۔

پھل: (ان سے وہ پھل مراد ہیں جنہیں، سکھائے بغیر، محفوظ کیا جاسکتا ہے) ان میں انار[1] اور کابل کے سردے[2] شامل ہیں۔ پوری فصل اتارنے کے فوراً بعد، اس پر زکوٰۃ کا اندازہ کیا جائے گا۔ پھر زکوٰۃ اس ہی پھل کی شکل میں ادا کی جائے گی۔

---

[1] ۔ جو فقہائے کرام یہ تسلیم کرتے ہیں کہ زکوٰۃ صرف نہ سڑنے والی، زرعی پیداوار پر عائد کی جاسکتی ہے وہ اناروں کی زکوٰۃ پر متفق نہیں ہیں۔ امام مالک اور امام شافعی اناروں کو تازہ پھلوں میں شمار کرکے اسے مستثنیٰ کرتے ہیں، حالانکہ قرآن پاک کی سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۴۲ میں خاص طور پہ اناروں کو قابل زکوٰۃ ٹھہرایا گیا ہے۔ برعکس اکثر تازہ پھل کے انار جلدی سڑنے والا پھل نہیں ہے۔ اور اسے طویل عرصے تک رکھا جاسکتا ہے۔

[2] ۔ کابل افغانستان کے سردے اس لحاظ سے مشہور ہیں کہ وہ قدرتی طور پر سال بھر تک محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اس کی خوبی کی بنا پر اسے زرعی پیداوار کی قابل زکوٰۃ نوع میں شامل کیا جانا مناسب ہے۔

Marfat.com

خشک پھل : اس میں خشک کھجور (تمر) کشمش (زبیب) خشک آلو بخارا، خشک انجیر، خشک خوبانی وغیرہ شامل ہیں۔ فصل اتارنے کے بعد سکھا کر اس پر زکوٰۃ کا اندازہ کیا جائے گا۔ اور زکوٰۃ صاف خشک پھل کی شکل میں ادا کی جائے گی۔

کاشت کیا ہوا گری دار میوہ : اس میں اخروٹ، ہیزل گری (بندق) پستہ بادام، ناریل، مونگ پھلی وغیرہ شامل ہیں۔ پوری فصل حاصل کرنے کے بعد، اس پر زکوٰۃ کا اندازہ کر کے زکوٰۃ صاف، پوست اتارے بغیر گری کی شکل میں ادا کی جائے گی۔

نشاستہ دار غذائیں : اس میں کساوا (Casava) یا منیوک (Manioc) کی جڑیں، ارا روٹ، خام ساگو دانہ، وغیرہ شامل ہیں۔ پوری فصل حاصل کرنے کے بعد، اس پر زکوٰۃ کا اندازہ کر کے زکوٰۃ اسی پیداوار میں سے ادا کی جائے گی۔

درختوں کے بیج : اس میں تمام اقسام کی کافی اور کوکو کی پھلیاں شامل ہیں۔ پوری فصل اتارنے کے بعد زکوٰۃ کا اندازہ کر کے زکوٰۃ خام (یعنی سبز) کافی، اور اس طرح خام کوکو کی پھلیوں کی شکل میں ادا کی جائے گی۔

خوردنی تیل والی پیداوار :[1] اس میں تمام اقسام کے زیتون، تِل[2]، ارنڈ

---

[1] ۔ اگرچہ ناریل اور مونگ پھلی سے تیل نکالا جاتا ہے۔ لیکن انہیں گری کے تحت اس لئے شامل کیا جاتا ہے کہ وہ اصلی شکل میں کھائے اور محفوظ بھی کئے جا سکتے ہیں۔

[2] ۔ تِل اگرچہ بذات خود خوردنی ہوتی ہے اور اسے محفوظ کیا جا سکتا ہے اسے اس نوع میں اس لئے شامل کیا گیا ہے کہ وہ عام غذا میں بلاواسطہ استعمال نہیں ہوتی بلکہ وہ دواؤں میں اور بطور مسالہ استعمال ہوتی ہے۔ دوسری طرف تلوں کا تیل پکانے میں عام استعمال ہوتا ہے۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل، امام شافعی کی رائے کے برعکس تلوں کو قابل زکوٰۃ فہرست میں شامل کرتے ہیں۔

Marfat.com

کی پھلیاں، مونگ پھلی، سرسوں اور تارامیرا کے بیج، بنولہ، سورج مکھی کے بیج شامل ہیں فصل پوری طرح حاصل کرنے کے بعد صاف کرکے، زکوٰۃ کا اندازہ کیا جائے گا۔ اور اگر کاشت کار خود تیل نہیں نکالے تو زکوٰۃ تیل نکالے بغیر زیتون، تل، مونگ پھلی وغیرہ کی شکل میں دی جائے گی۔ لیکن اگر کاشت کار خود ان میں سے تیل نکالے، اگر حاصل شدہ تیل کی مقدار نصاب کے برابر یا زیادہ ہے تو اس مقدار سے فصل کو سیراب کرنے کے طریقے کے لحاظ سے دس فی صد یا پانچ فیصد حصہ بطور زکوٰۃ دیا جائے گا۔

پارچہ بافی کے ریشے: اس میں خام کپاس کی تمام اقسام شامل ہیں[1]۔ فصل سے تمام حاصل شدہ خام کپاس کی مالیت پر اس وقت زکوٰۃ نافذ ہوتی ہے جب وہ ملک کے باشندوں کے عام غذائی اناج کی اوسط بازاری قیمت کے بموجب مقرر شدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو اس صورت میں پوری فصل اتارنے کے فوراً بعد زکوٰۃ کا اندازہ کیا جائے گا۔ اور زمین کی سیرابی کے طریقے کے مطابق دس فیصد یا پانچ فی صد حصہ بطور زکوٰۃ دیا جائے گا۔ یا اس حصے کی پوری مالیت کے برابر نقد رقم دی جائے گی۔

۶۔ فصل اتارنے سے پہلے کبھی بھی اور کسی بھی صورت میں زکوٰۃ نافذ نہیں کی جاسکتی نہ ہی زکوٰۃ کے نفاذ کے لئے اس کا اندازہ یا تخمینہ کیا جاسکتا ہے۔

۷۔ اگر ایک موسم میں، ایک ہی قانونی مالک مختلف قانونی انواع سے تعلق رکھنے والی قابل زکوٰۃ فصلیں (مثلاً گندم، چنا، خشک پھل، کپاس وغیرہ)

---

[1] جب کپاس نقد فصل کی طرح کاشت کی ہو تو اس پر صرف تجارت کی زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے۔

Marfat.com

حاصل کرے ، تو وہ زکوٰۃ کے اندازے کے وقت ان مختلف انواع پیداوار کو ایک قابل زکوٰۃ مجموعہ بنانے کے لئے باہم جمع نہیں کرسکتا بلکہ ہر قانونی نوع کو الگ شمار کیا جائے گا۔ اور اس کی مقدار یا مالیت کے مطابق اس پر الگ زکوٰۃ نافذ ہوگی۔

بطور مثال ، اگر ایک کاشت کار ایک ہی فصل میں پانچ اونٹ بوجھ کے برابر گندم اور تین اونٹ بوجھ کے برابر چنا حاصل کرے۔ تو اسے صرف پانچ اونٹ بوجھ کے گندم پر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ اور تین اونٹ بوجھ چنا کم از نصاب ہونے کے سبب زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گا۔

۸۔ جب بیج کو بونے کے لئے رکھ لیا جائے تو اسے زکوٰۃ کا حساب کرنے سے پہلے قابل زکوٰۃ پیداوار میں سے الگ کر لیا جائے گا۔ لیکن علاوہ ازیں کاشت کار کو بھی کسی بھی صورت میں یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ قابل زکوٰۃ مقدار یا مالیت میں سے کوئی دوسرے اخراجات تفریق کرے ، سوائے اس استثنا کے جس کا ذکر ذیل میں قانون نمبر ۲۲ میں کیا گیا ہے اور نہ ہی کسی بھی صورت میں اس کا کوئی حصہ وہ کسی کو دے سکتا ہے۔ جب تک کہ اس مقدار یا مالیت پر زکوٰۃ کے واجبات کا حساب کر کے ان کی ادائیگی نہ کر دی جائے۔

۹۔ خوردنی زرعی پیداوار کی زکوٰۃ اسی نوع اور قسم کی شکل میں ادا کی جانی چاہیئے۔ غیر خوردنی زرعی پیداوار کی زکوٰۃ اسی نوع اور قسم میں یا نقد رقوم کی شکل میں زکوٰۃ کی پوری مالیت کے برابر ادا کی جاسکتی ہے۔

۱۰۔ زکوٰۃ کے واجبات زرعی پیداوار کی شکل میں ادا کرتے ہوئے اوسط درجہ کی پیداوار دینی چاہیئے۔ لیکن رسول اکرمؐ کے اس فرمان کے مطابق جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ " لاتاخذوا من حزرات اموال الناس ، وخذوا من حواشی اموالهم " (ترجمہ : " لوگوں کے مالوں

Marfat.com

میں سے (زکوٰۃ کے واجبات لیتے ہوئے) بہترین چیزیں نہ لو بلکہ ان کے مالوں میں سے درمیانی درجے کی چیزوں میں سے لو») تو کسی صورت میں متعلقہ پیداوار کے قانونی مالک کو زکوٰۃ کی ادائیگی میں اس کی پیداوار کا سب سے اچھا حصہ دینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری طرف قرآن پاک کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۶۷ میں دیئے ہوئے حکم کے مطابق بطور زکوٰۃ خراب قسم کی زرعی پیداوار قابل قبول نہیں ہے۔

۱۱۔ قانون اسلام میں ہر قسم کی غیر پختہ کھڑی فصلوں کی فروخت ممنوع ہے۔ لیکن تیار کھڑی فصلوں کو جو پوری طرح پک چکی ہوں اور اب انہیں کسی قسم کی سیرابی کی ضرورت نہ ہو۔ فصل کاٹنے سے عین پہلے فروخت کرنے کی اجازت ہے۔

اس لحاظ سے، قانون زکوٰۃ کی رو سے اگر ایک پوری طرح تیار فصل کا قانونی مالک اسے فروخت کرے جب کہ آغاز میں اس کی فروخت کا ارادہ نہیں تھا۔ اور فصل کی مقدار نصاب کے برابر یا زیادہ ہو تو اس فصل پر زکوٰۃ کی ادائی پہلے قانونی مالک، یعنی فروخت کرنے والے کی ذمہ داری رہتی ہے جب تک اس سودے میں خرید و فروخت کرنے والوں کے درمیان ایسا باہمی معاہدہ نہ ہو کہ خریدنے والا مذکورہ فصل کی ادائیگی زکوٰۃ کی ذمہ داری قبول کرے۔

ایسے باہمی معاہدے کی عدم موجودگی میں پہلے قانونی مالک (فروخت کرنے والے) کو اپنی زرعی پیداوار کی پوری قیمت حاصل کر لینے کی وجہ سے جو کہ وہ خود فصل کاٹ کر حاصل کرتا۔ اس فصل پر ادائیگی زکوٰۃ کی ذمہ داری پوری کرنا پڑے گی۔ اور وہ فصل کے بدلے میں حاصل شدہ قیمت میں سے مطلوبہ حصہ ادا کرنے گا۔

۱۲۔ جیسا کہ مذکورہ بالا قانون نمبر ۱۱ میں اور قابل زکوٰۃ دولت کے تبادلے کے قانون نمبر ۱ سے[1] واضح ہے۔ جب ایک شخص اپنے ذاتی استعمال کے لئے کاشت کار سے تیار کھڑی فصل خریدتا ہے اور سودے کے مکمل ہونے سے پہلے ایسا کوئی معاہدہ نہ ہوا ہو جس کے مطابق خریدنے والا فصل پر زکوٰۃ کے واجبات ادا کرے گا تو خریدنے والے پر فصل کاٹنے کے وقت زکوٰۃ واجب الادا نہیں ہوگی۔ بلکہ کاشت کار پر واجب رہے گی۔

لیکن اگر متعلقہ فصل تجارت کے لئے خریدی گئی ہو تو اس پر زکوٰۃ تجارت کے قوانین کا اطلاق ہوگا۔ اور یہ فصل نئے قانونی مالک کے تجارتی سرمائے کا ایک حصہ بن جائے گی۔

۱۳۔ ایسی زرعی پیداوار، خواہ سڑنے والی ہو یا نہ سڑنے والی جسے مکمل طور پر تجارت کے لئے کاشت کیا جائے۔ یعنی "ذاتی جائیداد" کی نہیں بلکہ "شئے تجارت" کی خاصیت رکھے، اس پر صرف زکوٰۃ تجارت کے قوانین کا اطلاق ہوگا۔

۱۴۔ جب "ذاتی جائیداد کی خاصیت رکھنے والی قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار جس کی زکوٰۃ کے واجبات قانونی مالک نے ادا کئے ہیں پھر اس ہی قانونی مالک کے ارادے سے "شئے تجارت" بن جائے۔ تو اب اس پر زکوٰۃ تجارت کے قوانین نافذ ہوں گے۔

۱۵۔ جب ذاتی استعمال کے لئے کاشت کی ہوئی فصل پر (جس کی تجارت کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا) واجبات زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد قانونی مالک اپنی زائد از ضروری پیداوار کو ایسی قابل زکوٰۃ کے بدلے دے دے جس پر نفاذ زکوٰۃ

---

[1] ۔ ملاحظہ فرمائیں اس کتاب کے جزو دوم کا باب "قابل زکوٰۃ دولت کا تبادلہ"

Marfat.com

کے لئے سالِ ملکیت کی شرط لازم ہے مثلاً چاندی سونا، کرنسی نوٹ، اشیائے تجارت وغیرہ) تو اس سودے پر قابل زکوٰۃ دولت کے تبادلے کے قانون نمبر ۳[1] کا اطلاق ہوگا۔

۱۶۔ ایسی زرعی پیداوار جسے ذاتی استعمال کے لئے کاشت کیا جائے اور جو تجارتی شئے نہ بنے اگر اس کی مقدار نصاب کے برابر یا زیادہ ہے تو فصل آتارنے وغیرہ کے بعد اس پر صرف ایک دفعہ زکوٰۃ نافذ ہوگی۔ اس ادائیگی کے بعد ہی پیداوار اگرچہ قانونی مالک کے پاس ایک یا زیادہ سالوں تک بھی رہے اس پر مزید زکوٰۃ نافذ نہیں ہوگی سوائے اس صورت کے کہ یہ "شئے تجارت" قرار پائے۔

۱۷۔ زرعی پیداوار جسے کسی کاشت کار یا تاجر سے ذاتی استعمال کے لئے خریدا گیا ہو۔ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔ خواہ کتنا ہی عرصہ خریدنے والے کے پاس رہے سوائے اس کے کہ وہ پھر "اشیائے تجارت" میں شامل ہو جائے۔

۱۸۔ اگر زمین کا قانونی مالک قابل زکوٰۃ غیر تیار شدہ کھڑی فصل کے ساتھ اس زمین کو فروخت کر دیتا ہے، تو اب اس فصل پر زکوٰۃ کی ادائیگی مکمل طور پر خریدنے والے (نئے قانونی مالک) کی ذمہ داری ہوگی اور فصل اتارنے کے فوراً بعد اسے واجب الادا زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

یہاں یہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ مذکورہ بالا قانون نمبر ۱۲ میں زمین کی فروخت کے بغیر صرف کھڑی فصلوں پر بحث کی گئی ہے۔ حالانکہ یہاں فروخت اصل میں زمین کی ہے۔ جس کے ساتھ فصل بھی فروخت کی جاتی ہے۔

---

[1] ملاحظہ فرمائیں۔ اس کتاب کے جزو دوم کا باب "قابل زکوٰۃ دولت کا تبادلہ"

۱۹۔ مشترکہ ملکیت کی زرعی پیداوار پر مشترکہ ملکیت کے قوانین کے مطابق زکوٰۃ نافذ کی جائے گی۔ جن کا اس کتاب کے جزو سوم کے باب "مشترکہ ملکیت کی دولت پر زکوٰۃ" میں تفصیل سے ذکر ہے۔

تاہم قبضہ اور کاشت کاری کے نظام کے پیش نظر، جو آج مسلم دنیا کے متعدد مقامات میں پایا جاتا ہے۔ زمین کے قانونی مالک اور حصہ دار مزارعین کے درمیان پائے جانے والے خاص قسم کے اشتراک کے بارے میں چند ایک اصولوں اور قوانین کا ذکر یہاں ضروری ہے۔

(الف) زمین کا قانونی مالک اور حصہ دار کاشتکار دونوں ہی اپنے اپنے حصے یا حصول کے قانونی مالک ہونے کے سبب انفرادی طور پر اپنے اپنے حصے کی زکوٰۃ کے واجبات اس وقت خود ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ جب ان حصوں کی ہر ایک مقدار جو ایک ہی نوع کی قابل زکوٰۃ خوردنی پیداوار پر مشتمل ہو، نصاب کے برابر یا زیادہ ہو، یا اگر غیر خوردنی قابل زکوٰۃ پیداوار ہو، تو اس کی مالیت ملک کے باشندوں کی عام غذائی اناج کی اوسط بازاری قیمت سے محسوب کردہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو۔

(ب) مذکورہ بالا قانون نمبر ۸ کے مطابق، فصل اتارنے کے فوراً بعد، اس پر زکوٰۃ کے واجبات کا حساب کرنے وقت، سوائے آئندہ بونے کے بیج کے، کاشت کے باقی اور کوئی اخراجات فصل کی مالیت میں سے منہا نہیں کیئے جائیں گے۔ بلکہ باقی پوری فصل کی مقدار یا مالیت پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

(ج) جب زمین کے قانونی مالک اور حصہ دار کاشتکار کے باہمی معاہدے سے زمین کا مالک اپنے حصۂ پیداوار کی بجائے نقد قیمت وصول کر لیتا ہے۔ تو اس صورت میں بھی اس کے حصے کی مالیت پر زکوٰۃ زراعت کی ادائیگی

واجب ہے۔ اس لئے کہ مالک کا اپنے حصے کی نقد قیمت لینا اپنی قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار مزارع کو کھڑی فصل (کے حصے) کی فروخت کے بھی مترادف ہے[1]۔

بصورت دیگر فصل کی ہر قانونی نوع میں سے زمین کے قانونی مالک کے قابل زکوٰۃ حصے یا حصوں کی کل مقدار پر زکوٰۃ کے واجبات پہلے ادا کئے جائیں پھر حصہ دار مزارع مالک زمین کو اس کے حصۂ فصل کی باقی مقدار دے دے۔ دونوں صورتوں میں حصہ دار مزارع پر زرعی پیداوار کے صرف اس حصے یا حصص پر زکوٰۃ کی ادائیگی ہوتی ہے جو اس کی خاص ملکیت ہے۔

۲۰۔ جب ایک شخص ایک ہی ملک کے مختلف علاقوں میں مختلف مقامات پر قابل کاشت زمینوں کا قانونی مالک، حصہ دار، مزارع یا ٹھیکے دار ہے جن سے وہ قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار حاصل کرتا ہے تو ان مختلف مقامات کی زرعی پیداوار کی مقداروں کو ان کی قانونی انواع کے مطابق علیحدہ علیحدہ جمع کیا جائے گا۔ اور ہر نوع پر علیحدہ طور پر متعلقہ زکوٰۃ نافذ کی جائے گی۔ اور اگر ان کے الگ الگ مجموعے نصاب کے برابر یا زیادہ ہوں تو ہر ایک پر زکوٰۃ دی جائے گی۔ اور اگر غیر خوردنی پیداوار ہو تو ان کی الگ الگ مقداروں کی مالیت ملک کے باشندوں کی عام غذائی اناج کے دوران سال اوسط قیمت کے مطابق مقررہ شدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہونے پر ان الگ الگ مقداروں کی مالیت پر زکوٰۃ کے واجبات ادا کئے جائیں گے۔

---

[1]۔ مذکورہ بالا قانون نمبر ۱۱ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ قانون نمبر ۸ کی رو سے یہ ذہن میں رہے کہ ہر علیحدہ قانونی نوع سے تعلق رکھنے والی قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار پر الگ الگ زکوٰۃ کا حساب کیا جائے گا۔

Marfat.com

اس صورت میں زکوٰۃ کے واجبات ان ہی علاقوں میں اور اس ہی نسبت سے ادا کئے جانے چاہئیں جہاں اور جس نسبت سے زرعی پیداوار حاصل کی گئی ہے خواہ انفرادی طور پر خوردنی زرعی نوع کی الگ الگ مقدار نصاب کے برابر ہو یا نہ ہو، یا غیر خوردنی زرعی نوع کی الگ الگ مقداروں کی مالیت مذکورہ بالا مقرر شدہ نصاب کے برابر ہو یا نہ ہو۔

۲۱۔ بعد از وفات غیر ادا شدہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے قانون نمبر ا کے مطابق اگر قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار کی فصل کا قانونی مالک فصل اتارنے کے دوران یا اتارنے سے پہلے وفات پا جائے۔ تو فصل پر ادائیگی زکوٰۃ کی ذمہ داری وارث (یا وارثوں) یعنی نئے قانونی مالک (یا مالکوں) پر ہوگی۔ جنہیں فصل کاٹنے اور متعلقہ کام مکمل کرنے کے فوراً بعد زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنے ہوں گے۔

جب متعلقہ وراثت کو دو یا زیادہ جائز وارثوں میں تقسیم کیا جائے تو ہر وارث پر الگ الگ اپنے حصوں پر ادائیگی زکوٰۃ کی ذمہ داری ہوگی بشرطیکہ فصل کی کٹائی وغیرہ مکمل ہونے کے فوراً بعد ان کے اپنے اپنے حصے نصاب کے برابر یا زیادہ ہوں۔

۲۲۔ بعد از وفات ادائیگی زکوٰۃ کے قانون نمبر ۲ کے مطابق اگر قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار کی فصل کا قانونی مالک فصل اتارنے کے بعد لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی سے پہلے وفات پا جائے تو چونکہ متوفی کی وفات سے قبل فصل پر زکوٰۃ واجب ہو چکی تھی، وراثت کی تقسیم سے پہلے وارث یا ورثاء یعنی نئے قانونی مالکوں پر واجب الادا زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہے۔

۲۳۔ مذکورہ بالا قانون نمبر ۱۹ میں پیش کردہ حالات کے برعکس (جس میں زمین کے قانونی مالک اور شریک مزارع کے درمیان اشتراک پر غور کیا گیا

Marfat.com

ہے) جب زمین کا قانونی مالک اپنی زمین کو تعین شدہ نقد رقم کے عوض ٹھیکے پر دے دے تو ایسے حالات میں زمین کے مالک اور ٹھیکے دار کے درمیان کوئی اشتراک نہیں ہوتا۔ اس لئے قانون زکوٰۃ کے اس بنیادی اصول کی رو سے جس کے مطابق قابل زکوٰۃ دولت پر زکوٰۃ کے نفاذ کی ایک لازمی شرط اس دولت کی قانونی ملکیت ہے۔ ٹھیکے پر لی ہوئی زمین کی قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار پر ادائیگی زکوٰۃ کی ذمہ داری ٹھیکے دار کی ہے۔ جو بلاشبہ اس پیداوار کا قانونی مالک ہے۔ چونکہ یہ زرعی پیداوار پوری طرح ٹھیکے دار کی ذاتی ملکیت ہے اور اس میں زمین کے قانونی مالک کا کوئی دعویٰ نہیں ہے اس لئے زمین کے مالک کو حاصل کردہ رقم پر حاصل ہونے کے وقت کوئی زکوٰۃ ادا نہیں کرنی ہے کیونکہ یہ نقد رقم "آمدنی" کی خاصیت رکھنے کے سبب زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے[1]۔ اس نقد رقم میں سے صرف اسے حصے پر ڈھائی فیصد

---

[1]۔ یہ ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ چونکہ امام ابو حنیفہ زرعی زکوٰۃ کو زمین سے منسوب کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی رائے میں جب زمین ٹھیکے پر دی گئی ہو، زکوٰۃ کے واجبات ٹھیکے دار کو نہیں بلکہ زمین کے مالک کو ادا کرنا چاہیئے۔ حالانکہ یہ واضح اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس صورت میں قابل زکوٰۃ پیداوار کا قانونی مالک ٹھیکے دار ہے۔ مالک زمین نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک زرعی پیداوار کی زکوٰۃ زمین کے استعمال پر موقوف اور اس صورت میں، چونکہ زمین کے مالک نے ٹھیکے دار کو کرائے کے بدلے زمین کو استعمال کرنے کا حق منتقل کر دیا۔ اور ٹھیکیدار نے اس حق کے لئے مطلوبہ کرایہ ادا کر دیا ہے تو اس پر زکوٰۃ کے واجبات کی ذمہ داری بھی نہیں ہونی چاہیئے۔ (باقی فٹ نوٹ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

زکوٰۃ اُسے ادا کرنا ہوگی ۔ جو مالک زمین کے پاس پورا سال بھر رہے ۔ اور جو قابل زکوٰۃ فاضل دولت قرار پائے گی ۔

یہی اصول اس قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار پر بھی منطبق ہوتا ہے جو قرض پر لی ہوئی زمین سے حاصل ہوتی ہے ۔ اور جس زمین کی کاشت کرنے کے لئے زمین کا مالک کسی بھی قسم کا بدلہ یا اجرت نہیں لیتا ہے ۔ اس صورت میں زکوٰۃ کی فرضیت قرض پر لی ہوئی زمین کے کاشت کار پر ہوتی ہے جو اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور جو اس کی قابل زکوٰۃ پیداوار کا بلاشبہ قانونی مالک ہے ۔

دراصل قانون زکوٰۃ کے بنیادی اصولوں کے مطابق یہ ضروری نہیں کہ قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار کا قانونی مالک جس پر زکوٰۃ زراعت فرض ہوتی ہے ، اس ہی زمین کا قانونی مالک بھی ہو جس سے وہ قابل زکوٰۃ پیداوار حاصل کرتا ہے ۔

۲۴ ۔ قانون زکوٰۃ کی رو سے ہر قسم کی قابل زکوٰۃ دولت قرض کی ضمانت ہوسکتی ہے ۔ اور اس وجہ سے ، عارضی طور پر زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دی جاسکتی ہے [1]

(سابقہ صفحے کا باقی نوٹ)

اس کے برعکس امام ابو یوسف اور امام محمد بن الحسن کی رائے ہے کہ چونکہ زکوٰۃ زراعت زمین سے نہیں بلکہ پیداوار سے متعلق ہوتی ہے تو پیداوار کے قانونی مالک یعنی ٹھیکے دار کو زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنا چاہیئے ۔ یہ رائے قانون زکوٰۃ کے اصول کی رو سے ، زیادہ درست ہے ۔

[1] ۔ ملاحظہ فرمائیں ، اس کتاب کے جلد اول میں ،، دولت پر فرضیت زکوٰۃ کی شرط پنجم" کا قانون نمبر ۴ اور قانون نمبر ۱۱ ۔

Marfat.com

چنانچہ جیسا کہ قابل ضمانت دولت کے قانون نمبر ۱۱ میں مذکور ہے[1] اگر ایک مقروض قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار کا قانونی مالک ہو اور وہ اس پیداوار سے اپنے قرض کو کلیتاً یا جزواً ادا کرنا چاہتا ہے۔ تو اسے اس مقصد کے لئے جتنی پیداوار ضروری ہو لینے کی اجازت ہے اور اگر باقی ماندہ پیداوار کی مقدار یا مالیت نصاب کے برابر یا زیادہ ہو تو صرف اس پر حساب کر کے زکوٰۃ ادا کی جا سکے گی۔

۲۵۔ جب تک واضح ثبوت نہ ہو کہ قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار کے قانونی مالک نے زکوٰۃ ادا کرنے میں بے ایمانی کی ہے۔ اس کی دیانت پر مکمل بھروسہ اور اعتماد کیا جائے گا۔ جس کا ذاتی فرض یہ ہے کہ وہ خود اپنی قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار کا صحیح و مکمل حساب رکھے۔ اور جب زرعی پیداوار مختلف قانونی انواع کی ہو۔ تو ہر ایک کا صحیح الگ الگ حساب رکھے۔ اور واجبات ادا کرے۔

۲۶۔ اگر قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار کی تمام فصل یا اس کا ایک حصہ اس کے اتارنے سے قبل یعنی اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہونے سے پہلے ضائع ہو جائے یا چوری ہو جائے یا اتفاقاً برباد ہو جائے تو جس مقدار میں فصل کم ہو گئی ہو اتنے حصے پر سے زکوٰۃ کی فرضیت ختم ہو جائے گی۔

۲۷۔ اگر قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار کا قانونی مالک زکوٰۃ کے واجبات کی ادائیگی میں لاپرواہی یا عدم ادائیگی کا مجرم ہو۔ اور فصل کے حصول یعنی اس پر زکوٰۃ واجب ہو جانے کے بعد یہ تمام پیداوار یا اس کا کچھ حصہ ضائع، چوری یا برباد ہو جائے تو اس صورت میں اسے پوری حاصل کردہ پیداوار

---

[1] ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزو اول میں "دولت پر فرضیت زکوٰۃ کی شرط پنجم" کا قانون نمبر ۴ اور قانون نمبر ۱۱۔

Marfat.com

پر مکمل واجبات زکوٰۃ ادا کرنے ہوں گے۔ اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ متعلقہ دولت اب قانونی مالک کے قبضے میں ہے یا نہیں۔

۲۸۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کاشت کار نے اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے اپنی ساری قابل زکوٰۃ پیداوار یا اس کے ایک حصے کو بدنیتی سے مخفی کر دیا ہے یا اس کے نقصان ہونے کا بہانہ کیا ہے تو ایسا مجرم نہ صرف سزا کے لائق ہوگا بلکہ اس سے بزور قانون غیر ادا شدہ واجبات زکوٰۃ بھی وصول کئے جائیں گے۔

Marfat.com

شہد اور خام ریشم کی زکوٰۃ

شہد اور ریشم، بظاہر اپنی فطرت اور استعمال کے لحاظ سے قطعی مختلف چیزیں ہیں۔ لیکن قانونِ زکواۃ کی رو سے یہ ہم ذات تصور کی جاتی ہیں۔ درحقیقت شہد اور خام ریشم دونوں ایک حشرہ (یعنی شہد کی مکھی اور ریشم کے کیڑے) کی قدرتی پیداوار ہیں جس کے پالنے کو بالترتیب شہد کی مکھی کا پالنا Bee Keeping اور ریشم کے کیڑے کا پالنا Breeding of Silk Worms کہا جاتا ہے۔

فقہ اسلام کے مذاہب شہد کو قابل زکوٰۃ ماننے میں متفق الرائے نہیں ہیں اور خام ریشم کی پیداوار پر تو زکوٰۃ کو سب ہی نے نظرانداز کیا ہے تاہم شہد اور خام ریشم دونوں زکوٰۃ کے نفاذ کی تمام شرائط کو یقیناً پورا کرتے ہیں۔

قانونِ زکوٰۃ کی قدیم کتابوں کے مطابق اور جن اصولوں پر قانونِ زکوٰۃ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ان کی روشنی میں ان دونوں پر زکوٰۃ کے نفاذ کے حق میں اور اس کے خلاف حسب ذیل دلائل دیئے جاتے ہیں۔

شہد: شہد کو قابل زکوٰۃ دولت کی فہرست میں شامل کرنے کے دعوے کو چند احادیثِ نبوی سے تقویت ملتی ہے۔ ان میں اہم وہ حدیث ہے جسے امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر کی سند سے روایت کیا ہے اور "صحیح بخاری" کے مشہور مفسر امام العینی نے بیان کیا ہے۔

Marfat.com

محمد بن یحییٰ نیشاپوری نے ہم سے بیان کیا۔ (انہوں نے کہا کہ) عمرو بن ابی سلمہ تینسی نے صدقہ بن عبد اللہ کی سند سے (روایت کی) انہوں نے کہا کہ موسیٰ بن یسار نے نافع اور انہوں نے ابن عمر سے (روایت کی) انہوں نے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا: شہد میں (شرح زکوٰۃ اس طرح ہے کہ) ہر دس مشکوں میں سے ایک مشک (بطور زکوٰۃ) ہوگی۔

(روایت امام ترمذی)

ایک اور حدیث جسے امام قرطبی نے بیان کیا ہے اور امام العینی نے اسے معتبر جانا ہے درج ذیل ہے۔

عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے جنہوں نے عمرو کے دادا سے روایت کی کہ رسول اللہ اپنے عہد میں شہد کے دس بھرے مشکوں میں سے ایک بھرا ہوا مشک جو اوسط ضخامت کا ہوتا تھا (بطور زکوٰۃ) لیتے تھے۔ (روایت امام قرطبی)

مزید برآں یہ مسلمہ امر ہے کہ خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ بن الخطاب شہد پر دس فی صد زکوٰۃ نافذ کیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں جن بزرگوں کے دعویٰ کو امام العینی نے معتبر جانا ہے ان میں عبدالرحمان بن ابی ذاب کا نام قابل ذکر ہے۔ جنہوں نے اپنے والد ابو ذاب کی سند سے یہ روایت کی ہے۔

تاہم بہت سے فقہائے کرام جن میں امام مالک، امام شافعی، امام بخاری امام داؤد، امام سفیان ثوری، امام غزالی، امام محمد بن عبدالرحمان بن ابی اللیل اور امام حسن بن صالح بن حیؔ[1] بھی شامل ہیں۔ شہد پر زکوٰۃ والی احادیث کی

---

[1] - یہ بیان بھی کیا جاتا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے شہد پر زکوٰۃ نافذ نہیں کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن (باقی نوٹ اگلے صفحہ پر)

صحت پر اعتراض کرتے ہیں کہ شے تجارت ہونے کے علاوہ شہد قابل زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس لئے ایک حشرے کی پیداوار ہے، زمین کی پیداوار نہیں، اور رسول کریمؐ کے فرمان کے مطابق صرف زمین کی پیداوار کو جسے قدرتی ذرائع سے سیراب کیا ہے۔ قابلِ زکوٰۃ سمجھا جائے گا۔ لہٰذا شہد کو زمین کی پیداوار میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے برعکس حنفی اور حنبلی فقہا شہد پر زکوٰۃ نافذ کرنے کے حق میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ چونکہ شہد کی مکھی زمین کی پیداوار سے اپنی غذا لیتی ہے۔ اور زمین قدرتی ذرائع سے سیراب ہوتی ہوئی دس فی صد زکوٰۃ یعنی عشر کے تحت آتی ہے۔ اس لئے اس کی پیداوار یعنی شہد بھی خود بخود قابل زکوٰۃ ہو جاتی ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ دلیل کمزور ہے درحقیقت شہد کی مکھیاں زیادہ تر پھولوں سے غذا لیتی ہیں۔ اور ان میں سے شہد جمع کرتی ہیں۔ اور پھول جب تک اشیائے تجارت میں شامل نہ ہوں ان پر زرعی پیداوار کی زکوٰۃ نافذ نہیں ہوتی۔

اگر شہد کو زرعی پیداوار کی روشنی میں نہ دیکھا جائے اور واقعتاً یہ زرعی پیداوار ہے ہی نہیں تو شہد کی اپنی خصوصیات ایسی بھی ہیں جن کی بنا پر اس پر زکوٰۃ کا نفاذ عین درست و بجا ہے۔ شہد ایک قدرتی اور قیمتی غذا ہے۔ یہ قدرتی طور پر جلد خراب نہ ہونے اور محفوظ رکھی جا سکنے والی خوردنی پیداوار کی بنا پر زکوٰۃ کے نفاذ کی شرط کو پورا کرتی ہے۔

فقہ حنفی میں شہد پر وہ دس فیصد شرحِ زکوٰۃ عائد کی جاتی ہے جو

(سابقہ صفحے سے آگے نوٹ) ابی بکر بن عمرو بن حزم کو خط لکھا تھا جس میں واضح ہدایات دی تھیں کہ شہد کو قابل زکوٰۃ دولت کی فہرست سے نکال دیا جائے۔

Marfat.com

احادیث نبوی میں بیان کی گئی ہے۔

فقہ حنفی میں بھی گنجائش ہے کہ صرف اس شہد پر زکوٰۃ عائد کی جاسکتی ہے جو عشری زمینوں کی پیداوار سے حاصل کیا جائے اور خراجی زمینوں سے جمع ہوئے شہد پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوسکتی۔

دوسری طرف، جس طرح زرعی پیداوار کے نصاب کے معاملے میں امام ابوحنیفہ اور ان کے دوشاگردوں امام ابویوسف اور امام محمد بن الحسن کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ اسی طرح کا اختلاف رائے شہد کے نصاب کے بارے میں بھی ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک نصاب کو پیش نظر رکھے بغیر، شہد کی جتنی مقدار بھی حاصل کی جائے اس کا دس فیصد حصہ یعنی عشر بطور زکوٰۃ ادا کیا جائے۔ اور دونوں امام ابویوسف اور امام محمد بن الحسن شہد کے لئے ایک نصاب، دوسری قابل زکوٰۃ دولتوں کی طرح تسلیم کرتے ہیں۔

امام محمد بن الحسن شہد پر اس وقت زکوٰۃ عائد کرتے ہیں جب جمع کی ہوئی مقدار پانچ "افراق" کے برابر یا زیادہ ہے (جس کا وزن ۳۳۶ سیر یا ۳۱۳٫۵ کیلوگرام کے برابر ہوتا ہے)۔ "فراق" ان کے زمانے میں مدینہ منورہ میں شہد کی پیمائش کرنے کا سب سے بڑا پیمانہ تھا: ایک فراق ۶۷⅕ سیر یا ۶۲٫۷ کیلوگرام کے برابر ہوتا تھا۔ اور امام ابویوسف زکوٰۃ کے نفاذ کے لئے شہد کی مقدار کا نصاب یا تو مذکورہ بالا دونوں احادیث میں سے دوسری حدیث میں متعین کردہ دس بھرے ہوئے متوسط ضخامت کے مشک کو تسلیم کرتے ہیں یا پھر پانچ اونٹ بوجھ غلے کی مالیت کے برابر مانتے ہیں۔

امام ابویوسف کے ان دو متبادل نصابوں سے اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے کہ ان کے زمانے میں حدیث میں مذکورہ شہد کے دس بھرے

Marfat.com

ہوتے متوسط ضخامت کے مشک کے مالیت زرعی پیداوار کے نصاب کے لئے مقرر کردہ پانچ اونٹ بوجھ غلے کی قیمت کے برابر ہوتی ہے بالفاظِ دیگر دوسری قابلِ زکوٰۃ دولتوں کے معاملے کی طرح، شہد کے نصاب کا بھی یہی مطلب ہے کہ اتنی مقدار کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ رکھا جائے گا جس کی مالیت ایک متوسط خاندان کی سال بھر کی بنیادی غذائی ضروریات کی کفیل ہو سکے۔

لہٰذا، اگر اس نہایت اہم اور بنیادی نکتے کو تسلیم کر لیا جائے تو نصاب کی صحیح اہمیت کو برقرار رکھنے کے لئے یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ شہد پر اس وقت زکوٰۃ نافذ کی جائے جب اس کی جمع شدہ مقدار کی مالیت زرعی پیداوار کے مروجہ نصاب کی مالیت کے برابر یا زیادہ ہو (جو مالیت ملک کے باشندوں کے عام غذائی اناج کے پانچ اونٹ بوجھ کی سال میں اوسط بازاری قیمت کے برابر ہو) شہد کی شرحِ زکوٰۃ سے متعلق یہ تو واضح ہے کہ یہ دس فیصد ہی برقرار رہنی چاہیئے۔

خام ریشم

خام ریشم کی بابت قانونِ زکوٰۃ سے متعلق کوئی حدیث یہ واضح نہیں کرتی کہ وہ قابلِ زکوٰۃ دولت میں شامل ہے[1]۔ اور نہ ہی اسلام کے اہم فقہائے نے اسے ایک قابلِ زکوٰۃ پیداوار تسلیم کیا ہے۔

اس موقف کی تائید میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ ریشم ایک کیڑے کی پیداوار ہے۔ زمین کی پیداوار نہیں۔ حتیٰ کہ فقہ حنفی کے جو علماء شہد کو قابلِ

---

[1] - احادیث نبوی میں قابلِ زکوٰۃ دولت میں ریشم کے ذکر کو حذف کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ رسول کریمؐ کے عہد مبارک میں ریشم کے کیڑے کو کوئی مسلمان نہیں پالتا تھا۔ بدقسمتی سے اس نکتے کی وضاحت کے لئے کوئی شہادت آج کل میسر نہیں ہے۔

زکوٰۃ سمجھتے ہیں۔ اگرچہ وہ ایک حشرہ یعنی شہد کی مکھی کی پیداوار ہے، وہ خام ریشم کو قابل زکوٰۃ نہیں سمجھتے وہ اس رائے کو پیش کرتے ہیں کہ شہد کی مکھی تو زمین کی قابل زکوٰۃ زرعی پیداوار سے غذا حاصل کرتی ہے[1] لیکن ریشم کے کیڑے شہتوت کے پتوں پر پلتے بڑھتے ہیں۔ اور پتوں پر تو زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی۔ تاہم جب حقیقت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کپاس کی طرح خام ریشم بھی ان شرائط کو پورا کرتا ہے جن کی بناء پر زکوٰۃ نافذ کی جاسکتی ہے۔ علاوہ ازیں کوئی وجہ نہیں ہے کہ چونکہ ریشم کے کیڑے کی قدرتی خوراک پر زکوٰۃ نافذ نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کیڑے کی پیداوار پر بھی زکوٰۃ نافذ نہ ہو۔

درا صل خام ریشم ایک قیمتی کپڑا بننے کا قدرتی ریشہ ہے جسے قدرتی طور پر محفوظ کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا خام ریشم اپنے جوہر کے اعتبار سے قانون زکوٰۃ کی ان تمام شرائط کو پورا کرتا ہے جو دولت پر نفاذِ زکوٰۃ کے لئے ضروری ہیں اور صرف اسی وجہ سے ریشم پر زکوٰۃ کا نفاذ درست اور بجا ثابت ہوتا ہے۔

زرعی پیداوار کی طرح قانون زکوٰۃ میں شہد اور خام ریشم کو دو اقسام میں منقسم کرنے کی گنجائش ہونی چاہیئے۔

(الف) جو شہد اور خام ریشم، شہد کی مکھیوں اور ریشم کے کیڑوں کو پالنے سے حاصل کئے جائیں۔ اور قانونی مالک کے ذاتی استفادہ اور استعمال میں لائے جائیں۔

(ب) جو شہد اور خام ریشم باقاعدہ تجارت کے طور پر شہد کی مکھیوں اور ریشم کے کیڑوں کے پالنے سے حاصل ہو کر صرف اشیائے تجارت کے لئے مخصوص

---

[1] ۔ یہ دلیل کمزور ہے، کیونکہ پھول، جن سے شہد کی مکھی غذا لیتی ہے، شہتوت کے پتوں کی مانند قابل زکوٰۃ نہیں ہیں۔

Marfat.com

کئے جائیں اور اس وجہ سے ان پر صرف زکوٰۃ تجارت کے قوانین کا اطلاق ہوتا ہو۔

چنانچہ ذیل میں قوانین فقط پہلی قسم کے شہد اور خام ریشم سے متعلق ہیں یعنی ان شہد کی مکھیوں اور ریشم کے کیڑوں کے پالنے والوں کے ماحصل کے لئے جو خاص طور پر قانونی مالک کے ذاتی استفادہ اور استعمال کے ارادے سے حاصل کئے جاتے ہیں اگرچہ قانونی مالک کے اس قانونی حق پر کوئی پابندی نہیں کہ وہ اپنے فاضل شہد یا فاضل خام ریشم کو جس طرح چاہے مفت یا قیمتاً دے دے۔

قانونِ زکوٰۃ کی رو سے، شہد اور خام ریشم ہم ذات اقسام دولت ہیں۔ اس لئے ان کا نصاب اور ان کی زکوٰۃ کی شرح خود بخود ایک ہی ہو جاتے ہیں اور ان دونوں پر ایک ہی طرح کے عام قوانین کا اطلاق ہوتا ہے۔

شہد اور خام ریشم کی زکوٰۃ کا نصاب اور شرح

ایک ہی موسم میں چھتّوں میں، یعنی غیر صاف کردہ شہد اور اسی طرح ایک ہی موسم میں حاصل شدہ خام ریشم جس کی مالیت مقرر شدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو اس پر زکوٰۃ سے مستثنیٰ دقفوں کو حساب میں لائے بغیر دس فیصد شرح سے زکوٰۃ نافذ کی جائے گی۔ نصاب کی مالیت سے مراد ملک کے باشندوں کے عام غذائی اناج کے پانچ اونٹ بوجھ (۱۶۸۰ سیر، یا ۱۵۶۸ کیلوگرام) کی سال میں اوسط بازاری قیمت ہے۔

شہد اور خام ریشم کی زکوٰۃ کے قوانین:

شہد اور خام ریشم کی زکوٰۃ کے لئے وہی قوانین بنیاد ہوں گے جو زرعی پیداوار کے ہیں۔ چنانچہ، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

Marfat.com

۱۔ ایک ہی ملک کے دائرہ اختیار کے علاقے یا علاقوں میں ایک ہی موسم میں ایک پالنے والے سے حاصل کردہ شہد یا خام ریشم کی کل پیداوار کی مالیت کا اندازہ کرکے زکوٰۃ کا حساب کیا جائے گا۔ اور اس کی ادائیگی دس فیصد کی شرح سے یا تو چھتے میں شہد، یا خام ریشم کی مطلوبہ مقدار کی شکل میں یا اس مقدار کی مالیت کے عین برابر نقد رقوم کی شکل میں کی جائے گی۔

اگر ایک پالنے والا ایک ہی ریاست کے دائرہ اختیار کے مختلف مقامات یا علاقوں میں شہد یا خام ریشم کے ایک سے زیادہ فارموں کا قانونی مالک ہے تو ان کے ماحاصل پر زکوٰۃ کا حساب کرنے کے لئے تمام فارموں کی پیداوار کا مجموعہ پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی ہر مقام یا علاقے میں سے حاصل شدہ شہد یا خام ریشم کی پیداوار کی نسبت کی جائے گی۔ خواہ اس مقام یا علاقے کے حاصل کردہ شہد یا خام ریشم کی مقدار، انفرادی طور پر نصاب کے برابر ہو یا نہ ہو۔

۲۔ اگرچہ قانون زکوٰۃ کی رو سے، شہد اور خام ریشم، دونوں کا ماخذ مشابہ ہے اور دونوں متوازی قسم کی دولت ہیں لیکن شہد ایک خوراک اور ریشم کے کپڑے بننے کا ریشہ ہونے کے سبب دونوں ایک ہی قانونی نوع نہیں ہیں۔ لہٰذا جب تک یہ اشیائے تجارت میں شمار نہ ہوں نہیں ایک ہی قابل زکوٰۃ مجموعہ بنانے کے لئے نہ تو مقدار میں نہ ہی مالیت میں جمع کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ اگر ایک پالنے والا اپنے ذاتی استفادہ اور استعمال کے لئے شہد کے اور خام ریشم کے فارم بنائے تو حاصل کردہ شہد اور خام ریشم کی الگ الگ مقدار اور مالیت کا حساب کیا جائے گا۔ اور اگر وہ انفرادی طور پر نصاب کے برابر یا زیادہ ہوں۔ تو ہر نوع کے علیحدہ علیحدہ

Marfat.com

حساب کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

۲۔ جس شہد کو شہد کی مکھیوں کی خوراک کے لئے رکھا جائے اور ریشم کے کیڑے کے جن خولوں کو نسل کشی کے لئے رکھا جائے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے۔

لیکن اس کے علاوہ اور ان استثناء کے بغیر جو ذیل میں قانون نمبر ۱۷ میں مذکور ہیں، شہد یا خام ریشم کے فارم کا قانونی مالک اور کسی قسم کے اخراجات یا عطیے اپنی پیداوار سے اس وقت تک نکال نہیں سکتا۔ جب تک کہ ان پر زکوٰۃ کا حساب کر کے ادا نہ کرے۔

۴۔ جب شہد اور خام ریشم پر زکوٰۃ اسی نوع میں سے ادا کی جائے تو واجبات زکوٰۃ کی صورت میں اوسط درجہ کی اچھی قسم کا شہد یا خام ریشم دیا جانا چاہیئے زکوٰۃ دینے والے کو اپنا سب سے عمدہ قسم کا شہد یا خام ریشم دینے پر کبھی مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی خراب قسم کا شہد یا خام ریشم بطور زکوٰۃ قابل قبول ہیں۔

۵۔ جنگلات میں پایا جانے والا شہد قانونی ملکیت کی لازمی شرط کو پورا نہیں کرتا۔ اس لئے قابل زکوٰۃ نہیں ہے[ل]۔

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ زمین کی خودرو یا جنگلی پیداوار کی طرح جنگلی شہد بھی ہر ایک کے لئے مفت ہے چنانچہ مسلم اور غیر مسلم شہری

ل۔ امام ابوحنیفہ کی رائے میں جنگلی شہد پر زکوٰۃ کا نفاذ ہونا چاہیئے امام ابو یوسف ان سے اختلاف کرتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نفاذِ زکوٰۃ کی شرائط پوری نہیں ہونے کے سبب قدرتی طور پر جنگلی شہد کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہو جانا چاہیئے۔ سوائے اس کے کہ وہ "شئے تجارت" بن جائے۔

Marfat.com

دونوں پوری آزادی سے جتنا چاہیں شہد حاصل کر سکتے ہیں اور اگر چاہیں تو اسے فروخت بھی کر سکتے ہیں اس لئے جنگلی شہد صرف باقاعدہ "اشیائے تجارت" میں شمار ہونے کے وقت، قابل زکوٰۃ ہوگا۔

۶۔ اگر شہد کے یا خام ریشم کے، فارم کا قانونی مالک اس پیداوار کا موسم ختم ہونے سے قبل یعنی موسم کے دوران حاصل کردہ شہد یا خام ریشم پر زکوٰۃ کے حساب اور ادائیگی سے پہلے اپنے فارم کو فروخت کر دے تو اسے فارم کی فروخت کے وقت تک کے تمام حاصل کردہ شہد یا خام ریشم کا حساب کرنا ہوگا۔ اور اگر شہد کی مقدار یا خام ریشم کی مالیت نصاب کے برابر یا زیادہ ہو تو فروخت کرنے والے یعنی پہلے قانونی مالک کو اس مقدار یا مالیت پر زکوٰۃ کے واجبات ضرور ادا کرنے چاہئیں سوائے اس کے کہ متعلقہ تمام پیداوار (شہد یا خام ریشم) بھی اس سودے میں شامل ہو اور خریدنے اور فروخت کرنے والوں کے درمیان، باہمی رضامندی سے اس پر زکوٰۃ کی ادائی کی ذمہ داری خریدنے والے پر عائد کی جائے۔

جب ایسا کوئی معاہدہ خریدنے اور فروخت کرنے والوں کے درمیان نہ ہو تو خریدنے والے یعنی نئے قانونی مالک پر صرف سودے کے بعد حاصل کردہ شہد یا خام ریشم پر ادائیگی زکوٰۃ کی ذمہ داری ہوگی۔

۷۔ جو شہد یا خام ریشم صرف تجارتی مقاصد کے لئے حاصل کیا جائے اس کا شمار "اشیائے تجارت" میں ہوگا اور اس پر صرف زکوٰۃ تجارت کے قوانین کا اطلاق ہوگا۔

۸۔ جب ذاتی استعمال کے لئے حاصل کردہ شہد یا خام ریشم، جو قانونی مالک (شہد مکھیاں پالنے یا ریشم کے کیڑے پالنے والے) کے پاس موسم کے ختم پر زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنے کے بعد پڑا رہے پھر وہ اسے

Marfat.com

"اشیائے تجارت" میں شامل کرنے کا ارادہ کرلے، تو اب اس پر زکوٰۃ تجارت کا اطلاق ہوگا۔

۹۔ جب شہد یا خام ریشم کی پیداوار تجارت کے لئے نہیں بلکہ قانونی مالک کے اپنے ذاتی استعمال کے لئے کی جاتی ہے اور پھر اس پر زکوٰۃ کے واجبات ادا کرتے ہوئے اپنے ذاتی استعمال سے فاضل پیداوار کو ایسی قابل زکوٰۃ دولت کے بدلے میں دے دیتا ہے جس پر زکوٰۃ عائد کرنے کے لئے پابندی شرائط میں سے ایک سال بھر کی قانونی ملکیت ہے۔ (مثلاً چاندی، سونا، کرنسی نوٹ، اشیائے تجارت وغیرہ) تو اس سودے پر قابل زکوٰۃ دولت کے تبادلے کا قانون نمبر ۳ لاگو ہوگا[1]

۱۰۔ قانونی مالک کے ذاتی استعمال کے لئے حاصل کردہ شہد یا خام ریشم پر جس سے تجارت کا ارادہ نہیں ہے موسم ختم ہونے پر دس فیصد زکوٰۃ صرف ایک دفعہ ہی عائد ہوگی۔ پھر زکوٰۃ کی اس ادائیگی کے بعد شہد یا خام ریشم خواہ کتنے ہی عرصے تک قانونی مالک کے پاس رہے۔ یا اس پر کئی برس گزر جائیں۔ اس پر مزید زکوٰۃ نافذ نہیں ہوگی سوائے اس کے کہ اس کو "شئے تجارت" میں تبدیل کیا جائے۔

۱۱۔ شہد یا خام ریشم، جو ذاتی استعمال کے لئے خریدا گیا ہو خواہ اس کی مقدار یا مالیت مقررہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو اور وہ نئے قانونی مالک کے قبضے میں کتنا ہی عرصہ کیوں نہ پڑا رہے زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گا۔ سوائے اس کے وہ "شئے تجارت" بن جائے۔

۱۲۔ شہد یا خام ریشم کے فارموں سے حاصل کردہ پیداوار جب مشترکہ ملکیت

---

[1] ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزو اول کا باب "قابل زکوٰۃ دولت کا تبادلہ"

Marfat.com

ہو تو اس پر قابلِ زکوٰۃ دولت کی مشترکہ ملکیت کے قوانین کا اطلاق ہوگا جو اس کتاب کے جزءِ سوم میں اس عنوان کے تحت مذکور ہیں۔

۱۳۔ بعد از وفات واجبات زکوٰۃ کی ادائیگی کے قانون نمبر ۱ کے مطابق[1] جب ایک شہد یا خام ریشم کے فارم کا قانونی مالک موسم ختم ہونے یعنی اس موسم کے حاصل کردہ شہد یا خام ریشم پر زکوٰۃ کا حساب کرنے سے پہلے وفات پا جائے تو ادائیگی زکوٰۃ کی فرضیت موسم ختم ہونے پر قانونی وارث یا ورثاء یعنی نئے قانونی مالکوں کی ذمہ داری ہوگی۔ جب پورے موسم کے حاصل کردہ شہد یا خام ریشم کی کل مقدار یا مالیت معلوم ہو جائے۔ جب یہ وراثت ایک سے زیادہ ورثاء کے درمیان تقسیم کی جائے تو موسم کے آخر میں ہر ایک وارث اپنے حصۂ پیداوار پر اگر اس کی مقدار یا مالیت نصاب کے برابر یا زیادہ ہے زکوٰۃ کے واجبات کی ادائیگی کا انفرادی طور پر ذمہ دار ہوگا۔

۱۴۔ بعد از وفات واجبات زکوٰۃ کی ادائیگی کے قانون نمبر ۲ کے مطابق[1] جب ایک شہد یا خام ریشم کے فارم کے قانونی مالک کی وفات موسم ختم ہونے کے فوراً بعد ہو جائے۔ یعنی زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد لیکن اس کی ادائیگی سے پہلے تو وارث یا ورثاء یعنی فارم کے نئے قانونی مالکوں کا یہ اولین فرض ہے کہ وراثت کو تقسیم کرنے سے پہلے وہ پورے موسم کی حاصل کردہ پیداوار پر زکوٰۃ کا حساب کر کے ادا کریں۔

۱۵۔ قانون زکوٰۃ کی رو سے ہر قسم کی قابلِ زکوٰۃ دولت قرض کے لئے قابلِ ضمانت ہو سکتی ہے اور اس حالت میں عارضی طور پر زکوٰۃ سے

---

[1] ۔ ملاحظہ فرمائیں ۔ اس کتاب کے جزءِ اول کا باب "بعد از وفات واجبات زکوٰۃ کی ادائیگی"

Marfat.com

مستثنیٰ رہتی ہے۔[1]

۱۶۔ قابل ضمانت دولت کے قانون نمبر۱ کی رو سے[2] اگر ایک مقروض جو ایک شہد یا خام ریشم کے فارم کا قانونی مالک ہے اپنے قرض کو پوری طرح یا جزوی طور پر ادا کرنے کے لئے اپنے قابل زکوٰۃ شہد یا خام ریشم کو دینے کا ارادہ کرتا ہو تو اسے اجازت ہوگی کہ قرض کی ادائیگی کے لئے اس پیداوار کا جس قدر حصہ درکار ہو وہ لے لے۔ اور زکوٰۃ کا شمار صرف باقی ماندہ پیداوار پر ہوگا۔ بشرطیکہ وہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو۔

۱۷۔ جب تک واضح ثبوت نہ ہو کہ شہد یا خام ریشم کی پیداوار کے قانونی مالک نے اس پر زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنے میں بے ایمانی کی ہے اس کی دیانت پر پورا بھروسہ اور اعتماد کیا جائے گا۔ جس کا ذاتی فرض یہ ہے کہ وہ خود اپنے شہد یا خام ریشم کے ماحصل کا صحیح و مکمل حساب رکھے اور اگر وہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو تو اس پر زکوٰۃ ادا کرے۔

۱۸۔ اگر ایک موسم میں حاصل کردہ شہد یا خام ریشم کی پیداوار کلیتاً یا اس کا ایک حصہ ضائع یا چوری ہو جائے یا اتفاقاً برباد ہو جائے بیشتر اس کے کہ موسم ختم ہو یعنی اس پر زکوٰۃ کی ادائی واجب ہونے سے پہلے، تو جس قدر حصہ شہد، یا خام ریشم کم ہو گیا ہو۔ اتنے حصے پر زکوٰۃ کی فرضیت ختم ہو جائے گی۔

۱۹۔ اگر شہد یا خام ریشم کے فارم کا قانونی مالک اس کی قابل زکوٰۃ پیداوار پر زکوٰۃ کی ادائیگی میں لاپرواہی یا عدم ادائیگی کا مجرم ہو اور موسم ختم ہونے پر یعنی مذکورہ پیداوار پر زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد تمام حاصل کردہ شہد

---

[2] ۔ ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزو اوّل کا باب: "شرط پنجم: قابل ضمانت دولت"۔

یا خام ریشم یا اس کا ایک حصہ، ضائع یا چوری ہو جائے یا اتفاقاً برباد ہو جائے تو اس صورت میں زکوٰۃ کے واجبات کی پوری ادائیگی قانونی مالک کے ذمے رہتی ہے۔ اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کہ متعلقہ دولت اب اس کے قبضے میں نہیں ہے۔

۲۰۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ شہد یا خام ریشم کی پیداوار کے قانونی مالک نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے اپنی تمام قابل زکوٰۃ ماحصل یا اس کا ایک حصہ بد دیانتی سے پوشیدہ کر دیا ہے یا اس کے نقصان ہونے کا بہانہ کیا ہے تو ایسا مجرم نہ صرف سزا کے لائق ہوگا۔ بلکہ اس سے بزورِ قانون غیر ادا شدہ زکوٰۃ بھی وصول کی جائے گی۔

چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی زکوٰۃ

قانون زکوٰۃ کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ صرف نوع انسان کے لئے پوری طرح استعمال میں آنے والے پالتو مویشی ہی زکوٰۃ کے قابل ہوتے ہیں، یعنی اونٹ بھیڑ بکریاں گائے بیل اور گھوڑے[1]

پوری طرح استعمال سے مراد یہ ہے کہ جانور جب تک زندہ رہے انسان کے فائدے کے لئے بچے دے اور دودھ، اون، بال، وغیرہ کی فراہمی کے علاوہ، باربرداری اور دوسرے مفید کاموں کے قابل ہو اور جب اسے ذبح کیا جائے تو اس سے انسان کو خوراک کے لئے حلال گوشت میسر ہو، استعمال کے لئے اس کی کھال حاصل ہو اس کی ہڈیاں اور سینگ اور کاموں کے لئے دستیاب ہوں وغیرہ۔ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات اس بات کو واضح کرتی ہیں۔

والانعام خلقها لكم فيها دفء ومنافع ومنها تاكلون ٥
ولكم فيها جمال حين تريحون وحين تسرحون ٥ و
تحمل اثقالكم الى بلد لم تكونوا بالغيه الا بشق الا
نفس ان ربكم لرءوف رحيم ٥

---

[1] - چراگاہ میں چرنے والے گھوڑوں کی زکوٰۃ کے قوانین عمداً علیحدہ علیحدہ عنوان کے تحت دیئے گئے ہیں۔

اور اللہ نے تمہارے لئے جانوروں کو پیدا کیا اور ان میں تمہارے لئے گرمی کا سامان اور دیگر منافع بھی رکھے ہیں انہیں جانوروں میں سے تم کھاتے بھی ہو ٥ اور تمہارے لئے ان میں حسن و جمال کا سامان ہے جب کہ تم ان کو واپس لاتے ہو (شام کو) اور چرانے لے جاتے ہو (صبح کو) ٥ یہ چوپائے تمہارے سازو سامان کو ایک ایسے شہر اور مقام کی طرف اٹھا لے جاتے ہیں جہاں تک تم پہنچ نہیں سکتے مگر جانوں کی بڑی مشقت اور تکلیف سے یقیناً تمہارا پروردگار رؤف الرحیم ہے (بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔)   (سورۃ النحل، آیات ۵ - ۷)

وان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونها ولکم فیها منافع کثیرۃ ومنها تاکلون ٥ وعلیها وعلی الفلک تحملون ٥

اور تم کو چوپایوں میں عبرت کا موقع ہے، ہم تم کو ان کے پیٹ میں کی چیز سے دودھ پلاتے ہیں اور تم کو ان میں اور بہت سے فوائد ہیں ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو ٥ اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کئے جاتے ہو ٥

(سورۃ المؤمنون، آیات ۲۱ اور ۲۲)

وجعل لکم من جلود الانعام بیوتا تستخفونها یوم ظعنکم ویوم اقامتکم ومن اصوافها واوبارها واشعارها اثاثا ومتاعا الی حین ٥

..... اور (اللہ نے) تمہارے لئے جانوروں کے پوست سے ڈیرے بنائے جن کو تم سفر اور حضر میں کوچ کے وقت، اقامت کے وقت ہلکے پھلکے سمجھ کر استعمال کرتے ہو ان جانوروں کے

Marfat.com

اون پشم اور بالوں سے ایک محدود زمانے تک گھر کا اثاثہ اور
ضروری سامان تم نے بنایا ٥

(سورۃ النحل، آیت نمبر ۸۰)

ایسے پالتو جانور جن سے مکمل طور پر استعمال میں آنے کی شرط پوری نہیں ہوتی۔ مثلاً گدھے، خچر، ہاتھی، کتے وغیرہ اپنی فطرت کے لحاظ سے قابل زکوٰۃ نہیں ہیں۔ ہاں اگر یہ اشیائے تجارت بن جائیں تو پھر وہ زکوٰۃ کے قابل ہوں گے۔

جن پالتو مویشیوں پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ قانون زکوٰۃ کی رو سے قابل زکوٰۃ دولت" ہونے کی وجہ سے ان پر زکوٰۃ کے نفاذ کے لئے ضروری شرط ہے کہ یہ دولت قانونی مالک کے پاس سال بھر رہی ہو۔

مزید برآں قانون زکوٰۃ میں صرف ان ہی پالتو مویشیوں پر زکوٰۃ کے نفاذ کی تاکید ہے جو سال میں کم از کم چھ ماہ چراگاہ میں چرتے ہیں یعنی جن کو پالنے کے لئے قانونی مالک کو بہت کم یا کوئی خرچ نہ کرنا پڑے۔ جن مویشیوں کو قانونی مالک اپنی ذاتی ضروریات کے لئے پالتا ہے۔ شلاً دودھ لینے، کھیتی باڑی کرنے، پانی کھینچنے یا بار برداری کے لئے یا سواری کے لئے وغیرہ، چونکہ انہیں سال میں چھ ماہ سے زیادہ عرصے کے لئے تھان پر رکھ کر کھلانے کی صورت میں قانونی مالک کو کافی اخراجات کا بار اٹھانا پڑتا ہے۔ اس لئے ایسے تمام مویشی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں خواہ ان کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو۔

فقہ مالکی کی رائے میں چونکہ زکوٰۃ کے نفاذ کے لائق مویشی فطرتاً چرنے والے ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے چراگاہ میں نہ چرنے کی وجہ سے ان پر سے زکوٰۃ کی فرضیت ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ان پر زکوٰۃ نافذ ہونی چاہئیے، خواہ وہ صرف کھیتی باڑی، یا پانی کھینچنے وغیرہ ہی کے استعمال میں آتے ہوں۔ لیکن چونکہ زکوٰۃ صرف فاضل دولت پر نافذ ہوتی ہے۔ اور فاضل دولت کی تعریف یہ

Marfat.com

ہے کہ وہ قانونی مالک کی جائز ضروریات سے زیادہ ہو، لہٰذا اس معاملے میں فقہ حنفی کی رائے فقہ مالکی کی رائے بھی درست ہے۔ یقیناً جن مویشیوں کو تھان پر رکھ کر سواری یا دودھ حاصل کرنے کے لئے، اور/یا دیگر اغراض کے لئے پالا جاتا ہے، انہیں اپنے مالک کی ضروریات سے فاضل دولت نہیں سمجھا جا سکتا۔ بلکہ اس کے برعکس خصوصاً دیہاتی علاقوں میں ایسے مویشی اپنے قانونی مالک کے لئے انتہائی لازمی ہوتے ہیں۔ تو قانوناً ان پر زکوٰۃ نافذ نہیں کی جا سکتی۔

قانونِ زکوٰۃ کی رو سے مویشیوں کی ہر ایک نوع کے لئے الگ الگ نصاب زکوٰۃ کی شرح اور اس کی فرضیت کی حدود مقرر ہیں۔ ان قواعد کے خاص اور اہم ماخذ یہ ہیں:

(الف) رسول اللہؐ کی وہ ہدایات جو آپؐ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا عامل مقرر کرتے ہوئے دی تھیں۔

(ب) عمرو بن حزم کو دی ہوئی رسول اللہؐ کی ہدایات:

(ج) بوسیلہ امامہ، حضرت انسؓ بن مالک کی روایت جسے امام بخاری نے بیان کیا ہے اور جس میں خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وہ ہدایات ہیں جو انہوں نے حضرت انسؓ بن مالک کو بحرین جاتے ہوئے دی تھیں۔

(د) اس کتاب کے باب اوّل میں مذکور حضرت ابوسعید الخدریؓ اور حضرت جابر بن عبداللہ کی احادیث جن میں قانون زکوٰۃ میں نصاب اور زکوٰۃ کی فرضیت کی حدود کی اہمیت بتائی گئی ہے۔

زرعی پیداوار اور چاندی کے لئے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ان کے لئے علیحدہ علیحدہ نصاب کیوں رکھے گئے ہیں اور ایسا کرنے میں کونسا اہم مقصد کار فرما ہے۔ لیکن بدقسمتی سے کوئی ایسی شہادت میسر نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ اونٹوں، بھیڑ بکریوں اور گائے بیلوں کے لئے علیحدہ علیحدہ نصاب کیوں

Marfat.com

مقرر کئے گئے ہیں ۔ یہ ممکن ہے کہ ان مختلف مولیشیوں کے مختلف نصاب رسول کریمؐ کے زمانے میں متناسب مالیت کی نمائندگی کرتے ہوں گے۔ لیکن اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں جا سکتا ۔ تاہم عموماً ، درس گاہ فقہ نے متفقہ طور پر پالتو مویشیوں کی زکوٰۃ کی شرح، نصاب اور فرضیت زکوٰۃ کی حدود کو صحیح اور بارونق تسلیم کیا ہے لہٰذا ان کی شرحوں، نصاب اور حدود میں کوئی بھی رد و بدل کرنا نامناسب ہے۔[1]

قانونِ زکوٰۃ کی قدیم کتابوں میں مندرج پالتو مویشیوں کی زکوٰۃ کے قوانین کے سلسلے میں ایک اہم نکتہ کی صحیح نہایت ضروری ہے ۔ اس لئے کہ یہ قانون زکوٰۃ کے بنیادی اصولوں کے مطابق نہیں ہے ان قدیم کتابوں میں مذکور ہے کہ اگر ایک ریوڑ یا گلے میں سال کے دوران اضافہ ہو تو اس اضافے پر بھی زکوٰۃ نافذ ہونی چاہیئے ۔ حالانکہ یہ اضافہ اپنے قانونی مالک کے قبضے میں پورا سال بھر نہیں رہا ۔ یہ رائے قانون زکوٰۃ کے بارے میں اس غلط فہمی کا ایک نتیجہ ہے جس کی بناء پر فقہائے کرام نے قانون زکوٰۃ کے اہم ترین اصولوں میں سے ایک کو نظر انداز کر کے نہ صرف فاضل دولت پر بلکہ آمدنی اور منافع پر بھی زکوٰۃ کے نفاذ کی اجازت دے دی ہے ۔

چنانچہ مختلف درس گاہ ہائے فقہ کے دلائل کو جانچتے وقت یہ واضح طور پر ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ کسی دولت پر زکوٰۃ کے نفاذ کے لئے سال ملکیت کی جو لازمی شرط رکھی گئی ہے اس کا خاص مطلب یہ ہے کہ سال بھر تک یہ دولت اپنے قانونی مالک کی جائز ضروریات سے واقعی فاضل رہے ۔ بہ الفاظِ دیگر قانون زکوٰۃ کے نقطۂ نظر سے کسی دولت کے قابل زکوٰۃ بننے کی نمایاں صفت یہ ہے کہ وہ اپنے قانونی مالک کے لئے فاضل ہے ۔ فقہائے حنفی نے

---

[1] ۔ امام محمد بن الحسن اور امام ظفر فرضیتِ زکوٰۃ کی حدود کو قابلِ زکوٰۃ پالتو مویشیوں کے لئے نظر انداز کرتے ہیں ۔

Marfat.com

اس حقیقت کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے ان کی رائے میں سال ملکیت کی شرط صرف اس لئے ہے کہ "دولت بڑھ سکے (یعنی گلّے میں مویشیوں کا اضافہ ہو)" اس لئے فقہائے حنفی اس اضافے پر زکوٰۃ نافذ کرنے کو درست و جائز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس اضافے پر قانونی مالک کی سالِ ملکیت کی شرط مکمل نہیں ہوئی ہے۔

فقہ حنفی کی رائے میں اگر ایک قانونی مالک کی ملکیت میں قابلِ زکوٰۃ پالتو مویشی اپنے مقررشدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہوں۔ جن پر سال ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہو۔ اور مالک کو اس نوع کے مزید مویشی مل جائیں تو چونکہ ہر اضافے پر ایک نئے سال ملکیت کا شمار رکھنا بہت مشکل ہوگا۔ اس واسطے سال کے دوران جو جو اضافے ہوں۔ انہیں پہلے مویشیوں کی تعداد میں جمع کرتے جانا چاہیئے اور پہلے مویشیوں پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت پورے مجموعے پر زکوٰۃ ادا کرنا چاہیئے اور اس بات کا مطلق لحاظ نہ کیا جائے کہ بعد کا اضافہ کتنی مدت تک قانونی مالک کے قبضے میں رہا: یہ مدت ایک دن سے لے کر ۳۶۴ دن تک ہو سکتی ہے۔

مزید برآں فقہ حنفی کی یہ رائے ہے کہ جب تک ریوڑ یا گلے میں بالغ عمر کے مویشی موجود ہوں۔ تو زکوٰۃ کے واجبات کا تعین کرنے کے لئے جس وقت ریوڑ یا گلے کی تعداد کا حساب کیا جائے۔ تو تمام چھوٹے بچوں کو بھی گنتی میں شمار کر لیا جائے۔ خواہ ریوڑ یا گلے میں بچے ہی بچے ہوں اور ان میں صرف ایک ہی مویشی پوری عمر کا ہو۔

امام ابو یوسف نے قابل زکوٰۃ مویشیوں کے ایک سال سے کم عمر کے بچوں پر زکوٰۃ کے نفاذ کے لئے اس حنفی رائے کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی ہر نوع کے لئے الگ نصاب مقرر کیا ہے: انہوں نے بھیڑ بکری کے چالیس بچوں، گائے کے تیس بچوں اور اونٹنی کے پچیس بچوں پر ایک ایک بچے کی زکوٰۃ مقرر کی ہے۔

Marfat.com

اسی طرح ، امام شافعی نے بھی ان سے اتفاق کرتے ہوئے ، یہ فیصلہ دیا ہے کہ ان بچوں کی مذکورہ بالا تعداد پر بطورِ زکوٰۃ ، ایک ایک بچہ ادا کرنا چاہیئے۔

فقہ حنفی کے طریقۂ محصول کے مطابق ، ایک ریوڑ یا گلے کی زکوٰۃ کا تعین کرتے وقت نوزائیدہ بچے بھی فیصلہ کن بن سکتے ہیں یہ نہ صرف قانونِ زکوٰۃ کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے بلکہ زکوٰۃ دینے والے کے ساتھ بھی ناانصافی ہے چنانچہ دونوں طرح اسلامی انصاف کی روح کے منافی ہے۔

پوری عمر کے مویشیوں کے ساتھ ان کے چھوٹے بچوں کو بھی زکوٰۃ کے لئے شمار کرنے کے حق میں فقہ حنفی مزید یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ جانوروں کے چھوٹے بچوں کا معاملہ داغ دار جانوروں کی طرح ہے جن کی افادیت اور مالیت نقص یا داغ کے باوجود پوری طرح ختم نہیں ہو جاتی۔ اور اس لئے جب ایک ریوڑ یا گلے کو زکوٰۃ کے لئے شمار کیا جاتا ہے تو ناقص جانوروں کو بھی شمار کر لیا جاتا ہے۔ اس دلیل کا یہ جواب ہے کہ مویشی کا بچہ جس کی عمر ایک سال سے کم ہے اور پوری عمر کا مویشی جس کے نقص کے باوجود اس کی افادیت اور مالیت باقی ہے اور اس کا قانونی مالک اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے ان دونوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ کیونکہ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ ہمارے پیش نظر تو یہ مقصد ہے کہ ایسا طریقِ کار اختیار کیا جائے جس کے ذریعے قانونِ زکوٰۃ کے اصولوں کے عین مطابق زکوٰۃ نافذ کی جا سکے۔ اور قانونِ زکوٰۃ کی تشریح کرتے ہوئے خواہ کتنی ہی کھینچ تان کی جائے۔ ایک ایسی دولت پر جائز طرح سے زکوٰۃ عائد کی ہی نہیں جا سکتی جس پر پورا سال مکمل نہ ہوا ہو۔ جب کہ دولت کی اس نوع پر زکوٰۃ کے نفاذ کے لئے لازمی شرط یہ ہے کہ اسے قانونی مالک کی ملکیت میں پورا سال گزر چکا ہے۔

یہ بات خالی از دلچسپی نہیں کہ فقہ حنفی ان تمام مویشیوں کو جنہیں خریدا گیا ہو یا تحفے یا وراثت میں حاصل کیا گیا ہو۔ یا جو ریوڑ یا گلے میں پیدا ہوئے

ہوں۔ تجارت میں حاصل کردہ منافع کی طرح سمجھتا ہے حالانکہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اس نقطہ نظر سے اختلاف رکھتے ہیں ان کی یہ رائے ہے کہ اگر ایک قانونی مالک کے ریوڑ یا گلے میں نئے مویشی خریدنے یا تحفے یا وراثت میں حاصل کرنے کی وجہ سے اضافہ ہوا ہو (علاوہ ریوڑ یا گلے میں پیدا ہونے والے بچوں کے) تو ان صورتوں میں اسے چاہیئے کہ نئے حاصل کردہ مویشیوں کی سال ملکیت کا شمار نئے اضافے کے دن ہی سے الگ شروع کردے۔ یہاں امام شافعی اور امام احمد بن حنبل بھی متعدد حسابات کے اصول کو تسلیم کرتے ہیں۔

دوسری طرف امام مالک حنفی نقطۂ نظر سے اتفاق کرتے ہیں کہ اگر ایک قانونی مالک کے پاس، ان کی نوع کے نصاب کے برابر یا زیادہ تعداد کے کچھ مویشی ہوں۔ جن پر سال ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہو۔ پھر سال ملکیت کے دوران اس قانونی مالک کو اسی نوع کے مزید مویشی خریدنے کی وجہ سے یا بطور تحفے یا وراثت میں حاصل ہوں۔ تو اصلی مویشیوں میں، وجوب زکوٰۃ کے وقت نئے حاصل شدہ مویشیوں کو جمع کرکے مجموعے پر زکوٰۃ دینی چاہیئے، اگرچہ نئے حاصل شدہ مویشیوں پر سال ملکیت کی تکمیل نہ ہوئی ہو۔"

مندرجہ بالا دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم فقہائے کرام، قانون زکوٰۃ کی تفصیل کرتے ہوئے دولت کی سال ملکیت کی شرط کو کوئی حقیقی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اس کے ساتھ وہ متعدد حسابات رکھنے کی پیچیدگیوں سے بھی ہچکچاتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک آسان راہ ڈھونڈھ نکالی، جس کی وجہ سے قانون زکوٰۃ کی روح اور اصول دونوں کو ہی قربان کردینا پڑا۔ قابل زکوٰۃ پالتو مویشیوں کے سلسلے میں یہ امر ایک بنیادی اصول کی حیثیت رکھتا ہے کہ ایک سال سے کم عمر کے مویشیوں پر جائز طریقے سے زکوٰۃ عائد ہی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ زکوٰۃ کے نفاذ سے پہلے متعلقہ دولت کا، قانونی مالک کی ملکیت میں پورا ایک سال رہنا

لازمی و لابدی شرط ہے۔

ایک ریوڑ یا گلے میں اضافہ اسی ریوڑ یا گلے میں بچوں کی پیدائش یا نئے مویشی خرید کر ریوڑ یا گلے میں لائے جانے یا قانونی مالک کو نئے مویشی وراثت میں یا بطور تحفہ حاصل ہونے کی صورتوں میں ہو سکتا ہے۔

ریوڑ یا گلے میں پیدا ہونے والے بچوں سے متعلق زکوٰۃ کو قانون زکوٰۃ میں خاص اہمیت دی جانی چاہیئے کہ پیدائش اور موت کا قدرتی عمل انسان کے اختیار سے باہر ہے: نہ تو سب بچے ایک ہی دن پیدا ہوتے ہیں اور نہ اس کی کوئی ضمانت ہے کہ جتنے بچے پیدا ہوتے ہیں وہ سب اپنے قانونی مالک کے پاس ضرور ہی زندہ رہیں گے۔ اور ایک سال کی عمر میں پہنچیں گے چنانچہ ایک ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جو ایک طرف قانون زکوٰۃ کے اصول کے عین مطابق ہو اور دوسری طرف زکوٰۃ دینے والے کے مفادات کی بھی نگہبانی کرے پھر اس طریقے میں یہ خوبی بھی ہونی چاہیئے کہ زکوٰۃ دینے والا اپنا فرض ہر ممکن سہولت سے پوری احتیاط کے ساتھ ادا کر سکے۔

فقہ حنفی کا یہ اعتراض بالکل بجا ہے کہ ہر اضافے کے لئے سال ملکیت کے الگ الگ شمار رکھنا بہت مشکل ہے لیکن قانونِ زکوٰۃ کی رو سے ایک ایک سال سے کم عمر کے بچوں پر زکوٰۃ کے نفاذ کی اجازت نہیں ہے۔ لہٰذا قانوناً زکوٰۃ کی ادائیگی کے موجودہ طریقے کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

اس مشکل پر قابو پانے کا سب سے زیادہ معقول اور موثر طریقہ یہ ہوگا کہ چراگاہی یا پالتو مویشیوں کی زکوٰۃ کے نفاذ کے لئے باقاعدہ ہر تین ماہ کے بعد ایک نیا سال ملکیت کا شمار شروع کیا جائے گا۔ اس طریقے کا یہ فائدہ ہوگا کہ کسی بھی ریوڑ یا گلے کے قانونی مالک کو چار سے زیادہ سال ملکیت کے شمار نہیں رکھنے ہوں گے۔ اور تین ماہ کا ایسا وقفہ مل جائے گا۔ جس میں ان دو امور کی تحقیق ہو سکے گی:

Marfat.com

(الف) قابل زکوٰۃ اضافے کی جس (نئے مولیشیوں کی) تعداد نے واقعی قانونی مالک کی ملکیت میں پورا سال مکمل کیا ہے۔ اور

(ب) ظاہری اضافہ یعنی ان مولیشیوں کی تعداد جو ان گزشتہ تین مہینوں میں حاصل کئے گئے ہیں۔ جن تین مہینوں کے آخر سے سال ملکیت کا نیا شمار شروع کیا جاتا ہے۔

ہر تین ماہ گزرنے پر یعنی ریوڑ یا گلے کا واقعی اضافہ ہو جانے پر سال ملکیت کا نیا شمار شروع کیا جائے گا۔ اور جس دن سے سال ملکیت کا شمار شروع ہوگا۔ (یعنی چوتھے مہینے کے پہلے دن سے) اس دن کے پورے ایک سال بعد یعنی دوسرے سال کے ابتدائی تین مہینوں کے آخر دن پر متعلقہ مولیشیوں کی زکوٰۃ واجب الادا ہو جائے گی۔ مثلاً یکم جنوری تا ۳۱ مارچ کے دوران حاصل شدہ تمام مولیشیوں کا ایک ہی شمار یکم اپریل سے شروع ہوگا۔ جن کی زکوٰۃ پورا سال گزرنے کے بعد دوسرے سال کے ۳۱ مارچ کو ادا کی جائے گی۔ اس طریقے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت صرف ان مولیشیوں کی زکوٰۃ ادا ہوگی جو یا تو سابقہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے یا اپنے حصول کے وقت سے لے کر کم از کم پورا ایک سال اور زیادہ سے زیادہ سوا سال تک اپنے قانونی مالک کی واقعی ملکیت میں رہے ہوں گے۔ چنانچہ تکمیل سال کے وقت وہ تمام مولیشی خود بخود اس شمار میں آئیں گے۔ جو اس شمار کے آغاز میں زیادہ سے زیادہ تین ماہ کے تھے۔ یا جو تحفے یا وراثت یا خرید سے حاصل کئے جا چکے تھے۔ پھر اگر ایک ہی شمار میں شریک ایک ہی نوع کے مولیشیوں کی تعداد اس نوع کے لئے مقرر کئے ہوئے نصاب کے برابر یا زیادہ ہو تو ان کی تعداد کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

جب متعلقہ شمار تیار کئے جائیں تو ہر سال ملکیت کے الگ شمار کے ہر مجموعے کے تمام مولیشیوں کی جن میں نومولود بچے اور نو حاصل شدہ مولیشی بھی شامل

ہیں) صحیح اور آسان پہچان کے لئے ان کو ایسا امتیازی نشان دیا جانا چاہیئے جسے ادارہ زکوٰۃ نے معیاری علامت تسلیم کر لیا ہو۔

زکوٰۃ کے نفاذ کا جو سہ ماہی طریقہ مذکور ہوا ہے۔ اس سے حنفی اعتراض بھی رفع ہو جاتا ہے کہ "ہر اضافے کے لئے سال ملکیت کا الگ الگ شمار رکھنا بہت مشکل ہے" اور زکوٰۃ دینے والے کے مفادات کی اس طرح حفاظت بھی ہو جاتی ہے کہ قانون زکوٰۃ کے اصولوں کے مطابق زکوٰۃ صرف اس دولت پر نافذ ہو رہی ہے۔ جو سال بھر قانونی مالک کی ملکیت میں رہنے کی وجہ سے فاضل دولت کی خاصیت حاصل کر چکی ہے۔

چراگاہ میں چرنے والے پالتو اونٹوں پر فرضیت زکوٰۃ کی حدود اور زکوٰۃ کی شرحیں

تمام چراگاہ میں چرنیوالے پالتو اونٹوں پر ان کی نسل وقسم کی کسی امتیاز کے بغیر مندرجہ ذیل شرح اور فرضیت زکوٰۃ کی حدود کے مطابق زکوٰۃ نافذ ہو گی ان میں ہر قسم کے عربی، ایشیائی اور امریکی (پیرو کا گوانا کو یا پالتو لیاما اور ایاکا) اونٹ شامل ہیں۔ چنانچہ گلے میں اگر مختلف اقسام اور نسلوں کے اونٹ ہوں تو اس سے زکوٰۃ کے نفاذ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح سے جب تک زکوٰۃ دینے والا بطور زکوٰۃ اونٹوں کی عمر اور جنس کی شرائط پوری کر دے تو پھر اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ جس قسم و نسل کے اونٹوں سے چاہے زکوٰۃ ادا کرے۔

رسول اللہؐ نے چراگاہ میں چرنیوالے پالتو اونٹوں کا نصاب پانچ عدد مقرر کیا ہے، چنانچہ پانچ سے کم اونٹ کا گلہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گا۔

چراگاہ میں چرنے والے پانچ اونٹ اگر ان کے قانونی مالک کی ملکیت میں سال بھر رہیں تو ان پر ایک پورے سال عمر والی

Marfat.com

بھیڑ یا بکری[1] (خواہ نر ہو یا مادہ) بطور زکوٰۃ دی جائے گی۔

چراگاہ میں چرنے والے پالتو اونٹوں کے لئے فرضیت زکوٰۃ کی مقرر کی ہوئی حدود اور ان میں ہر ایک کی زکوٰۃ کی متعلقہ شرح کا پیمانہ گوشوارۂ ذیل میں مفصل دیا جا رہا ہے (جو حنفی فقہ کے مطابق ہے):

گوشوارہ

اونٹوں کی تعداد: فرضیت زکوٰۃ کی حد	اونٹوں کی تعداد: زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفہ	زکوٰۃ کی شرحیں
-	۱ تا ۴	کوئی زکوٰۃ نہیں۔
۵	۶ تا ۹	ایک عدد بھیڑ یا بکری نر یا مادہ جس کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔
۱۰	۱۱ تا ۱۴	دو عدد بھیڑیں یا بکریاں نر یا مادہ جن کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔
۱۵	۱۶ تا ۱۹	تین عدد بھیڑیں یا بکریاں نر یا مادہ جن کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔
۲۰	۲۱ تا ۲۴	چار عدد بھیڑیں یا بکریاں نر یا مادہ جن کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔
۲۵	۲۶ تا ۳۵	ایک عدد بنت مخاض، یعنی ایک عدد اونٹنی جو دوسرے سال میں ہو۔
۳۶	۳۷ تا ۴۵	ایک عدد بنت لبون یعنی ایک عدد اونٹنی جو تیسرے سال میں ہو
۴۶	۴۷ تا ۶۰	ایک عدد حقہ، یعنی ایک عدد اونٹنی جو چوتھے سال میں ہو۔
۶۱	۶۲ تا ۷۵	ایک عدد جذعہ یعنی ایک عدد اونٹنی جو پانچویں سال میں ہو۔

[1] قانونِ زکوٰۃ کی قدیم کتابوں میں "شاۃ" کا لفظ بھیڑ اور بکری خواہ نر یا مادہ دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔

Marfat.com

(سابقہ صفحے سے جاری گوشوارہ)

زکوٰۃ کی شرحیں	اونٹوں کی تعداد	
	زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفہ	فرضیت زکوٰۃ کی حد
دو عدد بنت لبون (یعنی دو عدد اونٹنیاں جو تیسرے سال میں ہوں	۷۷ تا ۹۰	۷۶
دو عدد حقہ (یعنی دو عدد اونٹنیاں جو چوتھے سال میں ہوں۔	۹۲ تا ۱۲۴ ؎	۹۱
چار سال عمر کی دو عدد اونٹنیاں + ایک عدد بھیڑ یا بکری از یا دہ جن کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔	۱۲۶ تا ۱۲۹	۱۲۵

؎ - امام مالک اور امام شافعی دونوں فقہ حنفی کی اونٹوں کے لئے مقرر شدہ فرضیت زکوٰۃ کی حد اور زکوٰۃ کی شرح سے یہاں اختلاف کرتے ہیں۔ امام مالک ۱۲۱ اونٹوں سے اوپر ۴۰ اور ۵۰ اونٹوں کے حساب سے اضافہ کرتے ہیں یعنی زکوٰۃ کی فرضیت کی ہر حد کے درمیان ۹ اونٹوں کا زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفہ چھوڑتے ہیں۔ ہر ۴۰ اونٹوں پر بطور زکوٰۃ ایک تیسرے سال عمر کی اونٹنی اور ہر ۵۰ اونٹوں پر ایک چوتھے سال عمر کی اونٹنی دی جائے گی۔

امام شافعی کے مطابق ۱۲۱ تا ۱۲۹ اونٹوں پر بطور زکوٰۃ تین سال عمر کی ۳ اونٹنیاں ہونگی۔ ۱۳۰ اونٹوں پر چار سال عمر کی ایک اونٹنی اور تین سال کی عمر کی ۲ اونٹنیاں ہوں گی۔ اس کے بعد ۴۰ اور ۵۰ اونٹوں کے حساب سے اضافہ ہوگا جس سے فرضیت زکوٰۃ کی ہر حد کے درمیان ۹ اونٹوں کا زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفہ ہوگا اور زکوٰۃ کی شرح وہی ہوگی۔ جو امام مالک نے بیان کی ہے۔

اس طریقے کے مطابق حساب یوں ہوگا کہ ۱۴۰ تا ۱۴۹ اونٹوں پر بطور زکوٰۃ چار سال عمر کی دو اونٹنیاں اور تین سال عمر کی ایک اونٹنی ہوں گی جب کہ فقہ حنفی کے مطابق ۱۴۰ تا ۱۴۴ اونٹوں پر بطور زکوٰۃ چوتھے سال کی دو اونٹنیاں اور چار کم از کم ایک سال عمر کی بھیڑیں یا بکریاں ہوں گی۔ اور ۱۴۵

(باقی نوٹ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

(سابقہ صفحے سے جاری گوشوارہ)

زکوٰۃ کی شرحیں	اونٹوں کی تعداد: زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفہ	اونٹوں کی تعداد: فرضیت زکوٰۃ کی حد
چار سال عمر کی دو عدد اونٹنیاں + دو عدد بھیڑیں یا بکریاں نر یا مادہ جن کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔	۱۳۱ تا ۱۳۴	۱۳۰
چار سال عمر کی دو عدد اونٹنیاں + تین عدد بھیڑیں یا بکریاں نر یا مادہ، جن کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔	۱۳۶ تا ۱۳۹	۱۳۵
چار سال عمر کی دو عدد اونٹنیاں + چار عدد بھیڑیں یا بکریاں نر یا مادہ جن کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔	۱۴۱ تا ۱۴۴	۱۴۰
چار سال عمر کی دو عدد اونٹنیاں + دو سال عمر کی ایک عدد اونٹنی	۱۴۶ تا ۱۴۹	۱۴۵
" " " تین " " ۔	۱۵۱ تا ۱۵۴	۱۵۰
" " " " " + ایک عدد بھیڑ یا بکری، نر یا مادہ جس کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔	۱۵۶ تا ۱۵۹	۱۵۵
چار سال عمر کی تین عدد اونٹنیاں + دو عدد بھیڑیں یا بکریاں، نر یا مادہ جن کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔	۱۶۱ تا ۱۶۴	۱۶۰

(سابقہ صفحے کا باقی فٹ نوٹ) اونٹوں پر بطور زکوٰۃ چوتھے سال کی دو اونٹنیاں اور دو سال عمر کی ایک اونٹنی ہوں گی۔

اگرچہ کہا جاتا ہے کہ امام مالک کے طریقہ حساب کی بنیاد خلیفہ دوم حضرت عمرؓ بن الخطاب کی وہ ہدایات ہیں جو انہوں نے چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کے بارے میں دیں۔ لیکن درحقیقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شافعی اور مالکی طریقہ حساب کی بنیاد رسول کریمؐ کا بنیادی فرمان ہے۔ جب کہ حنفی طریقہ رسول کریمؐ کے ایک بعد کے واضح فرمان کے مطابق ہے جو آپؐ نے عمروؓ بن حزم کو دیا تھا۔

Marfat.com

(سابقہ صفحے سے باقی گوشوارہ)

اونٹوں کی تعداد: فرضیت زکوٰۃ کی حد	اونٹوں کی تعداد: زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفہ	زکوٰۃ کی شرحیں
۱۶۵	۱۶۶ تا ۱۶۹	چار سال عمر کی تین عدد اونٹنیاں + تین عدد بھیڑیں یا بکریاں نر یا مادہ، جن کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔
۱۷۰	۱۷۱ تا ۱۷۴	چار سال عمر کی تین عدد اونٹنیاں + چار عدد بھیڑیں یا بکریاں نر یا مادہ، جن کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔
۱۷۵	۱۷۶ تا ۱۸۵	چار سال عمر کی تین عدد اونٹنیاں + دوسرے سال عمر کی ایک عدد اونٹنی
۱۸۶	۱۸۷ تا ۱۹۵	″ ″ ″ ″ ″ ″ + تین ″ ″ ″ ″
۱۹۶	۱۹۷ تا ۲۰۴	″ ″ ″ چار ″ ″ یا تین سال عمر کی پانچ عدد اونٹنیاں
۲۰۵	۲۰۶ تا ۲۰۹	چار سال عمر کی چار عدد اونٹنیاں + ایک عدد بھیڑ یا بکری، نر یا مادہ جس کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔
۲۱۰	۲۱۱ تا ۲۱۴	چار سال عمر کی چار عدد اونٹنیاں + دو عدد بھیڑیں یا بکریاں نر یا مادہ جن کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔
۲۱۵	۲۱۶ تا ۲۱۹	چار سال عمر کی چار عدد اونٹنیاں + تین عدد بھیڑیں یا بکریاں، نر یا مادہ جن کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔
۲۲۰	۲۲۱ تا ۲۲۴	چار سال عمر کی چار عدد اونٹنیاں + چار عدد بھیڑیں یا بکریاں نر یا مادہ جن کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔
۲۲۵	۲۲۶ تا ۲۳۵	چار سال عمر کی چار اونٹنیاں + دو سال عمر کی ایک عدد اونٹنی
۲۳۶	۲۳۷ تا ۲۴۵	″ ″ ″ ″ ″ ″ + تین ″ ″ ″ ″ ″
۲۴۶	۲۴۷ تا ۲۵۴	″ ″ ″ پانچ ″

پھر ۲۵۵ اونٹوں سے اوپر؛ ہر ۵۰ عدد اونٹوں کے اضافے کے لئے

Marfat.com

آگے دیئے ہوئے گوشوارے میں تفصیل دی گئی ہے۔ اس حساب سے حسب سابق فرضیت زکوٰۃ کی حدود، ما زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے اور زکوٰۃ کی شرحیں اس طرح ہوں گی: ۲۵۵ تا ۲۵۹ اونٹوں سے لے کر ۲۹۶ تا ۳۰۰ اونٹوں تک، پھر ۳۰۵ تا ۳۰۹ سے لے کر ۳۴۶ تا ۳۵۰، پھر ۳۵۵ تا ۳۵۹ سے لے کر ۳۹۶ تا ۴۰۰ تک، وغیرہ۔

اضافی گوشوارہ

۲۵۵ سے اوپر اونٹوں کی مزید تعداد		
فرضیت زکوٰۃ کی حد	زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفہ	زکوٰۃ کی شرحیں
۵	۶ تا ۹	ایک عدد بھیڑ یا بکری، نر یا مادہ، کم از کم ایک سال عمر کی
۱۰	۱۱ تا ۱۴	دو عدد بھیڑیں یا بکریاں نر یا مادہ " " " " "
۱۵	۱۶ تا ۱۹	تین " " " " " " " " " " "
۲۰	۲۱ تا ۲۴	چار " " " " " " " " " " "
۲۵	۲۶ تا ۳۵	دو سال عمر کی ایک عدد اونٹنی
۳۶	۳۷ تا ۴۵	تین " " " " " "
۴۶	۴۷ تا ۵۰	چار " " " " " "

علیٰ ھذا القیاس

اس طرح ۵۹۶ تا ۶۰۰ اونٹوں پر چار سال عمر کی ۱۲ عدد اونٹنیاں بطور زکوٰۃ دی جائیں گی۔ ۷۰۱ تا ۷۰۴ اونٹوں پر چار سال عمر کی ۱۴ عدد اونٹنیاں + ۲ عدد بھیڑیں یا بکریاں دی جائیں گی۔ ۷۳۶ تا ۷۴۵ اونٹوں پر چار سال عمر کی ۱۴ عدد اونٹنیاں، تین سال عمر کی ایک عدد اونٹنی کی زکوٰۃ ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس۔۔۔

چراگاہ میں چرنیوالے پالتو بھیڑوں اور بکریوں کی فرضیت زکوٰۃ کی حدود اور زکوٰۃ کی شرحیں!

بھیڑوں اور بکریوں کے لئے عربی زبان میں عام طور پر "غنم" کی اصطلاح استعمال

کی جاتی ہے لہٰذا قانون زکوٰۃ کی رو سے چراگاہ میں چرنے والی بھیڑوں اور بکریوں کے لئے ان کی اقسام اور نسلی امتیاز کے بغیر ایک ہی شرح اور زرضیبت زکوٰۃ کی حدود مقرر ہیں۔

مزید برآں اگر ایک ہی قانونی مالک کے پاس بھیڑیں اور بکریاں دونوں ہوں جن پر سالِ ملکیت کا ایک ہی شمار چل رہا ہے تو زکوٰۃ کا حساب کرتے وقت دونوں کو جمع کر لیا جائے گا۔ اور تمام ریوڑ کے قابل زکوٰۃ مویشیوں کے مجموعے کی نسبت سے زکوٰۃ نافذ ہوگی۔

ایک ہی ریوڑ میں مختلف اقسام یا/اور نسلوں کی بھیڑیں یا/اور بکریاں ایک ساتھ ہونے سے زکوٰۃ پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور زکوٰۃ دینے والا بطور زکوٰۃ بھیڑوں یا بکریوں کی عمر کی شرط پوری کرتے ہوئے جس قسم اور/یا نسل سے چاہے زکوٰۃ کے واجبات ادا کر سکتا ہے۔

ایک مشکوک حدیث رسول کریمؐ سے منسوب کی جاتی ہے کہ آپؐ نے بھیڑ بکریوں کی زکوٰۃ کی بابت فرمایا: "انما حقنا الجذعة والثنی" اس سے کچھ علماء نے جن میں امام محمد بن الحسن بھی ہیں یہ مطلب لیا ہے کہ زکوٰۃ کے واجبات میں ایک سال سے کم عمر کے مویشی بھی لئے جا سکتے ہیں جن علماء نے ان حدیث کی سند کو صحیح تسلیم کیا ہے وہ "جذعة" کی اصطلاح سے "بھیڑ یا بکری کا وہ بچہ جو ایک سال سے زیادہ اور چھ ماہ سے کم عمر کا نہ ہو" مراد لیتے ہیں۔ لیکن یہ اصطلاح اس اونٹنی کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے جو اپنی عمر کے پانچویں سال میں ہو۔ اسی لئے اکثر فقہائے کرام کی یہ رائے ہے کہ اگر یہ حدیث درست ہو تو اس میں "جذعة" سے مراد "پانچ سال عمر کی اونٹنی" ہے نہ کہ "ایک سال سے کم اور چھ ماہ سے زیادہ عمر کا بھیڑ یا بکری کا بچہ" اس طرح یہ حدیث زکوٰۃ کی ادائی میں دیئے ہوئے مویشیوں کی عمر کی انتہائی مقررہ حد بتلائے گی۔ اور اس کا مطلب یہ ہوگا: "زکوٰۃ کے نفاذ میں یقیناً ہمارا حق زصرف پانچ سالہ مویشی سے ایک سالہ تک لینے کا ہے" اور یہ مطلب نہیں

Marfat.com

ہوگا کہ "یقیناً ہمارا حق تو صرف چھ ماہ سے زائد ایک سالہ مولیشی تک ہے"۔
موخر الذکر معنی کے حق میں یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ جب قربانی اور اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدوں کو ایفا کرنے کے لئے ایک سال سے کم عمر کی بھیڑ بکریوں کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ تو زکوٰۃ کے واجبات میں بھی انہیں قبول کیا جانا چاہیئے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو قانون زکوٰۃ واضح اصولوں پر استوار کیا گیا ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ متعلقہ دولت قانونی مالک کو زکوٰۃ کے واجبات کی ادائیگی کے لئے پورے سال بھر اپنی ملکیت میں رکھنا چاہیئے۔ اور دوسرے یہ کہ اصولاً جس دولت پر زکوٰۃ نافذ کی جا رہی ہے۔ وہ اسی دولت سے ادا کی جانی چاہیئے۔ ان امور کے پیش نظر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ زکوٰۃ کے واجبات میں ایک سال سے کم عمر کے مویشیوں کو اس وجہ سے قبول نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ذاتی طور پر ہی ابھی زکوٰۃ کے نفاذ کی بنیادی شرائط پوری کرنے کے قابل نہیں ہیں۔
رسولِ کریمؐ نے چراگاہ میں چرنے والی پالتو بھیڑوں اور بکریوں کے لئے چالیس عدد کا نصاب مقرر کیا ہے جس قانونی مالک کے پاس چالیس سے کم تعداد ہو وہ کم از نصاب ریوڑ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔
گوشوارہ ذیل میں، جو فقہ مالکی کے مطابق ہے۔ بھیڑ بکریوں کی فرضیت زکوٰۃ کے حدود اور زکوٰۃ کی شرحیں دی گئی ہیں۔

گوشوارہ

فرضیت زکوٰۃ کی حد	زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفہ	زکوٰۃ کی شرحیں
	بھیڑ بکریوں کی تعداد	
—	۱ تا ۳۹	کوئی زکوٰۃ نہیں
۴۰	۴۱ تا ۱۲۰	ایک عدد بھیڑ یا بکری، نر یا مادہ، جس کی عمر ایک سال سے کم تر ہو۔
۱۰۱	۱۲۲ تا ۲۰۰	دو عدد بھیڑیں یا بکریاں، نر یا مادہ جن " " " "

(سابقہ صفحے سے باقی گوشوارہ)

فرضیت زکوٰۃ کی حد	زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفہ	زکوٰۃ کی شرحیں
۲۰۱	۲۰۲ تا ۳۰۰	تین عدد بھیڑیں یا بکریاں، نر یا مادہ جن کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔
۳۰۱	۳۰۲ تا ۴۰۰	چار " " " " " " " " " " "

علی ھذا القیاس ۔۔۔۔۔۔

یہ حساب اسی طرح جاری رہتا ہے کہ ہر مزید ۱۰۰ بھیڑوں بکریوں پر ایک عدد نر یا مادہ بھیڑ یا بکری، جس کی عمر کم از کم ایک سال ہو بطور زکوٰۃ دی جاتی ہے چنانچہ ۴۰۱ تا ۵۰۰ بھیڑوں بکریوں پر ۴ عدد کم از کم ایک سال عمر کی بھیڑیں یا بکریاں نر یا مادہ بطور زکوٰۃ دی جائیں گی۔ اور ۱۰۰۱ سے ۱۱۰۰ بھیڑوں بکریوں تک کی زکوٰۃ ۱۱ عدد بھیڑیں یا بکریاں، نر یا مادہ ہوں گی۔ جن کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو، علی ہذا القیاس [1] ۔۔۔

---

[1] فقہ حنفی کے مطابق، ۲۰۰ بھیڑ بکریوں کے بعد ۱۹۹ بھیڑ بکریوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں رکھا گیا ہے۔ یعنی ۲۰۱ سے لیکر ۳۹۹ بھیڑ بکریوں تک قانونی مالک کو ۳ عدد بھیڑیں یا بکریاں بطور زکوٰۃ دینا ہوں گی۔ جس کے بعد ہر ۱۰۰ بھیڑ بکریوں کے اضافے پر ایک عدد بھیڑ یا بکری دی جائے گی۔

فقہ حنفی کے اس طریقہ حساب میں اس ۱۹۹ بھیڑ بکریوں کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے سے سخت حیرت ہوتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ یقیناً کسی ابتدائی روایت کی نادانستہ غلطی کا نتیجہ ہے ورنہ ایسی اہم اور نامنصفانہ بے قاعدگی کیسے ہو سکتی تھی۔ بحقیقت یہ ہے کہ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت انس رضؓ بن مالک کو بحرین بھیجتے ہوئے چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں

(باقی نوٹ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

(سابقہ صفحے سے باقی گوشوارہ)

زکوٰۃ کی شرحیں	گائے بیلوں کی تعداد: زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفہ	گائے بیلوں کی تعداد: فرضیت زکوٰۃ کی حد
تین سال عمر کی ایک عدد گائے یا بیل (مسنۃ یا مسن)	۴۱ تا ۵۹	۴۰
دو سال عمر کی دو عدد گائیں یا بیل۔	۶۱ تا ۶۹	۶۰
تین سال عمر کی ایک عدد گائے + دو سال عمر کا ایک عدد بیل	۷۱ تا ۷۹	۷۰
" " " " دو عدد گائیں۔	۸۱ تا ۸۹	۸۰
دو " " " تین " " یا بیل۔	۹۱ تا ۹۹	۹۰
تین سال عمر کی ایک عدد گائے + دو سال عمر کے دو عدد بیل	۱۰۱ تا ۱۰۹	۱۰۰
" " " " دو عدد گائیں + " " " کا ایک عدد بیل	۱۱۱ تا ۱۱۹	۱۱۰
دو سال عمر کی چار عدد گائیں یا بیل یا تین سال عمر کی تین عدد گائیں یا بیل	۱۲۱ تا ۱۲۹	۱۲۰
" " " " تین " " " " + " " " " ایک گائے " "	۱۳۱ تا ۱۳۹	۱۳۰
" " " " دو " " " " + " " " " دو عدد گائیں یا بیل	۱۴۱ تا ۱۴۹	۱۴۰
تین سال عمر کی تین عدد گائیں یا بیل + دو سال عمر کی ایک عدد گائے یا بیل یا تین " " پانچ عدد گائیں یا بیل	۱۵۱ تا ۱۵۹	۱۵۰
دو سال عمر کی چار عدد گائیں یا بیل + تین سال عمر کی ایک عدد گائے یا بیل یا " " " چار عدد گائیں یا بیل	۱۶۱ تا ۱۶۹	۱۶۰

(سابقہ صفحے کا باقی نوٹ) کی فرضیتِ زکوٰۃ کی حدود اور زکوٰۃ کی شرحوں کی ہدایات میں واضح کر دیا تھا کہ ۲۰۱ سے لے کر ۴۰۰ تک بھیڑ بکریوں کی زکوٰۃ تین عدد بھیڑیں یا بکریاں ہوں گی۔ اور اس کے بعد ہر ۱۰۰ بھیڑ بکریوں کے اضافے پر ایک عدد بھیڑ یا بکری بطور زکوٰۃ دی جائے گی۔

Marfat.com

(سابقہ صفحے سے باقی گوشوارہ)

زکوٰۃ کی شرحیں	گائے بیلوں کی تعداد: زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفہ	گائے بیلوں کی تعداد: فرضیت زکوٰۃ کی حد
دو سال عمر کی دو عدد گائیں یا بیل + تین سال عمر کی تین عدد گائیں یا بیل	۱۷۱ تا ۱۷۹	۱۷۰
" " " " " " " " " + دو " " " " " " " تین " " " " " یا " " " " " ۶ " " " "	۱۸۱ تا ۱۸۹	۱۸۰
تین سال عمر کی چار عدد گائیں یا بیل + دو سال عمر کی ایک عدد گائے یا بیل یا دو سال عمر کی پانچ عدد گائیں یا بیل + تین " " " " " " " "	۱۹۱ تا ۱۹۹	۱۹۰
تین سال عمر کی پانچ عدد گائیں یا بیل یا دو سال عمر کی چار عدد گائیں یا بیل تین " " " دو " " " "	۲۰۱ تا ۲۰۹	۲۰۰

۲۰۱ تا ۲۰۹ گائے بیلوں کے بعد حساب اس طرح جاری رہتا ہے کہ ہر ۳۰ عدد گائے بیلوں پر بطور زکوٰۃ دو سال عمر کی ایک عدد گائے یا ایک غیر خصی شدہ بیل دیا جاتا ہے اور ہر ۴۰ عدد گائے بیلوں پر تین سال عمر کی ایک عدد گائے یا ایک غیر خصی شدہ بیل بطور زکوٰۃ واجب ہوتا ہے چنانچہ ۴۰۰ تا ۴۰۹ گائے بیلوں پر تین سال عمر کی ۱۰ عدد گائیں یا غیر خصی شدہ بیل بطور زکوٰۃ عائد ہوں گے اور ۵۳۰ تا ۵۳۹ عدد گائے بیلوں پر تین سال عمر کی ۱۱ عدد گائیں یا غیر خصی شدہ بیل دو سال عمر کی ۳ عدد گائیں یا غیر خصی شدہ بیل بطور زکوٰۃ عائد ہوں گے، وعلیٰ ہذا القیاس۔۔۔ [1]

---

[1] اگر شمالی یورپ اور سائبیریا کے لاپ اور فین قبیلے اسلام قبول کریں تو ان کے چراگاہ میں چرنے والے پالتو رینڈیئر (قطبی بارہ سنگھوں) پر وہی فرضیت زکوٰۃ کی حدود اور زکوٰۃ کی شرحیں عائد ہوں گی۔ جو گائے بیلوں کے لئے مقرر ہیں کیونکہ (باقی نوٹ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

چراگاہ میں چرنیوالے پالتو مویشیوں کی زکوٰۃ کے قوانین۔ (سہ ماہی حساب کے مطابق)

۱۔ پالتو مویشی۔ اونٹ، بھیڑ بکریاں، گائے بیل، جو کم از کم چھ ماہ تک چراگاہ میں چرنے کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ جب اپنی قانونی مالک کے قبضے میں سال ملکیت کی تکمیل کر لیں اور وہ اپنی نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب کی تعداد کے برابر یا زیادہ ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب الادا ہوگی۔

جب ان چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں پر زکوٰۃ نافذ کی جائے گی، تو ایک ہی قانونی مالک کی ملکیت میں تمام مویشی جو ایک ہی مالک کے احاطہ میں ہوں، ان کی پوری تعداد کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

۲۔ جو پالتو مویشی اپنے قانونی مالک کی ذاتی ضروریات پوری کرتے ہیں مثلاً دودھ وغیرہ، حاصل کرنے، سواری، گاڑی کھینچنے کے لئے پالے یا رکھے جاتے ہیں (جنہیں اصطلاح میں "عوامل" کہا جاتا ہے) اور جو مویشی بار برداری کے کام آتے ہیں (جنہیں اصطلاح میں "حوامل" کہا جاتا ہے) جب وہ تھان پر کھڑے ہو کر سال میں چھ ماہ سے زیادہ عرصہ کھلائے جاتے ہیں[1]۔ تو چونکہ ان کے کھلانے سے قانونی مالک کو کافی زیادہ اخراجات کا بار اٹھانا پڑتا ہے۔ اس لئے وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہتے ہیں۔

(سابقہ صفحے سے باقی نوٹ) یہ مویشی اپنے مالکوں کے لئے نہ فقط برفانی گاڑیاں کھینچتے ہیں بلکہ دودھ، گوشت چمڑا، وغیرہ بھی مہیا کرتے ہیں۔ یعنی قانونی مالک کے لئے مکمل افادہ رکھتے ہیں۔

[1]۔ "عوامل" اور "حوامل" کو قانون زکوٰۃ کی قدیم کتابوں میں "علوفہ" کی اصطلاح دی جاتی ہے، یعنی تھان پر چارہ کھلائے ہوئے جانور اگرچہ ان کو دوسری قسم کی چیزیں بھی کھلائی جاتی ہیں۔

خواہ ان کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو۔

۳۔ وہ پالتو مویشی — اونٹ، بھیڑ بکریاں، گائے بیل، جن کا قانونی مالک ان کی تجارت کرنا چاہتا ہے کیونکہ وہ اشیائے تجارت بن گئے ہیں ان پر ان کی نوع کے نصاب کے مطابق زکوٰۃ نافذ نہیں ہوگی، بلکہ صرف زکوٰۃ تجارت کے قوانین کا اطلاق ہوگا، اگرچہ یہ مویشی بھی سال میں چھ ماہ سے زیادہ عرصہ چراگاہ میں چرنے کے لئے رکھے جاتے ہیں۔

۴۔ چراگاہ میں چرنیوالے پالتو مویشیوں پر زکوٰۃ مندرجہ ذیل طریقے سے سہ ماہی حساب سے لگائی جانی چاہیئے۔

(الف) چراگاہ میں چرنیوالے پالتو مویشیوں کے ریوڑوں اور گلوں پر فرضیت زکوٰۃ کے تعین کے لئے سال کو تین تین ماہ کے چار وقفوں میں اس طرح تقسیم کیا جائے۔

۱۔ پہلا وقفہ: یکم جنوری سے ۳۱ مارچ تک، یا یکم محرم سے آخر ربیع الاوّل تک[1]۔

۲۔ دوسرا وقفہ: یکم اپریل سے ۳۰ جون تک یا یکم ربیع الثانی سے آخر جمادی الثانی تک۔

۳۔ تیسرا وقفہ: یکم جولائی سے ۳۰ ستمبر تک، یا یکم رجب سے آخر رمضان تک۔

۴۔ چوتھا وقفہ: یکم اکتوبر سے ۳۱ دسمبر تک، یا یکم شوال سے آخر ذی الحجہ تک۔

---

[1] یعنی ہجری تقویم کے حساب سے: قرآن پاک مسلمانوں کو صاف طور سے بتاتا ہے کہ آفتابی اور قمری تقویم دونوں کا استعمال بالکل حلال و مقبول ہے۔ ملاحظہ فرمائیں، سورۃ الرحمٰن، آیت نمبر ۵۔

Marfat.com

(ب) جب ایک وقفے کے تین ماہ مکمل ہوجائیں اور واضح طور پر معلوم ہوجائے کہ اس عرصے میں ریوڑ یا گلے میں کتنا ظاہری اضافہ ہوا ہے۔ تو وقفے کی تکمیل کے فوراً بعد سے سال ملکیت کا شمار اس اضافے کے لئے شروع ہوجائے گا۔

چنانچہ سالِ ملکیت کی تکمیل کا شمار اس طرح کیا جائے گا کہ پہلا وقفہ ۳۱ مارچ یا ربیع الاوّل کے آخر دن کے مکمل ہونے پر اگلے روز یکم اپریل یا یکم ربیع الثانی سے سال کا شمار شروع ہو کر اگلے سال ۳۱، مارچ یا ربیع الاوّل کے آخر دن کو مکمل ہوگا۔ اور اسی تاریخ کو اس وقفے کے مویشیوں کے اضافے پر زکوٰۃ واجب الادا ہوگی۔

اسی طرح دوسرے وقفے کے سال ملکیت کا شمار یکم جولائی یا یکم رجب سے شروع ہو کر اگلے سال ۳۰، جون، یا جمادی الثانی کے آخر دن کو مکمل ہوگا۔ اور اسی تاریخ کو دوسرے وقفے کے مویشیوں کے اضافے پر زکوٰۃ واجب الادا ہوگی۔

تیسرے وقفے کے سالِ ملکیت کا شمار یکم اکتوبر، یا یکم شوال سے شروع ہو کر، اگلے سال ۳۰، ستمبر، یا رمضان کے آخر دن کو پورا ہوگا۔ جس تاریخ کو تیسرے وقفے کے مویشیوں کے اضافے پر زکوٰۃ کے واجبات ادا کئے جائیں گے۔

آخر میں، چوتھے وقفے کے سالِ ملکیت کا شمار یکم جنوری، یا یکم محرم سے شروع ہو کر ۳۱، دسمبر یا ذوالحجہ کے آخر دن کو ختم ہوگا۔ اور اسی تاریخ کو چوتھے وقفے کے مویشیوں کے اضافے پر زکوٰۃ کی ادائی واجب ہوگی۔

(ج) کسی ایک سہ ماہی وقفے میں مندرجہ ذیل طریقوں سے نئے حاصل شدہ مویشیوں کا مجموعہ ظاہری اضافہ کہا جاتا ہے۔

نئے مویشی ان طریقوں سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

Marfat.com

(۱) ریوڑ یا گلے میں بچوں کی پیدائش [1]

(۲) قانونی مالک کو نئے مویشی وراثت میں ملیں ۔

(۳) قانونی مالک کو تحفتاً مل جائیں ۔

(۴) تبادلے میں مالیت کے معاوضے کی طرح، جیساکہ جب زیادہ قیمت یا اعلیٰ نسل کے زیادہ مویشیوں سے تبادلہ کیا جائے ۔

(۵) ناقابلِ زکوٰۃ دولت سے نئے مویشی خریدے جائیں ۔

(۶) اپنی نوعیت سے قابلِ زکوٰۃ دولت کی ایک نصاب کے برابر یا زیادہ مقدار یا مالیت سے نئے مویشی خریدے جائیں ۔ جن کی تعداد اپنی نوع کے لئے مقررشدہ نصاب سے کم ہے ۔

مویشیوں کا ہر ایک ظاہری اضافہ اس سہ ماہی وقفے سے متعلق ہے جس میں وہ حاصل ہوئے ہیں ۔ اور ہر ایک سہ ماہی وقفے کے اختتام پر اس ہی وقفے کے سابقہ مویشیوں پر زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنے کے فوراً بعد، باقی ماندہ مویشیوں میں یہ ظاہری اضافہ جمع ہو جائے گا ۔ اور اس نئے نصاب کے برابر یا زیادہ مجموعے پر ایک نیا سالِ ملکیت کا شمار شروع کیا جائے گا ۔

مثال : ایک قانونی مالک کے پاس (یکم جنوری تا ۳۱ مارچ کے) پہلے وقفے میں ۴۰ گائے بیل جمع ہو گئے ۔ یکم اپریل سے ان کے سالِ ملکیت کا شمار شروع ہو کر، اگلے سال کے ۳۱ مارچ کو مکمل ہوتا ہے ۔ اب قانونی مالک ان ۴۰ مویشیوں پر تین سال عمر کی ایک گائے یا ایک غیر خصی شدہ) بیل بطور زکوٰۃ ادا کرے گا اور اس کے پاس ۳۹ گائے بیل رہ جائیں

---

[1] ۔ اس ضمن میں یاد رکھنا چاہیئے کہ بچے جس سہ ماہی وقفے میں پیدا ہوئے ہیں اپنی پیدائش کی تاریخ کی وجہ سے وہ اس وقفہ میں شمار ہوں گے ۔ ان کی ماں کے وقفے سے ان کا کوئی تعلق نہیں ۔

Marfat.com

گے۔ لیکن مذکورہ اگلے سال کے (یکم جنوری تا ۳۱ مارچ کے) پہلے وقفے میں فرض کیجیے، ۱۰ عدد گائے بیلوں کا ظاہری اضافہ ہوا ہے۔ چنانچہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے فوراً بعد، یعنی یکم اپریل سے، جس نئے سالِ ملکیت کے شمار کا آغاز ہوگا۔ باقی ماندہ ۳۹ گائے بیلوں میں ظاہری اضافے کے ۱۰ گائے بیل جمع کر کے یہ ۴۹ کا مجموعہ ہوگا۔ پھر ایک سال بعد (آئندہ ۳۱ مارچ کو) ان ۴۹ گائے بیلوں پر سالِ ملکیت پورا ہونے پر واجب الاداز کوٰۃ بھی تین سال عمر کی ایک گائے یا ایک غیر خصی شدہ بیل ہوگی۔ کیونکہ ۴۹ گائے بیلوں میں سے ۹ زکوٰۃ سے مستثنیٰ وقفے میں ہوں گے۔ اور صرف ۴۰ پر زکوٰۃ نافذ ہوگی۔ اب زکوٰۃ کے واجبات ادا کر کے باقی (۴۹ - ۱ =) ۴۸ گائے بیلوں میں جو نیا ظاہری اضافہ ہوگا۔ اس کو جمع کر کے، مجموعے پر ایک نیا سال ملکیت کا شمار شروع ہوگا۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔۔۔

(د) قابلِ زکوٰۃ دولت کے بدلے میں خواہ وہ چاندی، سونے، کرنسی نوٹ، اشیائے تجارت، یا کسی قسم کے پالتو مویشیوں کی صورت میں ہو) جس پر سال ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہو۔ جب مختلف نسل کے چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشی لے لیے جاتے ہیں۔ جن کی تعداد اپنی نوع کے نصاب کے برابر یا زیادہ ہے۔ تو اس سودے کی تاریخ کو نظر انداز کر کے، تبادلے میں حاصل شدہ مویشیوں کو جس سہ ماہی وقفے میں دی ہوئی دولت پر واجب الادا زکوٰۃ کی تاریخ آتی تھی۔ اسی سہ ماہی وقفے میں رکھا جائے گا۔ اور سال ملکیت کا شمار جو دی ہوئی دولت پر جاری تھا۔ ان حاصل شدہ مویشیوں پر جاری رہے گا۔ اور متعلقہ سہ ماہی وقفہ ختم ہونے کے فوراً بعد ان پر واجب الاداز کوٰۃ دی جائے گی۔

اگر اسی سہ ماہی وقفے میں اس ہی نوع کے اور مویشی قانونی مالک کی ملکیت میں پہلے سے موجود ہوں تو نئے حاصل شدہ مویشیوں کو ان میں

Marfat.com

جمع کر کے زکوٰۃ کے نفاذ کے وقت پورے مجموعے پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی

(مثال) اگر تبادلے میں دی ہوئی دولت پر زکوٰۃ واجب الادا ہونے کے وقت تاریخ یکم دسمبر ہو اور تبادلے کا سودا، فرض کیجئے، گزشتہ جولائی، یا اسی سال کے یکم دسمبر سے پہلے کسی اور تاریخ کو حتیٰ کہ گزشتہ سال کے ۲ر دسمبر کو ۔ ہو چکا ہو۔ تو تبادلے میں حاصل شدہ مویشی سال کے چوتھے وقفے (یکم اکتوبر تا ۳۱ر دسمبر میں شامل ہوں گے۔ اور ان میں اس سہ ماہی وقفے سے متعلق اس نوع کے جو اور مویشی ہوں۔ جمع کر کے، کل مجموعے پر وقفے کے سالِ ملکیت کے شمار کی تکمیل پر یعنی زیر بحث سال کے ۳۱ر دسمبر کو زکوٰۃ نافذ ہو گی۔

اسی طرح اگر تبادلے میں دی ہوئی دولت کی زکوٰۃ یکم جنوری اور ۳۱ مارچ کے درمیان کسی تاریخ کو واجب ہوتی ہو، تو اس دولت کے بدلے میں حاصل شدہ مویشیوں کو گزشتہ سال کے پہلے وقفے میں رکھا جائے گا۔ اور ان پر اسی نوع اور اسی وقفے کے دوسرے مویشیوں کے ساتھ زکوٰۃ زیر بحث سال کے ۳۱ مارچ کو واجب الادا ہو گی۔

یہ بھی عین ممکن ہے کہ تبادلے میں دی ہوئی دولت کی زکوٰۃ ۳۱ر مارچ، ۳۰ر جون، ۳۰ ستمبر یا ۳۱ر دسمبر (یا آخر ربیع الاوّل، آخر جمادی الثانی، آخر رمضان یا آخر ذی الحجہ) کو واجب الادا ہو۔ یعنی عین اسی دن واجب الادا ہو جب پہلے، دوسرے، تیسرے یا چوتھے وقفے کے مویشیوں کی زکوٰۃ نافذ ہوتی ہے۔ خواہ کچھ ہو، ایسے سودے کی اصل تاریخ زکوٰۃ پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہوتی حتیٰ کہ اگر ایسی صورت بھی پیدا ہو جائے کہ دولت پر زکوٰۃ نافذ ہونے کے ایک دن پہلے اس کے بدلے مویشی خرید لئے جائیں۔ تو ان مویشیوں کو گزشتہ سال کے متعلقہ وقفے میں شامل کیا جائے گا۔ اور اس وقفے کے وجوب زکوٰۃ کے وقت ہی ان مویشیوں کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

(۵) جب ایک نوع کے لئے مقررشدہ نصاب کے برابر یا زیادہ چراگاہ میں

Marfat.com

چرنیوالے پالتو مویشیوں کی ایک تعداد قابل زکوٰۃ دولت کی ایسی دو یا زیادہ رقوم کے بدلے میں حاصل کی جائے جن پر الگ الگ سال ملکیت کے شمار چل رہے ہوں۔ تو یہ مویشی اس بدلے میں دی ہوئی دولت کے دو یا زیادہ رقوم کے الگ الگ سال ملکیت کے شماروں کی نسبت سے اور ان کی تاریخوں کے مطابق متعلقہ سہ ماہی وقفوں میں شامل ہوں گے اور مویشیوں کی زکوٰۃ ان مختلف وقفوں کے متعلقہ سالِ ملکیت کے مختلف شماروں کے اختتام پر ادا کی جائے گی۔[1]

(و) جب چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشی، جن پر سال ملکیت کے دو یا زیادہ شمار چل رہے ہیں۔ اسی نوع کے دوسرے مویشیوں کے لئے تبادلے میں دیئے گئے ہوں۔ اگر نئے حاصل شدہ مویشی دیئے ہوئے مویشیوں کی تعداد کے برابر یا کم ہوں، تو ان نئے حاصل شدہ مویشیوں کو اسی نسبت سے دیئے ہوئے مویشیوں کے اپنے اپنے سہ ماہی وقفوں میں رکھا جائے اور ان ہی وقفوں کے سال ملکیت کے الگ الگ شمار کے مطابق زکوٰۃ نافذ ہوگی۔

لیکن اگر نئے حاصل شدہ مویشی تبادلے میں دیئے ہوئے مویشیوں سے زیادہ ہوں۔ تو اس صورت میں جب نئے حاصل شدہ مویشیوں میں اضافہ اتنی تعداد میں ہو کہ وہ بذاتِ خود اس نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو۔ تو اس اضافے کے سالِ ملکیت کا شمار نئے سرے سے الگ شروع کیا جائے گا۔ اور اگر اضافہ نصاب سے کم ہو تو اس وقت تک زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گا۔ جب تک کہ اسی نوع کے مویشیوں کا جو مجموعہ سب سے پہلے سال ملکیت کا شمار مکمل کرے۔ اس پر زکوٰۃ کے واجبات

---

[1] ملاحظہ فرمائیے، اس کتاب کے جزو اوّل کے باب "متعدد حسابات" کا قانون نمبر ۳، جزو زاد در جزو دوم کے باب "قابل زکوٰۃ دولت کا تبادلہ" کے قوانین نمبر ۱۲ اور ۱۶

ادا کرنے کے فوراً بعد وہ (کم از نصاب اضافہ) اس میں جمع کیا جائے گا۔

دوسری طرف، اگر چراگاہ میں چرنیوالے پالتو مویشیوں کے تبادلے کے سودے سے، چاروں سہ ماہی وقفوں کے مجموعی میں سے کسی ایک کے مویشیوں کی تعداد کم از نصاب رہ جائے تو اس مجموعے کے سالِ ملکیت کا شمار منقطع ہو جاتا ہے۔ اور زکوٰۃ اس پر اس وقت تک معطل رہتی ہے جب تک کہ قدرتی اضافے، یا اس نوع کے مزید مویشیوں کو حاصل کرنے سے وہ پھر نصاب کے برابر یا زیادہ نہ ہو جائے۔

(ز) اشیائے تجارت کی صورت کے علاوہ، ایک سال سے کم عمر والے چراگاہ میں چرنیوالے پالتو مویشیوں پر زکوٰۃ جائز طور پر نافذ نہیں کی جاسکتی۔ لہٰذا اگر قابلِ زکوٰۃ دولت کے تبادلے میں، جس پر سالِ ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہو۔ صرف ایک سال سے کم عمر والے پالتو مویشی حاصل کئے گئے ہوں۔ تو سالِ ملکیت کا شمار منقطع ہو جاتا ہے۔ اور جس سہ ماہی وقفے میں یہ سودا، یا تبادلہ، ہوا ہے۔ یہ ایک سال سے کم عمر والے بچے، تعداد کے قطع نظر اس وقفے کے ظاہری اضافے میں شامل ہوں گے۔ پھر وقفہ ختم ہو کر، ان پر سالِ ملکیت کا شمار شروع ہوگا۔ جس کے اختتام پر وقفے کے مجموعے پر زکوٰۃ، حسبِ معمول، ادا کی جائے گی۔

(ح) اگر ایک قانونی مالک کی ملکیت میں چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی تعداد اس نوع کے لئے مقررشدہ نصاب سے کم ہے تو یہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہیں گے جب تک کہ قدرتی اضافے سے یا اسی نوع کے مزید مویشیوں کو حاصل کرنے سے تعداد نصاب کے برابر یا زیادہ نہ ہو جائے۔

اس صورت میں اگر مزید مویشیوں کے آنے سے چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی تعداد نصاب کے برابر یا زیادہ ہو جائے تو ان تمام مویشیوں کا ایک مجموعہ بن کر، اس ہی سہ ماہی وقفے پر مشتمل ہوگا جس کے آخر

Marfat.com

ہیں وہ اپنی نوع کے لئے مقررشدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو جائیں۔
مویشیوں میں مزید اضافے کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) وہ ریوڑ یا گلے میں ہی پیدا ہوں۔

(۲) وراثت میں حاصل ہوں۔

(۳) تحفے میں ملیں۔

(۴) ناقابل زکوٰۃ کے بدلے میں خریدے جائیں۔

(۵) ایک ایسی دولت سے خریدے جائیں جو اپنی اصل کے اعتبار سے تو قابل زکوٰۃ ہے۔ لیکن اس کی مقدار یا مالیت نصاب سے کم ہو یا

(۶) ایک ایسی قابل زکوٰۃ دولت سے خریدے جائیں۔ جو خود تو نصاب کے برابر یا زیادہ ہو لیکن اس کے بدلے میں جتنے مویشی حاصل ہوئے ہوں۔ ان کی تعداد اپنی نوع کے لئے مقررشدہ نصاب سے کم ہو۔

(ط) اگر ایک قانونی مالک کی ملکیت میں چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی تعداد ان کی نوع کے لئے مقررشدہ نصاب سے کم ہے۔ اور پھر وہ اپنی مزید قابل زکوٰۃ دولت کے بدلے جس پر سال ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہو۔ بیک وقت اسی نوع کے نصاب کے برابر یا زیادہ تعداد مویشیوں کی حاصل کرتا ہے۔ تو اصل کم از نصاب تعداد کے مویشی عارضی طور پر زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہیں گے۔ حالانکہ نئے حاصل شدہ نصاب کے برابر یا زیادہ تعداد مویشیوں کو اس سہ ماہی وقفے میں رکھا جائے گا۔ جس کے سال ملکیت کی تکمیل پر ان کے بدلے میں دی ہوئی دولت پر زکوٰۃ کے واجبات نافذ ہونے اور اسی سال ملکیت کے شمار کے اختتام پر نئے حاصل شدہ مویشیوں کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ اس زکوٰۃ کی ادائیگی کے فوراً بعد نئے حاصل شدہ مویشیوں میں پہلے کم از نصاب مویشیوں کو جمع کر کے نیز جو کچھ ظاہری اضافہ اس کے درمیان ہوا ہے۔ اس کو جمع کیا جائے گا اور اس کل مجموعے

Marfat.com

پر نئے سال ملکیت کا شمار شروع ہوگا۔

(ی) اگر ان کے حاصل ہونے کے وقت، چراگاہ میں چرنیوالے پالتو مویشیوں کی تعداد ان کی نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب سے کم ہے جب کہ جس سہ ماہی وقفے میں وہ مویشی حاصل کئے گئے ہیں۔ اس ہی نوع کے اور کوئی مویشی نہیں ہیں، یا اگر ان کی تعداد ان کے سال ملکیت کے شمار کے دوران کسی وجہ سے نصاب سے کم ہو جائے۔ تو ان کم از نصاب مویشیوں کو کوئی ظاہری اضافے کے ساتھ جو اس کے متعلقہ سہ ماہی وقفے کے دوران ہوا ہو۔ اسی نوع کے مویشیوں کے اس مجموعے میں جو سب سے پہلے اپنے سال ملکیت کا شمار مکمل کرے (زکوٰۃ کے واجبات ادا کرے، یا باقی ماندہ مویشیوں میں) جمع کیا جائے گا۔

اسی اصول کا ان حالات پر بھی اطلاق ہوگا جب زکوٰۃ کی ادائیگی سے پہلے کسی وجہ سے قابل زکوٰۃ مویشیوں کی تعداد اپنے سال ملکیت کے شمار کے دوران نصاب سے کم رہ جائے۔ اور اس دوران جو ظاہری اضافہ ہوا اس کو شمار کرنے سے بھی مویشیوں کی تعداد نصاب کے برابر نہ ہو۔

(ک) چونکہ چراگاہ میں چرنیوالے پالتو مویشیوں پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے سال میں چار سہ ماہی وقفوں کو برقرار رکھتا ہے۔ جن کے مطابق مویشیوں پر سال ملکیت کا شمار شروع کیا جائے گا تو ان چار سہ ماہی وقفوں کے مویشیوں کے چار مجموعوں کی آسان اور صحیح نشان دہی کے لئے یہ لازم ہے کہ ہر وقفے کے مجموعے کے لئے الگ الگ امتیازی نشان ہو۔ جسے ادارۂ زکوٰۃ نے منتخب اور باضابطہ طور پر تسلیم کیا ہو۔ چنانچہ ہر وقفے کا الگ نشان اسی مجموعے کے سب مویشیوں پر جس میں اس وقفے میں نوزائیدہ اور نئے حاصل شدہ مویشی بھی شامل ہوں گے۔ لگایا جائے گا۔ اور چونکہ ایسے مویشی ملکیت کے بدلے میں غالبا اپنے سابقہ سہ ماہی وقفے میں نہیں

رہتے۔ بلکہ ان کو تبادلے میں دی ہوئی دولت کے سالِ ملکیت کے شمار کے مطابق، اس کے متعلقہ وقفے میں رکھا جائے گا۔ اس لئے یہ امتیازی نشانات ایسے ہوں جو آسانی سے تبدیل کئے جا سکیں۔

۵۔ جب چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کے کسی سہ ماہی وقفے کی مجموعی تعداد اپنے سالِ ملکیت کے شمار کے شروع میں جتنی تھی، سالِ ملکیت کے تکمیل پر اس سے کم رہ گئی ہو۔ تو زکوٰۃ کے واجبات اس موجودہ کم تعداد پر ادا کئے جائیں جو پورا سال قانونی مالک کی ملکیت میں رہے ہوں۔

۶۔ جب ریوڑ یا گلے میں ایک سے زیادہ قسم یا نسل کے مویشی موجود ہوں اور اسے، بطورِ زکوٰۃ صرف ایک جانور ادا کرنا ہے تو یہ جانور اسی قسم یا نسل سے ترجیحاً دیا جائے گا۔ جس کی ریوڑ یا گلے میں زیادہ تعداد ہو۔ اگر مختلف اقسام اور/یا نسلوں کے مویشیوں کی تعداد برابر ہو تو زکوٰۃ دینے والے کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ جس قسم یا نسل میں سے چاہے زکوٰۃ کا ایک عدد مویشی دے دے۔

دوسری طرف، اگر زکوٰۃ کے واجبات کی ادائیگی میں کئی مویشی دیئے جائیں تو ترجیحاً اور ہمیشہ زکوٰۃ دینے والے کی رضامندی سے واجب الادا زکوٰۃ ہر ایک قسم اور/یا نسل میں سے متناسب طور پر لی جائے گی۔ بشرطیکہ زکوٰۃ کے واجبات میں دیئے ہوئے مویشیوں کی عمر اور جنس کی شرائط پوری ہوتی ہوں۔

مثلاً: ایک قانونی مالک کے پاس بھیڑ بکریوں کا ایک ریوڑ ہے جس میں بھیڑوں سے بکریوں کی تعداد زیادہ ہے اور بطور زکوٰۃ تین بھیڑ بکریاں دی جاتی ہیں۔ تو بہتر یہ ہوگا کہ زکوٰۃ ایک بھیڑ اور دو بکریوں کی صورت میں ادا کی جائے۔ اور اگر ریوڑ میں بھیڑ بکریاں برابر ہوں تو پھر یہ زکوٰۃ دینے والے کی مرضی پر منحصر ہے کہ دو بھیڑیں اور ایک بکری

Marfat.com

یا ایک بھیڑ اور دو بکریاں دے۔

یہی اصول گائے بیلوں کے گلّوں پر بھی نافذ ہوتا ہے جس میں بھینسیں گائیں بیل، وغیرہ شامل ہیں۔

۷۔ اگر ریوڑ یا گلّے پر بطورِ زکوٰۃ جس جنس اور/یا عمر کا مویشی دینا چاہیئے وہ ریوڑ یا گلّے میں موجود نہیں ہے تو مطلوبہ عمر سے کم یا زیادہ، یا دوسری جنس کا مویشی زکوٰۃ کی ادائیگی میں دیا جا سکتا ہے اور اگر اس مویشی کی قیمت مطلوبہ مویشی کی قیمت سے زیادہ ہے تو اس صورت میں قیمت کا یہ فرق قانونی مالک کو ضرور اور فوراً زرِ نقد کی صورت میں واپس کر دیا جائے گا اور اگر قانونی مالک کے پاس موجودہ مویشی کی قیمت زکوٰۃ میں مطلوبہ مویشی کی قیمت سے کم ہے تو قانونی مالک کو چاہیئے کہ وہ یہ کمی چاندی یا سونے یا زرِ نقد (مقامی کرنسی) یا گندم یا کسی اور نہ سڑنے والی غذا جیسی بھی اس کے پاس موجود ہو، ادارۂ زکوٰۃ کے لئے قابلِ قبول چیز کی صورت میں پوری کرے۔

(اگرچہ اونٹوں کی زکوٰۃ کے واجبات میں نر اونٹ اصولاً نہیں لئے جاتے لیکن جب کبھی اونٹوں کے ایک گلّے پر دو سال عمر کی اونٹنی، یعنی "بنت مخاض" بطورِ زکوٰۃ دینی ہو اور وہ موجود نہ ہو، تو قیمت میں اس کے برابر سمجھ کر تین سال عمر کا نر اونٹ، یعنی "ابن لبون" دیا جا سکتا ہے)

مذکورہ بالا صورتِ حال کے بارے میں رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہدایات مندرجہ ذیل حدیث میں ملتی ہیں۔

محمد بن عبداللہ نے ہم سے روایت کی، اور کہا: میرے والد نے مجھ سے روایت کی، اور کہا: مجھ سے ثمامہ نے روایت کی کہ انس رضؓ بن مالک نے اس سے کہا کہ ابو بکرؓ نے (مندرجہ ذیل) ہدایات مجھے زکوٰۃ کے بارے میں لکھ بھیجیں جو اللہ نے اپنے پیغمبرؐ پر عمل کرنے کے لئے حکم کی تھیں۔ اگر ایک شخص کے (گلّے پر)

Marfat.com

ایک پانچ سال عمر کی ایک اونٹنی بطورِ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور (دگئے ہیں) پانچ سال عمر کی اونٹنی موجود نہیں ہے۔ البتہ چار سال عمر کی اونٹنی موجود ہے تو اس سے چار سال عمر کی اونٹنی قبول کرلی جائے گی۔ اور (زکوٰۃ کے واجبات کی کمی پوری کرنے کے لئے) اگر اس کے پاس بھیڑ بکریاں ہوں تو چار سال عمر کی اونٹنی کے ساتھ دو بھیڑیں یا بکریاں جن کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔ یا پھر بیس درہم نقد لیے جائیں اور اگر ایک شخص کے (دگئے پر) چار سال عمر کی اونٹنی بطورِ زکوٰۃ واجب الادا ہے۔ لیکن اس کے (دگلے میں) چار سال عمر کی اونٹنی نہیں ہے البتہ پانچ سال عمر کی اونٹنی موجود ہے تو اس سے بھی پانچ سال عمر کی اونٹنی قبول کرلی جائے گی اور زکوٰۃ حاصل کرنے والا اس کو بیس درہم نقد یا دو بھیڑیں یا بکریاں جن کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو (یعنی چار سال اور پانچ سال عمر کی اونٹنی کی قیمت کا فرق) واپس لوٹائے گا۔ (اسی طرح) اگر ایک شخص سے (دگئے پر) چار سال عمر کی اونٹنی بطورِ زکوٰۃ واجب الادا ہے۔ اور اس کے پاس چار سال عمر کی کوئی اونٹنی نہیں، لیکن تین سال عمر کی اونٹنی ہی ہے تو اس سے تین سال عمر کی اونٹنی قبول کرلی جائے گی۔ جس کے ساتھ وہ دو بھیڑیں یا بکریاں جن کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو یا بیس درہم نقد ادا کرے گا۔ اور جس شخص کے (دگئے پر) بطورِ زکوٰۃ تین سال عمر کی اونٹنی واجب الادا ہے۔ اور اس کے (دگلے میں) تین سال عمر کی اونٹنی نہیں۔ لیکن چار سال عمر کی اونٹنی ہی موجود ہے تو اس سے چار سال عمر کی اونٹنی قبول کرلی جائے گی۔ اور زکوٰۃ حاصل کرنے والا اس کو (تین سال عمر اور چار سال عمر کی اونٹنی کی قیمت کا فرق یعنی) بیس درہم نقد یا دو بھیڑیں یا بکریاں جن کی عمر ایک سال سے

Marfat.com

کم نہ ہو۔ واپس لوٹا دے گا۔ اور جس شخص کے (گلے پر) تین سال عمر کی اونٹنی بطور زکوٰۃ واجب الادا ہے۔ اور اس کے (گلے میں) تین سال عمر کی اونٹنی نہیں ہے۔ لیکن دو سال کی عمر کی اونٹنی موجود ہے۔ تو اس سے دو سال عمر کی اونٹنی قبول کر لی جائے اور اس کے ساتھ (تین سال عمر اور دو سال عمر کی اونٹنی کی قیمت کا فرق یعنی) بیس درہم، یا دو بھیڑیں یا بکریاں جن کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو بھی ادا کرے۔ (روایت امام بخاری)

۸۔ ایک ریوڑ یا گلے پر وجوب زکوٰۃ کے وقت، ان تمام بوڑھے اور ناقص مویشیوں کو بھی حساب میں شامل کیا جائے گا۔ جن سے قانونی مالک اس وقت تک فائدہ اٹھا سکتا ہے اور جن کی ابھی تک کچھ مالیت ہے ناقص مویشیوں سے مراد وہ مویشی ہیں جو کسی جسمانی نقص، مثلاً اندھاپن، لنگڑاپن قابل علاج بیماری، یا قابل علاج زخموں میں مبتلا ہوں۔

لیکن یاد رہے کہ زکوٰۃ کے واجبات کی ادائیگی میں ایسے بوڑھے یا ناقص مویشی قابل قبول نہیں ہیں۔

۹۔ ایک ریوڑ یا گلے پر وجوب زکوٰۃ کے وقت اس میں ان تمام مادہ مویشیوں کو بھی گنا جائے گا جو گابھن ہیں، یا جن کے ساتھ بچے ہیں لیکن ایسے مویشیوں کو زکوٰۃ کے واجبات کی ادائیگی میں نہیں لیا جا سکتا۔

۱۰۔ ایک ریوڑ یا گلے پر وجوب زکوٰۃ کے وقت ایک سال سے کم عمر کے تمام بچوں کو گنتی میں شامل نہیں کیا جائے گا۔

۱۱۔ زکوٰۃ چونکہ صرف ان پالتو مویشیوں پر نافذ ہوتی ہے۔ جو چراگاہ میں چرنے والے ہیں، اس لیے مویشیوں کی قابل زکوٰۃ اقسام میں سے کسی قسم سے متعلق اگر جنگلی یا صحرائی مویشی ہوں تو انہیں، بوقت حساب، ریوڑ یا گلے کی گنتی میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

لیکن مادہ پالتو نسل کی اور نر جنگلی یا صحرائی کے ملاپ سے جو بچے پیدا ہوں انہیں پالتو مویشیوں میں شمار کیا جائے گا۔ اور وہ زکوٰۃ کے نفاذ کے لئے گنتی میں شامل کئے جائیں گے۔

۱۲۔ قانون زکوٰۃ کی رو سے زکوٰۃ کے واجبات کی ادائیگی میں ایسے مویشیوں کو دینا چاہیئے جو صحت مند اوسط قیمت کے اور مفید ہوں۔ رسول کریمؐ کے مندرجہ ذیل فرمان کے مطابق، زکوٰۃ کے واجبات کے لئے ریوڑ یا گلے کے مویشیوں میں سے عمدہ ترین کو زبردستی وصول نہیں کرنا چاہیئے۔ آپؐ نے فرمایا:

"(جب تم) لوگوں (سے زکوٰۃ لیتے ہو، تو ان) کے اموال میں سے منتخب چیزیں نہ لو، بلکہ اوسط درجے کی قیمت کی چیزیں لو۔"

۱۳۔ اسی طرح قرآن پاک کے حکم کے مطابق جو درج ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے، ریوڑ یا گلے پر زکوٰۃ کی ادائیگی میں سب سے ادنیٰ اور کمزور مویشی قابل قبول نہیں ہیں۔

یاایہا الذین امنوا انفقوا من طیبٰت ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ الا ان تغمضوا فیہ ط واعلموا ان اللہ غنی حمید ٥

اے ایمان والو! تم خدا کے نام پر خیرات کرو، تو اپنی اچھی کمائی میں سے دو اور اس چیز میں سے دو جس کو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا، اور خبیث و ناکارہ چیزوں کے دینے کا ارادہ نہ کرو۔ تم ناکارہ چیز کو نہیں لیتے مگر یہ کہ تم اس میں چشم پوشی کر جاؤ اور خوب جان لو کہ اللہ بے نیاز ہے (بے پرواہ ہے) مستحق حمد و ثنا ہے (اور بڑا ہی خوبیوں والا ہے) ٥ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۶۷)

۱۴۔ ایسے تمام پالتو مویشی جیسے اونٹ، بھیڑ بکریاں، گائے بیل وغیرہ جن کو

Marfat.com

فروخت اور ذبح کرنے کا ارادہ ہے۔ یہ "اشیائے تجارت" کی خاصیت رکھتے ہیں اور اس صورت میں، ان پر صرف زکوٰۃ تجارت ہی نافذ ہوگی۔[1]

۱۵۔ ایسے پالتو مویشی جیسے اونٹ، بھیڑ بکریاں، گائے بیل وغیرہ جن کے قانونی مالک کا ارادہ ابتداءً سے ان کی تجارت کا ہی تھا۔ لیکن بعد میں اس نے انہیں اپنے ذاتی استعمال میں تبدیل کر لیا تو وہ پالتو مویشی اسی وقت سے خود بخود "اشیائے تجارت" کی تعریف سے خارج ہو گئے اور ان پر صرف ان کی نوعیت کے متعلق عام زکوٰۃ کے قوانین کا اطلاق ہوگا۔

ان قوانین کی رو سے اگر ایسے تبادلے سے ان پالتو مویشیوں کی تعداد اپنی نوع کے لئے مقرر شدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہے تو ان پر سالِ ملکیت کا جو شمار ان کی تجارت کے وقت شروع ہو چکا تھا۔ وہی سالِ ملکیت کا شمار منقطع نہیں ہوگا۔ بلکہ ان کی نئی حاصل شدہ ذاتی جائیداد کی حیثیت پر جاری رہے گا۔

۱۶۔ مشترکہ ملکیت کے قابلِ زکوٰۃ پالتو مویشیوں کے ریوڑوں اور گلوں پر زکوٰۃ مشترکہ ملکیت پر لاگو قوانینِ زکوٰۃ کے مطابق، نافذ کی جائے گی۔ جن کا ذکر اس کتاب کی جلد سوم کے باب "مشترکہ ملکیت کی دولت کی زکوٰۃ" میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔

۱۷۔ جب تک قطعی ثبوت نہ ہو کہ قابلِ زکوٰۃ مویشیوں کے قانونی مالک نے زکوٰۃ کے واجبات کی ادائیگی میں بددیانتی کی ہے۔ تو اس کی ایمانداری پر پورا بھروسہ اور اعتماد کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ اس کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ملکیت

---

[1] ۔ ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزو سوم کا باب "اموال تجارت کی زکوٰۃ" (زکوٰۃ تجارت کا قانون نمبر ۱۷)

Marfat.com

کے تمام مویشیوں کا صحیح حساب رکھے اور ان پر زکوٰۃ کے جو واجبات ہوتے ہیں۔ ان کا شمار کرکے، وقت پر ادا کرے۔

۱۸۔ اگر ایک قابل زکوٰۃ پالتو کے ریوڑ یا گلے پر زکوٰۃ واجب الادا ہونے کے بعد، لیکن ادائیگی سے پہلے، تمام مویشیوں یا ان کی ایک تعداد کو ذاتی استعمال کی ناقابل زکوٰۃ دولت سے (جس سے تجارت کرنے کا مقصد نہ ہو) تبدیل کیا جائے یا تحفے میں دیا جائے۔ یا کھانے کے لئے ذبح کیا جائے یا چوری ہو جائے یا سوئے اتفاق سے ضائع ہو جائے۔ تو زکوٰۃ کی ادائیگی کا فرض قانونی مالک پر باقی رہے گا۔ اور اس لئے ختم نہیں ہوگا کہ متعلقہ مویشی یا اس کی ایک تعداد، اب اس کی ملکیت میں نہیں ہے۔ چونکہ زکوٰۃ کے نفاذ کی تمام شرائط بمع سال ملکیت کی شرط کے پوری ہو چکی ہیں تو اسے پوری واجب الادا زکوٰۃ لازماً دینی پڑے گی۔

۱۹۔ اگر مذکورہ بالا قانون نمبر ۱۸ میں مندرج حالات کے مطابق ریوڑ یا گلے کی ایسی فروخت، عطا یا نقصان سال ملکیت کی تکمیل سے پہلے ہو جائے خواہ سال کا ایک ہی دن باقی تھا تو اس نتیجے میں ریوڑ یا گلے پر سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا فرض اس کے کلی یا جزوی انتقال یا نقصان کے تناسب سے کلیتاً یا جزواً ختم ہو جائے گا۔ اس لئے کہ زکوٰۃ کے نفاذ کی ایک لازمی شرط یعنی سال ملکیت کی تکمیل پوری نہیں ہوئی۔

۲۰۔ اگر ثابت ہو جائے کہ ایک ریوڑ یا گلے کے قانونی مالک نے زکوٰۃ سے بچنے کے لئے اپنے پورے ریوڑ یا گلے یا اس کے ایک حصے کو دیدہ دانستہ بدنیتی سے دے دیا ہے۔ یا اس کا نقصان ہونے دیا ہے تو اس سے نہ صرف زکوٰۃ کے واجبات بزور قانون وصول کئے جائیں گے۔ بلکہ وہ سزا کے لائق ہوگا۔

Marfat.com

چراگاہ میں چرنیوالے پالتو گھوڑوں کی زکوٰۃ

متضاد ابتدائی روایات کے سبب گھوڑوں کو قابل زکوٰۃ دولت میں شامل کرنے اور ان پر زکوٰۃ نافذ کرنے کے بارے میں واضح مگر مختلف نقاطِ نظر ہم کو ملتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ تمام فقہوں میں سے صرف فقہ حنفی ہی ہے جو گھوڑوں پر نفاذِ زکوٰۃ کو تسلیم کرتا ہے اور ان کے لئے ایک متعین شرح جس کے مطابق ان کی زکوٰۃ ادا کی جانی چاہیئے. مقرر کرتا ہے[1]

اس کے برعکس امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام العینی اور امام غزالی کی یہ رائے ہے کہ اشیائے تجارت کی صورت کے سوا گھوڑے قطعی طور پر زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔

استثنار والے فتوے کے حق میں کئی ایک احادیث موجود ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل حدیث حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت کی گئی ہے:

> یحییٰ بن یحییٰ التمیمی نے ہم کو بیان کیا، اور کہا: میں نے مالک کا ایک بیان پڑھا ہے جس نے عبداللہ بن دینار سے، اور اس نے سلیمان بن یسار سے اور اس نے عراک بن مالک سے روایت کی ہے جس نے ابوہریرۃؓ سے سنا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: کسی مسلمان کو اپنے (غیر تنخواہ یافتہ) خادم اور اپنے گھوڑے پر زکوٰۃ نہیں دینی چاہیئے۔ (روایت امام مسلم)

جو فقہا گھوڑوں پر نفاذ زکوٰۃ کے حق میں ہیں وہ اپنی دلیل کے لئے حضرت

---

[1] امام ظافر اور امام ابوبکر رازی بھی چراگاہ میں چرنیوالے پالتو گھوڑوں پر زکوٰۃ نافذ کرنے کو تسلیم کرتے ہیں۔

Marfat.com

ابوسعید زیدؓ بن ثابت، صحابیٔ رسول کریمؐ کی شہادت و گواہی کو عام طور پر بنیاد بناتے ہیں اور پھر خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ بن الخطاب کا حوالہ دیتے ہیں جن کے بارے میں تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے عہد خلافت میں واقعی گھوڑوں پر زکوٰۃ نافذ کی تھی۔

امام العینی نے "صحیح بخاری" پر لکھی ہوئی اپنی شرح میں حضرت عمرؓ فاروق سے گھوڑوں پر نافذ زکوٰۃ کرنے کی بابت امام مالک کی درج ذیل روایت کا حوالہ دیا ہے۔

"ابن شہاب سلیمان بن سیار سے روایت ہے کہ دمشق کے لوگوں نے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کے پاس آکر درخواست کی کہ ان کے غلاموں اور گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ عائد کی جائے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اور پھر یہ سارا معاملہ حضرت عمر فاروقؓ کو بھیجا۔ انہوں نے بھی اسی طرح (عوام دمشق کی درخواست پر غور کرنے سے) انکار کر دیا۔ ان لوگوں نے ایک مرتبہ اور اپنی درخواست مرتب کی۔ پھر ابو عبیدہؓ نے فاروق اعظمؓ کو لکھا جنہوں نے (باشندگان دمشق کے جذبے اور نیت صالح سے متاثر ہوتے ہوئے) جواب دیا کہ اگر وہ لوگ یہی چاہتے ہیں تو ان سے (ان کے گھوڑوں پر زکوٰۃ لے کر) انہیں اس طرح واپس کرو کہ یہ ان کے غلاموں کو مل جائے۔" (امام العینی)

مذکورہ بالا بیان کے مطابق گھوڑوں پر زکوٰۃ کے نفاذ کے لئے جس دلیل پر زیادہ انحصار کیا جاتا ہے وہ حضرت ابوسعید زیدؓ بن ثابت کی گواہی ہے اس بارے میں ابوزید الدبوسی نے اپنی کتاب "الاسرار" میں روایت کی ہے کہ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے صحابۂ کرام سے جو اس کے زمانے میں موجود تھے۔ گھوڑوں پر زکوٰۃ کے نفاذ سے متعلق مشورہ کیا۔ موجود صحابہ میں حضرت

Marfat.com

ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعید زیدؓ بن ثابت بھی تشریف فرما تھے۔ اس موقع پر حضرت ابوہریرہؓ نے رسول اللہؐ کا یہ فرمان سنایا: لیس علی المسلم فی عبدہ ولا فرسہ صدقۃ " کہ "مسلم پر اس کے غیر تنخواہ یافتہ خادم اور اس کے اپنے گھوڑے کی کوئی زکوٰۃ نافذ نہیں ہوتی۔"

پھر خلیفہ عبدالملک بن مروان نے ابوسعید زیدؓ بن ثابت سے پوچھا: "اے ابوسعید اس کی بابت آپ کیا کہتے ہیں؟" اس پر ابوسعیدؓ نے اعلان کیا: "قد صدق رسول اللہ ولکنہ اراد فرس الغازی امّا ما طلب نسلها ورسلها ففیها الزکوٰۃ فی کل فرس دینار، او عشرۃ دراھم" یعنی "یقیناً رسول اللہؐ نے سچ فرمایا لیکن آپؐ کے فرمان سے مراد مجاہدین کے گھوڑے تھے۔ مگر ایسے گھوڑوں پر زکوٰۃ نافذ ہوگی جنہیں نسل کشی یا دودھ کے لئے رکھا جاتا ہے: (ان گھوڑوں میں سے) ہر گھوڑے پر ایک دینار یا دس درہم زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔"

گھوڑوں پر زکوٰۃ کے نفاذ کی مزید تصدیق مندرجہ ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔ جسے امام دارقطنی نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی سند سے روایت کی ہے:

> ابو یوسف نے ابوعبداللہ غورک الحخرم السعدی سے روایت کی ہے انہوں نے جعفر بن محمد سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے: انہوں نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے سنا جنہوں نے کہا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: گھوڑوں کی (زکوٰۃ کی) شرح ہر گھوڑے پر ایک دینار ہے۔ (روایت امام بخاری)

صحابی رسول کریمؐ، سلمان بن یسار کی مذکورہ بالا روایت میں دیئے ہوئے تاریخی بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کے زمانۂ اقدس میں گھوڑوں پر زکوٰۃ نہیں ہوتی تھی۔ اگرچہ اس امر کا کوئی مکمل ثبوت موجود نہیں ہے۔ لیکن جیسا کہ امام العینی نے اس سے قابلِ تسلیم نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اگر حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت

عمر فاروقؓ نے عوام دمشق کی درخواست پر پہلے ان کے گھوڑوں پر زکوٰۃ کے نفاذ سے انکار کر دیا تھا تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول کریمؐ کے زمانے میں ایسی زکوٰۃ لازمی نہیں تھی۔ کیونکہ آپؐ کے زمانۂ اقدس میں اگر یہ نفاذ لازمی ہوتا تو حضرت ابو عبیدہؓ اور خصوصاً حضرت عمر فاروقؓ جو رسول کریمؐ کے قریب ترین صحابہ میں سے تھے دونوں نے کبھی بھی اس حق زکوٰۃ کو جو اللہ تعالیٰ نے اس کی مخلوق کی بھلائی کے لئے مقرر کیا تھا۔ لینے سے انکار نہ کیا ہوتا۔

تاہم حضرت ابوسعید زیدؓ بن ثابت کی شہادات بھی موجود ہیں کہ زکوٰۃ کے نفاذ سے صرف وہ گھوڑے مستثنیٰ ہیں جو میدانِ جنگ کے لئے ہیں یعنی جو اپنے قانونی مالک کی عملی خدمت میں رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے بھی روایت ہے کہ رسول کریمؐ نے چراگاہ میں چرنے والے پالتو گھوڑوں کے لئے زکوٰۃ کی شرح مقرر کی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً حضرت عمر فاروقؓ کو اس کا علم ہوتا۔

چنانچہ رسول اللہؐ کے ان دو صحابۂ کرام کی شہادات کو قبول کرتے ہوئے جو حقیقتاً حضرت ابوہریرہؓ کی سند سے روایت کی ہوئی حدیث کے برخلاف نہیں ہے۔ یہی قیاس ہوتا ہے کہ یا تو دمشق کے باشندوں سے متعلق روایت میں کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ یا پھر متعلقہ گھوڑے چراگاہ میں چرنے والے پالتو جانور نہیں ہوں گے۔

مزید برآں، اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ہجرت نبوی کے فوراً بعد کے دس سالوں میں نئی اسلامی ریاست کی بقا کے لئے بہادرانہ اور مسلسل جدوجہد سے پیدا شدہ خصوصی حالات کے نتیجے میں، اس وقت جتنے بھی گھوڑے مسلمانوں کے پاس تھے، وہ پوری طرح اسلام کی حفاظت کے لئے وقف ہو کر عملاً کام میں ہر دم طلب کئے جاتے ہوں گے۔ اسی لئے عین ممکن ہے کہ چھ ماہ سے زیادہ چراگاہ میں چرنے والے گھوڑے موجود نہ ہونے کے سبب، ایسے گھوڑوں پر زکوٰۃ کے

Marfat.com

نفاذ کا موقع ہی نہیں ملا ہو گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ رسول کریمؐ نے چراگاہ میں چرنیوالے پالتو گھوڑوں کے لیئے ایک واضح زکوٰۃ کی شرح مقرر نہیں فرمائی ہو گی۔

رسول کریمؐ کے عہد مبارک میں مسلم افواج میں گھوڑوں کی واقعی کمی کی تائید خود قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے:

لیس علی الضعفاء و لا علی المرضٰی و لا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرج اذا نصحوا للہ و رسولہٖ ما علی المحسنین من سبیلٍ و اللہ غفور رحیم ○ و لا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم قلت لا اجد ما احملکم علیہ تولوا و اعینھم تفیض من الدمع حزنًا الا یجدوا ما ینفقون ○

ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں، الزام نہیں جو ضعیف ہیں، بیمار ہیں اور نہ ان لوگوں پر جو خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں پاتے جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے مخلص ہیں، خیر خواہ ہیں مطیع و فرماں بردار ہیں اور نہ نیکوکاروں پر الزام کی کوئی راہ ہے اور اللہ تو غفور الرحیم ہے ہی ○ ان لوگوں پر بھی کوئی حرج نہیں ہے جو تمہارے پاس آتے ہیں کہ تم انہیں سواری عطا کرو اور تم کہتے ہو کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے یہ سن کر وہ واپس چلے جاتے ہیں اور ان کی آنکھیں غم کے مارے آنسو بہاتی ہیں (یعنی وہ روتے ہیں) کہ پاس اتنا مال نہیں کہ وہ صرف کر سکیں ○

(سورۃ التوبہ، آیات ۹۱ اور ۹۲)

اس مسئلے کے تسلی بخش حل کے لئے چاہیئے کہ ہم اس کے اصل مطلب کو سامنے رکھ کر اس کا تجزیہ کریں۔

تمام متضاد تاریخی شہادتوں اور ان سے ماخوذ مختلف قیاس آرائیوں کو

Marfat.com

ایک طرف رکھتے ہوئے ہم قانونِ زکوٰۃ کے اصولوں پر اپنی دلیل کی بنیاد رکھیں گے جن کے مطابق زکوٰۃ صرف ان پالتو مویشیوں پر نافذ ہو سکتی ہے جو پوری طرح بنی نوع انسان کے استعمال میں آتے ہیں۔ یعنی جن سے مکمل طور پر ان کے مالک فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جب کہ مکمل طور پر فائدہ اٹھانے کی شرط ہی مویشیوں پر زکوٰۃ کے نفاذ کے تعین کا معیار ہے تو دیکھنا ہے کہ آیا گھوڑا ایک پالتو مویشی ہونے کی خاصیت کے اعتبار سے اس بنیادی شرط کو پورا کرتا ہے یا نہیں۔

گھوڑوں کو جن مختلف قسم کے کاموں میں استعمال کیا جا سکتا ہے وہ معلوم اور معروف ہیں۔ تاہم بطور دلیل ان کا ذکر کیا جاتا ہے کہ گھوڑے عام طور پر سواری کرنے، پانی کھینچنے، کھیتی باڑی، گاڑیاں کھینچنے اور باربرداری کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کا چمڑا اور بال بھی کئی ایک مفید کاموں میں استعمال ہوتے ہیں۔ لہٰذا صرف ایک سبب ہی، بحیثیتِ پالتو مویشی، گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر سکتا ہے اور وہ ان کے گوشت اور دودھ کو ناقابلِ خورد و نوش سمجھنا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فقہاء اور علمائے اسلام میں اس مسئلے پر اختلاف ہے کہ گھوڑے کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں اگرچہ اکثر فقہائے کرام جن میں ممتاز امام شافعی ہیں۔ یہ رائے رکھتے ہیں کہ معیارِ اسلام کے مطابق، گھوڑے کا گوشت اور دودھ بالکل جائز اور حلال خوراک ہیں۔ لیکن دوسرے فقہائے کرام جن میں امام ابو حنیفہ اور امام مالک بھی شامل ہیں۔ اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔

یہ بات خاص طور پر دلچسپ اور قابلِ ذکر ہے کہ امام ابو حنیفہ ان معدودے چند فقہاء میں سے ایک ہیں جو چراگاہ میں چرنے والے پالتو گھوڑوں پر زکوٰۃ کے نفاذ کے حق میں ہیں۔ حالانکہ گھوڑے کا گوشت کھانے پر معترض بھی ہیں۔ ان کا یہ اعتراض شاید جذباتی لگاؤ کی بنا پر ہوگا۔ بہر حال ان کی قانونی حجت گھوڑے کے گوشت کی خاصیت پر نہیں بلکہ اس حقیقت پر مبنی ہے کہ قرآن پاک کی سورۃ النحل، آیت نمبر ۵ میں جہاں "انعام" کا ذکر ہے، جو انسانی خوراک کے لئے حلال گوشت کا

ذریعہ ہیں ۔ اور "انعام" سے مراد اونٹ، گائے بیل اور بھیڑ بکریاں ہیں: وہی اسی سورت کی آیت نمبر ۸ میں، جس میں گھوڑے، خچر اور گدھے مذکور ہیں، معاملہ یوں نہیں ہے:

والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃً ط ۔۔۔۔

اور اللہ نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے ہیں کہ تم ان پر سوار ہوتے ہو، وہ تمہارے لئے باعث زینت ہیں ۔۔۔ ہ

(سورۃ النحل، آیت نمبر ۸)

اگرچہ یہ صحیح ہے کہ قرآن پاک کی اس آیت میں گھوڑے کے قابل خوردنی گوشت کا ذکر نہیں ہے۔ نہ ہی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے کا گوشت اپنی فطرت کے اعتبار سے، مسلمانوں کے لئے ممنوع ہے۔ دوسری طرف قرآن پاک اس بارے میں کوئی شک باقی نہیں رہنے دیتا کہ کس قسم کا گوشت اپنی فطرت کے اعتبار سے ناپاک اور نجس ہونے کے سبب انسانی خوراک کے لئے نامناسب ہے۔

قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہٗ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانہٗ رجس او فسقاً اھل لغیر اللہ بہٖ ج فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان ربک غفور رحیم ہ

(اے محمدؐ) تم کہہ دو جن احکام کی وحی مجھ پر اتاری گئی ہے میں اس میں کوئی چیز حرام نہیں پاتا کہ کھانے والے پر اس کا کھانا حرام ہو، سوا اس کے کہ مردار ہو، بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو کہ یہ چیزیں بلاشبہ گندی ہیں، ناپاک ہیں پھر جو چیز موجب گناہ ہو کہ غیر خدا کا نام اس پر ذبح کے وقت پکارا گیا ہو تو وہ بھی بلاشبہ حرام ہے اگر کوئی آدمی مجبور ہو جائے اور اس کو خدا کی نافرمانی مقصود نہ ہو، نہ ضرورت

سے زیادہ ہو بلکہ صرف جان بچانے کے لئے ان حرام چیزوں میں سے کچھ کھا لے تو بیشک تمہارا پروردگار غفور ورحیم ہے مغفرت اور رحمت اس کا کام ہے ○

(سورۃ الانعام، آیت نمبر ۱۴۶)

حرمت علیکم المیتہ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب ---- ذلکم فسق....

تم پر حرام کر دیا گیا ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے نام کے سوا دوسرے کا نام ذبح کے وقت پکارا گیا ہو اور وہ جانور جو گلا گھٹنے سے مر گیا ہو اور وہ جانور جو لاٹھی اور پتھر کے صدمہ سے مر گیا ہو اور وہ جو اوپر سے نیچے گر کر اس کے صدمہ سے مر جائے اور وہ جانور جس کو دوسرے جانور نے سینگ مارا ہو اور جس کو درندے نے کھایا ہو، مگر یہ کہ تم نے اسے ذبح کیا ہو اور وہ جانور جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو ---- یہ سب جانوروں کا گوشت کھانا تمہارے لئے) برا ہے، گناہ کا کام ہے ---- ○

(سورۃ المائدۃ، آیت نمبر ۳)

مذکورہ بالا قرآنی آیات کئی اہم ترین اسباب کی نشاندہی کرتی ہیں۔ جو کسی گوشت کو انسانی خوراک کے لئے جائز نہیں رہنے دیتے۔ یہ اسباب مندرجہ ذیل ہیں :

(الف) اگرچہ انسانی خوراک کے لئے حلال جانور کا گوشت اسلامی قانون کے مطابق ذبح کیا گیا ہو۔ درآں حالیکہ اگر یہ گوشت فوراً کھایا نہیں، بلکہ پکائے بغیر چھوڑ دیا گیا ہو پھر اس پر موت کی سختی آ گئی ہو۔ تو وہ "میتہ"

Marfat.com

یعنی مردار ہے اور انسانی خوراک کے لئے نامناسب ہو گیا ہے اور اس لئے حرام ہے[1]

(ب) خون خواہ وہ کسی قسم کا ہو۔ بطور خوراک مسلم کے لئے قطعاً ممنوع ہے یہ ممانعت سائنسی حقیقت پر مبنی ہے علم البدن ہمیں تبلاتا ہے کہ دوران خون نہ صرف غذائی عناصر کا حامل ہے بلکہ جسمانی خلیوں میں جو تمام کثافتیں اور بیماری کے زہریلے مادے حاضر ہوتے ہیں وہ بھی خون میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کی موجودگی کے سبب خون اپنی اصلی فطرت کے اعتبار سے انسانی خوراک کے لئے غیر صحت مند ہے۔

(ج) سور کا گوشت اور اس کی مشابہت اور مماثلت کی وجہ سے تمام غلاظت خور اور مردار خور جانوروں کے گوشت کھانے سے بھی مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے غلاظت خوروں کی فہرست میں سوٌر، کتے، بلیاں، پالتو گدھے، چوہے، الگڑ بگڑ، گدھ، کوتے وغیرہ اور ایسی مچھلیاں بھی، جیسے شارک، ڈولفن، وغیرہ شامل ہیں۔

تمام گوشت خور جانوروں اور گوشت خور پرندوں کا گوشت انسانی خوراک کے لئے مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

(د) جو گوشت اپنی اصلی فطرت کے اعتبار سے حلال و جائز ہے۔ لیکن جانور قانونِ اسلام کے اصول کے مطابق ذبح نہ کیا گیا ہو۔ مثلاً جانور گلا گھونٹ کر مارنے سے یا دوسرے قدرتی یا اتفاقی حادثات سے، یا بیماری کی وجہ سے مر گیا ہو تو وہ گوشت بھی انسانی خوراک کے لئے ناجائز قرار پاتا

---

[1] موت کے بارہ گھنٹے کے اندر اندر عام طور پر لاش سخت ہونا شروع ہوتی ہے۔ عالم سکرات یعنی موت کی سختی" کہتے ہیں۔ آج کل سائنس یہ تسلیم کرتی ہے کہ مردار کا گوشت کھانے کے لئے صحت مند نہیں۔

Marfat.com

ہے۔ یہ ممانعت کا حکم بھی سائنسی حقائق کے عین مطابق ہے کہ جب ایک جانور اس طریقے سے مارا جائے جس سے اس کا خون پوری آزادی سے باہر نہ نکلے، تو یہ گوشت کے اندر ہی جم کر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا خون میں پہلے سے جو کثافتیں اور زہریلے مادے موجود تھے جنہیں ختم کرنا اور ہٹانا ہی دراصل خون کا بنیادی کام ہے، وہ گوشت میں پیوست ہو جاتے ہیں۔ آج کل سائنس یہ تسلیم کرتی ہے کہ اس میں جراثیم سرایت کر جانے اور بیماری سے آلودہ ہونے کے سبب، بیمار جانوروں کا گوشت صحت کے لئے مضر ہے۔

(۵) ایسے جانوروں کا گوشت جو اللہ کا نام لئے بغیر، یا اللہ کے علاوہ کسی اور کے نام پر ذبح کئے جائیں یا بتوں کے لئے قربان کئے جائیں مسلمانوں کے لئے بطور خوراک ممنوع ہے۔ اگرچہ وہ گوشت اپنی اصلی فطرت کے اعتبار سے اسلامی معیار کے مطابق جائز خوراک ہو۔ وجہ یہ ہے کہ قانون اسلام کی رو سے سوائے اپنی جان کی حفاظت کے جانوروں کو مار ڈالنا ناجائز ہے یہ کام صرف انسانی بھوک کی تسکین کے لئے اور اس وقت بھی صرف اللہ تعالیٰ کی اجازت سے جائز طور پر کیا جا سکتا ہے۔

مندرجہ بالا امور سے واضح ہوتا ہے کہ بطور انسانی خوراک، گوشت اصولاً متعلقہ جانور کے غلاظت خور ہونے کی بنا پر ناجائز قرار دیا گیا ہے، چنانچہ اس مسئلہ کا حل اس فیصلے پر منحصر ہے کہ کیا گھوڑا جب وہ پالتو ہو۔ غلاظت خور جانور ہے یا نہیں، چونکہ گھوڑا قابل زکوٰۃ دولت کی اور تمام شرائط کو پورا کرتا ہے اس لئے اب اس ہی فیصلے سے اس بات کا تعین ہوگا کہ گھوڑے کو قابل زکوٰۃ دولت کی فہرست میں شامل کیا جائے یا نہیں۔

غلاظت خوری نہ صرف تمام دوسری مخلوق کے بلکہ بنی نوع انسان کے ذوق اور عادات پر بلاشک وشبہ اثر انداز ہوتی ہے۔ ہندوستان (بھارت) کی گائیں

Marfat.com

کی مثال لیجئے : یہ جانور اگرچہ عام طور پر صاف کھانے والے ہوتے ہیں لیکن اس ملک میں دیہاتوں اور شہروں کی سڑکوں پر آوارہ اور بھوکے پیاسے پھرتے ہوئے گندگی کھاتے رہتے ہیں۔ اگرچہ اپنی اصلی فطرت کے اعتبار سے گائے کا گوشت اور دودھ بنی نوع انسان کے لئے جائز ذریعہ خوراک ہے۔ مگر غلاظت خور ہندی گائے کا گوشت اور دودھ بلاشک وشبہ انسانی خوراک کے لئے بالکل نامناسب ہے۔

گھوڑوں سے متعلق سب ہی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ ایک نہایت صاف خور جانور ہے۔ حتیٰ کہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ مخلوقات عالم میں برتر اور صاف ترین جانور گھوڑا ہے۔ اس وجہ سے صحت اور صفائی کے نقطہ نظر سے بھی اور مقبولیت کی رو سے بھی ایسی کوئی ٹھوس دلیل موجود نہیں ہے کہ آخر گھوڑے کے گوشت اور دودھ کو مکروہ اور ناجائز کیوں سمجھا جائے۔

مزید برآں کئی ایک احادیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول کریمؐ نے صاف الفاظ میں، پالتو گدھے کی غلاظت کھانے کی رغبت کے سبب اس کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اور آپ نے خود گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے۔

یحییٰ بن یحییٰ اور ابو ربیع العتکی اور قتیبہ بن سعید نے ہم سے روایت کی ہے اور یہ الفاظ یحییٰ کے ہیں کہ یحییٰ نے کہا کہ حماد بن زید نے ہمیں تبلایا اور باقی دوسرے دو نے کہا کہ حماد بن زید نے ہم سے روایت کی اور حماد نے عمرو بن دینار کی سند سے (اور اس نے) محمد بن علی کی سند سے روایت کی ہے کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر رسول اللہؐ نے پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کیا۔ اور گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت دے دی۔

(روایت امام مسلم)

محمد بن حاتم نے ہمیں تبلایا کہ : محمد بن بکر نے ہمیں تبلایا کہ : ابن

Marfat.com

جریج نے ہمیں خبر دی کہ : مجھے ابوزبیر نے خبر دی کہ اس نے جابر بن عبداللہ کو کہتے ہوئے سنا کہ : غزوۂ خیبر کے زمانے میں ہم نے گھوڑوں اور جنگلی گدھوں کا گوشت کھایا ، لیکن پیغمبرؐ خدا نے ہمیں پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

(روایت امام مسلم)

محمد بن عبداللہ بن نمیر نے ہم سے روایت کی اور کہا کہ : میرے والد اور حفص بن غیاث اور وکیع نے (ہم سے روایت کی انہوں نے) ہشام کی سند سے ، جنہوں نے فاطمہ کی سند سے اور انہوں نے اسماء کی سند سے روایت کی ۔ اسماء نے کہا : ہم نے رسولؐ اللہ کے عہد میں گھوڑا ذبح کیا اور اس کا گوشت کھایا۔

(روایت امام مسلم)

یہ ایک حقیقت ہے کہ ترکمان مسلمان کے علاوہ جو گھوڑے کا گوشت اور دودھ عام طور پر استعمال کرتے ہیں ۔ دنیا کے باقی علاقوں میں مسلمان عموماً گھوڑے کا گوشت نہیں کھاتے ۔ تاہم اس سے کسی کو منع کرنا بھی قانوناً مناسب نہیں ۔ لہٰذا گھوڑے کے گوشت کا کھانا اور اس کے دودھ کا استعمال کرنا ذاتی اور انفرادی حالات پر چھوڑ دینا چاہیئے ۔

فکلوا مما رزقکم اللہ حلالاً طیباً واشکروا نعمت اللہ ان کنتم ایاہ تعبدون ○ انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان اللہ غفور رحیم ○ ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلٰل وھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون ○

پھر اللہ کی دی ہوئی حلال اور اچھی چیز سے کھاؤ اور اللہ کا شکر

Marfat.com

بجالاؤ، اگر تم اس کی بندگی کرتے ہو عبادت کرتے ہو ○ بیشک
اللہ نے تم پر صرف مردار، خون اور سور کا گوشت حرام کیا ہے
اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو پھر
جو شخص ناچار ہو جائے۔ دلی خواہش سے نہیں ضرورت سے،
(ان میں سے) زیادہ نہیں (کھالے) اور حد سے سرکشی اور بغاوت یا
نہ ہمارا فرمانی نہ کرو تو اللہ غفور (معاف کرنے والا) ہے۔
رحیم ہے ○ اور تمہاری زبانیں جو جھوٹی باتیں بیان کرتی ہیں
وہ ہرگز نہ کہو (یعنی بے تحقیق) یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے
نہ کہو تاکہ اللہ پر افترا پردازی نہ ہو جائے۔ جو لوگ خدا پر افترا کرتے
ہیں جھوٹ لگاتے ہیں من گھڑت باتیں بناتے ہیں وہ کبھی فلاح
و بہبود نہیں پاتے ○

(سورۃ النحل، آیات نمبر ۱۱۴ تا ۱۱۶)

گھوڑا اپنی اصلی فطرت کے اعتبار سے، انسان کے لئے مکمل طور پر استعمال میں آنے کی شرط بالکل اور قطعی طور پر پوری کرتا ہے۔ نتیجتاً جب گھوڑوں کو ان سے بچے اور/یا دودھ حاصل کرنے کے لئے چراگاہ میں پالا جائے تو دوسرے چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی طرح ان پر بھی زکوٰۃ نافذ ہونی چاہیئے اگرچہ جذباتی لگاؤ کی بناء پر بہت سے مسلمان گھوڑے کا گوشت نہ کھانے کو ترجیح دیتے ہیں۔

چراگاہ میں چرنیوالے پالتو گھوڑوں پر فرضیت زکوٰۃ کی حدود اور زکوٰۃ کی شرح،

چراگاہ میں چرنے والے پالتو گھوڑوں پر زکوٰۃ کے نفاذ سے متعلق حضرت عمرؓ بن الخطاب سے منسوب روایتوں اور احادیث دونوں میں زکوٰۃ کی شرح ایک دینار یا دس درہم فی گھوڑا ہے۔ اگر ہم اس زکوٰۃ کی شرح کو چراگاہ میں چرنے والے

پالتو گھوڑوں کے لئے ابتدائی اور بنیادی شرح تسلیم کریں۔ تو یہ فرض کرنا پڑے گا کہ یہ شرح اس زمانے میں ایک متوسط گھوڑے کی زکوٰۃ کا ایک مناسب حصہ تھی۔ لیکن آج کل تو یہ تناسب صحیح نہیں ہے البتہ قیاس غالب ہے کہ حضرت عمرؓ کے کچھ عرصے بعد یہ تناسب بدل گیا ہوگا۔ امام محمد بن الحسن نے اپنی کتاب "الآثار" میں امام ابوحنیفہ اور امام حماد بن ابی سلیمان کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام ابراہیم النخعی نے چراگاہ میں چرنے والے پالتو گھوڑوں کے لئے خواہ وہ نر ہوں یا مادہ دو متبادل زکوٰۃ کی شرحیں تجویز کی تھیں کہ گھوڑے کا قانونی مالک یا تو ایک دینار یا دس درہم فی گھوڑے کے حساب سے سالانہ زکوٰۃ دے یا اگر چاہے تو چاندی کے لئے مقررشدہ نصاب، زکوٰۃ کی فرضیت کی حدود اور زکوٰۃ کی شرح کے مطابق، سال ملکیت کی تکمیل پر گھوڑے کی بازاری قیمت پر ڈھائی فیصد کے حساب سے، ہر دو سو درہم پر پانچ درہم زکوٰۃ ادا کرے۔ فقہ حنفی میں ان ہی متبادل زکوٰۃ کی شرحوں کو تسلیم اور نافذ کیا جاتا ہے۔

امام نخعی کے زمانے میں جن حالات نے اس ابتدائی عہد کے علماء کو چاندی کے لئے مقرر شدہ نصاب، زکوٰۃ کی فرضیت کی حدود اور زکوٰۃ کی شرح کی مطابقت میں چراگاہ میں چرنے والے پالتو گھوڑوں کی زکوٰۃ کے لئے متبادل دو شرحیں تجویز کرنے کی راہ سجھائی، اس ہی طرح حالات اب بھی تقاضا کرتے ہیں کہ گھوڑوں کے ابتدائی نصاب کے اصلی مطلب اور صحیح مفہوم کو بحال رکھنے کے لئے اس پورے مسئلے کا از سر نو جائزہ لیا جائے۔

لہٰذا چراگاہ میں چرنے والے پالتو گھوڑوں کی زکوٰۃ کا نصاب مقرر کرنے کے لئے اس اصول پر عمل کیا جائے گا جس کے مطابق چاندی اور سونے کے نصاب مقرر کئے جاتے ہیں یعنی مالک کے عام غذائی اناج کی سال بھر کی ضروریات کی زیر بحث سال کی اوسط بازاری قیمت سے گھوڑوں کے لئے نصاب مقرر کیا جائے گا۔

Marfat.com

بہ الفاظ دیگر چراگاہ میں چرنے والے پالتو گھوڑوں کے لئے زکوٰۃ کا نصاب ملک کے باشندوں کی عام غذائی اناج پانچ اونٹ بوجھ (=۴۲ من وزن یا ۱۵۶۸ کیلوگرام، یا ۱۶۸۰ سیر) کی سال میں اوسط قیمت سے متعین کیا جائے گا۔

اس طرح، اگر ایک یا زیادہ چراگاہ میں چرنیوالے پالتو گھوڑے جن کی مجموعی مالیت کم سے کم اس ملک کے باشندوں کے عام غذائی اناج کے پانچ اونٹ بوجھ کی مالیت (یعنی نصاب) کے برابر ہو، اپنے قانونی مالک کی ملکیت و قبضے میں پورا سال رہے ہوں۔ تو وہ اس مالیت پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرے گا۔

پھر گھوڑوں کی ہر مالیت کے اضافے پر جو نصاب کی مالیت کے پانچویں حصے کے برابر ہو۔ ڈھائی فی صد زکوٰۃ نافذ ہوگی۔ جو اضافہ نصاب کے پانچویں حصے سے کم ہو زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گا۔ اور زکوٰۃ کا نفاذ صرف اس سے پہلے کے اضافے تک ہوگا۔[1]

چراگاہ میں چرنے والے پالتو گھوڑوں کی زکوٰۃ کے قوانین:

(فقہ حنفی اور سہ ماہی حساب کے مطابق)

۱۔ جب ملک میں عام غذائی اناج کا بازاری نرخ سال کے دوران تبدیل ہوتا رہا ہو تو چراگاہ میں چرنیوالے پالتو گھوڑوں کا نصاب مقرر کرنے کے لئے سال میں اوسط بازاری نرخ بطور معیار لیا جائے گا۔

۲۔ نسل کشی یا دودھ کے لئے رکھی ہوئی گھوڑیاں جو اپنے قانونی مالک کی ملکیت میں سال پورا کر چکی ہوں۔ اور کم سے کم چھ ماہ تک چراگاہ میں چرتی رہی ہوں تو ان کی جو نسل اور جتنی تعداد ہو جب ان کی مالیت ان کی نوع کے لئے

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اس کتاب کے جزو دوم میں غلے کی مروجہ بازاری قیمت سے ترتیب شدہ چاندی اور سونے کا نصاب۔

Marfat.com

۲۔ رقم نصاب کے برابر یا زیادہ ہو تو ان پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

جب گھوڑوں میں نر بھی موجود ہوں ساتھ ایک یا ایک سے زیادہ

موجود ہوں تب بھی خواہ کسی حساب سے کل پر زکوٰۃ نافذ ہوگی۔

چونکہ صرف نر ہونے پر گھوڑوں کے گلے پر زکوٰۃ نافذ کرنے کے لئے ایسی

گھوڑیاں موجود نہ ہوں گی جو ایک ہی قانونی مالک کی ملکیت میں

ہوں جن کی ملکیت میں تعداد سے مذکر موجود ہیں۔

۳۔ جب گھوڑے یا گھوڑیاں سواری کے لئے یا گاڑی کھینچنے یا کھیتی باڑی

کرنے یا بار برداری کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں یا نسل کشی کے لئے

رکھے جاتے ہیں۔ اور وہ چرنے کی بجائے زیادہ تر تھان پر کھلائے جاتے ہیں

خواہ ان کی ملکیت کتنی ہی ہو۔ قانونی مالک کے ان کے اخراجات کے بار

اٹھانے کے سبب زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہتے ہیں۔

۴۔ صرف نر گھوڑوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہوتی ہے۔ اس طرح جب قانونی مالک

کی ملکیت میں صرف نر گھوڑے موجود ہیں تو یہ بھی زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہیں گے

خواہ یہ سال میں کم از کم چھ ماہ کے لئے چراگاہ میں چرتے رہے ہوں۔ وجہ

یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں یہ گھوڑے بغیر خود نسل کشی کے قابل

نہ ہونے کے سبب تعدد دوام کی شرط کو پورا نہیں کرتے۔

۵۔ جب گھوڑے یا گھوڑیاں فروخت کرنے کے لئے رکھے جاتے ہیں تو وہ

اشیائے تجارت شمار ہوں گے۔ اور خواہ چراگاہ میں چرتے رہیں یا

تھان پر کھلائے جائیں۔ ان تمام گھوڑوں، نر اور مادہ، پر صرف زکوٰۃ

تجارت نافذ ہوگی[1]۔

۶۔ جب گھوڑیاں جو پہلے فروخت کرنے کے لئے رکھی گئی تھیں۔ پھر نسل کشی

---

[1]۔ ملاحظہ فرمائیں اس کتاب کے جزو سوم کا باب "اموال تجارت کی زکوٰۃ"

Marfat.com

کے لئے چراگاہ میں چرنے چھوڑ دی جائیں تو خود بخود ان کی اشیائے تجارت کی خاصیت ختم ہو جاتی ہے اور ان پر صرف اپنی نوع کے لئے مقرر شدہ زکوٰۃ نافذ ہوگی۔[1]

جب گھوڑیاں، یا گھوڑے، اشیائے تجارت سے ذاتی ملکیت کے چراگاہ میں چرنیوالے پالتو گھوڑیوں یا گھوڑوں میں تبدیل کئے جائیں۔ تو اگر ان کی مالیت مقرر شدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہے تو ان پر جو "اشیائے تجارت" کے سال ملکیت کا شمار شروع ہوا تھا وہ منقطع نہیں ہوگا بلکہ اب بھی جاری رہے گا۔

۷۔ اگر کسی وجہ سے، قابل زکوٰۃ گھوڑوں یا گھوڑیوں کی مالیت، سال ملکیت کی تکمیل پر، ان کی اس سال کے شروع میں مالیت سے کم ہو گئی ہو تو زکوٰۃ اس مالیت پر دی جائے گی جو قانونی مالک کے پاس سال بھر رہی ہے یعنی سال ملکیت کی تکمیل کے وقت جو کم مالیت رہ گئی، زکوٰۃ اسی پر ادا کی جائے گی۔

۸۔ جسمانی عوارض مثلاً، اندھے پن، لنگڑے پن، قابل علاج بیماری، یا قابل علاج زخموں میں مبتلا چراگاہ میں چرنیوالی پالتو گھوڑیاں جو ابھی تک قانونی مالک کے کام آتی ہیں اور مالیت رکھتی ہیں۔ زکوٰۃ کے لائق رہتی ہیں اور زکوٰۃ کا حساب کرتے وقت ایسی گھوڑیاں گلّے کی تعداد میں شامل ہونگی۔

۹۔ قانون زکوٰۃ کی رو سے گھوڑوں کے ایک سال سے کم عمر کے بچے (سوائے بطورِ اشیائے تجارت کے) زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔[2]

۱۰۔ جب قابل زکوٰۃ گھوڑیاں مشترکہ ملکیت میں ہوں۔ تب ان پر مشترکہ ملکیت کی دولت کی زکوٰۃ کے قوانین کے مطابق زکوٰۃ نافذ ہوگی۔[3]

---

[1]۔ ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزو سوم کا باب "اموالِ تجارت کی زکوٰۃ"

[2]۔ ملاحظہ فرمائیں، آئندہ مذکور قانون نمبر ۱۲، جزو ز۔

[3]۔ ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزو سوم کا باب "مشترکہ ملکیت کی دولت کی زکوٰۃ"

Marfat.com

۱۱۔ جب قابلِ زکوٰۃ گھوڑوں یا گھوڑیوں کے بدلے میں قابلِ زکوٰۃ دولت لی جاتی ہے (خواہ وہ دوسرے گھوڑے یا کسی اور نوع کی دولت ہو) تو یہ سودا قابلِ زکوٰۃ دولت کے تبادلے کے قوانین کے مطابق کیا جائے گا۔[1]

۱۲۔ جب صرف چند قابلِ زکوٰۃ گھوڑے قانونی مالک کی ملکیت میں ہوں، مثلاً کئی گھوڑیاں اور ایک دو گھوڑے، یا صرف کئی گھوڑیاں، تو اگر وہ چاہے ہر ایک گھوڑی، یا ایک ہی تاریخ پر حاصل شدہ گھوڑیوں کے ہر ایک مجموعے کے لئے حصول کی تاریخ سے متعلقہ سال ملکیت کا شمار رکھ سکتا ہے۔

لیکن جب قابلِ زکوٰۃ گھوڑیوں کے پورے گلّے پر زکوٰۃ نافذ کرنی ہے تو سال ملکیت کے شمار کے لئے دوسرے قابلِ زکوٰۃ مویشیوں کی طرح سہ ماہی حساب کا طریقہ درست سمجھا جائے گا۔ مگر دوسرے مویشیوں اور گھوڑیوں کے سال ملکیت کے سہ ماہی شمار میں یہ فرق ہو گا کہ گھوڑیوں کی تعداد پر نہیں بلکہ ان کی مالیت پر زکوٰۃ عائد ہو گی۔

لہٰذا سہ ماہی بنیاد پر قابلِ زکوٰۃ گھوڑیوں کی زکوٰۃ کا نفاذ مندرجہ ذیل طریقے سے کیا جائے گا۔

(الف) چراگاہ میں چرنے والی پالتو گھوڑیوں پر زکوٰۃ کا حساب رکھنے کے لئے سال کو چار برابر سہ ماہی وقفوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ پہلے سہ ماہی وقفے کا آغاز یکم جنوری یا یکم محرم سے ہو، علیٰ ہٰذا القیاس۔[2]

(ب) دوسرے قابلِ زکوٰۃ مویشیوں کی طرح گھوڑیوں کے سالِ ملکیت کا آغاز

---

[1] ملاحظہ فرمائیں، ذیل میں مذکور قانون نمبر ۱۲، جزو د، اور اس کتاب کے جزو دوم کا باب "قابلِ زکوٰۃ دولت کے تبادلے کے قوانین"

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں "چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی زکوٰۃ" کا قانون نمبر ۴، جزو الف، اس جلد کے صفحے ـــــ پر۔

اس دن سے ہوتا ہے جس پر ان کا سہ ماہی وقفہ مکمل ہو جاتا ہے اور اس وقفے میں نئے حاصل شدہ گھوڑیوں کا ظاہری اضافہ واضح طور پر معلوم ہو چکا ہے[1]
ہر سہ ماہی وقفے کے متعلق سالِ ملکیت کے اختتام پر، ان گھوڑیوں کے مجموعے پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

(ج) کسی ایک سہ ماہی وقفے میں مندرجہ ذیل طریقوں سے نئی حاصل شدہ گھوڑیوں کا مجموعہ ظاہری اضافہ کہا جاتا ہے گلّے میں بچوں کی پیدائش، بطورِ وراثت بطور تحفے، ناقابلِ زکوٰۃ دولت سے خریدنے، ایک ایسی دولت کے بدلے میں خریدنے جو بذاتِ خود قابلِ زکوٰۃ ہے لیکن اپنی نوع کے لئے مقررشدہ نصاب سے کم ہے[2] یا گلّے کی ایک یا زیادہ گھوڑیوں کے بدلے میں دوسرے گھوڑیوں کے ایک سال عمر سے کم بچے حاصل کرنے سے،
گھوڑیوں کے گلّے کا ہر ایک ظاہری اضافہ اس سہ ماہی وقفے کا ہے جس میں نئی گھوڑیاں حاصل ہوئی ہیں اور ہر ایک سہ ماہی وقفے کے اختتام پر پرانی گھوڑیوں کے مجموعے پر زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنے کے فوراً بعد اس مجموعے کے باقی ماندہ گھوڑیوں میں متعلقہ ظاہری اضافہ جمع کر کے نئے مجموعے پر ایک نیا سال ملکیت کا شمار شروع کیا جائے گا۔

(د) جب قابلِ زکوٰۃ دولت (چاندی، سونا، کرنسی نوٹ، قابلِ زکوٰۃ مویشی اشیائے تجارت، موتی یا قیمتی پتھر) جس کے لئے سالِ ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہے۔ تبادلے میں دے کر قابلِ زکوٰۃ، گھوڑیاں جن کی

---

[1] ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں "چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی زکوٰۃ کا قانون نمبر ۴، جزو ب، اس جلد کے صفحہ پر
[2] ۔ ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزو دوم کا باب "قابلِ زکوٰۃ دولت کا تبادلہ" (قانون نمبر ۲)

مقررشدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہو تو ان پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔
جب گھوڑوں کے گلے میں مادہ کے ساتھ ایک، یا ایک سے زیادہ
نر موجود ہیں تو مجموعی تعداد کا حساب کر کے کل پر زکوٰۃ نافذ ہوگی۔
چراگاہ میں چرنے والے پالتو گھوڑوں کے گلے پر زکوٰۃ نافذ کرنے کے لئے ایسی
تمام گھوڑیوں کو جمع کر لیا جائے گا۔ جو ایک ہی قانونی مالک کی ملکیت میں
ایک ہی ملک کی حدود کے اندر موجود ہیں۔

۳۔ جو گھوڑے یا گھوڑیاں سواری کرنے، گاڑی کھینچنے، پانی کھینچنے، کھیتی باڑی
کرنے، یا باربرداری کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں یا نسل کشی کے لئے
رکھے جاتے ہیں۔ اور وہ چھ ماہ سے زیادہ تھان پر کھلائے جاتے ہیں
خواہ ان کی بابت کتنی ہی ہو۔ قانونی مالک کے ان کے اخراجات کے بار
اٹھانے کے سبب زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہتے ہیں۔

۴۔ خصی گھوڑوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہوتی ہے۔ اس طرح جب قانونی مالک
کی ملکیت میں صرف نر گھوڑے موجود ہیں تو یہ بھی زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہیں گے
خواہ یہ سال میں کم از کم چھ ماہ کے لئے چراگاہ میں چرتے رہے ہوں وجہ
یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں یہ گھوڑے بطور خود نسل کشی کے قابل
نہ ہونے کے سبب، قدر دوام کی شرط کو پورا نہیں کرتے۔

۵۔ جب گھوڑے یا گھوڑیاں فروخت کرنے کے لئے رکھے جاتے ہیں تو وہ
"اشیائے تجارت" شمار ہوں گے۔ اور خواہ چراگاہ میں چرتے رہیں یا
تھان پر کھلائے جائیں۔ ان تمام گھوڑوں، نر اور مادہ، پر صرف زکوٰۃ
تجارت نافذ ہوگی[1]۔

۶۔ جب گھوڑیاں جو پہلے فروخت کرنے کے لئے رکھی گئی تھیں۔ پھر نسل کشی

---

[1]۔ ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزو "سوم کا باب" "اموال تجارت کی زکوٰۃ"

کے لئے چراگاہ میں چرنے چھوڑ دی جائیں تو خود بخود ان کی اشیائے تجارت کی خاصیت ختم ہو جاتی ہے اور ان پر صرف اپنی نوع کے لئے مقرر شدہ زکوٰۃ نافذ ہو گی۔[1]

جب گھوڑیاں، یا گھوڑے، اشیائے تجارت سے ذاتی ملکیت کے چراگاہ میں چرنیوالے پالتو گھوڑیوں یا گھوڑوں میں تبدیل کئے جائیں، تو اگر ان کی مالیت مقرر شدہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہے تو ان پر جو "اشیائے تجارت" کے سال ملکیت کا شمار شروع ہوتا تھا وہ منقطع نہیں ہو گا بلکہ اب بھی جاری رہے گا۔

۷۔ اگر کسی وجہ سے، قابل زکوٰۃ گھوڑوں یا گھوڑیوں کی مالیت، سال ملکیت کی تکمیل پر، ان کی اس سال کے شروع میں مالیت سے کم ہو گئی ہو تو زکوٰۃ اس مالیت پر دی جائے گی جو قانونی مالک کے پاس سال بھر رہی ہے یعنی سال ملکیت کی تکمیل کے وقت جو کم مالیت رہ گئی، زکوٰۃ اسی پر ادا کی جائے گی۔

۸۔ جسمانی عوارض مثلاً، اندھے پن، لنگڑے پن، قابل علاج بیماری، یا قابل علاج زخموں میں مبتلا چراگاہ میں چرنیوالی پالتو گھوڑیاں جو ابھی تک قانونی مالک کے کام آتی ہیں اور مالیت رکھتی ہیں۔ زکوٰۃ کے لائق رہتی ہیں اور زکوٰۃ کا حساب کرتے وقت ایسی گھوڑیاں گلّے کی تعداد میں شامل ہونگی۔

۹۔ قانون زکوٰۃ کی رو سے گھوڑوں کے ایک سال سے کم عمر کے بچے (سوائے بطور اشیائے تجارت کے) زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔[2]

۱۰۔ جب قابل زکوٰۃ گھوڑیاں مشترکہ ملکیت میں ہوں۔ تب ان پر مشترکہ ملکیت کی دولت کی زکوٰۃ کے قوانین کے مطابق زکوٰۃ نافذ ہو گی۔[3]

---

[1] ۔ ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزو سوم کا باب "اموال تجارت کی زکوٰۃ"

[2] ۔ ملاحظہ فرمائیں، آئندہ مذکور قانون نمبر ۲۱، جزو ز۔

[3] ۔ ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزو سوم کا باب "مشترکہ ملکیت کی دولت کی زکوٰۃ"

Marfat.com

مالیت نصاب کے برابر یا زیادہ ہے رلی جائیں، تو نئی حاصل شدہ گھوڑیوں کو اس سہ ماہی وقفے میں رکھا جائے گا۔ جس کے دوران تبدیل کی ہوئی دولت پر زکوٰۃ ادا کی جاتی تھی، خواہ دولت اور گھوڑیوں کے تبادلے کا یہ سودا کسی بھی تاریخ کو ہوا ہو[1]

اگر اس سہ ماہی وقفے کے مجموعے میں پہلے سے اور گھوڑیاں موجود ہوں تو نئی حاصل شدہ گھوڑیوں کو ان میں جمع کر لیا جائے گا۔ اور اس پورے مجموعے پر زکوٰۃ واجب الادا ہونے کے وقت دی جائے گی۔

(ط) قابل زکوٰۃ گھوڑیوں کو جن کی مالیت نصاب کے برابر یا زیادہ ہے، اور جنہیں ایسی قابل زکوٰۃ دولت کے بدلے میں حاصل کیا گیا ہے جو ایک سے زیادہ رقموں کا مجموعہ تھی اور ہر رقم نصاب کے برابر یا زیادہ ہونے کی وجہ سے اپنا الگ الگ سال ملکیت کا شمار رکھتی تھی۔ تو ایسی گھوڑیوں کو ان رقموں کے سال ملکیت کے شمار کے متعلقہ سہ ماہی وقفوں میں متناسب طور پر الگ الگ رکھا جائے گا۔ جن کے سال ملکیت کے شمار کے اپنے اپنے اختتام ہی پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی[2]

(ی) جب قابل زکوٰۃ گھوڑیوں کا آپس میں تبادلہ کرتے ہوئے حاصل شدہ گھوڑیوں کی مالیت دی ہوئی گھوڑیوں کی مالیت کے برابر یا کم ہو، لیکن نصاب سے کم نہ ہو۔ اگر تبادلے میں دی ہوئی گھوڑیاں ایک سے زیادہ سہ ماہی وقفوں میں سے ہوں جن کے لئے الگ الگ سال ملکیت کے شمار ہیں تو نئی حاصل شدہ گھوڑیوں کو ان کی مالیت کی نسبت سے دی ہوئی گھوڑیوں کے

---

[1] ملاحظہ فرمائیں، مذکورہ بالا قانون نمبر ۱۱، اور اس کتاب کے جزو دوم کے باب "قابل زکوٰۃ دولت کے تبادلے" میں مذکورہ قوانین۔

[2] ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزو اوّل کے باب "متعدد حسابات" کا قانون نمبر ۳، جزو ۱ اور جزو دوم کے باب "قابل زکوٰۃ دولت کے تبادلے" کے قوانین نمبر ۴ اور ۶۔

Marfat.com

سہ ماہی وقفوں میں رکھا جائے گا۔[1]

دوسری طرف، اگر ایسی تبادلے میں حاصل شدہ گھوڑیوں کی مالیت دی ہوئی گھوڑیوں کی مالیت سے زیادہ ہے تو حاصل شدہ مالیت کا دی ہوئی مالیت کے برابر حصہ جاری سال ملکیت کے شمار کے تحت آئے گا۔ اور اس شمار کے تکمیل پر اس پر واجب الادا زکوٰۃ دی جائے گی۔ اور حاصل شدہ مالیت کا باقی حصہ اگر نصاب سے کم ہے تو وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گا۔ جب تک کہ قانونی مالک کو اور قابل زکوٰۃ گھوڑیاں مل کر ان میں شامل کیے جائیں اور اگر اس مجموعے کی مالیت نصاب تک یا نصاب سے زیادہ پہنچ گئی ہو۔ تو اس پر سال ملکیت کا شمار شروع ہوگا۔ لیکن اگر اور قابل زکوٰۃ گھوڑیاں اگلے سہ ماہی وقفے کی تاریخ تک حاصل نہ کی جائیں تو اس باقی حصہ مالیت کو مذکورہ وقفے کی مجموعی مالیت میں جمع کیا جائے گا۔[2]

(ذ) جب نصاب کے برابر یا زیادہ کے بدلے میں جس پر سالِ ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہے ایک سال سے کم عمر کے گھوڑیوں کے بچے لئے جائیں تو سال ملکیت کا شمار موثر طور پر منقطع ہو جاتا ہے خواہ بچوں کی مالیت کتنی ہی ہو اور انہیں اس ہی سہ ماہی وقفے کے ظاہری اضافے میں جمع کیا جائے گا جس کے دوران میں یہ سودا ہوا ہے۔[3]

(ح) جب ایک شخص جس کے پاس پہلے سے کوئی قابل زکوٰۃ گھوڑی نہیں تھی، اب

---

[1] ۔ ملاحظہ فرمائیں اس کتاب کے جزو دوم کے باب "قابل زکوٰۃ دولت کے تبادلے" کے قوانین نمبر ۵ اور ۶ ۔

[2] ۔ ملاحظہ فرمائیں، اس کتاب کے جزو دوم کے باب "قابل زکوٰۃ دولت کے تبادلے" کا قانون نمبر ۹ جزو و اور جزو اول کے باب "متعدد حسابات" کے قانون نمبر ۲ اور نمبر ۳ ۔

[3] ۔ ملاحظہ فرمائیں، مذکورہ بالا قانون نمبر ۱۲، جزو ج ۔

ایک، یا ایک سے زیادہ قابل زکوٰۃ گھوڑیاں جن کی مجموعی مالیت نصاب سے کم ہے حاصل کر لیتا ہے تو یہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہیں گی۔ جب تک کہ مزید قابل زکوٰۃ گھوڑیاں، قانونی مالک کی ملکیت میں نہ آ جائیں۔ جن میں جمع ہو کر ان کی مجموعی مالیت نصاب کے برابر یا زیادہ ہو جائے اب گھوڑیوں کا یہ مجموعہ اس اسی سہ ماہی وقفے میں رکھا جائے گا۔ جس میں ان کی مالیت نصاب تک پہنچی اور اس سہ ماہی وقفے کے ختم ہونے کی تاریخ سے ان پر سالِ ملکیت کا شمار شروع ہو گا۔

(ط) جب ایک شخص جس کے پاس پہلے سے کوئی قابل زکوٰۃ گھوڑی نہیں تھی۔ ایک یا ایک سے زیادہ گھوڑیاں جن کی مجموعی مالیت نصاب سے کم ہے حاصل کر لیتا ہے اور اس کے بعد، ایک ہی وقت، ایک قابل زکوٰۃ دولت کے بدلے میں، جس پر سال ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہے، ایک یا ایک سے زیادہ اور گھوڑیاں حاصل کرتا ہے، جن کی مجموعی مالیت نصاب کے برابر یا زیادہ ہے تو پہلا (کم از نصاب مالیت کی گھوڑی یا گھوڑیوں کا) مجموعہ، عارضی طور پر، زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گا اور نئی گھوڑی یا گھوڑیوں کا مجموعہ، تبادلے میں دی ہوئی دولت پر وجوبِ زکوٰۃ کے وقت سے متعلق سہ ماہی وقفے میں شامل ہو کر، اس کے سال ملکیت کے شمار کے اختتام پر اس (دوسری) مالیت پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ پھر باقی ماندہ مالیت میں پہلی (کم از نصاب) گھوڑی یا گھوڑیوں کے مجموعے کی مالیت (بظاہری اضافہ) جمع کر کے، اس کل مجموعے پر نئے سرے سے سالِ ملکیت کا شمار شروع کیا جائے گا۔

(ی) جب کبھی کسی سہ ماہی وقفے کی گھوڑیوں کے مجموعے کی مالیت حاصل ہونے کے وقت کم از نصاب ہو یا سال ملکیت کے دوران کسی بھی وجہ سے نصاب سے کم ہو جائے تو حصول کے، یا نصاب سے کم ہونے کے فوراً بعد جس سہ ماہی

وقفے کے مجموعے کی زکوٰۃ واجب الادا ہو جائے۔ اس پر زکوٰۃ ادا کر کے باقی ماندہ مالیت میں ان گھوڑیوں کی کم از نصاب مالیت جمع کی جائے گی۔

یہی قانون ان حالات میں بھی منطبق ہو گا جب قابل زکوٰۃ گھوڑیوں کے کسی مجموعے کے سالِ ملکیت کے شمار کے شروع میں نصاب کے برابر یا زیادہ مالیت سالِ ملکیت کے دوران کسی وجہ سے نصاب سے کم ہو جائے۔ اور اس میں ظاہری اضافے کو (اگر ہو) جمع کر کے مجموعی مالیت نصاب تک نہ پہنچے۔

(ک) چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی طرح چاروں سہ ماہی وقفوں کی گھوڑیوں کے چار مجموعوں کی آسان اور صحیح نشان دہی کے لئے ضروری ہے کہ ہر وقفت کے مجموعے کے لئے الگ الگ امتیازی نشان ہو۔ جسے ادارۂ زکوٰۃ نے منتخب اور باضابطہ طور پر تسلیم کیا ہو۔ چنانچہ ہر وقفے کا الگ نشان اسی مجموعے کے سب گھوڑیوں کو جس میں اس وقفے کے نوزائیدہ بچے اور نئے حاصل شدہ قابل زکوٰۃ گھوڑیاں بھی شامل ہوتی ہیں لگایا جائے گا۔ اور چونکہ گھوڑیاں، ملکیت کے بدلے میں، غالباً اپنے سابقہ سہ ماہی وقفے میں نہیں رہتی بلکہ ان کو نیا دلے میں دی ہوئی دولت کے سالِ ملکیت کے شمار کے متعلق وقفے میں رکھا جائے گا۔ تو یہ امتیازی نشانات ایسے ہونے چاہئیں جو آسانی سے بدلے جا سکیں۔

۱۳۔ جب تک قطعی ثبوت نہ ہو کہ قابل زکوٰۃ گھوڑیوں کے قانونی مالک نے زکوٰۃ کے واجبات کی ادائیگی میں بد دیانتی کی ہے، تو اس کی ایمانداری پر پورا بھروسہ اور اعتماد کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ اس کی اپنی ذاتی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ملکیت کے تمام قابل زکوٰۃ گھوڑیوں اور ان کی مالیت کا صحیح حساب رکھے اور ان پر زکوٰۃ کے جو واجبات بنتے ہوں ان کا شمار کر کے وقت پر ادا کرے۔

۱۴۔ اگر قابل زکوٰۃ (نر اور مادہ) گھوڑوں کا تمام مجموعہ یا اس کا ایک حصہ، اس پر

Marfat.com

زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد، لیکن ادائیگی سے پہلے، ذاتی استعمال کی ناقابل زکوٰۃ دولت کے بدلے میں (جس سے تجارت کرنے کا ارادہ نہیں ہے) یا بطور تحفہ دے دیا جائے۔ یا خوراک کے لئے ذبح کر لیا جائے یا چوری ہو جائے یا سوئے اتفاق سے ضائع ہو جائے تو ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ کے واجبات کی ادائیگی کا فرض قانونی مالک پر باقی رہے گا۔ اور اس وجہ سے ختم نہیں ہوگا کہ ان گھوڑوں کا مجموعہ یا ان کا ایک حصہ اب قانونی مالک کے قبضے میں نہیں ہے چونکہ زکوٰۃ کے نفاذ کی تمام شرائط، بمع سال ملکیت کی شرط کے پوری ہو چکی ہیں تو اسے پوری واجب الادا زکوٰۃ لازماً دینی پڑے گی۔

۱۵۔ مذکورہ بالا قانون نمبر ۱۴ میں بتلائے ہوئے حالات کے مطابق، اگر سال ملکیت کی تکمیل سے پہلے خواہ صرف ایک ہی دن باقی ہو۔ قابل زکوٰۃ گھوڑیوں کا مجموعہ یا اس کا ایک حصہ دے دیا جائے یا ضائع ہو جائے تو متعلقہ زکوٰۃ کا فرض اس کے کلی یا جزوی انتقال یا نقصان کی وجہ سے کلیاً یا جزواً ختم ہو جائے گا۔ اس لئے سال ملکیت کی وجوب زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے ضروری شرط پوری نہیں ہوئی۔

۱۶۔ اگر ثابت ہو جائے کہ قانونی مالک نے اپنی قابل زکوٰۃ گھوڑیوں کے مجموعے کو یا ان کے ایک حصہ کو ادائیگی زکوٰۃ سے بچنے کے لئے دیدہ و دانستہ بددیانتی سے دے دیا ہے یا ان کا نقصان ہونے دیا ہے تو اس جرم سے نہ صرف زکوٰۃ کے واجبات بزورِ قانون وصول کئے جائیں گے، بلکہ وہ سزا کے لائق بھی ہوگا۔

زکوٰۃ سے مستثنیٰ دولت

قانون زکوٰۃ کے اصولوں سے یہ صاف عیاں ہے کہ غیر پیداواری دولت اپنی فطرت وخاصیت کے اعتبار سے زکوٰۃ سے مستثنیٰ دولت ہے، سوائے اس صورت کے کہ اس سے مبینہ طور پر تجارت کرنے کا ارادہ ہو۔ غیر پیداواری دولت سے ہر وہ دولت مراد ہے جو قدر دوام کی حامل فاضل دولت نہ ہو، دراصل، اس سے مراد مندرجہ ذیل تین اقسام دولت ہیں۔

(الف) ہر انسان کے دائرہ کار کو پیش نظر رکھتے ہوئے شائستہ معیار زندگی کے مطابق اس کی سال بھر کی جائز ضروریات کو مہیا کرنے کے لئے ضروری دولت۔

(ب) گھریلو، عوامی اور صنعتی دائرہ کار میں روزانہ استعمال میں آنے والی اشیاء،

(ج) جو اشیاء وقت گزرنے، یا استعمال سے کم قدر یا خراب ہو جاتی ہیں اور اسی لئے ان کے قانونی مالک کو ان کی حفاظت اور درست حالت میں رکھنے کے لئے متواتر اخراجات برداشت کرنے پڑیں۔ دولت کی یہ تین قسمیں اپنی فطرت وخاصیت کے اعتبار سے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔

زکوٰۃ سے مستثنیٰ دولت میں مندرجہ ذیل اشیاء شامل ہیں۔

۱۔ ایسی دولت جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے قابل زکوٰۃ ہو۔ لیکن یا تو وہ حصول کے بعد سال کے اندر ہی اندر خرچ ہو جائے۔ یا اس کی مقدار مالیت، یا تعداد اس دولت کی نوع یا قسم کے لئے مقرر شدہ نصاب

سے کم ہو۔

۲۔ غیر قیمتی دھات سے بنے ہوئے کم مالیت کے سکے (کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ کے قانون نمبر ۳ کے مطابق ، زیادہ مالیت کے سکے جن میں چاندی یا سونا نہیں ہوتا۔ جیسے کہ پاکستانی روپیہ اور اکثر ممالک کے آج کل بنیادی سکے ہی دراصل "کرنسی نوٹ" ہیں جنہیں دھات کی بجائے کاغذ پر چھاپا گیا ہے اس لئے ان پر زکوٰۃ نافذ ہوگی۔

۳۔ تمام اشیائے خوردنی جنہیں ذاتی استعمال کے لئے خریدا گیا ہو، یعنی جن کی تجارت کرنے کا ارادہ نہ ہو۔

۴۔ ہر قسم کا گھریلو فرنیچر (سوائے چاندی یا سونے سے بنی ہوئی اشیا ، یا جن میں قیمتی دھات کی ملاوٹ ہو ، یا ان سے ، یا/اور موتیوں ، یا/اور قیمتی پتھروں سے آراستہ کیا گیا ہو ، تو قیمتی دھاتوں ، موتیوں یا/اور قیمتی پتھروں پر ، قانونِ زکوٰۃ کے مطابق زکوٰۃ نافذ کی جائے گی)

۵۔ ہر قسم کے کپڑے (سوائے ان کے جو چاندی یا سونے کی دھاتوں سے بنے ہوئے ، یا چاندی سونے ، موتیوں ، یا/اور قیمتی پتھروں سے آراستہ ہوں تو ان قیمتی اشیاء پر ، قانونِ زکوٰۃ کے مطابق ، زکوٰۃ نافذ کی جائے گی)

۶۔ کاغذ ، ہر قسم کا شائع شدہ مواد ، ہاتھ سے لکھی ہوئی تمام تحریریں ، فن کی وہ تمام اشیاء جنہیں قیمتی دھات یا قیمتی پتھر سے نہ بنایا گیا ہو۔ اور چینی کے برتن ، بشرطیکہ ان سب اشیاء کی تجارت کرنے کا ارادہ ، خواہ ظاہراً یا خفیہ طور پر نہ ہو۔

۷۔ تمام عمارات: لوگوں کی رہائش گاہیں اور ہر قسم کی عوامی عمارات گودام ، دکانیں ، چکیاں ، کارخانے ، اصطبل ، وغیرہ ، بشرطیکہ اشیائے تجارت نہ ہوں۔

۸۔ وہ تمام پالتو جانور جو انسان کے لئے مکمل استعمال کی شرط پوری نہیں کرتے ،

Marfat.com

مثلاً گدھے[۱]، خچر[۲]، ہاتھی، کتے، بلیاں، خصی شدہ بیل اور گھوڑے وغیرہ۔

۹۔ تمام انواع کے پالتو پرندے، مثلاً مرغی، بطخیں، ہنس، کبوتر، مور، ترکی مرغ وغیرہ جو اشیائے تجارت نہ ہوں۔

۱۰۔ وہ تمام پالتو اونٹ، گائے بیل، بھیڑ بکریاں اور گھوڑے، جو سال میں چھ ماہ سے زیادہ عرصے کے لئے تھان پر کھڑے ہو کر کھلائے جاتے ہیں اور اشیائے تجارت نہ ہوں۔

۱۱۔ زمین خواہ قابل کاشت ہو یا نہ ہو (زمین صرف اس وقت قابل زکوٰۃ ہو جاتی ہے جب کہ "شئے تجارت" کی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی جب کوئی تاجر زمین کی خرید و فروخت کی تجارت کرتا ہے۔)

۱۲۔ پانی، یعنی ذاتی ملکیت کے کنوئیں چشمے وغیرہ۔

۱۳۔ ہر قسم کی خوردنی اور غیر خوردنی زرعی پیداوار جو اپنی فطرت کے اعتبار سے سڑنے والی ہے اور اسے مصنوعی ذرائع کے بغیر کم از کم پورے سال تک اچھی حالت میں محفوظ نہ رکھا جا سکے۔

۱۴۔ درخت لکڑی، ایندھن، ہر قسم کے غیر خوردنی بیج و پھل، ہر قسم کی گوندیں اور گندہ بیروزہ (بشمول ربڑ وغیرہ، وعنبر) ہر قسم کے پتے (بشمول چائے اور تمباکو). پیداوار ریشے (کپاس کے علاوہ) نباتات، پھول (بشمول زعفران) گھاس، تنکے اور کاہ، ہر قسم کے مسالہ جات، تمام غیر خوردنی تیل کی پیداوار، تر و باز

---

[۱] چونکہ پالتو گدھے غلط کھانے کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان کا گوشت قابل نفرت سمجھا جاتا ہے اور مسلمان کے لئے منع ہے۔

[۲] خچر نسل کشی کے قابل نہ ہونے کے سبب، قدر دوام کی شرط پوری نہیں کرتے اس لئے وہ زکوٰۃ کے قابل دولت کی فہرست سے خارج ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

کے بیج، لکڑی اور کھیرے کے بیج (غیر قابل زکوٰۃ پیداوار کی مکمل فہرست، زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کے قانون نمبر ۳ میں ملاحظہ فرمائیں)

۱۵۔ وہ تمام بیج جو بونے کے لئے رکھے گئے ہوں۔ (فہرست، زرعی پیداوار کے قانون نمبر ۳ میں ملاحظہ فرمائیں)

۱۶۔ تمام جنگلی پیداوار (خودرو نرسل اور گھاس جیسے بانس پرس وغیرہ، جنگلی پھل گری، اگر دار میوہ وغیرہ)

۱۷۔ ہر قسم کا شکار (گوشت، کھال، پروں اور پوستین کو حاصل کرنے کے لئے شکار کئے ہوئے جانور یا پرندے اور رینگنے والے جانور) سمندری اور تازہ پانی کی مچھلی [۱]

---

[۱] ۔ یہ تجویز حال میں پیش کی گئی ہے کہ مچھیرے جتنی مچھلیاں پکڑتے ہیں ان پر بھی زکوٰۃ نافذ ہونی چاہیئے۔ مگر یہ رائے قانون زکوٰۃ کی روح اور الفاظ دونوں کے منافی ہے نفاذ زکوٰۃ کے لئے ایک بنیادی اور ضروری شرط یہ ہے کہ متعلقہ قابل زکوٰۃ دولت کی قانونی ملکیت کا وجود ہو۔ اور شکار از سمندر و دریا کی مچھلی سے متعلق قانونی ملکیت بنیادی طور پر موجود نہیں ہے چنانچہ پکڑی ہوئی مچھلی اگر خراب نہ ہو جانے کے لئے زندہ بھی رکھی جائے تو اس وقت تک ان پر زکوٰۃ نافذ نہیں جا سکتی جب تک کہ "اشیائے تجارت" نہ بن جائے۔ ایسی حالت میں عام زکوٰۃ کے نہیں بلکہ زکوٰۃ تجارت کے قوانین کے مطابق مچھیرے کے شکار پر زکوٰۃ نافذ ہو گی۔

دوسرا امر یہ ہے کہ جب تک مصنوعی ذرائع سے محفوظ نہ کیا جائے ہر قسم کا گوشت نہایت جلد خراب ہو جاتا ہے اس لئے مچھلی خود بخود قابل زکوٰۃ دولت کی فہرست سے خارج ہو جاتی ہے۔

مزید برآں، زمین کی خودرو جنگلی پیداوار کی طرح (باقی نوٹ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

۱۸۔ جانور اور پرندوں سے حاصل شدہ خراب ہونے والی پیداوار اور ضمنی پیداوار گوشت دودھ اور اس سے بننے والی اشیاء (دہی، مکھن پنیر، گھی، انڈے وغیرہ)

۱۹۔ جانوروں کی پیداوار مثلاً اون، بال، کھالیں، چمڑا، پوستین، ہڈیاں سینگ، ہاتھی، دانت وغیرہ۔

اس نکتے کی وضاحت دلچسپی کا موجب ہو گی کہ جو جانور اپنی فطرت کے اعتبار سے قابل زکوٰۃ ہیں اگر ان ہی سے یہ اشیاء حاصل ہو کر ان پر زکوٰۃ نافذ ہو تو یہ زکوٰۃ کے دوہرے نفاذ کے مترادف ہو گا۔ جو قانون زکوٰۃ کی روح کے منافی ہے۔ علاوہ ازیں قابل استعمال و پائیدار بنانے کے لئے کھالوں چمڑوں اور پوستینوں پر خصوصی عمل انجام دینا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ ان اشیاء پر صرف اس وقت زکوٰۃ نافذ ہو سکتی ہے۔ جب یہ اشیائے تجارت بن جائیں۔ اس صورت میں ان پر زکوٰۃ تجارت کے قوانین کے مطابق زکوٰۃ دی جائے گی۔

۲۰۔ مواد خوشبویات، مثلاً مشک، عنبر وغیرہ جن کو عام طور پر قیمتی اشیاء کی خاصیت دی جاتی ہے لیکن جز زیادہ تر دوائیوں اور عطریات میں

(سابقہ صفحے کا باقی نوٹ) شکار اور مچھلی سب مسلمان اور غیر مسلم کے لئے جائز اور روا ہے کہ وہ جتنی چاہے آزادی سے پکڑیں۔ اور اگر وہ اتنی تکلیف اٹھانا چاہتے ہیں کہ وافر مقدار پکڑیں تو اسے اپنے فائدے کے لئے فروخت بھی کر سکتے ہیں۔ اگر شکاری یا مچھیرے اپنے شکار کا ایک حصہ قوم کے غریب لوگوں کو بطور عطیہ دے دیں تو اس پر کسی کو بھی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ دستور پسندیدہ ہو گا۔ لیکن مذکورہ بالا دلائل کی رو سے زکوٰۃ کے نام پر اسے مسلمانوں پر فرض نہیں کیا جا سکتا۔

Marfat.com

استعمال ہوتی ہیں [1]

۲۱۔ مٹی کے تیل کے کنوؤں کی پیداوار اور چاندی اور سونے کی کانوں کے علاوہ تمام قسم کی کانوں کی پیداوار۔

۲۲۔ مرجان [2]، صدف، کچھوے کا خول، وغیرہ۔

۲۳۔ مشینری [3] (صنعتی وغیرہ) اوزار اور ہر قسم کے آلات (جب تک اشیائے تجارت

---

[1] ۔ اکثر فقہائے کرام، جن میں امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام محمد بن الحسن شامل ہیں مشک اور عنبر کو قابل زکوٰۃ نہیں سمجھتے۔ دوسری طرف امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں پر خمس، یعنی ۲۰ فیصد زکوٰۃ، حصول کے وقت نافذ ہونا چاہیے۔ اگرچہ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ بن الخطاب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مشک اور عنبر پر بیس فی صد ٹیکس عائد کرتے تھے لیکن اس کی بابت یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ مذکورہ ٹیکس بطور زکوٰۃ وصول کیا گیا تھا۔ چونکہ ان کی قیمتی ہونے کے باوجود مشک اور عنبر بھی حصول کے وقت اور انفرادی ملکیت میں آنے پر بھی، دونوں زکوٰۃ کے نفاذ کی بنیادی شرائط کو پورا نہیں کرتے۔ اغلب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان پر جو بیس فی صد ٹیکس عائد کیا، وہ یا تو باقاعدہ حکومتی ٹیکس تھا یا جیسے امام العینی کا خیال عنبر کے بارے میں ہے مسلمانوں کی فوج نے دشمن کے علاقوں کے سواحل سے جو عنبر جمع کئے تھے۔ ان پر مال غنیمت کی بیس فیصد یعنی خمس، وصول کی ہوگی۔

البتہ اگر یہ "اشیائے تجارت" ہوں، تو خود بخود ان پر زکوٰۃ تجارت نافذ ہوگی۔

[2] ۔ امام ابو یوسف کی رائے میں، مرجان پر بیس فی صد زکوٰۃ نافذ ہونی چاہیے۔

[3] ۔ اگرچہ جدید مسلم علماء کی رائے میں، مشینری پر زکوٰۃ کا نفاذ ہونا چاہیے لیکن مشینری اپنی حیثیت کے اعتبار سے نفاذ زکوٰۃ کی (باقی نوٹ اگلے صفحہ پر)

نہ ہوں ۔)

۲۴۔ ہر قسم کی موٹریں اور گاڑیاں ، بحری جہاز ، لانچ ، کشتیاں ، وغیرہ اور ہر قسم کے ہوائی جہاز لیکن اگر ان سے تجارت کی جاتی ہے تو ان پر زکوٰۃ تجارت حسب اصول ، نافذ کی جائے گی ۔

۲۵۔ ہر قسم کے اسلحہ اور ہتھیار بشمول ، گولیاں اور گولہ بارود ۔

اگر ہتھیاروں پر چاندی ، سونا ، موتی یا اور قیمتی پتھر جڑے ہوئے ہوں تو قانون زکوٰۃ کے مطابق صرف قیمتی اشیاء پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی ۔ اور اگر اشیائے تجارت ہو جائیں تو ان پر زکوٰۃ تجارت ، قانون کے مطابق نافذ ہو گی ۔

۲۶۔ کعبۂ مقدس کا پہلا حج کرنے کی نیت سے جو دولت الگ رکھی جائے خواہ وہ کتنا عرصہ کیوں نہ پڑی رہے قرآن پاک کے احکام کی رو سے ہر مسلمان مرد اور عورت پر جو اپنی صحت اور مادی وسائل کے اعتبار سے ارکان دین میں سے اس رکن کی استطاعت رکھتا ہے ، زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض عین ہے ۔

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً ؕ

۔۔۔ اور لوگوں (مسلمانوں) پر خدا کی طرف سے حج بیت اللہ فرض ہے ، اس پر جو اس طرف راستہ کی استطاعت رکھتا ہو ۔۔۔ ٥

(سورۂ آل عمران ، آیت نمبر ۹۷)

(سابقہ صفحے کا باقی نوٹ) تمام شرائط پوری نہیں کرتی ۔ اس کے کئی اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ اس کو درست حالت میں رکھنے کے لئے متواتر اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں ۔

Marfat.com

جزو پنجم

عید الفطر کی زکوٰۃ (فطرہ)

معاشرے کے درمیان مکمل ہم آہنگی اور اجتماعی استحکام ادارۂ زکوٰۃ کے بنیادی اصول ہیں۔ ان اصولوں کا سب سے لطیف اظہار عید الفطر کی زکوٰۃ سے ہوتا ہے زکوٰۃ کی اس خاص قسم کو جسے قانونی اصطلاح میں "فطرہ" کہا جاتا ہے ارسول کریمؐ نے تمام صاحب استطاعت مسلمانوں پر لازم کیا ہے۔

عام زکوٰۃ اور فطرہ میں فرق یہ ہے کہ یہ عام زکوٰۃ کی طرح، مخصوص شرائط کے مطابق، فاضل دولت پر ان کے فاضل ہونے کے سبب نافذ نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ صاحب حیثیت مسلمانوں کی روزانہ رسد میں سے ایک ہدیہ ہے جس کے دینے کا مقصد یہ ہے کہ احکام خداوندی بجا لانے اور رمضان مبارک کے روزوں کے کامیاب اختتام کی خوشی میں منائے جانے والے عید کے دن تمام محدود ذرائع والے مسلمان مرد عورتیں اور بچے پوری مساوات اور یکسانیت سے ان جائز شادمانیوں میں شریک ہو سکیں جو ہر مومن کے دل کو بے انتہا عزیز ہیں۔

عام زکوٰۃ کی طرح فطرہ کے بارے میں بھی فقۂ اسلامی کے تمام مذاہب متفق الرائے ہیں کہ تمام صاحب حیثیت مسلمانوں مردوں اور عورتوں کا مقدس فرض ہے جن کے ذرائع آمدنی اس کو ادا کرنے کی اجازت دیتے ہوں اور انہیں اور ان کے متوسلین کو اس کی ادائیگی سے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

فطرہ کا ذکر بہت سی احادیث میں آتا ہے جن میں سب سے اہم حضرت عبد اللہ بن عمر بن الخطاب اور حضرت ابو سعید الخدری کی روایت کردہ ہیں۔ ان میں سے

Marfat.com

مندرجہ ذیل حدیث فطرہ کے بنیادی قوانین کا تعین کرتی ہے۔
یحیٰی بن محمد بن السکن نے ہمیں بتلایا، اس نے کہا کہ ہمیں محمد بن جہضم نے بتلایا اس نے کہا کہ ہمیں اسمٰعیل بن جعفر نے عمر بن نافع کی سند سے اور انہیں اپنے والد کی سند سے جنہوں نے ابن عمر سے روایت کی۔
انہوں نے کہا کہ رسول اللہ نے عید الفطر کی زکوٰۃ کھجور کا ایک صاع (یعنی ۵⅖ سیر یا ۵ء۲۲۵ کیلوگرام) یا جو کا ایک صاع، مقرر فرمائی، اور یہ مسلمانوں میں سے ہر فرد، غیر تنخواہ یافتہ خادم[1] اور خود مختار مرد اور عورت چھوٹے اور بڑے کی طرف سے واجباً (دی جائے گی) اور آپؐ نے حکم دیا کہ لوگوں کو نماز عید کے لئے نکلنے سے پہلے، اسے ادا کرنا چاہیئے۔

(روایت امام بخاری)

چنانچہ رسول کریمؐ سے مقرر شدہ اس قانون زکوٰۃ کے مطابق، فطرہ کی ادائیگی ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے جو اپنے اور اپنے اہل و عیال یعنی متوسلین کے لئے خوراک رہائش کپڑوں وغیرہ کی روزانہ جائز ضروریات سے کچھ زیادہ ذرائع کا مالک ہے
اس حکم نبوی کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلم کسی کا دست نگر یا متوسل ہے اور اپنے ناکافی ذرائع کی بنار پر فطرہ ادا نہیں کر سکتا۔ اس کا یہ فرض اس شخص پر عائد ہو جاتا ہے جو اس کی گذران کے اخراجات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ بالفاظ دیگر ایک صاحب استطاعت مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی اور اپنے تمام چھوٹے اور بالغ رشتہ داروں، دوستوں اور غیر تنخواہ یافتہ خادموں کی طرف سے فطرہ ادا کرے جو اپنے گزران کے لئے پوری طرح اس پر انحصار کرتے ہیں۔

---

[1] یہاں عربی لفظ "عبد" ہے حضرت ابو سعید الخدری کی سند سے روایت کی ہوئی آگے مذکور ایسی ہی حدیث میں "عبد" کی جگہ "مملوک" کا لفظ استعمال ہوا ہے ان دو عربی الفاظ "عبد" اور مملوک کے معنی آگے دیئے گئے ہیں۔

Marfat.com

مذکورہ بالا حدیث میں "عبد" کی اصطلاح جس کے معنی "خدمت کرنے والا" "خادم" "خدمت گار" ہے، اور آگے مذکور حضرت ابو سعید الخدری سے روایت کی ہوئی حدیث میں "مملوک" کا لفظ جس کا مفہوم "اختیار میں لایا ہوا" ہے۔ دونوں اصطلاحات سے مراد قانون قرآن کی رو سے ان احادیث کی عبارت سے "وہ مسلمان خادم جو گھر کا ایک متوسل فرد ہے۔ یعنی ایک ایسا خادم جو اپنی خدمات کے عوض بجائے تنخواہ کے پوری گذران لیتا ہے۔ اس وجہ سے ان دونوں اصطلاحات کا ترجمہ "غیر تنخواہ یافتہ خادم" کیا گیا ہے اور "حر" کی اصطلاح کا ترجمہ اس رو سے "خود مختار" کیا گیا ہے، بجائے "آزاد شخص" کے معنی دینے کے جو "غلام" کی عکاسی کرتا ہے۔ کیونکہ ایک مسلمان پر "غلام" کی اصطلاح، جسے غیر مسلم "مال منقولہ" یا "جائیداد" کے معنی دیتے ہیں، قانونی طور پر مسلم معاشرے میں کبھی عائد نہیں ہو سکتی۔

قرآن پاک میں جہاں کہیں لفظ "عبد" استعمال ہوا ہے عام طور پر اس سے مراد وہ انسان ہے جو خدا کا خدمت گار ہے۔ صرف ایک دفعہ سورۃ النحل کی آیت نمبر ۷۵ میں لفظ "مملوک" کے ساتھ ملا کر اور "مملوک" پر زور دے کر "عبد" کی اصطلاح اس مفہوم میں استعمال ہوئی ہے: یعنی ایک خدمت کرنے والا انسان جو دوسرے انسان کی بندگی میں ہے اور علاوہ بریں مذکورہ آیت مسلمان کی قانونی حالت کا حوالہ نہیں دیتی۔ بلکہ عہد اسلام سے پہلے کے عام حالات سے مطلع کرتی ہے جو نزول قرآن تک بھی باقی تھے۔ ورنہ قرآن پاک نے "غلام" کے لئے "رقبہ" کی ہی اصطلاح استعمال کی ہے جس کے لفظی معنی "گردن" ہے اور اس سے مراد ایک ایسا شخص ہے جو گردن سے بندھا ہوا ہو یعنی "بندہ" یا "غلام"۔

تاہم فقہ اسلامی کی قدیم کتابوں میں، حتیٰ کہ اس موضوع پر جدید کتابوں میں بھی "عبد" کی اصطلاح سے "غلام" ہی مراد لیا گیا ہے جو قانون قرآن کی رو سے ایک مسلمان کی نسبت متضاد معنی کا حامل ہے۔

ایک غلام اور ایک غیر تنخواہ یافتہ خادم کی قانونی حالت میں واضح اور

Marfat.com

معیّن فرق ہے۔ غلام تو اپنے مالک یا مالکہ کی قانونی جائیداد ہوتا ہے اور اسے اپنے مالک کی ہر طرح اطاعت کرنا ہوتی ہے۔ خواہ مالک کا حکم جائز ہو یا ناجائز، اور مالک اپنی مرضی سے جس کو چاہے اس کو دے سکتا ہے یا فروخت کر سکتا ہے ایک غلام کے کوئی شہری حقوق نہیں اور نہ ہی اس پر شہریت کے فرائض عائد ہوتے ہیں۔ (قرآن پاک میں اللہ "عبد" کو اپنا نائب مقرر کرتا ہے)

اسلامی معاشرے میں غیر تنخواہ یافتہ خادم مرد یا عورت اپنے سرپرست مالک سے کسی طرح بھی قوم کے ایک شہری کی حیثیت سے کم نہیں ہے وہ اپنے سرپرست مالک کے پاس خدمت کے لئے اپنی رضا سے کئے ہوئے معاہدے سے رہتا ہے اور وہ صرف قانون اسلام کی رو سے جائز امور میں اس کی اطاعت کا پابند ہوتا ہے۔ اسے اپنے سرپرست مالک کی طرح شہری حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

اور سرپرست مالک کی طرح ہی اس کے لئے شہریت کی ذمہ داریاں بھی ہیں وہ کسی کی قانونی جائیداد نہیں بلکہ مذہبی بھائی ہے اگرچہ وہ اس کا متوسل ہے اس کی شہری آزادی میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اس پر کسی قسم کا جبر نہیں ہے اور اگر اس نے معاہدہ کی شرائط پوری کر دی ہیں تو وہ جب چاہے اپنے سرپرست مالک کی خدمت چھوڑ کر جا سکتا ہے۔ درحقیقت تنخواہ یافتہ اور غیر تنخواہ یافتہ خادم میں صرف یہ فرق ہے کہ تنخواہ یافتہ خادم اپنی خدمات کا معاوضہ متعینہ اجرت نقد رقوم یا اشیاء کی شکل میں وصول کرتا ہے اور غیر تنخواہ یافتہ خادم کی خدمات کا بدلہ پوری گزران کی صورت میں دیا جاتا ہے اس کے سرپرست مالک کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مذکورہ خادم کی زندگی کے تمام اخراجات برداشت کرے۔ اسلامی معیار شائستگی کے عین مطابق، اس کی خوراک، رہائش، کپڑوں اور دوسری تمام جائز ضروریات کو پورا کیا جانا چاہیئے۔ اور آخر الامر چونکہ وہ اپنی کسی اصل دولت کا خود مالک نہیں ہے۔ یا نا کافی دولت رکھتا ہے اور اپنی جائز ضروریات کے لئے اپنے سرپرست مالک کا متوسل ہے اس لئے اس کی طرف سے فطرہ کی ادائیگی اس کے

Marfat.com

سرپرست مالک پر ہی عائد ہوتی ہے۔

غیر تنخواہ یافتہ خادم کی حیثیت کوئی بھی آزاد کردہ غلام یا لونڈی حاصل کر سکتی ہے۔ جو اپنے مالک یا مالکہ کی خدمت میں رہنا چاہیے خواہ وہ اسلام لایا ہو یا نہ لایا ہو یہ حیثیت وہ شخص بھی حاصل کر سکتا ہے جو دوسرے کے گھر میں پیدا ہونے کی وجہ سے اس کے پاس اپنی مرضی سے رہنا چاہتا ہو یا کچھ شرائط طے کر کے دوسرے کا غیر تنخواہ یافتہ خادم بننا پسند کرے۔ مثلاً ایک جنگی قیدی اپنے قید کے ایام میں ایسی شرائط پر اپنے قید کرنے والوں کا غیر تنخواہ یافتہ خادم بن جائے یہ کہنا ضروری نہیں کہ اگر ایسا غیر تنخواہ یافتہ خادم مسلمان نہ ہو تو اس کی طرف سے فطرہ کی ادائیگی کی ذمہ داری کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس مطلب پر امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام غزالی اور امام ابو ثور سب متفق ہیں کہ غیر مسلم متوسلین پر فطرہ واجب ہی نہیں۔[1]

قانونی نقطۂ نظر سے، تنخواہ یافتہ خادم کی طرف سے مالک پر فطرہ واجب نہیں ہے کیونکہ وہ تنخواہ حاصل کر کے اپنی گذران کا خود مالک ہے اس لئے وہ اپنے

---

[1] دوسری طرف امام النخعی، امام ابو حنیفہ اور ان کے پیروکاروں کی رائے ہیں اگر مسلمان کے متوسلین غیر مسلم ہوں تو ان کی طرف سے بھی فطرہ، مثل مسلم متوسلین کے واجب الادا ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبد العزیز بھی اس رائے پر عمل پیرا ہوئے تھے۔ لیکن اس رائے کی بنیاد صرف چند ناقابل اعتماد احادیث پر رکھی گئی ہے جنہیں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور جن کے مطابق رسول کریمؐ نے حکم دیا ہوگا کہ مسلمان اپنے عیسائی یہودی اور مجوسی خادموں کی طرف سے بھی فطرہ ادا کریں۔ لیکن ایسا حکم قانون زکوٰۃ کے اصولوں سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا اور اس ہی لئے یہ کسی طرح تسلیم نہیں کیا جا سکتا ہے کہ رسول کریمؐ نے ایسا حکم دیا ہوگا۔

Marfat.com

فطرہ کی ادائیگی کا خود ذمہ دار ہے۔

ادائیگی فطرہ کی فرضیت ایسے ہر خود مختار مسلمان پر سے ساقط ہو جاتی ہے جس کے قلیل ذرائع آمدنی صرف اس کی اپنی اور اس کے خاندان کی جائز روزانہ ضروریات پوری کرتے ہیں اور اس مسلمان پر سے بھی جس کے کم ذرائع آمدنی سے جائز روزانہ ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ یہی مؤخر الذکر وہ لوگ ہیں جنہیں فطرہ کی مالیت سے استفادہ کی اجازت ہے۔

امام شافعی کی رائے میں فطرہ کی ادائیگی ان تمام مسلمانوں پر فرض ہے جو اپنے اور اپنے خاندان کے لئے ایک ایک روز کی خوراک رکھتے ہیں لیکن اس رائے سے اتفاق ممکن نہیں اس لئے کہ اس طرح ان غریبوں پر نا واجب بوجھ پڑے گا جن کے وسائل صرف ان کی پوری ضروریات کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

..... یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر .....

..... اللہ تمہارے لئے نرمی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا ..... ○ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۸۵)

مسلمان بچوں کے فطرہ کی نسبت امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی یہ رائے ہے کہ اگر ایک بچہ بذاتِ خود دولت کا قانونی مالک ہے تو اس کے یتیم ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، فطرہ مذکورہ دولت میں سے ہی ادا ہونا چاہیئے۔ لیکن جب تک وہ نابالغ ہے، بچے کی مادی گزران کی پوری ذمہ داری تو اس کے والد پر ہی ہونے کے سبب یہ قرین قیاس نہیں ہے کہ بچے کے والد کو اس کی طرف سے فطرہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ خواہ متعلقہ بچہ ہبہ سے یا وراثت میں حاصل شدہ دولت (مثلاً اپنی والدہ یا دادا وغیرہ سے پائی ہوئی دولت) کا قانونی مالک ہی کیوں نہ ہو۔

فطرہ کا معاملہ عام زکوٰۃ سے قطعی مختلف ہے، کیونکہ عام زکوٰۃ قانونی مالک کی قابلِ زکوٰۃ دولت پر اس کے مسلم ہونے کی وجہ سے نافذ ہوتی ہے حالانکہ فطرہ

Marfat.com

فرد پر مسلمان ہونے کی وجہ سے نافذ ہوتا ہے۔

اس کے برعکس والد پر اپنے بالغ بچے کی طرف سے فطرہ ادا کرنے کی ذمہ داری نافذ نہیں ہوتی۔ سوائے اس صورت کے ان کے ذرائع آمدنی بالکل مفقود ہوں اور وہ اپنے والد کی رضامندی سے اس کے متوسل ہوں۔

سوائے امام محمد بن الحسن اور امام ظفر، علمائے کرام کی اکثریت جن میں امام مالک بھی شامل ہیں، متفق الرائے ہیں کہ تمام مسلمان بچوں کی طرف سے گو یتیم ہوں، فطرہ ضرور ادا کیا جائے۔ امام محمد بن الحسن اور امام ظفر کی یہ رائے ہے کہ یتیم بچوں کی طرف سے خواہ وہ غریب ہوں یا امیر فطرہ ادا کرنا فرض نہیں ہے۔

علمائے کرام کی اکثریت بھی متفق الرائے ہے کہ غیر پیدا شدہ بچے کی طرف سے فطرہ کی ادائیگی واجب نہیں تاہم ان میں سے کچھ نے خلیفۂ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی کا حوالہ دے کر کہ وہ فطرہ جو بچے پیدا نہ ہوئے ہوں ان کی طرف سے بھی دیا کرتے تھے ایسا کرنے کے لئے انہوں نے یہ دلیل دی ہے کہ اگر روز عید کے طلوع آفتاب تک حمل کم از کم ۱۲۰ دن کا ہوگیا تو متوقع والدین پر اس غیر پیدا شدہ بچے کی طرف سے فطرہ واجب ہے۔

نہ صرف اس رائے کی کوئی قانونی بنیاد نہیں ہے بلکہ اس سے جسمانی وظائف کی متعلقہ کارکردگی سے عدم واقفیت کا پتہ چلتا ہے۔ یہ سائنسی حقیقت ہے کہ کسی حاملہ ماں کو یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس کے ہونے والے بچے کی کتنے دن کی عمر ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ استقرار حمل کا صحیح لمحہ ایسا راز ہے جو صرف خدائے لطیف وخبیر کو معلوم ہے۔ اور پھر اگر ۱۲۰ روز کو کم از کم دن کے طور پر زندہ ہونے کے لئے مقرر کیا ہے تو یہ بھی ایک سائنسی حقیقت ہے کہ ۱۱۹ روز کا حمل ۱۲۱ روز کے حمل سے کم زندہ نہیں ہوتا۔ حمل تو اوّل لمحے سے زندہ ہے۔

شادی شدہ عورت کے فطرہ کے بارے میں امام شافعی، امام مالک اور امام غزالی کی رائے یہ ہے کہ وہ اس کے خاوند کو ہی ادا کرنا چاہیئے جو قانوناً اپنی بیوی

Marfat.com

کے تمام جائز اخراجات کا ذمہ دار ہے۔ امام غزالی کے نزدیک اگر شادی شدہ عورت اپنی دولت رکھتی ہے اور اپنی مرضی سے اپنی طرف سے فطرہ نکالتی ہے تو بھی خاوند کو چاہیئے کہ وہ اپنی مشترکہ دولت میں سے اپنی بیوی کا فطرہ ضرور نکالے کیونکہ بیوی بہرحال خاوند کی متوسل ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ بیوی کی دست نگری کو "غیر مکمل" مانتے ہیں اور اس کے لئے وہ خاوند کی یہ ذمہ داری تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ان کی رائے میں خاوند کی طرف یہ ذمہ داری ہے کہ جب تک نکاح کا بندھن دونوں کے درمیان موجود ہے اپنی بیوی کے نان و نفقہ اور عام گھریلو جائز ضروریات کو پورا کرے۔

تمام دوسرے دینی اور دنیوی واجبات کی طرح ادائیگی فطرہ کی فرضیت وفات پر ساقط ہو جاتی ہے۔ اب جہاں ادائیگی فطرہ کا تعلق ہے، اس کی فرضیت کے حدِ وقت کے بارے میں کچھ اختلاف رائے ہے۔ مثلاً: امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ چونکہ عید اس وقت سے شروع ہو جاتی ہے جب رمضان مبارک کے آخری روز کا سورج غروب ہوتا ہے۔ اس لئے اگر ایک مسلمان عید کے دن طلوع آفتاب سے پہلے وفات پا جائے تو بھی اس کی طرف سے فطرہ کی ادائیگی فرض ہے لیکن اس معاملے میں حنفی فتویٰ ہے کہ جو مسلمان عید کے دن کے طلوع آفتاب سے پہلے وفات پا جائے اس کی طرف سے ادائیگی فطرہ فرض نہیں۔ یہ قانون زکوٰۃ کے اصولوں کے مطابق ہے کیونکہ ادائیگی فطرہ کی حدِ وقت روزِ عید کا شروع نہیں بلکہ طلوع آفتاب ہے اور وفات جب اس وقت سے پہلے ہو جاتی ہے، تو فطرہ کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔

فطرہ کے بارے میں ممتاز علماء کے درمیان اس مسئلے پر بھی کچھ اختلاف رائے ہے کہ اس کی ادائیگی میں قانوناً کون کون سی اقسام خوراک دی جا سکتی ہیں۔ امام داؤد اور ان کے پیروکاروں کی رائے یہ ہے کہ فطرہ صرف کھجوروں اور جو کی شکل میں ہی ادا کیا جانا چاہیئے۔ اس رائے کی بنیاد مذکورہ ذیل حدیث ہے، جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں اور جس میں صرف ان ہی دو اقسام کا

Marfat.com

ذکر ہے۔ اور برعکس دوسرے علمائے کرام کی رائے کے امام داؤد کے نزدیک گندم آٹا، جو کا آٹا، روٹی، کشمش یا کسی دوسری قسم ـــــ کی جائز خوراک فطرہ میں قانونی طور پر نہیں دی جا سکتی۔ تاہم ایک اور حدیث، جسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ہی روایت کیا ہے، اس کا ثبوت بہم کرتی ہے کہ رسول کریمؐ کے عہد مبارک میں جو اور کھجوروں کے علاوہ، دوسری اقسام خوراک مثلاً گندم اور کشمش بھی ادائگی فطرہ میں وصول کی جاتی تھیں۔

ہیثم بن خالد الجہنی نے ہم سے روایت کی کہ: ہمیں حسین بن علی الجعفی نے زائدہ سے روایت کی کہ: ہمیں عبدالعزیز بن ابی داؤد نے نافع سے روایت کی کہ انہیں عبداللہ بن عمرؓ نے بتلایا۔ اور کہا کہ رسولؐ اللہ کے عہد میں لوگ جو یا کھجور یا سلت (جو کی ایک قسم) یا کشمش کا ایک صاع بطورِ صدقۂ فطرہ دیا کرتے تھے۔ پھر عبداللہ نے کہا: جب عمرؓ (خلیفہ) ہو گیا، اور گندم بکثرت ملنے لگی تو انہوں نے (صدقۂ فطر دینے میں) ان تمام چیزوں کا ایک صاع گندم کے نصف صاع کے برابر مقرر کر دیا۔

(روایت امام ابوداؤد)

مندرجہ ذیل حدیث میں جو حضرت ابو سعید الخدریؓ کی سند سے روایت کی گئی، مفید حقائق بھی ملتے ہیں:

عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب نے ہم سے روایت کی کہ داؤد نے یعنی ابن قیس نے، عیاض بن عبداللہ سے روایت کی۔ انہوں نے ابوسعید الخدری سے سنا کہ انہوں نے فرمایا: جب تک رسولؐ اللہ ہمارے درمیان رہے، ہم ہر چھوٹے بڑے آزاد (خود مختار) اور (غیر تنخواہ یافتہ) خادم کی طرف سے (عید) فطر کی زکوٰۃ اس حساب نکالتے تھے کہ کھانے یا پنیر یا جو یا کھجور یا کشمش

Marfat.com

کا ایک صاع دیتے تھے۔ اور ہم اس وقت تک اسی طرح فطرہ نکالتے رہے، جب تک کہ معاویہ بن ابی سفیان حج، یا عمرہ کرنے کے لئے ہمارے پاس نہ آئے۔ (جب وہ آئے تو) انہوں نے منبر پہ کھڑے ہوکر لوگوں کو خطاب کیا اور جو کچھ انہوں نے فرمایا اس میں یہ بات بھی تھی کہ "میری رائے یہ ہے کہ ملک شام کی گندم کے دو (حجازی) مد (یعنی نصف صاع) کھجور کے ایک صاع کے برابر ہوتے ہیں" لوگوں نے معاویہ کی رائے کو قبول کر لیا، پھر ابوسعید نے کہا: لیکن جہاں تک میرا اپنا معاملہ ہے، میں فطرہ کی زکواۃ زندگی بھر اس طرح نکالتا رہا۔ جیسے کہ پہلے (رسولؐ اللہ کے زمانے میں) نکالا کرتا تھا۔

(روایت امام مسلم)

نہ صرف یہ کہ ان احادیث سے بلکہ دوسری تاریخی شہادتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریمؐ کے عہد مبارک میں، ادائیگیٔ فطرہ میں گندم کا دینا عام نہیں تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح کے مسلم مقبوضات میں گندم کم پیدا ہوتی تھی۔ لہٰذا مسلم باشندوں کا عام غذائی اناج گندم نہیں بلکہ جَو اور کھجور تھا اور اس لئے گندم کا فطرہ میں دیئے جانے کے بارے میں خاص ذکر نہیں۔ بعد ازاں حالات بدل گئے۔ اسلام کی اشاعت کے ساتھ جزیرہ نمائے عرب کا بیشتر حصہ اور گندم بونے والے وسیع و عریض علاقوں پر مشتمل ملک شام اور عراق بھی مسلم حکومت کے زیرِ نگین ہو گئے گندم کا حصول سب کے لئے آسان ہو گیا۔ چنانچہ اس وقت سے اسے فطرہ میں دینے کے لئے قانونی و جائز خوراکوں میں تسلیم کر لیا گیا تھا۔

لیکن، جیسا کہ احادیث میں ذکر ہے، گندم جَو کے مقابلے میں زیادہ قیمتی غلہ ہونے کے سبب، یہ خیال پیدا ہوا کہ اس کی جَو سے کم مقدار دینا جائز ہو گا۔

اگرچہ اس فیصلے کو بالاتفاق تسلیم نہیں کیا گیا۔ تاہم یہ مان لیا گیا کہ گندم کا نصف صاع (۴/۱-۲ سیر یا ۱/۲ ۱،۶ ،۲ کیلوگرام) بطور فطرہ دیا جائے، تو وہ جَو یا کھجوروں کے ایک صاع کے برابر ہوگا۔ حضرت ابوسعید الخدری رضؓ کی سند سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ اموی خلیفہ معاویہ بن ابی سفیان نے کیا تھا۔ لیکن علمائے فقہ حنفی جو اس رائے پر عمل کرتے ہیں، اس فیصلے کو خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ بن الخطاب سے منسوب کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد خلیفۂ سوم حضرت عثمان بن عفان، خلیفۂ چہارم حضرت علیؓ بن ابی طالب، خلیفہ معاویہ بن ابی سفیان اور خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز، سب نے اس فیصلے کو برقرار رکھا۔

شرح امام العینی میں ذکر ہے کہ امام طحاوی کا یہ دعویٰ ہے کہ ایک صاع جَو وغیرہ کے بدلے نصف صاع گندم بطور فطرہ دینے کی اجازت سب سے پہلے خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر الصدیق رضؓ نے دی تھی۔[۱]

امام العینی کے خیال کے مطابق حضرت ابوسعید الخدری رضؓ نے گندم کے نصف صاع کو جَو یا کھجوروں یا کشمش کے ایک صاع کے برابر تسلیم کرنے سے اس لئے انکار کیا کہ رسولِ کریمؐ کے زمانے میں گندم کو ان خوراکوں کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔ جن میں فطرہ ادا کرنے کا حکم تھا۔ اور اس لئے اسے فہرست سے باہر رکھا گیا تاہم امام ابوسعید الخدری رضؓ کے رویّے کی زیادہ منطقی شرح یہ ہوگی کہ انہوں نے گندم کو بطور فطرہ دینے پر نہیں، بلکہ رسولِ کریمؐ کی بتلائی ہوئی مقدار کو نصف کرنے پر اعتراض کیا ہے۔

---

[۱] ۔ اس فیصلے کی جن دوسرے علمائے کرام نے توثیق کی تھی۔ ان میں حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ، اسماء بنت ابی بکر رضؓ، امام النخعی، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد بن الحسن اور امام سفیان ثوری کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

فطرہ سے متعلق، جذبۂ عید الفطر کے پیش نظر غالباً یہ زیادہ قابل ترجیح ہوگا کہ فطرہ میں دی جانے والی مختلف انواع کے درمیان آپس میں قیمت کی نسبت پر نہیں بلکہ مقدار پر خاص توجہ دی جائے۔ حقیقتاً مالکی، شافعی اور حنبلی مذاہب فقہ جو اس حدیث کو تسلیم کرتے ہیں اور امام ابو سعید الخدریؓ کے موقف کو صحیح جانتے ہیں وہ متعلقہ حدیث میں "طعام" (غذا یا خوراک) کا لفظ ہر قسم کی اشیائے خوردنی کے لئے جس میں گندم بھی شامل ہے سمجھنے میں حق بجانب ہیں۔ لہٰذا اس سے یہ قانون اخذ کرتے ہیں کہ جب فطرہ کی ادائیگی میں گندم دی جائے گی۔ تو اس کا بھی پورا صاع ادا کرنا ہوگا۔ درحقیقت "طعام" کا لفظ وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اگرچہ فطرہ کی نسبت لازمی شرط ایسی غذا ہے جو اپنی قدرتی صلاحیت کی بنا پر محفوظ رکھی جا سکنے کے قابل ہو۔

امام غزالی اس معاملے میں ایک ٹھوس حل پیش فرماتے ہیں کہ ہر فطرہ دینے والے کو ترجیحاً فطرہ میں اپنی روزانہ غذا کی نوع ہی میں سے دینا چاہیئے۔

امام غزالی کا یہ فتویٰ اور بھی زیادہ قابل قبول ہے اگر اس بات کو پیش نظر رکھا جائے کہ دنیا کے تمام مسلمانوں پر قوانین اسلام یکساں لاگو ہوتے ہیں تو چاہیئے کہ دنیائے اسلام کے مختلف خطوں پر مختلف آب و ہوا کی بنا پر مناسب توجہ دیں۔ مثلاً برما میں جہاں اکثر باشندوں کی عام غذا چاول ہے۔ یا میکسیکو جہاں باشندوں کی اکثریت کی عام غذا مکئی ہے اگر مسلمانوں سے یہ توقع رکھی جائے یا مجبور کیا جائے کہ وہ فطرہ ضرور ہی جو کی شکل میں ادا کریں۔ جب کہ جو نہ ہی ان کی عام غذا ہے اور نہ انہیں دستیاب ہے تو ایسی زبردستی اسلامی انصاف کی روح اور الفاظ دونوں کے منافی ہوگی۔ اور یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ رسول کریمؐ نے ایسے سخت قوانین قائم کئے ہوں گے۔ جن پر خدا تعالیٰ کی اس سرزمین کے کچھ علاقوں میں ایمانداری سے عمل ہو سکتا ہے اور باقی علاقوں میں اس لئے ناقابل عمل ہوں کہ وہاں مطلوبہ انواع نہیں پائی جاتیں۔ یعنی کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے

مقررہ اس مقدس فرضیت کو ادا کرنے کی شرائط ہی پوری نہیں ہو سکتیں۔ اس کا یہ مطلب ہوگا کہ امام ابوداؤد کا مذکورہ بالا سخت اور غیر لچکدار نقطہ نظر حقیقی وجوہات سے یقیناً ہٹا ہوا ہے۔

احادیث میں معین شدہ واضح اصول کسی شک و شبہ یا بحث و نزاع کی گنجائش نہیں چھوڑتا وہ اصول یہی ہے کہ رسول کریمؐ نے بذات خود ہر مسلمان سے یا ہر مسلمان کی طرف سے ایک صاع خوراک کی معیاری مقدار اس لئے مقرر فرمائی تھی کہ ہر حاجتمند مسلمان کو عید الفطر کے موقع پر اتنی مدد مہیا کر دی جائے جو عید کے تہوار کے آخر تک اس کے لئے کافی ہو۔

"طعام" کا لفظ احادیث میں یہ اشارہ کرتا ہے کہ فطرہ میں ملک کی یا خود فطرہ دینے والے کی، عام غذا کی نوع کا دینا زیادہ قابل ترجیح ہے۔ لیکن احادیث سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ کشمش اور پنیر جیسی محفوظ کی جا سکنے والی خوردنی اشیاء بھی دی جا سکتی ہیں۔ پھر جس نوع خوراک کو فطرہ دینے والا عام طور پر کھاتا ہے اس میں آٹا، دال، آلو خشک میوے اور حتیٰ کہ چینی تیل گھی وغیرہ کو بھی بطور فطرہ دی جانے والی قانونی اشیاء کی فہرست میں شامل نہ کرنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ البتہ ان کی معیاری مقدار ایک ایک صاع ہونے کی شرط سب پر ہمیشہ اور ہر صورت میں عائد ہونی چاہیئے۔ دوسری طرف دی جانے والی نوع کی بابت کا انحصار فطرہ دینے والے کی انفرادی معاشی حالت پر ہونا چاہیئے۔

اکثر فقہائے کرام اس پر متفق ہیں کہ فطرہ اشیائے خوردنی کی بجائے، نقد رقوم کی شکل میں بھی دینا جائز اور درست ہے اس صورت میں جس نوع خوراک کو فطرہ دینے والے نے بطور فطرہ دینے کا ارادہ کیا ہوا ہو۔ اس کے پورے ایک صاع کی صحیح مروجہ بازاری قیمت نقد رقوم کی شکل میں دی جائے گی۔

فقہائے کرام کے درمیان ادائیگی فطرہ کے صحیح و مناسب وقت کے بارے میں بھی کچھ اختلاف رائے واقع ہوا ہے۔ تاہم اکثر متفق ہیں کہ ادائیگی فطرہ

Marfat.com

کے وقت کی آخری جائز حد رسول کریمؐ کے فرمان کے مطابق، عیدالفطر کی نماز کی ادائیگی سے پہلے ہے۔ اس حد وقت کا علم حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہوئی مذکورہ بالا حدیث سے ہوتا ہے۔ اور ان سے روایت شدہ دوسری حدیث سے بھی جو درج ذیل ہے۔

"آدم (یعنی ابن ابی ایاس) نے ہم سے ذکر کیا کہ حفص بن میسرہ نے ہم سے کہا کہ موسیٰ بن عقبہ نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمرؓ سے سنا کہ رسول اللہ نے عیدالفطر کی زکوٰۃ کے لئے حکم دیا کہ اسے لوگوں کے نماز (عید کے لئے) جانے سے پہلے ادا کر دیا جانا چاہیئے۔ (روایت امام بخاری)

رسول کریمؐ نے جو وعظ اپنے پیروکاروں کو کیا کہ وہ فطرہ کو بلا تاخیر ادا کریں۔ اور اس کا حد وقت نماز عید کے لئے جانے سے پہلے ہے اس سے زیادہ دیر نہ کریں یہ ایک اور صریح مثال ہے کہ ایک صحیح مسلم معاشرے میں اپنے حاجتمند افراد کے جذبات واحساسات اور ان کی فلاح و بہبود کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھنے کی صلاحیت ہونی چاہیئے۔ اس دانشمندانہ حکم کا واضح مطلب یہ ہے کہ فطرہ جمع ہو چکنے کے بعد عاملین زکوٰۃ کو اپنے اپنے محلوں یا علاقوں میں مستحقین کو عدل وانصاف کے ساتھ اسے تقسیم کرنے کا کافی وقت مل جائے چونکہ اگر فطرہ کے اصل مقصد کو پورا کرنا ہے تو اس کی تقسیم کا کام عید کی صبح یعنی نماز عید کے فوراً بعد ضرور ختم جانا چاہیئے اور خصوصاً جب عیدالفطر موسم سرما کے چھوٹے دنوں میں آتی ہے۔ قابل ترجیح ہے کہ ادائیگی فطرہ اور اس کی تقسیم کا کام ماہ رمضان کی ۲۹ تاریخ پر مکمل ہو جائے۔

امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق اور امام اوزاعی ادائیگی فطرہ کے لئے رمضان مبارک کے آخری دن کے غروب آفتاب کو حد وقت مقرر کرتے ہیں۔ دوسری طرف امام ابوحنیفہ اور امام مالک، حدیث نبوی کے

Marfat.com

مطابق، ادائیگیٔ فطرہ کی حدِ وقت روزِ عید کے طلوعِ آفتاب کو مقرر کرتے ہیں۔ امام اللیث بن سعد بھی اس رائے کی حمایت کرتے ہیں۔ تاہم حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مولیٰ نافع کی سند سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ عید سے ایک دو روز پہلے اپنا فطرہ حاصل کرنے والے متعلقہ عاملین زکوٰۃ کو بھیج دیا کرتے تھے۔ اس عملی مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہر ذمہ دار مسلمان کو چاہیئے کہ فطرہ کی ادائیگی کے وقت کی آخر حد تک انتظار کرنے کی بجائے وہ اس مثال کی پیروی کرنے کی پوری کوشش کرے۔

چند خصوصی حالات میں عام زکوٰۃ اور فطرہ دونوں کی ادائیگی کی اجازت قانوناً ان کے واجب الادا ہونے سے پہلے دی جاسکتی ہے امام ابو حنیفہ کی یہ رائے ہے کہ اگر زکوٰۃ دینے والے کو مناسب سہولت ہو تو وہ فطرہ اور عام زکوٰۃ کے واجبات دونوں قانونی طور پر دو سال پہلے ادا کر سکتا ہے دوسرے فقہائے کرام کی رائے میں فطرہ پورے رمضان المبارک میں کسی وقت بھی ادا کیا جا سکتا ہے اور یہ اصول غالباً قابلِ تقلید ہوگا۔ چونکہ یہ واضح ہے کہ فطرہ کی ادائیگی خواہ وہ محفوظ کی جاسکنے والی خوراک کی صورت میں ہو یا نقد رقم کی صورت میں دونوں طرح اگر اُسے کافی پہلے ادا کر دیا جائے تو اس سے سب ہی فطرہ کی جلد ادائیگی سے اس طرح فائدہ اُٹھائیں گے کہ عاملین کو فطرہ جمع کرنے اور اس کے مجموعہ اور اقسام کا اندازہ کرنے کے لئے کافی وقت مل جائے گا۔ اور یوں وہ اس کی ممکن حد تک مساوی اور منصفانہ تقسیم کا بندوبست کر سکیں گے۔

تمام عاملین زکوٰۃ کو عام رضامندی سے چنتے ہوئے یا مقرر کرتے ہوئے مقامی باشندوں کو ترجیح دینی چاہیئے۔ اور ہر صورت میں اس عمل کے لئے ایک مسلمان کے چننے، یا مقرر کرنے کی انتہائی اہم شرط ہے کہ اس کا تقویٰ اور دیانت تمام مسلمان معاشرے پر پوری طرح واضح ہو۔

Marfat.com

ادارہ زکوٰۃ کی کارکردگی میں خاص طور پر مسلم قوم کے ساتھ وفاداری حسن اخلاق شائستگی و دیانت کے اعلیٰ ترین معیار کو برقرار رکھا جانا چاہیئے۔ زکوٰۃ دینے والے کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مقدس فرض کی ادائیگی برضا و رغبت شفقت و خلوص سے کرے۔

۔۔۔۔ داؤد نے الشعبی کی سند سے (اور الشعبی نے) جریر بن عبداللہ سے روایت کی، جنہوں نے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا جب تمہارے پاس زکوٰۃ وصول کرنے والا عامل آئے تو ایسی حالت میں لوٹ کر جائے کہ وہ تم سے (یعنی تمہارے اس رویّے سے جس سے تم نے زکوٰۃ کی مقدس فرضیت ادا کی ہے) مطمئن اور راضی ہو۔ (روایت امام مسلم)

اسی طرح عاملین زکوٰۃ کا یہ فرض ہے کہ زکوٰۃ دینے والوں سے معاملات کرتے ہوئے اور مستحقین زکوٰۃ میں زکوٰۃ اور فطرہ تقسیم کرتے ہوئے انتہائی خوش اخلاقی حسن سلوک اور دیانت کا ثبوت دیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں رسول کریمؐ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے بارے میں حکم دیا ہے۔

خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليهم ان صلوتك سكن لهم والله سميع عليم ○

(اے پیغمبر!) ان (یعنی مسلمان اصحاب استطاعت) کے مالوں میں سے صدقہ لے لو۔ اس سے تم ان کو پاک صاف کردو گے۔ (ان کی طہارت اور تزکیہ ہو جائے گا۔ اور ان کے لئے دعا کرو، تمہاری دعا سے ان کے دلوں کو تسکین ہوگی۔ اللہ تو سب کچھ سنتا ہے اور جانتا ہے ○ (سورۃ التوبہ: آیت نمبر ۱۰۳)

اس قرآنی حکم پر عمل کر کے رسول کریمؐ نے ہمیں ایک عمدہ مثال دی ہے جب زکوٰۃ قبول کرتے ہوئے آپؐ زکوٰۃ دینے والے کو دعا دے کر اللہ تعالیٰ

Marfat.com

سے رحمتوں کے، ایسے الفاظ میں طالب ہوتے تھے : "اے اللہ تعالیٰ، اس (زکوٰۃ دینے والے) کو نعمت عطا کر اور اس کے مال میں برکت دے"، یا، "اے اللہ تعالیٰ، اس (زکوٰۃ دینے والے) پر رحمت فرما، اور جو اس کے نقشِ قدم پر چلے، اس پر بھی رحمت فرما۔"

آخر میں، مستحقین کو چاہیئے کہ اموالِ تجارت اور فطرہ میں سے اپنا حصہ لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور عاملینِ زکوٰۃ اور زکوٰۃ اور فطرہ دینے والوں کے لئے برکت و رحمت کی دعا کریں۔

عیدالفطر کی زکوٰۃ (فطرہ) کے متعلقہ قوانین کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ عیدالفطر کی زکوٰۃ (فطرہ) ہر اس مسلمان، مرد اور عورت پر لازم ہے جو اپنی اور اپنے مسلم متوسلین کی خوراک، رہائش، کپڑوں، وغیرہ کی جائز لازمی ضروریات کو پورا کرنے سے زیادہ وسائل کا مالک ہے۔

۲۔ فطرہ دینے والا نہ صرف اپنی طرف سے فطرہ ادا کرنے کا ذمہ دار ہے بلکہ اپنے ان مسلم متوسلین کی طرف سے بھی جو اپنی گزران کے لئے پوری طرح اس پر انحصار رکھتے ہیں۔ خواہ وہ (متوسلین) رشتہ دار ہوں (ان میں تمام نابالغ بچے اور نومولود بچے بھی شامل ہیں اگر یہ عیدالفطر کے طلوعِ آفتاب سے پہلے پیدا ہوں) یا غیر رشتہ دار یا غیر تنخواہ یافتہ خادم ہوں۔

۳۔ جو غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوں، حتیٰ کہ اگر وہ عیدالفطر کی رات کو بھی اسلام لائیں ان پر فطرہ کی ادائیگی فرض ہو جاتی ہے اور اگر وہ کسی کا متوسل ہو تو جن مسلمانوں پر ان کی گزران کی ذمہ داریاں ہیں وہ ان کی طرف سے فطرہ ادا کریں گے۔

۴۔ نابالغ بچوں کی طرف سے ادائیگی فطرہ کی فرضیت ان کے والد پر عائد ہوتی ہے۔

۵۔ ایسے یتیم بچے جو کسی دولت کے خود مالک نہ ہوں ان کی طرف سے

فطرہ ان کی کفالت کا ذمہ دار (مرد یا عورت) ادا کرے، بشرطیکہ وہ خود صاحب استطاعت ہو۔

۶۔ جن یتیم بچوں کی اپنی دولت ہو ان کی طرف سے فطرہ ان کی اپنی دولت میں سے ادا کیا جائے گا۔ اور ادائیگی اس شخص کو کرنا ہو گی جو بچوں اور ان کی دولت کے انتظام کا ذمہ دار ہے۔

۷۔ جو عورتیں، خواہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ ہوں۔ اپنی دولت کی مالک ہوں وہ اپنی طرف سے اور اپنے متوسلین کی طرف سے فطرہ کی فرضیت ادا کرنے کی خود ذمہ دار ہیں۔

۸۔ اگر ایک شادی شدہ عورت کے پاس کوئی ذاتی دولت نہ ہو تو اس کی طرف سے ادائیگی فطرہ کا فرض اس کے خاوند پر ہے کیونکہ ایسی حالت میں وہ قانوناً اپنے خاوند کی متوسل ہے۔

۹۔ اگر غیر شادی شدہ عورت اپنی کوئی دولت نہیں رکھتی تو اس کی طرف سے فطرہ کی ادائیگی اس کا والد کرے گا، بشرطیکہ وہ خود بھی اتنے ذرائع کا مالک ہو کہ اس پر خود ادائیگی فطرہ واجب ہو۔ کیونکہ بنیادی طور پر والد ہی اپنی غیر شادی شدہ بیٹی کی گزران کا ذمہ دار ہے۔ اگر ایسی عورت کا والد وفات پا گیا ہو تو جس شخص کی وہ متوسل ہو (بھائی یا دادا یا چچا، وغیرہ) وہی اس کی طرف سے فطرہ ادا کرے گا، بشرطیکہ اس کے پاس اس ادائیگی کے لئے ذرائع کافی ہوں۔

۱۰۔ پاگل، یعنی فاترالعقل مسلمان متوسل کی طرف سے فطرہ نکالنا واجب نہیں ہے۔

۱۱۔ اگر ایک فاترالعقل مسلمان دولت کا قانونی مالک ہو تو اس کی دولت میں سے فطرہ نکالنا اس دولت کے ذمہ دار منتظم کا فرض ہے۔

۱۲۔ اس خود مختار مسلمان سے ادائیگی فطرہ کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے

Marfat.com

جس کے ذرائع وسائل صرف اس کے اور اس کے متوسلین کی جائز روزانہ ضروریات کے لئے بمشکل کافی ہوتے ہیں۔

۱۳۔ ان تمام مسلمانوں سے ادائیگی فطرہ کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے جو اس کے ادا کرنے کے معینہ وقت (روزِ عید کے طلوعِ آفتاب) سے پہلے وفات پا جاتے ہیں۔

۱۴۔ چونکہ ادائیگی فطرہ کی فرضیت صرف مسلمانوں پر یا مسلمانوں کی طرف سے عائد ہوتی ہے۔ اس لئے غیر مسلم متوسلین (مثلاً رشتہ دار، پناہ گزین یا غیر تنخواہ یافتہ خادم) کی طرف سے فطرہ ادا نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ ایک ایسے مسلمان کے متوسلین ہوں جو خود فطرہ دینے کا پابند ہے۔

۱۵۔ عید الفطر تک جو بچے پیدا نہ ہوئے ہوں ان کی طرف سے فطرہ ادا نہیں کیا جائے گا۔

۱۶۔ اصولاً فطرہ محفوظ کی جانے کے قابل خوراک کی شکل میں ادا کیا جانا چاہیئے یعنی جو خوراک اپنی خاصیت سے نہ سڑنے والی ہو اور ترجیحاً وہ ملک کے باشندوں کی عام غذا یا فطرہ دینے والے کی عام خوراک کی نوع میں سے ہو۔ فطرہ کی ادائیگی میں جس خاص نوع کی اشیا ردی جائیں وہ فطرہ دینے والے ہر فرد کے اپنے ذرائع پر منحصر ہونی چاہیئے۔

فاتقوا اللّٰہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا وانفقوا خیرًا لانفسکم ومن یوق شح نفسہ فاولٰئک ھم المفلحون ○

لہٰذا اے لوگو! تم سے جس قدر ہو سکے اللہ سے ڈرو، اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ اور کچھ خرچ بھی، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور جو لوگ بخل و تنگدلی (حرص و لالچ) سے بچائے جاتے ہیں، وہی ہیں (کامیاب بامراد) فلاح پانے والے ○
(سورۃ التغابن، آیت نمبر ۱۶)

۱۷۔ اشیائے خوردنی میں سے جن چیزوں کو بطور فطرہ قبول کیا جا سکتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

(الف) غلہ (اناج) یا ان کا آٹا، مثلاً گندم، جو، مکئی، باجرہ، گھٹیا گندم چاول وغیرہ کی تمام اقسام۔

(ب) دالیں، مثلاً مسور، پھلیوں کے بیج، چنے وغیرہ

(ج) خشک میوے مثلاً کھجور (تر) کشمش، خشک آلو بخارا، خشک خوبانی خشک انجیر وغیرہ کی تمام اقسام،

(د) تازہ روٹی یعنی رمضان مبارک کے آخری روز تیسرے پہر کے بعد پکی ہوئی،

(ہ) نشاستہ دار غذائیں، مثلاً آلو، کساوا (ایک قسم کا ساگو) کی جڑیں، ساگودانہ وغیرہ، کی تمام اقسام

(و) گری دار میوہ، جیسے اخروٹ، ہیزلگری (بندق) پستہ، بادام، ناریل مونگ پھلی، پیکان گری، وغیرہ،

(ز) چینی، گڑ،

(ح) خوردنی تیل، مثلاً زیتون، سرسوں، تل، مونگ پھلی کا تیل وغیرہ۔

(ط) پنیر[۱]،

---

[۱]۔ کچھ فقہائے کرام کی یہ رائے ہے کہ فطرہ کی ادائیگی میں پنیر کو قبول نہیں کیا جانا چاہیئے کیونکہ یہ قابل زکوٰۃ اشیائے خوراک کی فہرست میں شامل نہیں ہے لیکن یہ اعتراض بجا نہیں ہے، اس لئے کہ فطرہ سے متعلق یہ اقسام خوراک پر نہیں بلکہ فطرہ دینے والے پر منحصر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں پنیر ایک اعلیٰ غذائیت بخش و محفوظ کئے جا سکنے کے قابل خوراک ہے، جس کے بارے میں حضرت ابوسعید الخدریؓ نے ذکر کیا ہے کہ رسول کریمؐ کے عہد مبارک میں یہ ان خوراکوں میں سے ایک تھی جو جائز طور پر بطور فطرہ قبول کی جاتی تھیں۔

Marfat.com

(ی) گھی [1]

(ک) زیتون۔

۱۸۔ جب فطرہ کی ادائی اشیائے خوردنی کی صورت میں کی جائے تو اوسط درجے کی اچھی قسم کی اشیاء دی جانی چاہیئے۔

قرآن پاک کی درج ذیل آیت میں دیئے ہوئے حکم کے مطابق فطرہ کی ادائیگی میں خراب قسم کی اشیائے خوراک کبھی نہیں دینی چاہیئے۔

یاایھا الذین امنوا انفقوا من طیبت ماکسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ص ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ الا ان تغمضوا فیہ ط واعلموا ان اللہ غنی حمید ○

"اے ایمان والو! تم خدا کے نام پر خیرات کرو۔ تو اپنی اچھی کمائی میں سے دو۔ اور اس چیز میں سے دو جس کو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا۔ اور خبیث و ناکارہ چیزوں کے دینے کا ارادہ نہ کرو۔ تم ناکارہ چیز کو نہیں لیتے مگر یہ کہ تم اس میں چشم پوشی کر جاؤ اور خوب جان لو کہ اللہ بے نیاز ہے (بے پرواہ ہے) مستحق حمد و ثنا ہے (اور بڑا ہی خوبیوں والا ہے ○

(سورۃ البقرہ: آیت نمبر ۲۶۷)

۱۹۔ فطرہ کی ادائیگی میں جو مقررہ مقدار ہر صاحب حیثیت کو اپنی اور اس کے متوسلین کی طرف سے دیتا ہے۔ وہ پورا ایک صاع (۵ ۳/۵ سیر یا ۲۲۵،۵ کیلوگرام) ہے۔

۲۰۔ اس امر پر عام اتفاق ہے کہ خصوصی حالات میں مثلاً شہری باشندوں کے

---

[1] ۔ گھی چونکہ خوراک کی ضروری اشیاء میں شامل ہے۔ اس لئے اسے فطرہ میں دیئے جانے پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔

Marfat.com

لئے فطرہ کو کسی اشیائے خوردنی میں ادا کرنے کی بجائے، نقد رقوم میں دینا نہ صرف فطرہ دینے والے کے لئے بلکہ فطرہ لینے والے کے لئے بھی آسانی اور سہولت کا باعث ہے۔ [1]

چنانچہ جب کبھی مروجہ عام حالات یا متعلقہ فرد کے ذاتی حالات کی بنا پر اشیائے خوراک کی بجائے، نقد رقوم (مقامی کرنسی) میں فطرہ دینا درست سمجھا جائے۔ تو دی ہوئی نقد رقوم کی مالیت ان اشیائے خوراک کے ایک صاع مقدار کی مروجہ بازاری قیمت کے مساوی ہونی چاہیئے۔

۲۱۔ ایک صاحب فطرہ کے جائز ذرائع اپنی اور اپنے اہل وعیال اور دیگر متوسلین میں سے ہر ایک کی طرف سے فطرہ ادا کر سکنے کے متحمل نہ ہوں۔ تو اسے صرف اتنے افراد خانہ کی طرف سے فطرہ ادا کرنا ہوگا۔ جن کی ادائیگی سے اسے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے اور افراد خانہ کی روزانہ جائز ضروریات میں خلل نہ پڑے۔

اس اصول کے نمایاں پیش کرنے والے، امام غزالی یہ رائے دیتے ہیں کہ اگر ایسی صورت پیدا ہوجائے تو ادائیگی فطرہ طے کرنے کے لئے قرعہ اندازی کی جا سکتی ہے جس کی ترتیب درج ذیل ہوگی۔

خود فطرہ دینے والے کے فطرہ کی ادائیگی کے بعد اس کے نابالغ

---

[1] امام ابو یوسف ترجیح دیتے ہیں کہ فطرہ کی ادائیگی نقد رقوم یا آٹا کی صورت میں ہو تاکہ فطرہ لینے والا اسے فوراً استعمال کرنے کے قابل ہوسکے۔ اس میں شک نہیں کہ شہری باشندوں کو فطرہ نقد رقوم میں ادا کرنے سے آسانی ہوگی۔ کیونکہ عموماً ان کے پاس غلے کو پیسنے کی وہ سہولتیں نہیں ہیں جو گاؤں کے لوگوں کو حاصل ہیں۔

Marfat.com

بچوں کی طرف سے فطرہ ادا کیا جائے گا۔ اس ادائیگی کے بعد اگر موجود ذرائع اتنے کافی ہوں کہ اور افراد کی طرف سے بھی ادا کیا جا سکے۔ تو فطرہ دینے والے کی بیوی کی طرف سے فطرہ ادا کیا جائے گا۔ بشرطیکہ اس عورت کی اپنی ذاتی دولت وملکیت نہ ہو۔ ان دونوں کی طرف سے فطرہ ادا کرنے کے بعد اگر ذرائع دیگر افراد کی طرف سے فطرہ کی ادائیگی کے لئے کافی ہوں تو غیر تنخواہ یافتہ خادموں کے لئے (اگر کوئی موجود ہوں) قرعہ اندازی کی جائے گی پھر اگر ان سب غیر تنخواہ یافتہ خادموں کی طرف سے فطرہ ادا کرنے کے بعد بھی گنجائش ہو تو جو رشتہ دار اور دوست فطرہ دینے والے کے متوسلین ہوں ان کے لئے قرعہ اندازی کی جائے گی۔

۲۲۔ رسول کریمؐ کے فرمان کے مطابق فطرہ عید الفطر کے دن کے طلوعِ آفتاب تک نماز عید کو جانے سے پہلے ادا کر دیا جانا چاہیئے۔
لیکن اس خیال سے کہ عاملین زکوٰۃ کو فطرہ کے اشیائے خوردنی اور نقد رقوم کی صورت میں حاصل شدہ انواع اور ان کی مقدار کے تخمینہ لگانے کے لئے کافی وقت اور موقعہ مل جائے۔ تاکہ وہ فطرہ لینے والوں کے درمیان انہیں مساوی اور منصفانہ طریقے سے تقسیم کرنے کا انتظام کر سکیں۔ ترجیحاً فطرہ متعینہ حد وقت سے کافی پہلے ادا کیا جائے۔ چنانچہ فطرہ دینے والا اپنی سہولت کو پیش نظر رکھتے ہوئے رمضان مبارک کے مہینے میں جس وقت چاہے فطرہ ادا کر سکتا ہے۔

۲۳۔ اگر کسی معقول وجہ کی بناء پر، فطرہ متعینہ حد وقت، یعنی روز عید الفطر کے طلوع آفتاب تک ادا نہ کیا جا سکے تو اس کی ادائی کا فرض صاحب حیثیت پر جوں کا توں برقرار رہے گا۔ اور اسے جتنا جلد ممکن ہو سکے اس فرضیت سے سبکدوش ہونا چاہیئے۔

۲۴۔ فطرہ کے مقصد کو مکمل طور پر اور اطمینان بخش طریقے سے پورا کرنے کے لئے

Marfat.com

اس کی تقسیم روزِ عید کی صبح یعنی نمازِ عید کے فوراً بعد تک مکمل ہو جانا چاہیئے اور اس سے زیادہ تاخیر ہرگز نہیں کرنی چاہیئے۔

جب حالات متقاضی ہوں، مثلاً جب عید الفطر موسم سرما کے چھوٹے دنوں میں آئے تو تمام متعلقین کی سہولت اور آسودگی کے لئے فطرہ کی تقسیم ترجیحاً ماہ رمضان مبارک کے آخری دن مکمل ہو جائے۔

۲۵۔ زکوٰۃ اور فطرہ کے عاملین کو ہمیشہ عام رضامندی سے ان مقامی باشندوں میں سے منتخب اور مقرر کیا جانا چاہیئے جن کا تقویٰ اور دیانت تمام مسلم معاشرے پر پوری طرح واضح ہو۔

۲۶۔ اصولاً فطرہ کی تقسیم ہر محلے کا فرعی مرکز زکوٰۃ خود بلاواسطہ ان تمام مستحقین میں کرے گا۔ جو موقع پر ہوں اور تقسیم کے وقت موجود ہوں۔

لیکن جو مستحقین فطرہ کی تقسیم کے وقت موقع پر پہنچ سکنے کے قابل نہ ہوں مثلاً بیمار اور معذور، ادارۂ زکوٰۃ سے متعلق یتیم خانوں اور ہسپتال کے ارکان اور مریض وغیرہ تو ان کو ذمہ دار عاملینِ زکوٰۃ (عاملین فطرہ) ان کی جگہوں پر فطرہ پہنچائیں۔

۲۷۔ عام زکوٰۃ کی تقسیم کی طرح فطرہ کی تقسیم بھی ادارۂ زکوٰۃ کی تسلیم شدہ دو عدد دوہری رسیدوں پر کی جائے گی۔ جن میں سے ایک میں قاسم فطرہ محافظ فطرہ سے وصول شدہ اشیاء یا رقوم تسلیم کرے۔ اور دوسری میں حاصل کنندہ فطرہ کی وصولی کا اقرار کرے۔

۲۸۔ فطرہ میں وصول شدہ تمام اشیاء و رقوم عام زکوٰۃ کے اموال سے قطعی طور پر الگ رکھنا چاہیئے۔ اور انہیں عید الفطر کے ہر موقعے پر پوری طرح مستحقین میں تقسیم کر دینا چاہیئے۔

۲۹۔ جب کبھی کسی محلے میں موجودہ مستحقین فطرہ کم ہوں اور فطرہ کی صورت میں وصول شدہ اشیائے خوردنی یا نقد رقوم کی مقدار محلے میں موجودہ مستحقین

Marfat.com

کی فہرست زیادہ ہو تو ان میں فطرہ تقسیم کرتے ہوئے اس میں سے جو کچھ باقی رہے وہ فوراً دوسرے محلے کو بھیج دیا جائے۔ جہاں حاجتمند مسلمانوں کی تعداد موجودہ فطرہ کی نسبت زیادہ ہو۔

۳۰۔ اسی طرح، جب کبھی کسی محلے میں کوئی مستحق فطرہ نہیں ملتا تو اس محلے میں وصول شدہ فطرہ فوراً ایسے حاجتمند محلے کو بھیجا جائے گا۔ جہاں حاصل شدہ اشیائے فطرہ وہاں کے موجود مستحقین کے لئے ناکافی ہوں۔

۳۱۔ فطرہ ایسے لوگوں کو ہرگز نہیں دیا جا سکتا جن کے متعلق معلوم ہو کہ یہ عادی اور پیشہ ور گداگر ہیں۔

۳۲۔ عام زکوٰۃ کی طرح چونکہ فطرہ بھی ایک اسلامی عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے وقف ہے اور خاص طور پر اللہ کا حق ہے اور جس کا مقصد یہ ہے کہ رمضان المبارک کے مقدس روزوں کی کامیاب تکمیل پر ادائے شکر کے دن تمام تنگ دست مسلمان محرومی اور افلاس سے آزاد رہ کر ان خوشیوں میں شریک رہیں اس لئے غیر مسلمان کو جن کا نہ تو رمضان المبارک کے روزوں سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی اسلامی ادارہ زکوٰۃ سے کوئی واسطہ فطرہ قطعی نہیں دیا جا سکتا۔

۳۳۔ جب تک واضح ثبوت نہ ہو کہ کسی صاحب حیثیت مسلمان نے فطرہ کے واجبات پورا کرنے میں بے ایمانی کی ہے۔ اس کی دیانت پر مکمل اعتماد و بھروسہ کیا جائے گا کہ وہ اسلامی معاشرے کی طرف سے نافذ شدہ ذمہ داری کو صحیح طریقے سے پوری کر رہا ہے۔

۳۴۔ اگر معلوم ہو کہ صاحب حیثیت مسلمان نے فطرہ کی ادائیگی میں لاپروائی کی ہے یا بے احتیاطی سے عدم ادائیگی کا گناہ گار ہوا تو اسے فطرہ کے واجبات اپنی، اپنے اہل وعیال اور اپنے متوسلین کی طرف سے جبراً بزور قانون دینا پڑے گا۔

۳۵ - اگر صاحب حیثیت مسلمان فطرہ کی ادائیگی سے صاف انکار کر دے یا یہ ثابت ہو جائے کہ متعلقہ صاحب فطرہ نے بد دیانتی سے دیدہ و دانستہ اپنی یا اپنے اہل وعیال اور متوسلین یا دونوں کی طرف سے واجب الادا فطرہ کی پوری مقدار یا مالیت ادا نہیں کی ہے۔ تو اس مجرم سے فطرہ کے واجبات بزور قانون وصول کئے جائیں گے۔

Marfat.com

جزو ششم

انصرامِ زکوٰۃ

وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝
الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا
الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ
وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝

فقہ اسلام کے مختلف مکاتبِ فکر ادارۂ زکوٰۃ کو ایک منظم مرکز کی حیثیت سے قائم کرنے کی ضرورت پر متفق الرائے نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ ادارۂ زکوٰۃ کے اصل دائرۂ کار کے متعلق فقہائے کرام میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔

فقہ حنفی کے مطابق، قابلِ زکوٰۃ دولت کی دو اقسام ہیں۔ (الف) غیر ظاہری دولت (اموالِ باطنہ)، یعنی چاندی، سونا، اور گودام میں رکھی ہوئی اشیائے تجارت، جو محصول چونگی یا کسٹم پوسٹ سے گذر کر "ظاہر" نہیں ہوئی ہیں۔ اور (ب) ظاہری دولت۔ (اموالِ ظاہرہ) یعنی چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشی اور زرعی پیداوار، اور وہ اشیائے تجارت جو کسی محصول چونگی یا کسٹم پوسٹ سے گذر کر "ظاہر" ہو گئی ہیں۔

فقہ حنفی کی رائے میں، غیر ظاہری دولت کی زکوٰۃ ریاست کی وساطت کے بغیر دی جا سکتی ہے، یعنی زکوٰۃ دینے والا اپنی مرضی سے زکوٰۃ کے مستحقین کو اپنی زکوٰۃ خود دے سکتا ہے۔

اس معاملے میں، حنفی فقہ خلیفۂ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفانؓ کی پیروی

کرتا ہے، جنہوں نے مسلمانوں کو ان کی ظاہری دولت پر ریاست کی وساطت سے زکوٰۃ دینے سے اس خیال کے تحت مستثنیٰ کر دیا تھا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والوں میں جو بد دیانت ہوں، وہ زکوٰۃ کے حصول کے لیے عوام کو پریشان اور تنگ نہ کر سکیں۔

دوسری طرف ریاست کو ظاہری دولت پر زکوٰۃ کے نفاذ اور اس کی تقسیم کا حق تفویض کرتے ہوئے فقہ حنفی کا یہ فتویٰ ہے کہ ظاہری دولت سے متعلق، زکوٰۃ دینے والے کو اپنی زکوٰۃ کے واجبات مستحقین کو ادا کرنے کی ذمہ داری نہیں لینی چاہیئے۔

فقہ شافعی کی رائے میں تمام حالات میں زکوٰۃ ریاست کی وساطت کے بغیر، یعنی بلا واسطہ، خود ہی ادا کی جا سکتی ہے۔

اس کے برعکس، فقہ مالکی کے نقطۂ نظر سے زکوٰۃ کا نفاذ اور اموالِ زکوٰۃ کی تقسیم، خواہ یہ زکوٰۃ غیر ظاہری دولت پر ہو یا ظاہری دولت پر، پوری طرح ریاست کی ذمہ داری ہے، بشرطیکہ ریاست عادل و منصف ہو، یعنی ریاست صرف اس وقت یہ مقدس اور انتہائی اہم سماجی و معاشی ذمہ داری پوری کر سکتی ہے جب وہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے اموالِ زکوٰۃ کا دیانتدارانہ اور مؤثر بندوبست کرنے کے لیے مکمل طور پر موزوں اور اہل ہو۔

دراصل، مالکی رائے ہی ادارۂ زکوٰۃ کی ابتدائی نوعیت سے مطابقت رکھتی ہے، جو رسول کریمؐ کے زمانہ میں اس ادارے کی تھی، اور جیسے پہلے دونوں خلفائے راشدین کے عہد مبارک میں پوری طرح محفوظ رکھا گیا تھا۔ زکوٰۃ سے متعلق قرآن پاک کے احکام، اور اسلام کی ابتدائی تاریخ سے حاصل ہونے والی معلومات، دونوں سے یہ صاف عیاں ہے کہ ادارۂ زکوٰۃ کا مطلب ہی یہ ہے کہ اسے منظم طریقے سے چلایا جائے، یعنی نگران عامل کی حیثیت سے ریاست کی وساطت ضروری ہے۔ ادارۂ زکوٰۃ کے نصب العین اور مقصد

کی عظمت اسی مرتبہ کی متقاضی ہے۔

اس سلسلے میں، قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت بالکل واضح ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۖ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

(اے پیغمبر!) تم ان (مسلمانوں) کے مالوں میں سے صدقہ لے لو۔ اس سے تم ان کو پاک صاف کر دو گے (ان کی طہارت اور تزکیہ ہو جائے گا)۔ اور ان کے لیے دعا کرو۔ تمہاری دعا سے ان (کے دلوں) کو تسکین ہو گی۔ اور اللہ تو سب کچھ سنتا ہے اور جانتا ہے۔ (سورۃ التوبہ، آیت نمبر ۱۰۳)

اسی طرح احادیث میں مذکور رسول کریمؐ کی تفصیلی ہدایات سے ادارۂ زکواۃ کی منظم نوعیت کے بارے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔ مندرجہ ذیل حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی سند سے روایت ہے۔

جب رسول اللہؐ نے معاذؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا، تو فرمایا:
یقیناً تم ایک قوم کے پاس جا رہے ہو، جو (آسمانی کتاب) رکھتی ہے، اس لیے تمہارا طریقہ کار یہ ہونا چاہیے کہ سب سے پہلے انہیں اللہ کی دعوت دو۔ اور جب وہ اللہ کو پہچان لیں، تو پھر اُنھیں بتا دو کہ اللہ نے اُن پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پھر جب وہ نمازیں ادا کرنے لگیں تو اُنہیں بتا دو کہ اللہ نے اُن پر زکواۃ فرض کی ہے جو ان کے مال و دولت میں سے

لی جائے گی اور اسی قوم کے حاجتمندوں میں تقسیم کی جائے گی۔ جب وہ اس حکم کو تسلیم کر لیں، تو پھر اُن سے (زکواۃ) حاصل کرو، لیکن اس سے خبردار رہو (کہ زکواۃ وصول کرتے ہوئے) لوگوں

(کے مال و دولت) سے سب سے اچھی چیزیں نہ لی جائیں۔

(امام بخاری سے روایت)

ادارۂ زکوٰۃ کے عملی فرائض دو حصوں پر مبنی ہیں، یعنی زکوٰۃ کی تحصیل، اور اس کے اموال کی حفاظت و تقسیم۔ اس سے مفہوم یہ ہے کہ اسلامی ریاست مسلمانوں کی طرف سے متعیّن شدہ عاملینِ زکوٰۃ کے توسط سے جو اس مقدس فرض کو پورا کرنے میں اسلامی ریاست کے نمائندے ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ وصول کرنے، اور اس کا انتظام و انصرام کرنے کا حق رکھتی ہے۔

موجودہ زمانے میں کچھ لوگوں نے اس حقیقت کا بالکل غلط مطلب لیا ہے کہ زکوٰۃ چونکہ ریاست کی وساطت سے وصول کی جائے گی۔ اس لیے اس پر ریاست کا حق ہے۔ لہٰذا اس نکتے پر زور دینا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ، قانونِ زکوٰۃ کی رو سے، کسی بھی طرح یہ نہیں کہا جا سکتا کہ زکوٰۃ ایک ٹیکس ہے۔ جو ریاست کو دیا جائے۔ زکوٰۃ کی فطرت، اور اسی طرح اس کے اصول و قوانین سے واضح ہے کہ زکوٰۃ ریاست کی وساطت سے جائز حقداروں کو دی جاتی ہے۔ اور ریاست زکوٰۃ کے حاصل شدہ اموال کو سوائے ان مقاصد کیلئے، جن کی قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت میں تصریح کر دی گئی ہے، اور کہیں ہرگز خرچ نہیں کر سکتی۔

إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَٰكِينِ وَالْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَٰرِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

صدقاتِ (فرض، یعنی زکوٰۃ) صرف حاجتمند اور نادار (مسلمانوں) کے لئے، اور (زکوٰۃ) کے عاملین (یعنی کارکنوں) کے لیے جو اس کا انتظام و انصرام کرتے ہیں۔ (اور کوئی دوسری آمدنی ان کو نہ ہو)

Marfat.com

یا ان کی آمدنی کافی نہ ہو، اور (ان تازہ تازہ اسلام قبول کرنے والوں کی تالیف قلب) کے لیے، اور غلاموں کی آزادی میں اور قرضداروں کے قرض ادا کرنے میں، اور راہِ خدا میں، اور (حاجتمند) مسافروں کے لیے خرچ کیئے جا سکتے ہیں۔ یہ اللہ کا عائد کیا ہوا فرض ہے۔ اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

(سورۃ التوبہ، آیت نمبر ۶۰)

اگرچہ زکوٰۃ ریاست کی وساطت سے وصول کی جائے گی، لیکن اس کے اموال پر حکومت کو اپنی مرضی سے تصرّف کا کوئی حق نہیں ہوتا: اس لیے انہیں حکومت کے دیگر اموال سے قطعی الگ رکھنا چاہیئے۔

مذکورہ بالا قرآنی آیت تفصیل سے اموالِ زکوٰۃ کا استعمال بتاتی ہے۔ اور واضح قرآنی حکم موجود ہونے کے سبب ریاست کو یہ حق قطعًا نہیں پہنچتا کہ وہ زکوٰۃ کے استعمال کی مذکورہ حدود میں کسی قسم کا اضافہ یا ترمیم کرے۔ ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ ادارۂ زکوٰۃ کے قوانین کی پابندی کرے۔ ہاں اگر ضرورت ہو تو اسے اتنی اجازت ہوگی کہ وہ، زکوٰۃ سے متعلق قرآنی احکام کی روح کے عین مطابق، اور قانونِ زکوٰۃ کے بنیادی اصولوں کو قربان کیئے بغیر، ان قوانین کی صرف تفصیلات میں ترمیم کر سکتی ہے، چونکہ مختلف نصاب، زکوٰۃ کی فرضیت کی حدود، اور ادائیِ زکوٰۃ کی شرحوں کو رسول کریمؐ نے خود مقرّر فرمایا ہے۔ ریاست کو ان میں کسی قسم کا اضافہ یا ترمیم کرنے کا حق کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح ریاست کو زکوٰۃ کے نفاذ کو معطل کرنے، یا قطعی ختم کرنے کا حق بھی مطلقًا نہیں پہنچتا۔

ریاست کا فرض ہے کہ وہ عملِ زکوٰۃ کی وجہ اور مقصد کو بہر صورت برقرار رکھے اور ان کی پابندی کرے۔ اس کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ اموالِ زکوٰۃ مکمل اور صحیح طور پر اس کی نگرانی میں وصول کیے جائیں۔ اور پوری دیانت سے

Marfat.com

ان کی حفاظت کی جائے۔ ریاست کی یہ بھی ذمّہ داری ہے کہ وہ اموالِ زکوٰۃ کی صحیح تقسیم اور استعمال کا اہتمام کرے اور، مذکورہ بالا قرآنی آیت کے حکم کے مطابق، مستحق مسلمانوں کو ضروری امداد بلا تاخیر پہنچائی جائے۔ ریاست ادارۂ زکوٰۃ کی نگران عامل ہے، اور وہ مسلمان شہریوں کے سامنے اس ادارے کی راستی وصداقت سے انصرام کی جواب دہ ہے، اس وجہ سے ریاست کو چاہیئے کہ وہ مقرّرہ وقفوں کے بعد اموالِ زکوٰۃ کی آمد و خرچ کے مکمل حسابات مسلم عوام کے سامنے پیش کرے۔

ریاست یا عاملینِ زکوٰۃ کی طرف سے اگر اموالِ زکوٰۃ میں بے جا تصرّف، یا کوئی خلاف ورزی، ہو، تو ایسے قصور وار شخص، یا اشخاص کی مذمت کرنی چاہیئے۔ اور ان کو سخت سے سخت سزا دی جانی چاہیئے۔ کیونکہ دھوکہ دہی ایسا فعل ہے جو مسلم قوم کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے اور ان کی بنیادی دینی، معاشرتی اور معاشی ذمّہ داریوں کے ساتھ دغا کرنے کے مترادف ہے۔

دوسری طرف، ادارہ زکوٰۃ کی معتدل اور مناسب کارکردگی کی نگرانی زکواۃ کے حصول اور اموالِ زکوٰۃ کی تقسیم پر نگرانی کا مسلّمہ طور پر مسلم ریاست کو حق ہے۔ جیساکہ مندرجہ ذیل قرآنی آیت سے واضح ہے۔ قرآن پاک میں دیئے گئے قوانین کی پابندی کرانا مسلم ریاست کا فرض بھی ہے اور ذمّہ داری بھی۔

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ط اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ٥

اور جو لوگ کتاب (اللہ) کو مضبوطی سے تھامتے ہیں (یعنی احکام الٰہی کی پوری طرح پابندی کرتے ہیں) نماز کا نظام قائم کرتے ہیں۔ تو ہم ایسے اصلاح کرنے والوں کے اجر (ثواب) ضائع نہیں کرتے۔ (سورۃ الاعراف، آیت نمبر ۱۷۰)

جب کبھی ایک مسلم جس کے بارے میں واضح ہو کہ وہ نصاب کے برابر

Marfat.com

یا اس سے زیادہ قابلِ زکوٰۃ دولت کا قانونی مالک ہے، اپنے زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنے سے، یعنی اپنے دینی فرض اور معاشی معاشرتی ذمہ داری کو پورا کرنے سے انکار کرے، تو مسلم ریاست کو بزورِ قانون ان واجبات کو وصول کرنے کا پورا اختیار حاصل ہے۔ جو مسلمان جان بوجھ کر زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کا مجرم ہوتا ہے۔ یا بدنیتی سے اس فرض کو نظر انداز کرتا ہے۔ وہ مسلم قوم سے غداری کا مرتکب ہونے، اور اسلام کے ایک بنیادی رکن کو عمداً نظر انداز کرنے کا مجرم ہونے کے سبب، سزا کا مستحق ہے۔

زکوٰۃ دینے والوں کے حقوق و فرائض کی تفصیلی وضاحت اس کتاب کے جزو اوّل و دوم میں کی گئی ہے۔ اب مستحقینِ زکوٰۃ کے حقوق اور اخلاقی فرائض بیان کیے جائیں گے۔

زکوٰۃ کے مستحقین کی حیثیت پر غور کرتے ہوئے۔ اس نکتے کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے، جیسا کہ قرآنِ پاک میں واضح ہے کہ، زکوٰۃ صرف مسلمانوں پر فرض ہے اور اس سے صرف مسلمان ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔ یہ ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کو ٹھوس مالی مدد دینے کا عمل ہے[1] چونکہ غیر مسلموں پر قانونِ زکوٰۃ کا نفاذ نہیں ہوتا اس لیے نہ تو غیر مسلموں سے زکوٰۃ وصول کی جا سکتی ہے اور نہ ہی مسلم ریاست کے غیر مسلم شہری اموالِ زکوٰۃ سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

اس حقیقت کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ ایک مسلم ریاست کے غیر مسلم وفادار شہری مناسب تحفظ کے حقدار نہیں، اور نہ یہ کہ بوقت ضرورت انہیں ریاست کی طرف سے مؤثر امداد نہ ملے: اس کے برعکس، ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے مسلم اور غیر مسلم دونوں طرح کے تمام شہریوں کو مساوی طور پر مناسب تحفظ مہیا کرے اور سب کی فلاح و بہبود کا خیال رکھے لیکن

---

[1] حوالہ حدیث، جسے حضرت عبداللہ بن عباس نے روایت کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

عملِ زکوٰۃ کی خاص ماہیّت کی رو سے، وہ ان لوگوں کو نہیں دی جاسکتی جو دینِ اسلام کے پیروکار نہیں ہیں۔ اس لیے کہ عملِ زکوٰۃ اسلامی عبادت کا ایک اہم حصّہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر مسلمان کے لیے لازم کی گئی ہے اور امتیازی طور پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اگر ایک غیر مسلم شہری کو عُسرت و مفلسی میں مبتلا ہونے کے سبب ریاست کی مدد کی ضرورت ہو، تو اس کی مدد ریاست کے دوسرے مالی وسائل، یعنی قومی خزانے (سرکاری بیت المال) یا سماجی تحفظ کے اداروں کے ذریعہ کی جاسکتی ہے لیکن اموالِ زکوٰۃ پر غیر مسلم کا کوئی حق نہیں، اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔

دوسری طرف، ایک مسلم ریاست کے غیر مسلم شہریوں پر کوئی پابندی نہیں ہے کہ وہ باہمی رضامندی سے اپنے مابین خیرات و امداد کے ایسے طریقے منظم نہ کریں کہ وہ اپنے ان اراکین کی فوری مدد کا سامان کر سکیں جنہیں اس کی ضرورت پڑے۔ صحیح اندازِ فکر رکھنے والا ہر انسان ایسی قابلِ تعریف تجویز کو پسند کرے گا۔ درحقیقت، بعض غیر مسلم اقوام، مثلاً: حضرت موسیٰؑ، زرتشت، اور حضرت عیسیٰؑ کے پیرووں میں، منظّم خیرات و سماجی امداد ایک حد تک عملِ ایمان یا مذہب کا ایک جزو بھی ہے، اگرچہ بدقسمتی سے عملاً اس بات سے اکثر و بیشتر لاپروائی برتی گئی ہے۔

زکوٰۃ کا بنیادی مقصد تنگدست و مفلس مسلمانوں کی فوری امداد و اعانت کرنا ہے۔ قرآن پاک میں غربت کی حالت کا اظہار کرنے کے لیے دو اصطلاحات "فَقر" اور "مَسکَنَۃ" استعمال ہوئی ہیں۔ "فَقر"، فقر سے مشتق ہے، جس کا اصل مطلب "کھودنا"، "کاٹنا"، "تراشنا" ہے۔ اس سے یہ معنی بھی لیے جاتے ہیں: "کسی پر نشان لگانا" یا "اس پر غالب آنا" (مثلاً بدقسمتی یا غربت وغیرہ) اس سے "فَقُرَ" فعل بھی بنتا ہے، جس کا مطلب "حاجتمند ہونا" ہے۔ اور اس سے اسم "فَقر"، جس کا مطلب "غربت" یا "حاجت" ہے اور

Marfat.com

اسمِ فاعل "فقیر" (ج: فقرآء)، بمعنی "حاجتمند" ہوتے ہیں۔

دوسری اصطلاح "سَکَنَ" سے مشتق ہے، جس کا مطلب "ساکت" یا "بے حرکت ہو جانا" ہے۔ اور مجازی مفہوم "غریب" یا "نادار ہونا" ہے اس سے اسم "مسکنت" جس کا مطلب "غربت" یا "ناداری" ہے، اور اسم فاعل "مسکین" (ج: مساکین) اور اس کے معنی "سخت حاجتمند"، "نادار" لیے جاتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ نے "فقیر" کی اصطلاح کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: "مَنْ لَہٗ اَدْنٰی شَیْءٍ"، یعنی "جس کے پاس ضرورت سے کم اسباب ہوں"۔ یا "جو سخت تنگ حالت میں ہو"، یا "جس کی جائز ضروریات بھی پوری نہ ہوتی ہوں"، اور "مسکین" کی تعریف یہ کی ہے: "مَنْ لَا شَیْءَ لَہٗ"، یعنی جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، خالی ہاتھ یا نادار

اگرچہ کچھ دوسرے فقہائے کرام نے ان دونوں اصطلاحات کا مفہوم امام ابو حنیفہ کی مذکورہ تعریف کے خلاف لیا ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کی تعریف کی درستی کی تائید نہ صرف دونوں اصطلاحات کے صرفی اور نحوی معانی سے، بلکہ قرآن پاک کے متن سے بھی، ہوتی ہے، جس میں یہ دونوں اصطلاحات اسی مفہوم میں، مندرجہ ذیل آیات میں آتی ہیں۔

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ۝

اس (موسیٰ) نے ان دونوں (لڑکیوں) کی خاطر (ان کے ریوڑ کو) پانی پلا دیا، پھر وہ ایک سایہ کی طرف جا بیٹھا۔ (اور اللہ سے دعا کر کے) کہا: اے میرے پروردگار! تو جو کچھ بھی بھلائی میرے لئے اتارے، میں اس کا محتاج (یعنی: فقیر) ہوں ۝

(سورۃ القصص: آیت نمبر ۲۴)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ○

اے لوگو! تم سب اللہ کی طرف سے حاجتمند (یعنی: فُقَرَآءُ) ہو۔ اور اللہ ہی غنی، اور قابلِ تعریف ہے[۱]

(سورہ فاطر: آیت نمبر ۱۵)

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ○

خیرات ان حاجتمندوں کے لیے (یعنی: لِلْفُقَرَآءِ) ہے جو اللہ کی راہ میں کاموں میں لگے ہوئے تنگدست ہوگئے ہیں (اور) اتنی استطاعت نہیں رکھتے کہ زمین میں چل پھر کر تجارت کر سکیں۔ انجان ان کو ان کے نہ مانگنے کی وجہ سے غنی سمجھتا ہے مگر تم ان کی صورت سے (ان کے حال کو) جان سکتے ہو)۔ وہ چمٹ کر لوگوں سے نہیں مانگتے۔ اور جو تم خیرات کروگے، بیشک اللہ کو اس کا علم ہے۔

(البقرۃ: ۲۷۳)

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ○

مالِ غنیمت کا خمس (پانچواں حصہ) ان حاجتمند مہاجروں کے لیے ہے جو اپنے گھروں، اور اموال و اسباب سے دشمن کے

---

[۱] ملاحظہ فرمائیں، سورت المدثر، آیت نمبر ۳۸۔

ہاتھوں) محروم ہو گئے ہیں۔ وہ اللہ کے فضل واحسان اور رضا وخوشنودی کے طالب ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ واقعی یہ لوگ سچے اور وفادار ہیں۔
(الحشر: ۸)

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝

اور تجھے کیا سمجھ آسکتا ہے کہ "عقبہ" (یعنی وہ راستہ جس سے بلندی پر جا سکے) کیا ہے ۝ وہ غلاموں کو آزاد کرنا ہے ۝ یا بھوک کی حالت میں کھانا کھلانا ہے ۝ رشتہ دار یتیم کو یا نادار (یعنی مسکین) کو ۝
(البلد: ۱۲ تا ۱۶)

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ

... (بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی وجہ سے) ان پر ذلت اور لاچاری (یعنی مسکنت) مسلط کر دی گئی، اور وہ اللہ کے غضب میں مبتلا ہو گئے... ۝
(البقرۃ: ۶۱)

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝

(خدا کے اطاعت گذار بندے تو وہ ہیں جو) خالص اللہ کے لیے ناداروں (یعنی مسکینا) یتیموں، اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں ۝
(الدھر: ۸)

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ

يُطِيقُونَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ط

گنتی کے چند دن (روزے فرض کئے گئے ہیں) اور جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا مسافر ہو، تو اور دن اس کی تکمیل کرلے! (قضا کر کے دنوں میں اتنے ہی روزہ رکھ کر پورے کرے) (اور ان میں سے) جو (مادی) استطاعت رکھتا ہو، وہ (ہر روزہ کے بدلے میں) فدیہ دے کر ایک نادار (یعنی مسکین) کو کھانا کھلائے[1] ٥ (البقر: ۱۸۳)

اسلام کے نزدیک، غربت کے دو درجے ہیں، اور ان دونوں درجوں کے لیئے ادارۂ زکوٰۃ کے ذریعے امداد و اعانت مہیا کی جانی چاہیئے۔ "فقر" ان لوگوں کی حالت پر دلالت کرتا ہے جن کے ذرائع و وسائل زندگی کی بنیادی جائز ضروریات پوری طرح مہیا کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔ اور "مسکنت" ان لوگوں کی حالت کا اظہار کرتی ہے جن کا کوئی ذریعہ یا وسیلہ نہیں، یا اتنے کم ہیں کہ ان سے ان کی زندگی کی بنیادی جائز مادی ضروریات کی تکمیل ممکن نہیں۔ سورۃ الکہف کی آیت ۷۹ میں "مساکین" کی اصطلاح اسی دوسرے مفہوم میں استعمال ہوئی ہے۔

---

[1] سورۃ المائدہ کی آیات ۸۹ اور ۹۵، اور سورۃ المجادلۃ کی آیت ۴ بھی ملاحظہ فرمائیں یہ بات خاص طور پر باعث دلچسپی ہے کہ قرآن پاک میں جہاں کہیں بطور سزا یا کفارہ غریب کو کھانا کھلانے یا کپڑا پہنانے کا ذکر کیا ہے، وہاں "مسکین" یعنی "نادار" کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے، اور "فقیر" کا لفظ نہیں، جس کا مطلب "حاجتمند" ہے۔ چنانچہ، قرآن پاک کا حکم یہ ہے کہ گناہ کے کفارے کے لیے انتہائی غربت یعنی "ناداری" سے آزاد کروانا ہے، نہ کہ کمتر درجہ کی غربت سے جس حالت میں حاجتمند کے پاس کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوتا ہے۔

Marfat.com

قانونِ اسلام کے مطابق، زندگی کی بنیادی جائز ضروریات میں کافی خوراک اور لباس، رہائش کا مناسب بندوبست، بنیادی تعلیم، اور طبی علاج شامل ہیں دینِ اسلام معاشی فلاح و بہبود کے لیے، اسے کم سے کم معیار تسلیم کرتا ہے۔

اسلامی اصطلاح میں خوراک، لباس، اور رہائش کی کفایت "الغنیٰ" کی پہلی سیڑھی ہے۔ غنیٰ سے مراد وہ حالت ہے جس میں انسان بغیر دوسروں کی مادی امداد کے گزارہ کر سکتا ہے۔ غنیٰ کی کیفیت حاصل ہو کر انسان مستحقینِ زکوٰۃ کی فہرست سے خارج ہوتا ہے تو وہ شرعاً اموالِ زکوٰۃ سے حصّہ لینے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ مزید براں، جب غنیٰ کی کیفیت قابلِ زکوٰۃ دولت کی ملکیت تک پہنچ جائے، تو اس دولت کا قانونی مالک زکوٰۃ دینے والے کا مقام و مرتبہ خود بخود حاصل کر لیتا ہے۔

وسیع تر مفہوم میں، غنیٰ کی اصطلاح میں "خود کفالت" کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے، جو انسان کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اسے جسمانی صحت کی مسرّت اور ذہنی سکون و آرام ہو، اس سلسلے میں، مندرجہ ذیل حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

> حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا، غنیٰ یہ نہیں ہے کہ انسان کے پاس دُنیوی مال و اسباب کی کثرت ہو، (بلکہ) غنیٰ تو وہ حالت ہے کہ دل امیر ہو، یعنی خود مختار اور مطمئن ہو۔
>
> (روایت امام مسلم)

جزو ہفتم

زکوٰۃ کے مستحقین

قرآن پاک کی سورۃ التوبہ کی آیت ۶۰ کے مطابق، زکوٰۃ کے مستحقین کی درج ذیل آٹھ اقسام ہیں۔

۱۔ الفقراء: یعنی تنگ دست، یا حاجتمند لوگ[1]

اس ضمن میں وہ تمام مسلمان آتے ہیں جن کے جسمانی نقص کی وجہ سے، یا تمام تر کوشش کے باوجود محض اپنے ذرائع و وسائل کی کمی کی وجہ سے وہ زندگی کی تمام جائز بنیادی مادی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے۔

۲۔ المساکین: یعنی نادار لوگ[2]

اس ضمن میں وہ تمام مسلمان آتے ہیں جن کے کسی جسمانی نقص کی وجہ سے، یا تمام تر کوششوں کے باوجود، ذرائع و وسائل بالکل نہ ہونے یا بہت

---

[1] امام ابوحنیفہ کی رائے میں، "فقراء" اور "مساکین" زکوٰۃ کے مستحقین کی دو الگ قسمیں ہیں۔ تاہم امام ابویوسف کے نزدیک ان دونوں حقداروں کی ایک ہی قسم، یعنی "غرباء" ہے دراصل، جب زکوٰۃ کے مستحقین کا ذکر کرتے ہوئے، قرآن پاک نے "فقراء" اور "مساکین" کا الگ الگ ذکر کیا ہے، تو امام ابوحنیفہ کی طرح ان دونوں کو الگ الگ قسم تسلیم کرنا ہی درست ہوگا۔

[2] ملاحظہ فرمائیں، آئندہ صفحات میں، انصرامِ زکوٰۃ کے قانون نمبر ۸، جزو د، کے تحت احادیثِ نبوی۔

Marfat.com

کم ہونے کی وجہ سے وہ اپنی جائز بنیادی مادی ضروریات میں سے کسی ایک ضرورت کو بھی پورا نہیں کر سکتے۔

۳۔ **العاملین علی الزکوٰۃ**: یعنی زکوٰۃ کے عاملین۔

اصولاً، ادارۂ زکوٰۃ کے مقرر کردہ وہ تمام عاملین (جنہیں لازماً مسلمان ہونا چاہیئے) جو انصرامِ زکوٰۃ کے ادارہ کے مختلف ارکان کی حیثیت سے باقاعدہ اور مستقل کام کرتے ہیں، زکوٰۃ کے اموال میں سے اپنی تنخواہیں لینے کے مجاز ہیں۔

عام طور پر فقہائے کرام اس پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کے عاملین مندرجہ ذیل ہیں۔

الف: **المُتَصَدِّقُوْنَ**: یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والے۔ زکوٰۃ کے واجبات وصول کر کے، زکوٰۃ کے مراکز میں جمع کرانے والے۔

ب: **اَلْقَسَّامُوْنَ**: یعنی تقسیم کرنے والے: جمع شدہ اموالِ زکوٰۃ کو محفوظ رکھیں، اور جائز مستحقین تک پہنچائیں۔

ج: محافظین میں خازن، زکوٰۃ کے گوداموں کے نگران، بطور زکوٰۃ حاصل شدہ مویشیوں کے نگران (یعنی چرواہے، گلہ بان، مویشیوں کو پانی پلانے والے وغیرہ شامل ہیں۔

د: **اَلْکَیَّالُوْنَ**: یعنی وزن وحجم کی پیمائش کرنے والے: وہ لوگ جو بطور زکوٰۃ حاصل شدہ زرعی پیداوار کی مختلف انواع واقسام کے وزن یا حجم کی پیمائش کرتے ہیں۔

ہ: **اَلْکَاتِبُوْن**: یعنی محررین یا کلرک، جن کا کام زکوٰۃ کے حسابات کی فائلیں اور ریکارڈ رکھنا ہے۔

و: **الحَاسِبُوْن**: یعنی محاسبین: اموالِ زکوٰۃ کی آمدنی وخرچ کا مکمل حساب رکھنے والے۔

Marfat.com

ز : العَارِفُونَ : یعنی مخابرین : یہ وہ لوگ ہیں جو مستحقین کی تلاش میں رہتے ہیں، اور زکوٰۃ کے متعلق شعبہ کے ناظم کو مستحقین کی حالت اور پتہ کی اطلاع دیتے ہیں۔

ح : الحَاشِرُونَ : یعنی اجتماع کرنے والے : جب کبھی ضرورت پڑے، زکوٰۃ دینے والوں یا زکوٰۃ لینے والوں (مستحقین) کا اجتماع کرنے والے۔

ط : رُؤُسَاءُ العَامِلِینَ ، یعنی ناظمین : جو زکوٰۃ کے مراکز کا انتظام والصرام کرنے والے ہیں۔ ہر ناظم زکوٰۃ اپنے مرکز کی صحیح کارکردگی کے لیے مسلم ریاست اور عوام دونوں کے سامنے جوابدہ ہے۔

اگرچہ مسلم ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ ادارۂ زکوٰۃ کی صحیح اور متوازن کارکردگی کی نگرانی کرے، تاہم ریاست کے اپنے افسران (گورنر، جج، وغیرہ) کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اموالِ زکوٰۃ مشاہرے سے وصول کریں، کیونکہ وہ زکوٰۃ کے عاملین کی حیثیت سے کام نہیں کرتے۔

فقہائے کرام میں اس موضوع پر کچھ اختلافِ رائے ہے کہ زکوٰۃ کے عاملین کو ان کی خدمات کے عوض کیا تنخواہ یا معاوضہ دیا جائے۔ فقہ حنفی کی رو سے، زکوٰۃ کے عاملین کی تنخواہ "امام" (یعنی ریاست صدر) مناسب گذران کے مطابق، مقرر کرے گا۔ بہ الفاظِ دیگر، فقۂ حنفی نے زکوٰۃ کے عاملین کی تنخواہ کی کوئی خاص حد متعین نہیں کی ہے۔ دوسری طرف فقۂ حنفی کا یہ فتویٰ بالکل درست ہے کہ ان میں سے جو لوگ اپنے آزاد وسائل رکھتے ہوں، انہیں اموالِ زکوٰۃ سے تنخواہ نہیں دی جانی چاہیئے۔

تاہم، شافعی اور مالکی فقہ کی رو سے، زکوٰۃ کے عاملین کو اموالِ زکوٰۃ میں سے تنخواہ دی جاسکتی ہے، خواہ وہ بذاتِ خود دولتمند ہوں!

اس میں شک نہیں کہ اصولاً زکوٰۃ کے عامل کو اموالِ زکوٰۃ میں سے

Marfat.com

تنخواہ لینے کا حق ہے۔ لیکن قانونِ زکوٰۃ کی روح اس نظریہ کی حمایت کرتی ہے کہ اموالِ زکوٰۃ میں سے حصّہ لینا صرف ان عاملین کے لئے جائز ہے جو اپنی گذر بسر کے لیے اس کے حاجتمند ہوں، جب زکوٰۃ کا عامل کافی ذرائع آمدنی رکھتا ہو تو وہ اموال زکوٰۃ میں سے تنخواہ یا معاوضہ کا طلب گار ہونے سے نہ صرف دور رہے بلکہ اس کے لینے سے اجتناب کرے۔

یہاں یہ احساس ضروری ہے کہ زکوٰۃ کے عاملین کے رتبے کی اہمیت کچھ معمولی نہیں۔ ادارۂ زکوٰۃ کے ذریعے جس اعلیٰ مقصد کی خدمت کی جاتی ہے، اور اس مقصد کے دور رس اثرات کی بنا پر، زکوٰۃ کے عاملین کا مقام مسلم قوم کے اعلیٰ مرتبے کے خادموں میں ہوتا ہے۔ رسول کریم کی مندرجہ ذیل حدیث، جسے امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے، اس کی تصدیق کرتی ہے کہ رسولؐ کریم نے ان لوگوں کے رتبہ پر خود زور دیا ہے۔ جو زکوٰۃ کے مقاصد کو بڑھانے کے لیے اپنی خدمات کو وقف کرتے ہیں۔

> رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: زکوٰۃ کا عامل اللہ کی راہ میں غازی کی طرح ہے، حتیٰ کہ وہ اپنے گھر کو لوٹ آئے۔
>
> (روایت امام داؤد اور امام ترمذی)

رسول کریمؐ کا زکوٰۃ کے عامل کو "غازی فی سبیل اللہ" سے مخاطب کرنا اس نظریے کی تصدیق کرتا ہے کہ زکوٰۃ کے عاملین کو ادارہ زکوٰۃ کے لئے پوری طرح وقف شدہ اور بے لوث کارکن ہونا چاہیئے۔ وہ ایسے رضاکار ہوں جو دنیاوی تعیشات کی تلاش میں نہ ہوں، بلکہ رضائے الٰہی کے طالب ہوں، اور ان کا مطمحِ نظر یہ ہو کہ ان کی تمام کوششوں کا انہیں صرف یہ بدلہ ملے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائے، اور ان کا یہ یقین ہو کہ اس خدمتِ مقدس کا نتیجہ عوام کی فلاح و بہبود اور قوم و ملّت کا استحکام ہو گا۔ ادارۂ

Marfat.com

زکوٰۃ کی خدمت کرتے ہوئے یہ ہرگز نہیں سوچنا چاہیے کہ وہ ایک منفعت بخش پیشہ ہے۔ بلکہ یہ خدمت تو تقویٰ کا ایک عمل ہے۔ اور اسے اسی جذبے اور طریقے سے انجام دینا چاہیے۔ جو اس کام کی اعلیٰ نوعیت کے لیے موزوں و مناسب ہے۔

یہ عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اموال زکوٰۃ کی کل رقم میں سے زکوٰۃ کے عاملین کی تنخواہ کی مد میں نصف سے زیادہ رقم خرچ نہیں کی جانی چاہیے اگرچہ چند فقہائے کرام کے خیال میں تین چوتھائی حصہ بھی جائز طور پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن بلا شک وشبہ، عاملین پر اتنا زیادہ خرچ کر دینا بے اندازہ نرمی ہے، اور ایسا کرنے سے تو ادارۂ زکوٰۃ کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت حالات سے بچنے کے لیے اس اصول کو غالب ہونا چاہیے کہ ان زکوٰۃ کے عاملین کو جو اپنی گذر اوقات کے لیے دوسرے ذرائع رکھتے ہوں، اموالِ زکوٰۃ میں سے تنخواہیں نہ دی جائیں۔ جب جب عام رضامندی سے اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے گا، تو اس سے زکوٰۃ کے جائز مستحقین کی فہرست میں سے خوشحال عاملین۔ جن کے دوسرے ذرائع آمدنی ہوں خود خارج ہو جائیں گے، اور زکوٰۃ کے تمام اموال، مکمل طور پر، صرف احتیاج اور عسرت کی روک تھام کے کام آئیں گے۔

علاوہ ازیں، زکوٰۃ کے عاملین کے لیے خدا ترسی اور تقوای کی شان کے پیش نظر اس امر کو بطور عالمگیر اصول تسلیم کر لیا جانا چاہیے اور سب سے بڑھ کر خود عاملین کو مان لینا چاہیے کہ ان میں سے جو لوگ اموالِ زکوٰۃ سے معاوضہ لینے کے ضرورتمند ہیں، ان کا معاوضہ ایک مہذب اور شائستہ لیکن سادہ معیار زندگی برقرار رکھنے سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں۔ سرکاری بیت المال پر خلفاء کا اتنا ہی حق تسلیم کیا گیا تھا۔ جب حضرت عمرؓ بن الخطاب، خلیفۂ دوم نے اپنا عہدہ سنبھالا، تو لوگوں کے

Marfat.com

سامنے حسب ذیل اعلان کیا، جو لفظاً و معناً قرآنِ پاک کی سورہ النساء کی آیت نمبر ۶ کے عین مطابق ہے۔ آپؓ نے فرمایا۔

(اے مسلمانو!) میرا حق (بحیثیت مسلمانوں کے خلیفہ کے) تمہارے مال و دولت (یعنی سرکاری بیت المال) پر صرف اتنا ہی ہے جتنا ایک یتیم کے سرپرست کا۔ اگر میری مالی حالت اچھی ہو، تو میں (بیت المال سے) اپنے لیے کچھ بھی لینے سے پرہیز کروں گا اور اگر میں حاجتمند ہوں، تو (اس سے صرف) جائز حد تک لے کر کھاؤں گا۔ (روایت امام العینی)

قرآنِ پاک کے الفاظ میں:

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۖ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ

... تو (تم میں سے) جو تونگر ہو (اور یتیم کا سرپرست ہو)، وہ (یتیم کے مال میں سے) کچھ لینے سے رُکا رہے۔ اور جو (یتیم کا سرپرست) خود ضرورتمند ہو، تو عرفِ عام اور دستور کے موافق (یتیم کے مال میں سے صرف اپنی جائز ضروریات کی حد تک لے کر کھائے۔

(النساء، آیت ۶)

گویا ایسے متقی نالدار مسلمان جو محصّل زکوٰۃ بننے کی قابلیت رکھتے ہوں، وہ اللہ تعالیٰ اور ملّتِ اسلام کے لیے اپنی خدمات بلا معاوضہ اور رضاکارانہ طور پر زکوٰۃ کے معین مراکز کو پیش کریں۔

۴۔ **الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ**: یعنی نومسلموں کی تالیفِ قلب کے لیے سہم ہیں، فتح مکہ مکرمہ کے فوراً بعد، رسولِ کریمؐ نے عام معافی کا اعلان کر کے شہر مکہ کے تمام مشرکین سے درگذر کیا، جو اس وقت تک اسلام

Marfat.com

کی مخالفت کرتے، اور مسلمانوں کو تعذیب کا شکار بناتے رہے تھے، رسولِ کریم کی اس اعلیٰ ظرفی اور کشادہ قلبی سے سارے باشندے آغوشِ اسلام میں آگئے۔ ضرورت تھی کہ ان کی اس طرح تالیفِ قلب کی جائے کہ اسلام سے ان کی وابستگی خوب پختہ ہو جائے۔

ان ہی نومسلموں کو، " الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ " کے قرآنی حکم کے تحت اموالِ زکوٰۃ میں سے حصّہ دیا گیا، تاکہ ان کی فوری آبادکاری ہو سکے اور ان کی پریشانیوں میں تخفیف ہو کیونکہ مسلمانوں کے ساتھ مسلسل حالتِ جنگ اسلام کے دشمنوں کے لیے مسلمانوں سے کہیں زیادہ پریشان کن ثابت ہوئی تھی۔ قرآنِ کریم میں اس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا۔

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿﴾

دشمنوں کے تعاقب میں سستی نہ کرو۔ اگر تمہیں (نقصان اور) تکلیف پہنچتی ہے، تو (جان لو کہ) انہیں بھی ویسی ہی (نقصان اور) تکلیف ہوتی ہے (جیسی تم کو ہوتی ہے) حالانکہ تمہیں تو اللہ سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ ہیں جو انہیں نہیں ہیں۔ اور اللہ جاننے والا اور دانائی والا ہے۔

(النساء: آیت ۱۰۴)

(ان سابق دشمن) نومسلموں کو زکوٰۃ کے جائز حقداروں کی فہرست میں اس لیے شامل کیا گیا کہ اس وقت غربت کی وجہ سے وہ اس امداد کے مستحق تھے؛ یہ انہیں قطعی طور پہ قبولِ اسلام کی وجہ سے انعام نہیں ملا تھا۔ آبادکاری کے لیے اموالِ زکوٰۃ سے امداد مل جانے کی وجہ سے ان کے دلوں میں کسی قسم کے شکوک و شبہات باقی نہ رہے کہ انہیں ماضی میں اسلام کی مخالفت

کے سبب قانونِ اسلام کے فوائد، یا اسلامی اخوت سے الگ رکھا جائے گا اور نہ ہی ان کے دلوں میں یہ خوف باقی رہا کہ ان کے خلاف کسی قسم کی نفرت برتی گئی ہے، یا معاشرے میں انہیں مضبوط بنیاد حاصل نہیں ہے۔

علاوہ ازیں تاریخ میں مذکور ہے کہ، فتح مکہ کے بعد، بنو ثقیف اور ان کے ساتھ کچھ اور دشمن قبائل نے یہ تہیہ کیا کہ وہ دوبارہ مکہ اور خانہ کعبہ پر قابض ہو ہوجائیں، تو رسولؐ کریم دس ہزار مجاہدین کا لشکر جن میں، مہاجرین اور انصار کے علاوہ، قبیلۂ قریش کے نومسلم بھی شامل تھے لے کر گئے اور نمایاں فتح حاصل کی۔ اس موقع پر، مالِ غنیمت کے سلسلے میں آپؐ نے مہاجرین اور انصار پر ان مکہ کے نومسلم قریشیوں کو ترجیح دی، ان کے دل کچھ عرصے قبل ہی اسلام سے روشناس ہوئے تھے، حالانکہ مہاجرین اور انصار رسول کریمؐ کے مستقل وفادار صحابہؓ تھے۔ رسولِ کریمؐ کو معلوم ہوا کہ اس تقسیم سے انصار کو مایوسی ہوئی ہے، اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ مالِ غنیمت میں ان کا بھی حق ہے، تو آپؐ نے انہیں جمع کر کے فرمایا: "اے انصار! کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ یہ لوگ دنیاوی مال و اسباب لے کر اپنے گھروں کو واپس جائیں اور تم محمدؐ کو ساتھ لے کر اپنے گھروں کو لوٹو؟" انصار نے یہ سنتے ہی فوراً کہا: "بے شک، یا رسول اللہؐ، ہم راضی ہیں۔

فقہائے کرام کی اکثریت، جن میں حنفی اور مالکی فقہ کے پیروکار بھی شامل ہیں، قرآن پاک میں استعمال شدہ اصطلاح "اَلْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ" (یعنی ان کی تالیف قلب کے لیے) کے بارے میں یہ رائے اخذ کرتی ہے کہ چونکہ اس سے مراد اس آیت کے نازل ہونے کے وقت مکہ کے نومسلم باشندے لئے گئے تھے، تو اب مستحقین زکوٰۃ کا یہ طبقہ ختم ہو گیا ہے۔ لیکن یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کوئی انسان قرآن پاک کے کسی حکم کو منسوخ کرنے کی قوت و اختیار نہیں رکھتا۔ اس حقیقت کے پیش نظر، سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۶۰ میں جو حکم دیا گیا ہے، وہ قطعی قانون کی حیثیت سے ہمیشہ برقرار رہے گا، اور جب

Marfat.com

کبھی ایسے حالات پیش آجائیں جیسے اس حکم کے آنے کے وقت درپیش تھے، تو اس حکم پر عمل کیا جائے گا، یعنی جب ایک غیر مسلم علاقے کی فتح کے فوراً بعد مقامی باشندے مذہب تبدیل کر کے دائرہ اسلام میں آجائیں، اور اُن کی آبادکاری کی ضرورت درپیش ہو۔

تیرے رب کا کلام اور اس کے احکام سب بالکل صداقت اور عدالت پر مبنی ہیں۔ اس کے اقوال اور احکام کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ وہی تو ہے سننے والا اور جاننے والا۔

(الانعام: آیت ۱۱۶)

زکوٰۃ کے قانون کی روح اور منشا متقاضی ہے کہ نومسلموں کی تالیف قلب کے لیے انہیں زکوٰۃ کے اموال میں سے، جب کبھی ضروری ہو، اتنی مدد دی جائے کہ جس سے وہ اسلامی برادری کے اندر رہتے ہوئے، قرآن پاک کے بتائے ہوئے معیار کے مطابق، نئی زندگی شروع کر سکیں۔

۵۔ الرِّقاب: یعنی غلام اور جنگی قیدی

قرآن پاک کے اہم اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمان جو "عبداللہ" یعنی خدا کا بندہ اور مطیع فرمان ہے۔ کبھی بھی کسی مخلوق کی بندگی میں نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ یہ امکان کہ ایک مسلمان کسی دوسرے شخص کی قانونی جائداد بن جائے۔ نہ صرف گھناؤنا اور مکروہ ہے، بلکہ قرآن پاک کے مطابق، اسلام میں قطعاً ناقابل برداشت ہے۔ قرآن پاک کا وہ قانون جس کے مطابق زکوٰۃ کے اموال کا ایک حصہ غلاموں کو آزادی دلوانے کے لیے وقف کیا جاسکتا ہے۔ اس اصول کی پوری عکاسی کرتا ہے۔

جیسا کہ پہلے ہی بیان کیا گیا ہے، زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ ایک مسلمان کی طرف سے دوسرے مسلمان کو ٹھوس امداد دی جائے۔ چنانچہ سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۶۰ میں زکوٰۃ کے مذکور مستحقین کا ایک طبقہ "الرقاب" یعنی "غلام"

Marfat.com

ہیں۔ غلام سے مراد وہ بندے ہیں جو، غیر مسلم کی قانونی جائیداد کی حیثیت رکھتے ہوئے اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ایسے مسلمانوں کو، جو قانونی بیڑیوں میں اپنے غیر مسلم آقاؤں کے پاس جکڑے ہوئے ہیں۔ آزاد کروانے لیے زکوٰۃ کے اموال خرچ کیے جا سکتے ہیں۔

فقہ حنفی کے علماء کے سوا، اکثر و بیشتر فقہائے کرام اس امر پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کے اموال مسلم غلاموں کو اپنے غیر مسلم آقاؤں سے خرید کر، آزاد کروانے کیلئے صرف کیے جا سکتے ہیں تاکہ وہ قرآن پاک کے اصول و قوانین کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھال سکیں۔

حنفی فقہ کے مطابق، زکوٰۃ کے اموال ان غلاموں کی امداد کے لیے خرچ کیے جا سکتے ہیں جو اپنے آقاؤں سے مکاتبت کا معاملہ کر سکتے ہوں۔ احناف کے نزدیک صرف مکاتبت کی قیمت زکوٰۃ کے اموال سے ادا کی جا سکتی ہے۔ مکاتب سے مراد ایسے غلام ہیں جنہوں نے اپنے آقاؤں سے ایک مقررہ رقم کے بدلے آزاد ہو جانے کا معاملہ طے کر رکھا ہو۔ لیکن فقہائے حنفی یہ تسلیم نہیں کرتے کہ زکوٰۃ کے اموال میں سے غیر مکاتب مسلم غلاموں کو آزاد کروانے کے لیے مدد یعنی ان کی قیمت خرید دی جائے۔ حنفی فقہ کی رائے کی بنیاد یہ ہے کہ عمل زکوٰۃ دولت کی ملکیت ایک مسلم سے (یعنی زکوٰۃ دینے والے سے) دوسرے مسلم کو (یعنی زکوٰۃ کے مستحق کو) منتقل ہونی چاہیئے، اور، اس صورت میں، وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ جب ایک غلام کو خرید کر آزاد کروا دیا جاتا ہے۔ تو دولت کی ملکیت اس کو منتقل نہیں ہوتی، لہٰذا زکوٰۃ کا ایسا مصرف قانوناً درست نہیں ہے۔

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن پاک کے الفاظ سے اس امر کا کہیں جواز نہیں ملتا کہ ہمیشہ اور ہر حال میں عمل زکوٰۃ سے بلا واسطہ مالکیت کا انتقال ہونا چاہیئے۔ جہاں تک فقراء اور مساکین، زکوٰۃ کے عاملین، "مؤلفۃ القلوب" اور مسافروں کا تعلق ہے، ملکیت کا بلا واسطہ انتقال واقعی ہوتا ہے، لیکن مقروض

Marfat.com

کے قرض ادا کرنے کے معاملے میں، ملکیت کا بلا واسطہ انتقال اس طرح نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی ہو سکتا ہے جیسے فقہائے حنفی سمجھتے ہیں۔ جب مقروض کا قرض اموالِ زکوٰۃ میں سے ادا کیا جاتا ہے، تو جس شخص کو واقعی دولت ملتی ہے، وہ تو مقروض نہیں بلکہ قرض خواہ ہوتا ہے، قرض خواہ کے لیے اموالِ زکوٰۃ سے ملی ہوئی دولت اس کی جائز ملکیت ہے۔ خواہ اس صورت میں اسے پورا، یا جزوی طور پر قرض واپس ملا ہو، یہ صحیح ہے کہ مستحق غریبوں کو جب زکوٰۃ ملتی ہے۔ تو وہ زکوٰۃ کے اموال میں سے ملے ہوئے حصے کو اپنی مرضی سے جہاں چاہیں خرچ کر سکتے ہیں، برعکس مقروض کے، جس کا قرض ادا کرنے کے لیے جب اموالِ زکوٰۃ میں سے مدد دی جاتی ہے۔ تو وہ اس کو اپنی مرضی سے جہاں چاہے خرچ نہیں کر سکتا، بلکہ صرف قرض کی ادائیگی میں دے سکتا ہے، لیکن، درحقیقت، مقروض ہی کو اموالِ زکوٰۃ کی اس امداد کا صحیح فائدہ پہنچتا ہے۔ ایسے ہی حالات اس وقت نمودار ہوتے ہیں جب مسلمان غلاموں کو آزاد کروانے کے لیے خریدا جاتا ہے۔ جب مسلمان غلاموں کے غیر مسلم آقاؤں کو مطلوبہ رقوم، جو ان کے لیئے اپنی "رہا شدہ جائیداد" کی مالیت ہوتی ہے، اموالِ زکوٰۃ میں سے فراہم کی جاتی ہیں۔ تو اموالِ زکوٰۃ سے لی ہوئی امداد کا اصل فائدہ مسلمان غلاموں ہی کو پہنچتا ہے۔

قرآنِ پاک نے خود حکم دیا ہے کہ غلامی کی قید میں جکڑا ہوا مسلمان اپنی آزادی حاصل کرنے کے لیے زکوٰۃ کا حقدار ہے، اسلام کی نظر میں آزادی کا قابلِ قدر اور مقدس تحفہ مستحق مسلمانوں کو بخش دینے میں اموالِ زکوٰۃ کو، جس طرح بھی مناسب ہو، استعمال کرنا بلاشبہ قرآنی مقصد کو پورا کرتا ہے۔

اکثر فقہائے کرام، جن میں امام ابراہیم النخعی، امام ابو حنیفہ، امام سفیان الثوری، اور امام اللیث بھی شامل ہیں۔ اس پر متفق ہیں کہ اموالِ زکوٰۃ نو رہا شدہ مسلم غلاموں کی امداد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے، جن کے سابقہ آقا غیر مسلم تھے، یا مسلم تھے جن کے پاس اتنے ذرائع و وسائل نہیں تھے کہ وہ اپنے سابقہ

Marfat.com

غلام اور نئے مسلم بھائی کو اسلام کے اندر رہتے ہوئے، ایک آزاد زندگی بسر کرنے لیے ضروری امداد دے سکیں۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ

اور تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتب بننا چاہیں، تو اگر تم اُن میں بھلائی سمجھتے ہو تو ان کو مکاتب بنا دو، ان کو نوشتہ لکھ دو۔ اور اس مال میں سے کہ خدا نے تم کو دیا ہے ان کو دو۔

(النور، آیت ۳۳)

"الرقاب" کی اصطلاح سے وہ مسلمان بھی مراد ہیں جو دشمن کے ہاتھوں میں گرفتار ہو جائیں۔ چنانچہ اس پر عام اتفاق ہے کہ جب کبھی ممکن ہو، مسلمان جنگی قیدیوں کو آزاد کروانے کے لیے زکوٰۃ کے اموال میں سے زرِ فدیہ ادا کیا جاسکتا ہے۔

۶۔ **الغارمون**: یعنی مقروض۔

وہ تمام مسلم مقروض جو، اپنے اسباب سے قرض واپس کرنے کی حتی الوسع کوشش کے باوجود اسبابِ زندگی کی تنگی کے سبب، ناواجب پریشانی اور محتاجی اُٹھائے بغیر، لیے ہوئے قرض کو ادا کر ہی نہ سکیں اموالِ زکوٰۃ کے ذریعے قانوناً اپنا بوجھ اُتار سکتے ہیں۔

قانونِ زکوٰۃ کی رو سے، ایک مسلم مقروض اپنا قرض ادا کرنے کے لئے صرف مندرجہ ذیل حالات میں زکوٰۃ کے اموال میں سے مدد لے سکتا ہے۔

الف: متعلقہ قرض صرف کسی جائز مقصد کے لیے لیا ہو، خواہ وہ یہ مقصد ذاتی نوعیت کا ہو، یا کسی غیر ذاتی وجہ سے قرض لیا گیا ہو۔ مثلاً اگر ایک مسلم کے دوسرے شخص کے جائز مفاد کے لیے ضمانت بن جانے کے بعد، ایسے

حالات پیدا ہو جائیں کہ اسے زرِ ضمانت کا سارا بوجھ خود اُٹھانا پڑ جائے اور دوسری طرف وہ خود اتنا تنگ دست اور قلیل اسباب کا مالک ہو کہ زرِ ضمانت ادا کرنے میں اسے سخت پریشانی و افلاس کا سامنا کرنا پڑے، تو ان حالات میں وہ زکوٰۃ کے اموال میں سے استمداد کا پورا حق رکھتا ہے۔ اسی طرح امام شافعی کے مطابق، جو مسلمان آپس میں جھگڑنے والے مسلم افراد یا قبائل کے درمیان صلح کروانے، یا ان کے درمیان امن قائم کرنے کے لیے قرض کا بار اُٹھا کے بعد، اپنے اسباب و ذرائع سے اتنے تنگ ہو جائیں کہ متعلقہ قرض ادا نہ کر سکیں، یا ادا کریں تو انہیں غیر ضروری پریشانی و افلاس کا سامنا کرنا پڑے، اور وہ اپنے قرض کی تلافی اموالِ زکوٰۃ سے کر سکتے ہیں۔

اس کے برعکس، اگر کسی مسلم نے ناجائز مقاصد، مثلاً جوا، منشیات، فضول خرچی، یا ایسی ہی دوسری بے جا اغراض کے لیے قرض لیا ہو، تو ایسا قرض زکوٰۃ کے اموال میں سے ہرگز ادا نہیں کیا جا سکتا۔

ب: اموالِ زکوٰۃ میں سے کسی کا قرض ادا کرنے کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کسی مسلمان سے لیا گیا ہو، جو قرض خواہ، اپنے دیئے ہوئے قرض کی واپسی کے مطالبہ کے وقت، خود انتہائی حاجتمند ہو اور مقروض کی آسانی کا انتظار کرنے کے قابل نہ ہو۔ اس (قرض خواہ کے حاجتمند ہونے کی) شرط کی اہمیت پر جتنا بھی زور دیا جائے کم ہے۔

قرآنِ حکیم میں اس بات سے روکا گیا ہے کہ مسلم قرض خواہ مقروض سے قرض کی واپسی کا اس طرح مطالبہ کرے جس سے مقروض کو پریشانی لاحق ہو، یا اسے ناواجب تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اور اگر کوئی قرض دار تنگ دست ہو تو اس کو کشادہ دستی تک،

Marfat.com

مہلت دینی چاہیے، اور معاف کر دینا تمہارے لیے بہتر ہے
اگر تم کچھ بھی عقل رکھتے ہو۔

(البقرہ: آیت ۲۸۰)

مذکورہ بالا قرآنی آیات کے مطابق، اگر قرض خواہ کو اپنے دیئے ہوئے قرض کی رقم کی فوری ضرورت نہ ہو، تو اس پر فرض ہے کہ وہ مقروض کے حالات میں آسانی پیدا ہونے تک انتظار کرے[1]۔ اس قرآنی حکم سے بہتر حالات میں ہونے والے قرض خواہوں کو زکوٰۃ کے اموال میں سے قرض واپس کیے جانے کی قطعی ممانعت ہے۔

ج: مقروض اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے اموالِ زکوٰۃ میں سے مدد لینے سے پہلے، اپنے جائز ذرائع سے اسے ادا کرنے کی پوری کوشش کرے۔

اگر مقروض کے پاس قابلِ زکوٰۃ کوئی بھی دولت ہو، تو چاہیئے کہ سب سے پہلے اسے دے کر جس حد تک ممکن ہو وہ اپنے قرض کی ادائیگی کرے۔ لیکن اس کے پاس کوئی قابلِ زکوٰۃ دولت ہی نہیں۔ یا اس کی موجودہ دولت پورے قرض کی ادائیگی کے لیے ناکافی ہو، تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات سے فاضل دوسری دولت کو دے کر، یا فروخت کر کے، قرض کی رقم پوری کرنے کی کوشش کرے اور، قرض اُتارنے کے لیے اپنی روزانہ عام زندگی میں ہر ممکن کفایت شعاری بھی کرے۔

پھر اگر مقروض، ان تمام کوششوں کے باوجود بھی، ناواجب پریشانی

---

[1] مالکی فقہ کے مطابق، صرف ان قرضوں کی ادائیگی زکوٰۃ کے اموال میں سے کیجا سکتی ہے جن کی عدم ادائیگی کی بنا پر مقروض کو محبوس کیا جا سکتا ہو لیکن اس رائے کی تصدیق سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸۰ کے قرآنی حکم سے نہیں ہوتی، اور نہ ہی یہ قانونِ زکوٰۃ کی روح سے مطابقت رکھتی ہے۔

Marfat.com

دمفلوک الحالی کا سامنا کیے بغیر قرض نہ ادا سکے ، تو ، حالات کے مطابق ، اس کا قرض کلیتاً یا جزوًا اموالِ زکوٰۃ میں سے ادا کیا جا سکتا ہے[1]۔

۷۔ فی سبیل اللہ ، یعنی اللہ کی راہ میں

قرآنی اصطلاح "فی سبیل اللہ" (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) کی تشریح قدیم فقہائے کرام نے مختلف کی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ "فی سبیل اللہ" سے "الغزوات فی سبیل اللہ" مراد لیتے ہیں ، یعنی اسلام اور مسلم اقوام اور علاقہ جات کی مدافعت میں ، یعنی اللہ کی راہ میں لڑائی سمجھتے ہیں ۔ چنانچہ ان دونوں ممتاز فقہاء کی رائے میں زکوٰۃ ایک غازی (یعنی ایک مجاہد) کو بھی دی جا سکتی ، بشرطیکہ وہ غریب ہو ،

دوسرے فقہائے کرام ، جو مندرجہ ذیل حدیث میں استعمال کی ہوئی اصطلاح "غنی" کا مفہوم "مادی طور پر خوشحال انسان" اور "صاحبِ حیثیت" لیتے ہیں ، یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ زکوٰۃ غازی کو دی جا سکتی ہے ، خواہ وہ امیر ہی ہو ۔

> ابوسعید الخدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا : غنی (صاحبِ حیثیت) کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے ، سوائے ان پانچ صورتوں کے : (۱) عاملِ زکوٰۃ کے لیے ، (۲) اللہ کی راہ میں غازی (یا مجاہد) کے لئے ، (۳) اگر ایک صاحبِ حیثیت اپنے مال سے زکوٰۃ میں دی ہوئی کوئی شئے خریدے (۴) اگر ایک غریب شخص اموالِ زکوٰۃ میں سے ملی ہوئی شئے کسی صاحبِ حیثیت کو بطورِ تحفہ[2] دے دے ؛ (۵) مقروض کے لیے ۔
>
> (روایتِ امام داؤد)

---

[1] ملاحظہ فرمائیں ، زکوٰۃ کے انصرام کا قانون نمبر ۶۲ ، جزو ج ، حصہ ۴

[2] اس صورت میں ، صاحبِ حیثیت کے لیے ایسا تحفہ "زکوٰۃ" کی خاصیت نہیں رکھتا ۔

Marfat.com

مذکورہ بالا "غناء" اور اس سے بننے والے اسم فاعل "غنی" کی اصطلاحات کی پہلے وضاحت کی جا چکی ہے: اس کے محدود مفہوم میں "غناء" سے مراد "مادی خود کفالت" ہے، اور وسیع تر مفہوم میں اس سے وہ "خود کفالت" مراد ہے جو ایک مطمئن ذہن اور جسمانی صحت کے سرور سے حاصل ہوتی ہے، اگرچہ وہ مالدار نہ ہو۔

امام العینی، جو حنفی نقطہ نظر کے پیروکار ہیں، مندرجہ بالا حدیث کی اصطلاح "غنی" کا مفہوم یہ نہیں لیتے کہ "غنی" وہ شخص ہے جو مادی اسباب کے لحاظ سے خود کفیل ہے، بلکہ "وہ شخص جو مکمل جسمانی طور پر اپنی روزی کمانے کے قابل ہے" اس تشریح کی روشنی میں، وہ غریب شخص بھی زکوٰۃ لینے کا مستحق نہیں ہے جو اپنی روزی کمانے کے قابل ہے، اور اس کے ایسا کرنے کے امکانات موجود ہیں۔ سوائے اس صورت کے، جس کا ذکر حدیث مبارک میں ہوا ہے، کہ وہ زکوٰۃ کا عامل ہو، یا اللہ کی راہ میں مجاہد ہو، یا کہ کسی زکوٰۃ کے مستحق سے کسی زکوٰۃ کے اموال میں سے دی گئی شئے اپنے مال سے خریدے، یا زکوٰۃ کے مستحق کے ہاتھ سے، بطور تحفہ حاصل کرلے[1]۔ یا وہ مقروض ہو اور اپنے قرض کو واپس ادا نہیں کر سکتا ہو اور اس کا قرض خواہ خود سخت حاجت مند ہو۔ امام العینی کی یہ تشریح قانونِ زکوٰۃ کی روح سے پوری مطابقت رکھتی ہے۔

امام محمد بن الحسن "فی سبیل اللہ" کی قرآنی اصطلاح سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا اشارہ حج بیت اللہ کی طرف ہے۔ اور ان کا یہ خیال ہے کہ جو غریب لوگ حج پر جانا چاہتے ہیں۔ وہ اس نیت کی بناء پر زکوٰۃ کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس لیے انہیں حج کرنے کے لیے اموالِ زکوٰۃ میں سے مدد دی جانی چاہیئے۔

امام محمد بن الحسن کی اس تشریح کی بنیاد ایک خاص روایت ہے، جس کے

---

[1] اس صورت میں، صاحبِ حیثیت کے لیے ایسا تحفہ "زکوٰۃ" کی خاصیت نہیں رکھتا۔

مطابق ایک شخص نے ایک اونٹ خدا کی راہ میں وقف کیا، تو رسول کریمؐ نے حکم دیا کہ یہ اونٹ ایک حاجی کو دے دیا جائے تاکہ وہ اس پر سوار ہو۔ اگرچہ رسول کریمؐ نے "فی سبیل اللہ" وقف کیے ہوئے اونٹ پر حاجی کو سواری کرنے کی اجازت دے دی ہوگی، لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ "فی سبیل اللہ" سے مراد صرف حج بیت اللہ شریف ہے! علاوہ ازیں، حج تو صرف اس مسلمان پر فرض ہے جو اس کو پورا کرنے کے لیے ضروری ذرائع کا مالک ہو۔ اس بارے میں قرآنی حکم بالکل واضح ہے۔

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط

اور اللہ کی طرف سے ہر اس شخص پر حج بیت اللہ فرض ہے جو وہاں جانے (سفر) کی استطاعت رکھتا ہو...

(سورۃ آل عمران، آیت ۹۷)

اس لیے یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ زکوٰۃ کے اموال میں سے غریب مسلمانوں کو حج پر جانے کے لیے مالی امداد دی جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک حاجی کو، جو حج کے لیے روانہ ہونے کے بعد، اتفاقی حالات کی بنا پر زکوٰۃ کا مستحق ہو جائے زکوٰۃ کے اموال میں سے امداد دے دی جائے۔ اس صورت میں بھی، زکوٰۃ کے اموال میں سے اس کی مدد اس لیے نہیں کی جائے گی کہ وہ عازم حج ہے بلکہ اس لئے کہ وہ، اس مدد کی ضرورت کے وقت، پریشان حال اور مصیبت زدہ مسافر ہے یعنی حاجتمند ابن سبیل ہے۔

اس کے علاوہ، مندرجہ بالا روایت یہ واضح نہیں کرتی کہ مذکورہ حاجی رسول کریمؐ سے اونٹ ملنے کے وقت حج کو جانے والا تھا یا حج سے واپس آنے والا تھا۔

"فی سبیل اللہ" کی اصطلاح کا اسلام کی روح سے زیادہ صحیح مطابقت

Marfat.com

رکھنے والا مفہوم یہ ہے۔ جسے اکثر و بیشتر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ کہ اس میں وہ تمام اعمال اور سرگرمیاں آتی ہیں جن کے نتیجے میں مسلم قوم کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اور عظمت حاصل ہو۔ بالفاظِ دیگر، اس میں وہی مفہوم ہے جو قرآنِ پاک کی ایک اور اصطلاح "قرض حسن" میں شامل ہے۔

اس آخری تشریح کی روشنی میں، زکوٰۃ کے اموال کو "فی سبیل اللہ" کی مد میں درج ذیل طریقوں سے خرچ کیا جا سکتا ہے:

الف: ایسے تمام مسلمانوں پر جو زندگی کی تمام کوششوں کو خدمتِ اسلام کے لیے وقف کرنے کی وجہ سے اپنی روزی کمانے کے لیے کوئی وقت نہ نکال سکتے ہوں، اور زندگی بسر کرنے کے لیے ان کے پاس دوسرے ذرائع بھی نہ ہوں، انہیں اپنی جائز گذران کے لئے ضروری معاوضہ یا اجرت" فی سبیل اللہ" والی زکوٰۃ کی مد سے دی جا سکتی ہے۔ اس شق میں مندرجہ ذیل اشخاص شامل ہیں۔

(۱) ایسے غریب مسلمان، مرد اور عورتیں، جنہوں نے دینِ اسلام کی تبلیغ و استحکام کی نیت سے مسلمانوں کے لیئے بالخصوص اور عموماً پوری انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے سائنسی، اور علمی، مطالعہ اور تحقیق و تدریس کی خاطر اپنی زندگی پوری طرح وقف کر دی ہو۔

(۲) ایسے غریب مسلمان ڈاکٹر (بمع حکیم، اطبّاء، وغیرہ)، نرسیں، سماجی کارکن ادارۂ زکوٰۃ کے ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کا باقاعدہ عملہ، جنہوں نے اپنی زندگیوں کو غریب مسلمانوں، مسلم یتیم خانوں، اور غریب مسلم معذوروں، اپاہجوں، اندھوں بہروں اور گونگوں (خواہ بچّے ہوں یا بالغ) کی تعلیم اور آبادکاری کے لیے وقف کر دیا ہو۔

(۳) ایسے غریب مسلمان رضاکار، غازی اور مجاہد، اور کارکن (جو باقاعدہ برّی، بحری، یا ہوائی فوج میں ملازم نہ ہوں)، جو جنگ کی حالت یا ناگہانی ضرورت پر اسلام اور مسلمانوں کے علاقوں کے دفاع کے لیے اپنی خدمات وقف کر دیں۔

Marfat.com

(ہ) اسلامی عدلیہ کے ایسے اعزازی ارکان جو ریاست سے معاوضہ حاصل نہ کرتے ہوں لیکن غنی بھی نہ ہوں[1]۔

(ب) مسلم حکومتوں کے دائرۂ اختیار کے اندر ان مسلمانوں کو فوری امداد دینا "فی سبیل اللہ" کی ضمن میں آتا ہے جو سیلاب، زلزلے، آتش فشاں کے پھٹنے، خشک سالی، طوفان، وغیرہ، سے آفت رسیدہ ہوئے ہوں، یا سمندر کی طوفانی لہروں، آگ، قحط، وباؤں، یا ایسی ہی دوسری زمینی، فضائی، یا سمندری آفات میں پھنس گئے ہوں[2]۔

(ج) ایسے مسلمانوں کی آبادکاری میں قرآنی آیات کی" فی سبیل اللہ" والی مد سے امداد کی جاسکتی ہے، جو زمینی، فضائی یا سمندری تباہیوں سے آفت رسیدہ ہو کر، یا تو اپنا دنیاوی مال ومتاع بالکل کھو چکے ہوں۔ یا ان کا اتنا شدید نقصان ہوا ہو کہ وہ سخت مفلسی اور اذیت میں مبتلا ہوں۔

(د) ایسے مسلمانوں کی تجہیز و تکفین کا سامان مہیا کرنا بھی" فی سبیل اللہ" کے ذیل میں آتا ہے، جن کی وفات کے وقت ان کے ذرائع تجہیز و تدفین کے متحمل نہیں ہو سکتے، اور ان کے دوسرے رشتہ دار بھی اتنے تنگ حالات میں ہوں کہ وہ نا واجب پریشانی اٹھائے بغیر متعلقہ اخراجات اٹھا سکتے ہوں۔

چونکہ حنفی نقطہ نظر میں، جائز عمل زکوٰۃ کے لیے ملکیت ایک شخص سے دوسرے شخص کو منتقل ہونا ضروری ہے، اس لیے یہ ذکر خالی از دلچسپی نہیں ہوگا کہ اس مذہب کے فقہاء زکوٰۃ کے اموال کو غریب متوفیوں کی تجہیز و تکفین پر خرچ کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تاہم، پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ فقہ حنفی کے اس فیصلے کی تائید قانونِ زکوٰۃ سے متعلق کسی بھی آیت قرآنی سے نہیں ہوتی[3]، اور نہ ہی اس

---

[1] حکومت کے باقاعدہ ملازموں کو حکومت کے خزانے سے تنخواہ دی جانی چاہیے، اموالِ زکوٰۃ میں سے تنخواہیں نہیں دی جاسکتیں۔

[2] ملاحظہ فرمائیں انصرام زکوٰۃ کا قانون نمبر ۶۲، جزو ج-۳

[3] ملاحظہ فرمائیں، اوپر صفحات ۲۹۴ اور ۲۹۵

حدیث کی بنیاد پر اس فیصلے کی توثیق ہو سکتی ہے جس میں رسول کریمؐ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کے عیسائیوں کے بارے میں ہدایات کی تھیں۔

... پھر انہیں بتلاؤ کہ اللہ نے ان پر ان کے اموال سے صدقہ فرض یعنی زکوٰۃ واجب کی ہے، جو ان کے مالدار لوگوں سے لی جائے گی اور ان کے غریبوں میں تقسیم کی جائے گی۔

(روایت امام بخاری)

یہ ہدایات زکوٰۃ کے اصل مقصد کو صاف طور پر واضح کرتی ہیں: عربی مصدر "رَدَّ علیٰ" کا مطلب ہے: "لوٹانا"، "کچھ رکھے بغیر مرحمت کرنا"، "منافع میں واپس دینا"، "کسی شخص کو (تجارت وغیرہ سے) فائدہ پہنچانا"۔ بالفاظ دیگر، ہر جماعت کے مستحقینِ زکوٰۃ کو اس جماعت کے مالداروں سے حاصل شدہ زکوٰۃ کے اموال میں سے اپنی ضروریات کے مطابق فائدہ حاصل کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ یہ وضاحت کسی ذریعہ سے بھی نہیں ہوتی کہ ہر طرح اور بہر صورت عملِ زکوٰۃ کے جائز و حلال ہونے کے لیے جو شئے زکوٰۃ میں دی جا رہی ہے، اس کی ملکیت ایک شخص سے واقعی دوسرے شخص کو منتقل ہونا ضروری ہے۔ پھر اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ غریب، امیر، ہر ایک کے لیے کفن اس کی آخری دُنیاوی ملکیت ہوتی ہے۔ چنانچہ، زکوٰۃ کے اموال کو اگر بطریقہ خیرات تجہیز و تکفین پر خرچ کیا جائے، تو کسی کو بھی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ غریب کی صورت میں وفات پا جانیوالے کے ساتھ یہ تو بے شک خیرات و نیکی کا آخری عمل ہے۔

(۵) زکوٰۃ کی "فی سبیل اللہ" والی مد سے غریب مسلمانوں کی بہبود کے لیے وقف ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کی عمارات تعمیر کی جا سکتی ہیں، یا کرائے پر لی جا سکتی ہیں، اور ان کا ساز و سامان بھی خریدا جا سکتا ہے۔ اسی طرح، غریب مسلم معذوروں، اپاہجوں، اندھوں، بہروں، اور گونگوں،

Marfat.com

خواہ بچے ہوں یا بالغ، ان کی مفت تعلیم اور آبادکاری کے لیے قائم اداروں اور یتیم خانوں کی عمارات تعمیر کی جا سکتی ہیں، یا کرایہ پر لی جا سکتی ہیں اور ان کے لیے ساز و سامان لیا جا سکتا ہے۔

(د) غریب مسلمان بچوں، اور غریب مسلمان ان پڑھ بالغوں، کی مفت تعلیم کے لیے کم مایہ ضلعوں میں اسکولوں کی عمارات خریدی جا سکتی ہیں، یا کرایہ پر لی جا سکتی ہیں، اور انہیں ساز و سامان مہیا کیا جا سکتا ہے۔

(ز) جنگ کے زمانے میں بھی انتہائی ہنگامی حالات پیدا ہو جائیں، اور مسلمان و مسلم علاقہ جات کو بچانے کے لیے ہر ایک شہری کی طرف سے ہر طرح کی مدد ایک فرض بن جائے، تو جب کبھی، ایسے حالات کے تقاضے کے مطابق، اسلامی حکومت کے ذرائع ناکافی ہوں، زکوٰۃ کے اموال ہر جائز ضروری طریقے سے خرچ کیے جا سکتے ہیں، مثلاً قلعوں کی تعمیر، افواج مہیا کرنا، جنگ کرنے والے مجاہدین کے لیے سامان رسد، خوراک، اور طبی امداد، جنگ سے متاثرہ مہاجرین وغیرہ کو فوری امداد دینا، یعنی ملی جدوجہد کی کامیابی کے لیے تمام ضروری انتظامات زکوٰۃ کے اموال میں سے کیے جا سکتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کے جان و مال کو خرید لیا ہے کہ ان کے عوض ان کو جنت دے گا: وہ (لوگ جو) اللہ کی راہ میں فی سبیل اللہ لڑتے ہیں، مارتے بھی ہیں مرتے بھی ہیں۔ ان سے یہ وعدہ کیا گیا ہے جو تورات، انجیل اور قرآن میں ہے اور اللہ سے

بڑھ کر کون اپنے وعدہ کو زیادہ پورا کرنے والا ہے پھر (مسلمانو!)
تم اپنے اس بیع وشری پر خوش ہو جاؤ۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔
(التوبہ: آیت نمبر ۱۱۱)

۸۔ ابن سبیل، یعنی مسافر

قرآن پاک سفر کے فوائد پر خاص زور دیتا ہے۔ سفر کو اہمیت اس لیے دی گئی ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے، اور اس سے علم کی وسعتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں، جب مسلمان دوسرے ممالک میں سفر کرتے ہیں، تو وہ ذاتی اور پُرامن تعلقات کے ذریعے انسانی اخوت کے اسلامی مطمح نظر کی تبلیغ کو تقویت دیتے ہیں، اور اس طرح نہ صرف ایک عملی طریقے سے ملّت اسلامیہ کے باہمی رشتوں کو مستحکم اور استوار کرتے ہیں، بلکہ ایک صحتمند اور تعمیری ماحول میں دوسری اقوام سے شخصی تعلقات کے ذریعے امن عالم کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

اسلام کے نزدیک محض نظریاتی علم اور ناقابل عمل خیالی تفکّرات کا کوئی مقام نہیں ہے۔ اسلام کا یہ مقصد ہے کہ مضبوط ترین بنیادوں پر ایک منصفانہ، مستقل، اور خوشحال معاشرتی نظام قائم ہو، جس کی گہری جڑیں اسلام کے پیروکاروں کے دلوں میں اُتری ہوئی ہوں۔ جن میں یہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ دیرپا مستقل قدریں صرف ایسے ماحول میں ترقی کرسکتی ہیں جس میں حقیقت کی صحیح اور درست تشخیص موجود ہو۔

قرآن پاک بار بار مسلمانوں کو "سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ"، یعنی "زمین میں سفر کرو" کی تاکید کرتا ہے، یہ محض ایک دعوت نہیں ہے بلکہ اُن تمام مسلمانوں کے لیے ایک حکم ہے جو "سُنَّۃَ اللہِ"، یعنی "اللہ کے طریقوں پر" چلنا چاہتے ہیں اور تجربات کی وسیع دولت سے عملی دانائی، جو صرف سفر سے حاصل ہوتی ہے، سیکھنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

Marfat.com

اس حکم کے منطقی نتیجے کے طور پر، قرآن پاک مسلم مسافر کی فلاح وبہبود اور اس کی حفاظت کے لیے خاص احکام دیتا ہے، تاکہ مسلمانوں کو اپنے گھروں سے باہر، دوسرے علاقہ جات وممالک میں جانے کی حوصلہ افزائی ہو اور وہ اس دنیا کو، جس میں وہ رہتے ہیں، عملی اور ذاتی طور پر جان سکیں۔

ایک طرف مسلمان کو تاکید ہے کہ وہ مسافروں کی امداد کے قابلِ تعریف عمل کو انجام دیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۖ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝

لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، (کیا صرف کریں)؛
تم کہو: جو کچھ حلال مال تم صرف کرو، اس کے (مستحق) ماں باپ، قرابت دار، یتیم، مسکین (نادار) اور مسافر ہیں، اور تم جو کچھ نیکی کرو، اللہ اس کو جانتا ہے ۝

(البقرۃ: آیت ۲۱۵)

اور دوسری طرف اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ مسافر، خواہ اپنے وطن میں امیر ہوں یا غریب، سفر میں اچانک طور پر حاجتمند ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں جب کبھی سفر کے دوران احتیاج ومفلوک الحالی ان پر غالب ہو جائے، تو قرآن پاک کی سورۃ التوبہ کی آیت ۶۰ مسافروں کو یہ رعایت دیتی ہے کہ انہیں زکوٰۃ کے اموال میں سے حصہ لینے کا پورا اور متعین حق حاصل ہے۔ اس طرح، مسافر کا رتبہ اور دولت اس کے اپنے وطن میں خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو، اگر سفر پر اس کو، اپنی غلطی کے بغیر، کسی صدمے سے دوچار ہونا پڑے، (مثلاً، اس کی رقم کھو جائے یا چوری ہو جائے، یا اچانک جنگ چھڑ جانے کے نتیجے میں ذرائع آمد ورفت قطع ہو جائیں، اور یہ مسافر

Marfat.com

مجبوری و لاچاری کی حالت میں پھنس جائے، پھر کسی وجہ سے اپنے ذرائع حاصل کرنے، یا کسی شخص سے قرض لینے، میں کامیابی نہ ہو، جس سے وہ اپنی مشکل پر قابو پا سکے، تو ایسی صورت میں وہ زکوٰۃ کے مقامی اموال سے مدد لینے کا جائز حقدار ہے۔

قانون زکوٰۃ کی رو سے، مسافر کا زکوٰۃ کے اموال سے مستفید ہونا دو شرائط پر مبنی ہے۔

الف: پہلی شرط یہ ہے کہ مسافر کا سفر جائز مقصد، مثلاً خدمتِ اسلام، بیت اللہ کا حج، تعلیمی مقاصد، سیاحتی سفر، خانگی امور، صحت، یا سماجی معاملات یا تجارت کے لیے ہو۔

(ب) دوسری شرط یہ ہے کہ زکوٰۃ سے مدد لینے سے پہلے، محتاج مسافر کو چاہیئے کہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے تمام جائز ذرائع سے کوشش کرے مثلاً قرض لینے کی پوری کوشش کرے، جس سے اپنی مشکل پہ قابو پا سکے۔ اگر یہ کوششیں ناکام ہو جائیں، تو زکوٰۃ کے مقامی مرکز میں موجود اموال زکوٰۃ میں سے محتاج مسافروں کی امداد کی جائے گی، اور اس کی فوری ضروریات کو پورا کرنے کے علاوہ، اسے سفر کو مکمل کرنے؛ یا اپنے گھر کو واپس پہنچنے، کی سہولت بھی دی جائے گی۔

زکوٰۃ کے مستحقین کی طرح، محتاج مسلم مسافروں کو بھی زکوٰۃ کے اموال میں سے جو امداد دی جاتی ہے، وہ قطعی امداد ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کی مدّ سے لی ہوئی یہ امداد واپس لوٹانے، یا بہتر حالات پیدا ہو جانے پر، اتنی ہی رقم بطور خیرات غریبوں میں تقسیم کرنے کی کوئی پابندی نہیں۔ زکوٰۃ تمام جائز حقداروں کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر حق ہے۔ لہٰذا، جیسا کہ موجودہ دور میں بعض لوگوں نے تجویز کیا ہے، زکوٰۃ کو بطور قرض دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مسافر کی فلاح و بہبود کی مزید ضمانت کے لیے یہ عام طور پر تسلیم کر لیا

گیا ہے کہ شاہراہوں پر، دیہاتوں، قصبوں اور شہروں میں سرائیں، آرام گاہیں، اور مسافر خانوں کی تعمیر، اور ان کی حفاظت اور مرمت کے لیے زکوٰۃ کے اموال استعمال کئے جا سکتے ہیں، جہاں حاجتمند مسلم مسافروں کو رہائش و غذا مفت مہیا کی جائے۔

ان سراؤں، آرام گاہوں، اور مسافر خانوں کے محافظوں، اور دوسرے ملازموں کو بھی اموالِ زکوٰۃ میں سے گذران کے لیے مناسب معاوضہ دیا جائیگا۔ سوائے ان کے، جن کے پاس گذران کے لیے اپنے معقول ذاتی ذرائع و وسائل ہوں اور وہ صرف خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنی خدمات مفت اور رضا کارانہ پیش کریں۔

مدّ "ابن سبیل" میں زکوٰۃ کے اموال سڑکوں اور پلوں کی تعمیر و مرمت کے لیے خرچ کرنا بھی جائز سمجھا جاتا ہے۔ لیکن، اگرچہ یہ درست ہے کہ مسافروں کے آرام اور فلاح و بہبود کا انحصار زیادہ تر سڑکوں اور پلوں کی موجودگی، اور ان کی اچھی حالت، پر ہوتا ہے، تاہم یہ سہولتیں عوام کو مہیا کرنا بنیادی طور پر ریاست اور بلدیات کی ذمہ داری ہے، اور ان کے اخراجات حکومت کے خزانے سے ادا ہونے چاہییں۔ اس مقصد کے لیے زکوٰۃ کے اموال کا استعمال صرف ان ضلعوں تک محدود ہونا چاہیے جہاں عوام کی حفاظت اور بہبود کے لیے سڑک یا پل، یا دونوں، کی تعمیر یا مرمت ایک فوری ضرورت ہو اور مطلوبہ کام کو ٹھیک طور پر انجام دینے کے لیے سرکاری رقوم کافی نہ ہوں اور لوگوں کے عطیات بھی مطلوبہ رقم پوری نہ کر سکیں۔

انصرامی مقاصد کے پیش نظر، مذکورہ بالا مستحقینِ زکوٰۃ کی آٹھ اقسام کو حسب ذیل دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(الف) پہلے حصے میں وہ مستحقین آتے ہیں جن کے خصوصی حالات انہیں زکوٰۃ کے اموال میں سے مستقل گذران کے معاوضے کا حقدار بناتے ہیں۔ ان

Marfat.com

ہیں وہ تمام بے کس اور بے بس مسلمان شامل ہیں۔ جو معذور، اپاہج، ناقابلِ علاج بیمار، بے سہارا بیوائیں، اور یتیم بچے ہیں۔ نیز ایسے تمام مسلمان جنہوں نے اپنی پوری زندگی مکمل طور پہ خدمتِ اسلام کے لیے وقف کر دی ہے؛ زکواۃ کے مستحق عاملین؛ حاجتمند مسلمان مسافروں کے استفادے کے لیے بنائی ہوئی آرام گاہیں، مسافر خانوں اور سراؤں کے محافظین اور دوسرے مستقل ملازمین؛ حاجتمند مسلمانوں کے استفادے کے لئے بنائے ہوئے ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں کے عملے۔

ب: دوسرے حصے میں وہ مستحقین شامل ہیں جنہیں زکواۃ کے اموال میں سے اتفاقی یا عارضی طور پہ امداد لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان میں یہ مسلمان آتے ہیں: حاجتمند، قابلِ علاج بیمار؛ تنگ دست اور نادار جن کی آبادکاری زکواۃ کے اموال کے ذریعے ہی انجام پانی ممکن ہے؛ بحری، برّی، اور فضائی تباہیوں کے آفت رسیدہ؛ مقروض، غلام اور جنگی قیدی؛ حاجت مند نومسلموں کی تالیفِ قلب جو المؤلفۃ قلوبھم کے تحت آتے ہیں؛ حاجت مند مسافر۔

فقہائے کرام حنفی کی رائے میں، زکواۃ کے کل موجود اموال کو، سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۶۰ میں مذکور مستحقین کے اقسام میں برابر تقسیم کر دینا چاہیئے، سوائے "المؤلفۃ قلوبھم" کے، جس کی اب کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔

دوسرے فقہائے کرام کی رائے میں، جب زکواۃ کے مستحقین کی صرف ایک قسم موجود ہو، تو زکواۃ کے پورے موجود اموال اسی ایک قسم کی فلاح وبہبود پہ خرچ کرنے کے لیے مخصوص کی جا سکتی ہیں۔

لیکن نہایت اطمینان بخش طریقہ بظاہر ان دونوں نقطہ ہائے نظر کا درمیانی راستہ ہوگا۔ درحقیقت زکواۃ کے اموال کی تقسیم کے تعین سے پہلے

Marfat.com

یہ جائزہ لینا قرینِ عقل و منطق ہے کہ اس وقت زکوٰۃ کے مستحقین کتنے، اور کونسے، اقسام میں سے ہیں۔ سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۶۰ سے ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ، خواہ مستحقین کی تمام آٹھ اقسام موجود ہوں یا نہ ہوں، اور انفرادی مستحق کی ضروریات کچھ بھی ہوں، اموالِ زکوٰۃ تمام اقسام و مدات میں برابر تقسیم کرنا ضروری ہیں۔ فرض کیا کہ ایک علاقے میں زکوٰۃ کے عاملین میں سے زکوٰۃ کا کوئی مستحق نہیں ہے۔ سب ہی رضائے الٰہی کے لیے بلا معاوضہ کام کرتے ہیں۔ اور کوئی مقروض بھی نہیں ہے۔ اور نہ ہی غلام یا جنگی قیدی، یا "مؤلفۃ قلوبہم" کے ذیل میں آتے ہیں، تو ایسی حالت میں کوئی معقول سبب نہیں ہے کہ اس علاقے میں مستحقین کی جو اقسام واقعی موجود ہیں، زکوٰۃ کے موجودہ اموال کی زیادہ مقدار ان کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ نہ کی جائے۔ البتہ یہ بھی ضروری نہیں کہ زکوٰۃ کے تمام موجود اموال بلا ضرورت بھی ان پر خرچ کر دیئے جائیں۔

دوسری طرف، سورۃ التوبہ کی مذکورہ آیت نمبر ۶۰ سے یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ، عام حالات میں، زکوٰۃ کے اموال کا ایک حصہ لازمی طور پر محفوظ رکھا جائے۔ تاکہ وہ آئندہ اتفاقی مستحقین کے استعمال میں آسکے، خواہ مستحقین کسی قسم یا حصے سے تعلق رکھتے ہیں۔

زکوٰۃ کے اموال میں سے امداد کی نوعیت اور مقدار ہر انفرادی مستحق کے خصوصی حالات اور تقاضوں کے مطابق ہونا چاہیئے۔ مثلاً ایک گاؤں، یا زرعی علاقوں میں رہنے والے حاجتمند مسلمانوں کو زکوٰۃ کے اموال میں سے امداد ترجیحاً پالتو مویشی، اناج، یا دوسری زرعی پیداوار کی شکل میں دی جائے گی۔ کیونکہ عام طور پر یہی ضرورت کی چیزیں ہوتی ہیں۔ اور زرعی علاقوں کے زکوٰۃ کے مراکز میں اموالِ زکوٰۃ عموماً اس شکل میں موجود بھی ہوتے ہیں؛ حالانکہ ایک شہری نقد رقوم کی شکل میں زکوٰۃ کی امداد لینا پسند کرے گا۔ جو شہروں کے زکوٰۃ کے مراکز میں عموماً موجود ہوتی ہے؛ اور مقروض بھی عموماً نقد رقوم کی

Marfat.com

صورت میں زکوٰۃ کے اموال میں سے امداد کو ترجیح دیتا ہے۔

فقہائے کرام اصولاً اس بات کو درست نہیں سمجھتے کہ کسی عارضی یا اتفاقی مستحق کو زکوٰۃ کی امداد میں سے یک مشت اتنی مقدار یا مالیت دے دی جائے جو بجائے خود حدِ نصاب کے برابر یا اس سے زائد ہو۔

جہاں تک مستقل مستحقین زکوٰۃ کا تعلق ہے، انہیں سال بھر کی رسد دے دینی چاہیئے۔ جس سے وہ ایک شائستہ لیکن سادہ معیارِ زندگی برقرار رکھ سکیں۔

اور آخری بات یہ ہے کہ زکوٰۃ کے اموال میں سے جو رقوم یا مقدار دوسرے مقاصد کے لیے مختص کی جائیں (مثلاً مستحق مسلمانوں کے لیے ہسپتال، ڈسپنسریاں، اسکول وغیرہ، بنانے یا عمارات کرائے پر لینے، اور ان کو ساز و سامان سے آراستہ کرنے کے لیے) وہ ہمیشہ اس بنیاد پر ہونی چاہیئے کہ:

(۱) زکوٰۃ کے ان اموال کی رقوم یا مقدار سے زیادہ اہم انفرادی ضروریات کو پورا کرنا ہے یا نہیں۔ اور

(۲) تمام انتہائی اہم انفرادی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد کیا زکوٰۃ کے باقی اموال مروجہ مزدوری، اور تعمیر یا کرائے، اور ساز و سامان کی پوری قیمت ادا کرنے کے لیے کافی ہیں یا نہیں۔

زکوٰۃ پر ہر حاجتمند مسلمان کا ایک ناقابلِ انکار اور ناقابلِ تنسیخ حق ہے۔ اور قرآن پاک مسلم معاشرے میں غریب کو ایک مستقل مسئلہ بننے سے روکنے کے لئے مؤثر تحفظات مہیا کرنا نہایت اہم اور ضروری سمجھتا ہے، ہر مسلمان کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ جب وہ زکوٰۃ کے اموال میں سے استفادہ کرنے کا واقعی مستحق ہو تو وہ بھی یہ فائدہ پوری ایمانداری سے حاصل کرے جو، زکوٰۃ کے ذریعے، اللہ تعالیٰ نے اسے مرحمت فرمایا ہے۔

جو لوگ زکوٰۃ سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں، ان پر واجب ہے کہ وہ اپنے

Marfat.com

ضمیر کی بے لاگ آواز کے مطابق خود فیصلہ کریں کہ آیا واقعی وہ زکوٰۃ کا مطالبہ کرنے، یا اسے قبول کرنے میں حق بجانب ہیں۔ اور اگر وہ واقعی مستحق ہیں، تو ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ، زکوٰۃ کے اموال میں سے لی ہوئی دولت کے صحیح استعمال کے لیے، اللہ تعالیٰ اور اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے جوابدہ ہیں۔

زکوٰۃ کے مستحقین کو اس حقیقت سے پوری طرح باخبر رہنا چاہیئے کہ اپنی غربت کی حالت سے ناجائز فائدہ اُٹھانا، یا لی ہوئی زکوٰۃ کو ناجائز طریقے سے استعمال کرنا، بھی ان کے لیے انتہائی گناہ، اور سزا کے لائق عمل، ہے جتنا کہ زکوٰۃ کی عدم ادائیگی، یا کم ادائیگی، کا عمل قابل مواخذہ ہے۔

رسول کریمؐ نے بہت سخت الفاظ میں مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے کہ وہ محض اپنے دنیاوی اثاثے میں اضافہ کے لیئے بغیر استحقاق دوسروں کی دولت میں سے کچھ حاصل نہ کریں، مندرجہ ذیل حدیث اس بارے میں بہت واضح ہے۔

> حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص لوگوں کے اموال میں سے کچھ لینے کے لیے دستِ سوال اس لیئے دراز کرتا ہے کہ (اس کی اپنی دولت) بڑھ جائے، تو وہ آگ کا انگارہ طلب کرتا ہے (جو اس کو بالکل جلا کر خاکستر کر دے گا۔) خواہ وہ تھوڑی دولت کے لئے سوال کرتا ہے یا زیادہ کے لئے۔
>
> (روایت امام مسلم)

تاہم، جب ایک مسلمان خواہ مرد ہو یا عورت پوری طرح مطمئن ہو کہ وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ بیت المال سے زکوٰۃ کی مد میں اتنی امداد یا اعانت حاصل کرے جس کی اسے ضرورت ہے۔

اسی طرح، اگر زکوٰۃ کے عاملین کو معلوم ہو کہ ایک حاجت مند مسلمان سخت معاشی مشکلات سے دو چار ہے، اور ان کی وساطت سے اس شخص کو،

Marfat.com

اس کے طلب کیے بغیر زکوٰۃ دے دی جائے، تو اسے جھوٹے وقار کی آڑ میں زکوٰۃ لینے سے انکار نہیں کرنا چاہیئے۔

زکوٰۃ کے لیے درخواست کرنے، یا زکوٰۃ قبول کرنے سے کسی طرح بھی انسانی وقار اور مرتبہ میں کمی نہیں آتی۔ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرّر کردہ انتظام ہے، جو اس کے حکم کے مطابق ضرورت مندوں کو ادا کی جاتی ہے۔ لہٰذا جھوٹے وقار کی بنا پر زکوٰۃ لینے سے انکار کرنا کوئی نیکی نہیں ہے، اسلامی معاشرے کے حصار میں افلاس و محرومی سے نجات پانے، اس پر قابو پانے، اور اسے ختم کرنے کے لئے نظامِ زکوٰۃ کی کامیابی، زکوٰۃ دینے والوں، زکوٰۃ کے مستحقین، اور زکوٰۃ کے عاملین سب ہی کے صحیح ذہنی رویہ اور درست طرزِ عمل پر منحصر ہوتی ہے۔

ماضی میں، حکومتوں کے مختلف محکموں اور شعبوں میں اس حد تک بد عنوانی اور رشوت پھیل گئی تھی کہ مسلمانوں میں ان کے بارے میں بے اعتمادی اور شکوک و شبہات پیدا ہو گئے اور ریاست کی نگرانی میں زکوٰۃ کی جمع اور تقسیم کے نظام پر انہیں اطمینان نہیں رہا۔ اس بناء پر ادارۂ زکوٰۃ کے تنظیمی ڈھانچے کی تشکیل نو میں اس بات کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اور زکوٰۃ کے ذمّہ دار عاملین کے ذریعے ہر قسم کی بدعنوانی کا، انسانی امکان کی حد تک پورا تدارک کرنا چاہیئے۔

قانونِ زکوٰۃ کے دوسرے تمام پہلوؤں کی طرح، نو تشکیل شدہ ادارۂ زکوٰۃ کے تنظیمی ڈھانچے کا جوہر ہمارے زمانے میں بھی وہی رہنا چاہیئے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترتیب دیئے ہوئے سادہ اور مؤثر تنظیمی ڈھانچے کا تھا، موجودہ زمانے کے حالات و تقاضوں کے پیش نظر، نظام زکوٰۃ کی تفصیلات مرتب کرتے ہوئے ان میں بھی قرنِ اوّل جیسی سادگی اور اہلیت و کارگزاری کا اہتمام کر لیا جائے اور امکانی حد تک، کڑی نگرانی کیجائے

Marfat.com

کہ زکوٰۃ کا ادارہ بدعنوانی اور ناجائز استعمال سے قطعی طور پہ پاک رہے۔

اسی نقطۂ نظر سے آئندہ صفحات میں رسول کریمؐ اور فقہائے اسلام کے بنائے ہوئے زکوٰۃ کے اصل قوانین درج کئے گئے ہیں، اور ان کی تفصیلات پیش کر کے، پوری کوشش کی گئی ہے کہ یہ موجودہ زمانے کی ضروریات و احتیاجات کو اطمینان بخش طریقے سے پورا کر سکیں۔

Marfat.com

انصرام زکوٰۃ کے قوانین

ادارۂ زکوٰۃ کی تنظیم

۱۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۱۰۳ اور معتبر احادیث میں رسولِ کریمؐ کی بیان شدہ ہدایات کے مطابق، ادارۂ زکوٰۃ کو مسلم معاشرے میں منظم اور موثر طور پر وجود میں آنا چاہیئے۔ اس ادارہ کی ذمہ دارانہ نگرانی مختلف مسلم حکومتوں، یا ان کی طرف سے قائم کی ہوئی مشترکہ بین الاقوامی مسلم مجلس، کے اہتمام میں ہونی چاہیئے۔ سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۱۰۳ میں ارشاد ہے۔

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ‌ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ○

(اے پیغمبر!) تم ان (مالدار مسلمانوں) کے مالوں میں سے صدقہ (یعنی زکوٰۃ) لے لو! اس سے تم ان کو پاک صاف کر دو گے۔ (ان کی طہارت اور تزکیہ ہو جائے گا) اور ان کے لیے دعا کرو۔ تمہاری دعا سے ان (کے دلوں) کو تسکین ہو گی۔ اور اللہ تو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

(۲) زکوٰۃ وصول کرنے، اور اسے مستحقین میں تقسیم کرنے کے لئے، زکوٰۃ کے مراکز مسلم علاقوں کے تمام دیہات و قصبات، اور شہروں میں قائم کیے جائیں۔

Marfat.com

(۳) رسولِ کریمؐ کی حیاتِ طیبہ میں، زکوٰۃ کے انتظام و انصرام کا سارا کام مسجد میں انجام دیا جاتا تھا، چونکہ مسجد تمام مسلمانوں کے لیے، خواہ وہ مقامی ہوں یا غیر ملکی، خدا کا مقرر کیا ہوا مرکز ہے۔ اس لیے بہتر بات یہی ہے کہ آج بھی رسولِ کریمؐ کے اس طرزِ عمل کی پیروی کی جائے اور زکوٰۃ کے مختلف مراکز کو حسبِ ذیل طریقے سے قائم کیا جائے۔

(الف) تمام مسلم ممالک کی زکوٰۃ کا مرکزِ اعلیٰ ایسے مقام کی جامع مسجد کے ساتھ بلا واسطہ ملحق ہونا چاہیئے جس پر سب مسلمان متفق ہوں، اور جو ان کے لیے مشترک مرکز ہے، جیسے مدینہ منورہ۔ زکوٰۃ کے اس مرکزِ اعلیٰ کو تمام مسلم حکومتوں کے علاقوں میں قائم شدہ مرکزِ زکوٰۃ کی نگرانی کا اختیار ہونا چاہیئے۔

ب: اسی طرح ہر مسلم ملک کی زکوٰۃ کے قومی مرکز کو اس ملک کے دارالحکومت کی جامع مسجد کے ساتھ بلا واسطہ ملحق ہونا چاہیئے! اور اس کو اس ملک میں زکوٰۃ کے تمام قائم شدہ مراکز کی نگرانی کا اختیار ہونا چاہیئے۔

ج: ہر صوبائی انتظامیہ کی زکوٰۃ کے مراکز کو صوبائی دارالحکومت کی جامع مسجد کے ساتھ بلا واسطہ ملحق ہونا چاہیئے، اور اس کو صوبہ میں زکوٰۃ کے قائم شدہ مراکز کی نگرانی کا اختیار ہونا چاہیئے۔

د: اسی طرح ضلعی انتظامیہ کی زکوٰۃ کے مرکز کو ضلع کے صدر مقام کی جامع مسجد کے ساتھ بلا واسطہ ملحق ہونا چاہیئے، اور اس کو ضلع میں زکوٰۃ کے تمام قائم شدہ مراکز کی نگرانی کا اختیار ہونا چاہیے۔

(و) زکوٰۃ کا ایک ذیلی مرکز ہر محلے میں قائم ہونا چاہیئے، اور محلے کا پورا علاقہ اس کے حدودِ کار میں شامل ہونا چاہیئے، زکوٰۃ کا ہر ذیلی مرکز محلے کی مسجد کے ساتھ بلا واسطہ ملحق ہونا چاہیئے۔ اسی طرح تمام شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں مناسب انتظام کیا جائے۔

Marfat.com

زکوٰۃ کے عاملین کا تعین

(۴) مرکزِ اعلیٰ سے لے کر ذیلی مرکز تک زکوٰۃ کے ہر مرکز پہ ایک معتبر عامل کو مقرر کیا جائے۔ ان عاملین کو "عاملین کے رؤساء" (چیئرمین) کہا جاتا ہے۔ یہ مسلم عوام ریاست، دونوں، کے سامنے اپنے اپنے مراکز کے صحیح انتظام و انصرام کے لیئے بلا واسطہ ذمہ دار و جواب دہ ہیں۔

(۵) زکوٰۃ کے عاملین کو (جن میں عاملین کے رؤساء بھی شامل ہیں)، عام رضامندی سے چنتے ہوئے، یا مقرر کرتے ہوئے، مقامی باشندوں کو ترجیح دینی چاہیئے۔ اور، ہر صورت میں اس عمل کے لیے کسی مسلمان کے چننے یا مقرر کرنے کی اہم ترین شرط ہے کہ اس کا تقویٰ اور دیانت پورے معاشرے میں مسلّم ہو۔

زکوٰۃ کے حصول کا طریقہ

(۶) ہر محلے میں زکوٰۃ کا ذیلی مرکز اپنے اس محلے میں رہنے والے مالدار مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کرے۔

(۷) ادارۂ زکوٰۃ کی کارکردگی میں اس کے تمام متعلقہ لوگوں خاص طور پر زکوٰۃ دینے والے، زکوٰۃ وصول کرنے والے، زکوٰۃ کی تقسیم کرنے والے، اور مستحقین کی طرف سے اسلام سے وفاداری، حسن اخلاق، شائستگی و دیانت کے اعلیٰ ترین معیار کو برقرار رکھا جانا چاہیئے۔

قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات میں دیئے ہوئے حکم کے مطابق، زکوٰۃ دینے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مقدس فرض کی ادائیگی برضا و رغبت، حسن نیت اور خلوص سے کرے۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ
مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج
وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ

Marfat.com

وَّمَغۡفِرَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ صَدَقَةٍ يَّتۡبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِىٌّ
حَلِيۡمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِكُمۡ
بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰى ۙ كَالَّذِىۡ يُنۡفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ
وَلَا يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفۡوَانٍ
عَلَيۡهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلۡدًا ؕ لَا يَقۡدِ
رُوۡنَ عَلٰى شَىۡءٍ مِّمَّا كَسَبُوۡا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ
الۡكٰفِرِيۡنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمُ ابۡتِغَآءَ
مَرۡضَاتِ اللّٰهِ وَتَثۡبِيۡتًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ كَمَثَلِ جَنَّةٍ ۢ بِرَبۡوَةٍ
اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتۡ اُكُلَهَا ضِعۡفَيۡنِ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يُصِبۡهَا
وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ۝

جو لوگ راہ خدا میں اپنا مال صرف کرتے ہیں اور اس کے بعد نہ احسان دھرتے ہیں نہ ایذا پہنچاتے ہیں۔ خدا کے پاس ان کو ان کے دیے کا بدلہ ملے گا۔ نہ کسی قسم کا خوف ہوگا نہ حزن و ملال ۝ اچھی بات کہنا اور مغفرت وخطا پوشی کرنا ایسے صدقے (اور خیرات) سے بہتر ہے۔ جس کے بعد ایذا (اور درشت گوئی) ہو۔ اور اللہ غنی ہے، حلیم ہے ۝ اے ایمان والو! تم اپنی نیکیوں کو برباد نہ کرو (اکارت جانے نہ دو) احسان دھر کر، ایذا پہنچا کر۔ جیسے کسی نے دکھاوے کو خیرات کی، نہ اس کو خدا پر ایمان نہ آخرت کا یقین۔ اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک چکنا پتھر۔ کہ اس پہ تھوڑی سی مٹی ہو اور پھر اس پہ موسلا دھار بارش پڑ جائے پھر وہ (مٹی بہہ جانے سے) پہلے جیسا چکنا پتھر رہ جائے (ایسے لوگوں کو) اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہیں لگتی (یعنی اس سے ان کو کچھ نہیں مل سکتا) اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا ۝ اور جو لوگ

خدا کی رضا جوئی اور اپنا اعتقاد اور نیت برقرار رکھنے کے لیے اپنا مال خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال ایسے باغ کی ہے جو نرم اور بلند زمین پر واقع ہو۔ اس پر زور دار بارش پڑے تو وہ دوچند پھل دے اور پھر اگر زور دار بارش نہ بھی پڑے تو اوس ہی کافی ہے اور اللہ تم جو کچھ کر رہے ہو اس کو دیکھ رہا ہے ۝

(البقرۃ ، آیات ۲۶۲ تا ۲۶۵)

مندرجہ ذیل احادیث سے بھی واضح ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کو دیانت اور خوش خلقی کا ثبوت دینا چاہیے۔

حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے پاس زکوٰۃ وصول کرنے والا عامل آئے، تو ایسی حالت میں لوٹ کر جائے کہ وہ تم سے (یعنی تمہارے اس رویے سے، جس سے تم نے زکوٰۃ کا مقدس فریضہ ادا کیا ہے) مطمئن و راضی ہو۔

(روایت امام مسلم)

ہمیں ابو کامل فضیل بن حسین الجحدری نے بتایا (کہ) ہمیں عبدالواحد بن زیاد نے بتلایا (کہ): ہمیں محمد بن ابی اسماعیل نے بتلایا (کہ): ہمیں عبدالرحمن بن ہلال العبسی نے۔

حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ کے حضور میں عربوں میں سے کچھ لوگ آئے اور انہوں نے عرض کی: (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) زکوٰۃ وصول کرنے والوں میں سے کچھ لوگ ہمارے پاس آکر ہم پر ظلم کرتے ہیں۔ اس پر (جریر بن عبداللہ) کے قول کے مطابق رسول اللہ نے فرمایا (تمہیں چاہیے کہ اپنی زکوٰۃ پوری طرح اور شرح صدر سے ادا کرکے)

اپنے زکوٰۃ وصول کرنے والے عاملین کو مطمئن کرو۔ حضرت جریر کہتے ہیں کہ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سُنی ہے، ہر ایک زکوٰۃ وصول کرنے والا (میری دولت پر واجب الادا زکوٰۃ وصول کر کے) میرے پاس سے ہمیشہ خوش و مطمئن اور راضی ہو کر گیا ہے۔

(روایت امام مسلم)

اسی طرح، زکوٰۃ کے عاملین کا بھی یہ فرض ہے کہ زکوٰۃ دینے والوں سے معاملات کرتے ہوئے، اور زکوٰۃ کے مستحقین میں اموال زکوٰۃ تقسیم کرتے ہوئے انتہائی خوش اخلاقی، حسن سلوک اور دیانت کا ثبوت دیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ وصول کرنے کے بارے میں حکم دیا گیا ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○

(پیغمبر!) تم ان کے مالوں میں سے صدقہ (فرض، یعنی زکوٰۃ) لے لو۔ اس سے تم ان کو پاک صاف کر دو گے۔ (ان کی طہارت اور تزکیہ ہو جائے گا۔) اور ان کے لئے دُعا کرو۔ تمہاری دُعا سے ان کے دلوں کو تسکین ہو گی اور اللہ تو سب کچھ سنتا ہے اور جانتا ہے۔

(التوبہ، آیت ۱۰۳)

اس قرآنی حکم پر عمل کر کے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک عمدہ مثال دی ہے کہ، زکوٰۃ قبول کرتے ہوئے، آپؐ زکوٰۃ دینے والے کو دُعا دے کر اللہ تعالیٰ سے رحمتوں کے، ایسے الفاظ میں طالب ہوتے تھے: اے اللہ تعالیٰ، اس (زکوٰۃ دینے والے) کو نعمت عطا کر اور اس کے مال میں

Marfat.com

برکت دے" یا: "اے اللہ تعالیٰ، اس (زکوٰۃ دینے والے) کی مغفرت فرما اور اس کی زکوٰۃ کو قبول فرما" یا: "اے اللہ تعالیٰ، اس (زکوٰۃ دینے والے) پر رحمت فرما، اور جو اس کے نقشِ قدم پر چلتا ہے، اس پر بھی رحمت فرما۔

مندرجہ ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے پیروکاروں سے زکوٰۃ وصول کرنے کا طریقۂ کار (یعنی آپؐ کی سنّت) کیا تھا۔

حفص بن عمر نے ہمیں بتلایا، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے عمرو سے، اور انہوں نے عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت ہے کہ جب لوگ اپنا صدقہ (فرض، یعنی زکوٰۃ) لے کر (نبیؐ کے پاس) آتے تھے، تو نبیؐ یہ فرمایا کرتے تھے کہ! "اے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنے والوں پر رحمت فرما" چنانچہ جب میرے والد حضورؐ کے پاس اپنا صدقہ (فرض، یعنی زکوٰۃ) لے کر آئے تو آپؐ نے فرمایا: "اے اللہ تعالیٰ، ابو اوفیٰ کے نقشِ قدم پر چلنے والوں پر رحمت فرما۔"

(روایتِ امام بخاری)

عبداللہ بن اوفیٰ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب رسول اللہؐ کے پاس لوگ اپنا صدقہ (فرض، یعنی زکوٰۃ) لے کر آئے تو آپؐ فرمایا کرتے تھے: "اے اللہ تعالیٰ، ان لوگوں پر رحمت فرما" چنانچہ جب میرے والد ابو اوفیٰ اپنا صدقہ (فرض، یعنی زکوٰۃ) دینے کے لیے حضورؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے فرمایا: "اے اللہ تعالیٰ، ابو اوفیٰ کے نقشِ قدم پر چلنے والوں پر رحمت کر۔"

(روایت امام مسلم)

وائل بن حجر کی سند سے روایت ہے کہ ایک شخص نے زکوٰۃ میں ایک خوبصورت اونٹنی بھیجی، تو آپؐ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا: "اے اللہ تعالیٰ، اس کو نعمت عطا کر، اور اس کے اونٹوں میں برکت دے۔"

(روایت امام نسائی)

اسی طرح زکوٰۃ کے مستحقین کو، عاملینِ زکوٰۃ سے زکوٰۃ کا مطالبہ کرتے ہوئے یا حاصل کرتے ہوئے۔ اسلامی شائستگی اور وقار کے تمام اصولوں کو ملحوظ رکھنا بھی واجب ہے۔

زکوٰۃ کے مستحقین کو چاہیئے کہ اموالِ زکوٰۃ میں سے اپنا حصّہ لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، اور زکوٰۃ کے عاملین اور زکوٰۃ دینے والوں کے لیئے برکت و رحمت کی دعا کریں۔ ایسی دعا مناسب ہو گی: "میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں جو نہایت رحمت فرمانے والا اور مہربان ہے۔ اے اللہ تعالیٰ، جس نے زکوٰۃ دی ہے، اُسے بھی برکت دے، اور جو زکوٰۃ پر عاملین مقرر ہیں، انہیں بھی برکت دے۔"

اسلام ہر مسلمان سے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، غریب ہو یا امیر، یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کی معاشرتی نفاست و شائستگی سیکھے اور برقرار رکھے۔ تاہم اگر کوئی زکوٰۃ کا مستحق بدتہذیبی اور غیر شائستگی سے پیش آئے تو بھی اس کے طرزِ عمل کو بہانہ بنا کر اس کو زکوٰۃ دینے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ایسے تمام حالات میں رسولِ کریمؐ کی مثال ہمیشہ سب کے لیئے معیار ہونی چاہیئے، جنہیں ایک ایسے ہی غیر مہذب و ناشائستہ نومسلم سے واسطہ پڑا تھا۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ اُنہوں نے کہا: میں

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ چل رہا تھا۔ اور آپؐ نے ایک بھاری حاشیئے والی نجرانی عبا پہن رکھی تھی، کہ اتنے میں ایک بدو آپؐ کے پاس آیا اور اس نے آپؐ کی عبا کو زور سے جھٹکا دے کر کھینچا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی گردن کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ (بدو کے) زور سے کھینچنے سے عبا کے حاشیہ نے گردن پر نشان چھوڑ دیا ہے۔ پھر (اس بدو نے) کہا: اے محمدؐ! اللہ کا جو مال تیرے پاس پڑا ہے اس میں سے مجھے بھی حصّہ دو آپؐ نے اس کی طرف توجّہ کی اور ہنسے، پھر حکم دیا کہ زکوٰۃ کے اموال میں سے، اسے (کچھ حصّہ) دے دیا جائے۔

(روایتِ امام مسلم)

زکوٰۃ کی وصولی کا باقاعدہ اور مستقل نظام

(۸) کسی دولت پر زکوٰۃ کے نفاذ کی لازمی شرائط میں سے ایک ہے کہ مذکورہ دولت قانونی مالک کے قبضے میں پورا ایک سال رہے۔ اس بنیادی اصول کے نتیجے میں، چونکہ مختلف زکوٰۃ دینے والوں کے علیحدہ علیحدہ اموال پر زکوٰۃ ادا کرنے کی تاریخیں مختلف ہوں گی، اس لئے ضروری ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے سال کے دوران زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے برابر دورے کرتے رہیں، تاکہ جب کبھی کسی زکوٰۃ دینے والے پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہو جائے، وہ اپنی واجب الادا زکوٰۃ بلا تاخیر ادا کر سکے۔ اسی طرح یہ فائدہ بھی ہو گا کہ تمام سال کے دوران زکوٰۃ کے ہر ایک مرکز کو زکوٰۃ کے اموال کی آمدنی مسلسل ہوتی رہے گی۔

اس مقصد کے پیش نظر، اور زکوٰۃ وصول کرنے والوں کے نام میں آسانی کے لیے، محلے میں رہنے والے ہر صاحبِ نصاب کو چاہیئے کہ وہ خود باضابطہ اپنی قابلِ زکوٰۃ دولت کی نوع (چاندی سونا، نقد رقم، قیمتی پتھر، تجارتی سرمایہ

Marfat.com

زرعی پیداوار، پالتو مویشی وغیرہ) زکوٰۃ کے مقامی ذیلی مرکز کے عامل کارکن کو پہلے سے بتا دے، تاکہ بطور زکوٰۃ ادا کی ہوئی اشیاء کے باربرداری کا انتظام اس مقامی ذیلی مرکز تک بلا تاخیر اور سہولت سے کیا جا سکتا ہے۔

(۹) مسلم آبادی کی تعداد کے مطابق، ہر ایک زکوٰۃ وصول کرنے والا اپنے محلے، یا اس محلّے کے متعین حِصّے میں ہفتہ وار، یا ہر دو ہفتے میں ایک دفعہ، یا ماہانہ دورہ کرے، تاکہ متعدد حسابات کے قانون نمبر ۳ جزد کے چوتھے پراگراف کے مطابق، ہر زکوٰۃ وصول کرنے والا اپنے علاقے میں رہنے والے مسلمانوں کے گھر یا تجارتی مراکز میں مہینے میں کم از کم ایک مرتبہ جانے کی شرط کو پورا کر سکے۔

(۱۰) دولت کے مختلف انواع و اقسام پہ زکوٰۃ مندرجہ ذیل طریقے سے عائد کی جانی چاہیئے۔

(الف) متعدد حسابات کے قانون نمبر ۳، جزد کے چوتھے پراگراف کی رو سے زکوٰۃ وصول کرنے والے کو ہر صاحبِ نصاب کے ہاں مہینے میں کم از کم ایک دفعہ، اس کی دولت کے مندرجہ ذیل انواع و اقسام پہ، جن پہ زکوٰۃ واجب الادا ہو گئی ہو، یعنی جن کے سال ملکیت مکمل ہو گئے ہوں) نفاذ زکوٰۃ کے لیے دورہ کرنا چاہیئے: چاند، سونا، موتی، قیمتی پتھر، محفوظ سرمایے کے طور پہ رکھی ہوئی نقد رقوم۔ کرنسی نوٹ (اس میں اعلیٰ قیمت کے سکے بھی شامل ہیں جن میں سونا یا چاندی کی ملاوٹ نہیں ہے، لیکن جن کو کرنسی نوٹ ہی سمجھا جاتا ہے جو کاغذ کے بجائے دھات پہ چھپے ہوئے ہوتے ہیں)[ا] تجارت میں لگائی ہوئی رقم (اس میں جو رقوم کمپنی کے حِصّے کی صورت میں ہوں وہ بھی شامل ہیں) اور تجارتی سرمایہ، خواہ وہ نقد یا اشیاء کی صورت میں ہو۔

ب: چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی باقاعدہ سہ ماہی بنیاد پہ

[ا] ملاحظہ فرمائیں، کرنسی نوٹ کی زکوٰۃ کا قانون نمبر ۳۔

محسوب کردہ زکوٰۃ کے قوانین کی رو سے ، ایسے پالتو مویشیوں (بشمول چراگاہ میں چرنے والے پالتو گھوڑوں) پر زکوٰۃ کا حساب سال میں چار بار کیا جائے گا یعنی ہر سہ ماہی وقفہ گذرنے پر، جن مویشیوں پہ سال ملکیت مکمل ہو چکا ہو گا یہ وقفہ گذرتے ہی فوراً ان کی زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔

ج: قرآن پاک کے حکم: وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ "اور فصل کے روز اس کا حق ادا کرو" (آلانعام، آیت ۱۴۳) اور رسول کریم کی سنت یعنی حضورؐ کے طریق کار کے مطابق، زرعی پیداوار کی ہر قسم کی قابل زکوٰۃ انواع پر فصل کے کاٹنے، صاف کرنے، دبانے، اور یا سکھانے کے فوراً بعد، زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔

د: شہد اور خام ریشم پر سال میں دو دفعہ زکوٰۃ کے لیے حساب کیا جائے گا، جب کہ ہر موسم کی کل پیداوار کا پوری طرح علم ہو جائے گا۔

ز: قانوناً، عید الفطر کی زکوٰۃ (یعنی: فطرۃ) رمضان المبارک کے مہینے کسی وقت بھی وصول کی جا سکتی ہے۔ رسول کریمؐ کے دیئے ہوئے اصول کے مطابق، اس کی وصولی عید الفطر کے طلوع آفتاب تک، یعنی مسلمانوں کے نماز عید کے لیے نکلنے سے پہلے، ضرور مکمل ہو جانا چاہیے۔

(۱۱) زکوٰۃ کی وصولی میں زکوٰۃ دینے والوں اور زکوٰۃ کے عاملین، دونوں کا فرض ہے کہ وہ قابل زکوٰۃ دولت کی مختلف انواع و اقسام میں سے ہر ایک کا نصاب، زکوٰۃ کی فرضیت کی حدود، زکوٰۃ کی ادائیگی کی شرحیں، اور اس سے متعلق عام قوانین کا پورا احترام کریں، اور ان پہ سختی سے عمل کریں۔

اگر کوئی زکوٰۃ دینے والا، یا زکوٰۃ کا عامل، مذکورہ بالا انتہائی اہم اصول کی پابندی نہ کرے۔ تو زکوٰۃ کے بزرگ عاملین یا معاشرے کے دوسرے متقی اشخاص، یا دونوں، ہی اُسے پہلے سے سخت تنبیہ و فہمائش کریں۔ اگر تنبیہ و فہمائش اُسے راہ راست پر نہ لائے، تو ایسے فاسق کو مناسب سزا

Marfat.com

دی جائے گی، خواہ وہ زکوٰۃ دینے والا ہو یا زکوٰۃ کا عامل ہو۔

زکوٰۃ کے قوانین سے واقفیت کی ضرورت

۱۲: زکوٰۃ قرآن پاک کی طرف سے عائد اہم فرائض میں سے ایک ہے، اس لئے ہر مسلمان، مرد اور عورت، اور غریب اور امیر، پر واجب ہے کہ اُسے کم از کم قرآن پاک کی آیات اور رسول کریم کے مقرر شدہ زکوٰۃ کے بنیادی اصولوں اور قوانین کا صحیح اور پورا علم ہو۔

قانونِ زکوٰۃ کے بنیادی اصولوں کی تعلیم بھی مسلمانوں کو دی جانی چاہیئے بلکہ یہ ان کی عام تعلیم کا لازمی حصّہ ہونا چاہیئے۔ تمام مسلم ممالک کے نصاب تعلیم میں اسے ایک لازمی مضمون قرار دیا جانا چاہیئے۔

۱۳: زکوٰۃ کے تمام عاملین کو لازماً چاہیئے کہ وہ قانونِ زکوٰۃ کی تمام تفاصیل مکمل طور پر جانیں جو مرکزی اسلامی مجلس مقننہ (Lagislature) اور سارے مسلم ممالک کی اپنی اپنی مجلس مقننہ (Lagislalurcs) کے اتفاقِ رائے سے مرتب کی ہوئی ہوں۔

زکوٰۃ دینے والوں کے بارے میں عاملین زکوٰۃ کی ذمہ داری

۱۴: زکوٰۃ دینے والوں کو جب کبھی قانونِ زکوٰۃ میں کسی پیچیدگی یا الجھن کا سامنا ہو اور اس کے بارے میں ان کو وضاحت و مشورے کی ضرورت ہو، تو زکوٰۃ کے عاملین کا فرض ہے کہ وہ ان کی بات صبر و تحمّل سے سنیں، ایماندارانہ مشورہ دیں اور زکوٰۃ سے متعلق انکے تمام معاملات و واجبات کی درستگی سے ادائیگی میں نرمی و شفقت سے ان کی مدد کریں۔

زکوٰۃ سے متعلق کئی معاملات میں مشورہ و مدد کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ مثلاً قابلِ زکوٰۃ دولت کے تعیّن، سالِ ملکیت کے شمار، زکوٰۃ کے واجبات کے حساب، زرعی پیداوار کی پیمائش یا تول، قابلِ زکوٰۃ دولت کے تبادلے، قابلِ زکوٰۃ دولت کی مشترکہ ملکیت، وغیرہ کے بارے میں۔

Marfat.com

اگر زکوٰۃ کا کوئی عامل کسی زکوٰۃ دینے والے کو ایسا مطلوبہ مشورہ یا مدد دینے سے انکار کرے، تو زکوٰۃ کے بزرگ عاملین، یا معاشرے کے دوسرے متقی اشخاص، یا دونوں، اس کو سختی سے تنبیہ و فہمائش کریں۔ اگر اس کے بعد بھی زکوٰۃ کا مذکورہ عامل مطلوبہ معیارِ نظم وضبط کی پابندی نہ کرے، تو اس کو سمجھا کر، ادارۂ زکوٰۃ کے عمل سے، ملامت کے ساتھ، فوراً برخواست کر دینا چاہیئے۔

۱۵: زکوٰۃ کے عاملین کو زکوٰۃ دینے والے اپنی قابلِ زکوٰۃ دولت کے بارے میں جو کچھ معلومات مہیا کریں، انہیں قطعی طور پر ایسی اطلاع سمجھنا چاہیئے جو غیر مجاز شخص سے مخفی رکھی جائے گی، خصوصاً غیر ظاہر دولت کے بارے میں ان کی طرف سے مکمل راز داری مطلقاً واجب ہے اگر زکوٰۃ کا کوئی عامل اس راز داری کی خلاف ورزی کرے، یا ایسی اطلاع کا بے جا استعمال کرے، تو وہ اپنے جرم کا پوری طرح ذمہ دار ہوگا۔ اور اُسے برطرف کر دیا جائے گا اور سختی سے سزا دی جائے گی۔

زکوٰۃ کے کسی عامل کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ کسی مسلم سے، خواہ وہ صاحبِ نصاب ہو یا نہ ہو اس کے خاص امور کے بارے میں بے جا سوالات پوچھے، بلکہ زکوٰۃ کے عامل کو چاہیئے کہ ہر مسلمان کے بیان کو قبول کرے کہ اس کو کتنی زکوٰۃ اور کس تاریخ پر ادا کرنی ہے، وہ صرف بد دیانتی کے ثبوت میں ہی، کسی صاحبِ مال کی املاک کے بارے میں تحقیق کروا سکتا ہے۔

دوہری رسیدوں کی ضرورت

۱۶: زکوٰۃ وصول کرتے وقت، زکوٰۃ کے وصول کرنے والے عاملین زکوٰۃ کے حاصل شدہ اموال کی ادارۂ زکوٰۃ سے تسلیم کردہ رسیدوں کی دوہری نقل تیار کر کے، اصلی رسید زکوٰۃ دینے والے کو دے دے گا۔ اور دوسری

Marfat.com

نقل مرکزِ زکوٰۃ کی مقامی شاخ کے ریکارڈ میں رکھے گا۔ دوہری رسید کا مقصد یہ ہے کہ

۱۔ کوئی زکوٰۃ دینے والا اس بہانے کی بنا پر اس نے اپنی واجب الادا زکوٰۃ زکوٰۃ کے کسی دوسرے عامل کو پہلے سے دے دی ہے، زکوٰۃ دینے سے انکار نہ کر سکے؛

۲۔ زکوٰۃ کے عاملین ایسی دولت جیسے زرعی پیداوار، شہد، خام ریشم، چاندی یا سونے کی کانوں کی بازیافت، دفینے اور مالِ غنیمت پر ایک سے زیادہ مرتبہ زکوٰۃ عائد نہ کر سکیں۔

۳: جس قسم کی دولت پر سال ملکیت لازمی شرط ہے، اس پر سال میں ایک سے زیادہ مرتبہ زکوٰۃ عائد نہ کی جائے۔

۴: زکوٰۃ کے جن عاملین کی نگرانی میں زکوٰۃ کے اموال ہیں، وہ اس میں خورد برد کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔

دوہری رسیدوں میں مندرجہ ذیل امور کی صراحت ہونی چاہیئے

الف: زکوٰۃ کی ادائیگی کی تاریخ

ب: زکوٰۃ دینے والے اور وصول کرنے والے، دونوں کے نام۔

ج: جس محلے میں ادائیگی ہوئی ہے، اس کے نام کے علاوہ، گاؤں، قصبہ، یا شہر، اور ملک کے نام بھی درج کیے جائیں گے۔

د: جس دولت پر زکوٰۃ عائد کی جا رہی ہے، اس کی صحیح نوعیت (یعنی پالتو مویشیوں کی نوع اور قسم؛ زرعی پیداوار کی نوع اور قسم، محفوظ سرمائے سے وصول شدہ زکوٰۃ کی قسم (چاندی یا/اور سونا (غیر صنعت شدہ صنعت شدہ، یا سکوں کی شکل میں)، کرنسی نوٹ)؛ قیمتی پتھر کی قسم؛ تجارتی سرمائے سے وصول شدہ زکوٰۃ کی قسم (اشیائے تجارت یا نقد رقم)؛ دفینے کی نوع اور قسم وغیرہ۔

Marfat.com

ہ: جس دولت پر زکوٰۃ عائد کی جارہی ہے، اس کی صحیح مقدار، مالیت، یا تعداد، اور ادا کردہ زکوٰۃ کی صحیح مقدار، مالیت، یا تعداد، اگر وصول شدہ زکوٰۃ قیمتی پتھر کی شکل میں ہو، تو ان کی تفصیل درج کی جائے گی۔

و: جب قابل زکوٰۃ دولت زرعی پیداوار، چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشی، اشیائے تجارت وغیرہ ہوں، تو رسید میں یہ بھی لکھا جائے گا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اشیاء کی شکل میں کی گئی ہے یا نقد رقم کی شکل میں کی گئی ہے۔

ز: دونوں رسیدوں (یعنی اصلی اور نقل) ادارہ زکوٰۃ کی تسلیم شدہ مہر ثبت ہونے کے علاوہ، زکوٰۃ دینے والے اور زکوٰۃ وصول کرنے والے، دونوں، کے دستخط بھی ہونے چاہئیں۔

دوہری رسیدوں کی وجہ سے، مسلم عوام اور زکوٰۃ کے عاملین، دونوں، زکوٰۃ کی آسانی سے اور عملی طریقے سے، سخت نگرانی اور محاسبہ کر سکیں گے۔

۱۱: قابلِ زکوٰۃ دولت کی ہر نوع کے لیے الگ الگ دوہری رسید بنائی جانی چاہیے۔ مثلاً اگر ایک قانونی مالک کے پاس بھینس اور گائے بیل بھی ہوں جن پر سال ملکیت کا ایک ہی شمار چل رہا ہے، تو قانونِ زکوٰۃ کے نقطہ نظر سے یہ ایک ہی نوع ہونے کے سبب، ان پر واجب الادا زکوٰۃ کی مجموعی تعداد کے لیے ایک ہی دوہری رسید کاٹی جائے گی۔ لیکن اگر قانونی مالک کے بھیڑیں اور گائے بیل ہوں، جن پر سال ملکیت کا ایک ہی شمار جاری ہو، تو ان کی زکوٰۃ کے واجبات کی وصولی پر دو الگ دہری رسیدیں زکوٰۃ کی ادائیگی پر بنائی جائیں گی۔

اسی طرح چاندی، سونا، کرنسی نوٹ، اور اشیائے تجارت کی واجب الادا زکوٰۃ کی مجموعی مالیت پر ایک ہی دہری رسید بنائی جائے گی۔ بشرطیکہ ان پر سال ملکیت کا ایک ہی شمار ہو، لیکن اگر ایک قانونی مالک ایک ہی فصل میں زرعی پیداوار کی دو، یا دو سے زیادہ، انواع، مثلاً اناج اور

Marfat.com

والیں، حاصل کرتا ہے۔ تو ان کی زکوٰۃ پر الگ الگ دوہری رسیدیں بنائی جائیں گی۔

۱۸: زکوٰۃ وصول کرنے والوں کے تحفظ، اور حساب درست رکھنے کے لیے جب زکوٰۃ کے وصول شدہ اموال مرکز زکوٰۃ کی فرع کو سپرد کریں تو انہیں بھی ایک ادارۂ زکوٰۃ سے تسلیم شدہ رسید دے دی جائے گی۔

زکوٰۃ کی تعداد کا اندازہ کرنا، اور اس کی متناسب ادائیگی

۱۹- ایک ہی قانونی مالک کے پاس موجود قابلِ زکوٰۃ دولت کی ایک ہی نوع کی مقدار، مالیت یا تعداد پر قابلِ وصول زکوٰۃ کا اندازہ کرتے ہوئے، یہ پیشِ نظر رکھا جائے گا کہ ایک ہی مالک کے دائرۂ اختیار میں اس کے پاس نوع کی دولت کا مجموعہ نصاب سے کم نہ ہو؛ اور اگر متعلقہ نوع پر زکوٰۃ عائد ہونے کے لیے سالِ ملکیت لازمی شرط ہے، تو یہ بھی دیکھا جائے گا کہ آیا اس مجموعہ پر سالِ ملکیت کے ایک یا مختلف علیحدہ شمار جاری ہیں۔

جب ایک ہی مملکت میں مختلف علاقوں میں ایک قانونی مالک کی ایک ہی نوع کی موجود دولت پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ خواہ الگ الگ مقامات پر اس کی مقدار، مالیت یا تعداد اپنے لیے مقرر شدہ نصاب کے کم از کم برابر ہو یا نہ ہو، تو زکوٰۃ کی ادائیگی مختلف علاقوں میں موجود دولت کی نسبت سے کی جائے گی۔

ایسی صورت میں، زکوٰۃ کی صحیح صحیح ادائیگی کی ذمہ داری پوری طرح زکوٰۃ دینے والے، یعنی دولت کے قانونی مالک، پر ہے، کیونکہ وہی مختلف علاقوں میں اپنی دولت کی صحیح مقداروں سے واقف ہوتا ہے۔

تاہم زکوٰۃ دینے والے کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر اس علاقے کے جس میں اس کی اپنی قابلِ زکوٰۃ دولت ہے، زکوٰۃ کے عاملین کو پوری حقیقت سے خود آگاہ کرے، جب کبھی، قانونِ زکوٰۃ کی رو سے، مذکورہ دولت دوسرے

Marfat.com

علاقوں میں اسی نوع کی دولت کا ایک حصہ ہو جس کا کل مجموعہ مقررشدہ نصاب کے کم از کم برابر ہے۔

غیر ظاہر دولت کی تحقیق

۲۰: عام حالات میں، زکوٰۃ کے عاملین کو یہ حق قطعی حاصل نہیں ہے کہ مسلمان عوام کی غیر حاضر دولت کی جبراً تحقیق کریں۔

زکوٰۃ وصول کرنے والے کو زکوٰۃ دینے والوں کی وفاداری اور دیانت پر اعتماد کرنا چاہیئے۔ البتہ جس وقت زکوٰۃ دینے والا خود زکوٰۃ کے عاملین سے اپنی غیر ظاہر دولت پر زکوٰۃ کی فرضیت کا تخمینہ کرنے اور حساب لگانے میں مدد کی درخواست کرے، تو زکوٰۃ کے عاملین پر ایسی مدد دینا فرض ہے۔

لیکن جب کبھی واضح طور پر ثابت ہو جائے کہ ایک مسلمان زکوٰۃ کی فرضیت سے بچنے کے لیے اپنی قابل زکوٰۃ دولت بدنیتی سے چھپا رہا ہے، تو خاص اختیارات کے حامل عاملین زکوٰۃ ایسے مجرم کو زیر تفتیش لاکر، بزور قانون اس سے واجب الادا زکوٰۃ وصول کریں گے۔ اور اگر معاملے کی نوعیت سنگین ہو تو ایسے مجرم کو سزا بھی دی جائے گی۔

ظاہری دولت کی تحقیق

۲۱: عام حالات میں زکوٰۃ کے عاملین ظاہری دولت کے بارے میں تحقیق کر سکتے ہیں۔ لیکن ایسی تحقیق جس کا اصل مقصد ظاہری دولت زرعی پیداوار، چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشی، نقد رقوم اور اشیائے تجارتی سرمایہ یا چاندی اور سونے کی کانوں کی یافت) سے وصول ہونے والی زکوٰۃ کا تخمینہ کرنا ہے۔ لیکن متعلقہ ظاہری دولت کی ایسی تحقیق کرتے ہوئے قانونی مالک کو قطعی تنگ و پریشان نہ کیا جائے، بلکہ اس سے نہایت خوش اخلاقی سے پیش آیا جائے۔

غیر ظاہر دولت کی طرح، اگر ظاہری دولت کے قانونی مالک کے بارے میں یہ واضح طور پر ثابت ہو جائے کہ وہ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے اپنی دولت کو

Marfat.com

بدنیتی سے چھپا رہا ہے۔ تو خاص اختیارات کے حامل عاملین زکوٰۃ اس مجرم کو زیرِ تفتیش لاکر، بزورِ قانون اس سے زکوٰۃ کے واجبات وصول کریں گے اور اگر معاملے کی نوعیت سنگین ہو، تو مجرم کو سزا دی جائے گی۔

زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار

۲۲: اگر کوئی دعوائے اسلام کرنے والا شخص، جو علانیہ طور پر صاحبِ نصاب ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی سے علی الاعلان انکار کرتا ہے، تو زکوٰۃ کے عاملین، اور معاشرے کے دوسرے متقی افراد، کو چاہیے کہ وہ سب اُسے سخت فہمائش و تنبیہ کریں۔

اگر یہ بھی کارگر نہ ہو، تو خاص اختیارات کے حامل عاملینِ زکوٰۃ کو چاہیے کہ ایسے نافرمان اور سرکش کی دولت کو زیرِ تفتیش لائیں، اور اگر اس کے ذمّہ زکوٰۃ کے واجبات بنتے ہیں، تو انہیں بزورِ قانون وصول کریں۔ اور اگر معاملے کی نوعیت سنگین ہو، تو اس نافرمان کو سزا دی جائے گی۔

اگر ایسا نافرمان قرآن پاک کے قانونِ زکوٰۃ کے خلاف اپنی زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر مُصر رہے، تو اسے قانونِ اسلام کے ممتاز ماہرین پر مشتمل ایک خاص کمیٹی کے سامنے پیش کرنا چاہیے، جو اس کے اس رویّے کا محرک دریافت کرنے کی کوشش کرے۔ اگر اس خاص کمیٹی کی تفتیش سے یہ ثابت ہو جائے کہ متعلقہ شخص دیدہ و دانستہ قرآن پاک کے احکام کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو اسے مرتد قرار دیا جائے۔ اور جب تک وہ اپنی مرضی سے دینِ اسلام کی طرف نہ لوٹے، اور قرآن پاک کے تمام قوانین کی پوری اور برضا و رغبت اطاعت نہ کرے، اسے اسلامی عدالت کے سپرد کر دیا جائے جو، اس کے پورے مقدمے کو پیشِ نظر رکھ کر اس کے بارے میں مناسب فیصلہ کرے۔

مندرجہ ذیل حدیث سے بھی، جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے، ثابت ہوتا ہے کہ سرکش لوگوں سے ان کی غیر ادا شدہ واجب الادا زکوٰۃ

Marfat.com

بزورِ قانون وصول کرنی ہوگی۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ:
جو لوگ رسول اللہؐ کے عہد میں زکوٰۃ دیا کرتے تھے، حتیٰ کہ
صرف ایک "عناق"[1] (یعنی بکری کا ایک سال کا بچہ) بھی دیتے
تھے، اور اب (زکوٰۃ ان کے ذمہ واجب ہوتے ہوئے یہ
معمولی سی چیز) دینے سے انکار کریں[2]، تو ان کے انکار پر
میں ان سے جنگ کروں گا۔ (لبعد ازاں) حضرت عمرؓ فرماتے
تھے: اس فیصلے کے بارے میں میں نے سمجھا کہ اللہ نے
ابوبکرؓ کے سینے کو ان کے خلاف محاربہ کرنے کے لیے کھول دیا
اور میں جان گیا ہوں کہ ان کا موقف مبنی بر حق تھا۔
(صحیح بخاری)

اس موقعے پر یہ ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں حضرت ابوبکرؓ نے "عناق" کا جو حوالہ دیا ہے، وہ کئی علماء کے مطابق "ایک سال کا" اور

---

[1] اکثر قدیم لغتیں "عناق" کے معنی "بکرے کا ایک سال کا بچہ" قرار دیتے ہیں، مگر کچھ اور لغتوں میں یہ معنی بھی ملتے ہیں کہ "عناق" کا مطلب بکری کا چار ماہ کا بچہ"، یا "ایک بکری یا برّہ کا نومولود بچہ" ہے لیکن صرف کے لحاظ سے پہلے معنی کو سب سے صحیح سمجھنا چاہیئے، اور دوسرے دو معنی مشتق معنی سمجھے ہوں گے۔ "تاج العروس" کی لغت کے مطابق "عناق" کا لفظ "زکوٰۃ کے دو سال کے واجبات" یا "زکوٰۃ کے ایک سال کے واجبات" کے ہم معنی بھی ہو سکتا ہے۔

[2] کچھ باغی قبائل نے خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا، اور حضرت ابوبکرؓ نے ان کے خلاف محاربہ کر کے ان کو معرکہ میں مغلوب کیا تھا۔

کئی دوسرے علماء کے مطابق "دودھ چھڑایا ہوا چار ماہ کا بکری کا بچہ ہے"؛ بالفاظ دیگر، حضرت ابوبکرؓ کا مقصد یہ تھا کہ زکوٰۃ کے واجبات کی اتنی کم تعداد یا مقدار، یا مالیت کے دینے سے انکار پر بھی وہ منکرین اور باغیوں سے محاربہ کرنے کے لیے تیار تھے۔ جن فقہائے کرام نے "عناق" سے مراد بکری کا چار ماہ کا بچہ سمجھا ہے، انھوں نے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ، زکوٰۃ عائد کرتے ہوئے ایک سال سے کم عمر کے مویشی بھی زکوٰۃ کی ادائیگی میں حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن زکوٰۃ کے قانون کے بنیادی اصول ایسے قاعدے کی اجازت نہیں دیتے۔ لہٰذا، ابوبکر صدیقؓ کے الفاظ کی یہ شرح خارج از بحث ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پرجوش اعلان کو اظہار کا ایک انداز سمجھنا چاہیئے، جسے انھوں نے صریحاً اس لئے استعمال کیا کہ وہ اپنے عزم مصمم کو تاکید لفظی سے واضح کرنا چاہتے تھے کہ اگر ضرورت پڑی تو وہ زکوٰۃ کو جبراً اور بزور قوت لیتے۔ خواہ زکوٰۃ کی مقدار کتنی ہی کم ہو۔ ان کے الفاظ یا اعلان کا مقصد کسی قانون یا اصول زکوٰۃ کا تعین نہیں تھا۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ

۲۳: اصولاً، جس دولت پر زکوٰۃ عائد ہو، زکوٰۃ کے واجبات یا تو اس ہی دولت میں سے یا اسی نوع کی دولت سے، ادا کئے جانے چاہئیں۔

تاہم، احادیث نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حالات میں زکوٰۃ کے واجبات کی پوری مقدار، یا اس کا ایک حصہ، ان کی مکمل مالیت کے مطابق، نقد رقم (خواہ چاندی، سونے، یا مقامی کرنسی نوٹوں) میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ چاندی اور سونے کی زکوٰۃ کے قانون ۲، جزو ۳، موتیوں اور قیمتی پتھروں کی زکوٰۃ کے قانون ۴، تجارت کی زکوٰۃ ۳۵، چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی زکوٰۃ کے قانون ۲، زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کے قانون ۹ اور شہد اور خام ریشم کی زکوٰۃ کے قانون ۱ میں بیان ہوا ہے۔

مندرجہ بالا مذکورہ قوانین کی رو سے، زکوٰۃ دینے والا، اپنی سہولت

Marfat.com

کے مدنظر، زکوٰۃ کے اموال کا پابند رہ کر، اپنی واجب الادا زکوٰۃ اشیاء یا نقد رقوم جس صورت میں چاہے، ادا کر سکتا ہے۔

۲۴: تجارت کی زکوٰۃ کے قانون ۳۵، چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی زکوٰۃ کے قوانین ۱۲ اور ۱۳، اور زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کے قانون ۱۰ کے مطابق، جب زکوٰۃ اشیاء کی شکل میں ادا کی جائے، تو اوسط درجہ کی اشیاء (یعنی اشیائے تجارت، چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشی، زرعی پیداوار، وغیرہ) دی جائیں گی۔ قابل زکوٰۃ دولت کے قانونی مالک سے ہرگز یہ مطالبہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور نہ زکوٰۃ کے عاملین کو اسے مجبور کرنا چاہیئے کہ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں اپنی دولت کی بہترین اشیاء دے۔ یہ اصول مندرجہ ذیل فرمانِ نبوی پر مبنی ہے؛ رسول کریمؐ نے فرمایا۔

لوگوں کے مالوں میں سے زکوٰۃ لیتے ہوئے منتخب چیزیں نہ لو، بلکہ اوسط درجہ اور قیمت کی چیزیں لو۔

زکوٰۃ میں دیئے جانے والے مال کا تعیّن و انتخاب کرنا زکوٰۃ دینے والے کا حق ہے۔ جب تک کہ زکوٰۃ میں دی جانے والی اشیاء کی نوع یا قسم، یا مویشیوں کی مقررہ عمر، تعداد اور ماہیت، قانونِ زکوٰۃ کے مقرر معیار کے مطابق نہ ہو، زکوٰۃ کے عاملین ان کو قبول کرنے کے پابند نہیں۔

دوسری طرف سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۶۷ میں دیئے ہوئے حکم اور تجارت کی زکوٰۃ کے قانون ۳۵، چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں کی زکوٰۃ کے قانون ۱۳، اور زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کے قانون ۱۰ میں بتایا گیا ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی میں خراب قسم کی دولت قطعی ناقابلِ قبول ہے، اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کو چاہیئے کہ وہ اسے لینے سے انکار کر دے۔

صاحبِ زکوٰۃ کی عدم موجودگی میں زکوٰۃ کے واجبات کا تخمینہ

۲۵: جب چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشیوں، یا زرعی پیداوار یا دونوں

کا، قانونی مالک اپنی اس دولت پر زکوٰۃ کا حساب ہونے کے وقت غیر حاضر ہو۔ اور اس نے اپنی طرف سے زکوٰۃ کے واجبات ادا کرنے کے لیے کسی اور شخص کو متعیّن بھی نہ کیا ہو، تو اس صورت میں زکوٰۃ کے عاملین کو اس غیر حاضر قانونی مالک کی ظاہری دولت (یعنی چراگاہ میں چرنیوالے پالتو مویشی اور زرعی پیداوار) پر واجب الادا زکوٰۃ کے تخمینہ کا حق ہے، اور متعلق قانونی مالک کی واپسی پر اس سے مذکورہ واجبات کی ادائیگی کا تقاضا کیا جائے گا۔

زکوٰۃ وصول کرنے والے کا زکوٰۃ طلب نہ کرنا۔

۲۶: اگر ایک صاحبِ نصاب کی زکوٰۃ واجب الادا ہو جانے کے وقت، زکوٰۃ وصول کرنے والا، کسی وجہ سے، اس کے ہاں نہ آسکے، تو اس صاحبِ نصاب کا فرض ہے کہ وہ اپنی قابلِ زکوٰۃ دولت کی انواع و اقسام، ان پر زکوٰۃ واجب الادا ہونے کی تاریخ اور زکوٰۃ کی کل مالیت کا حساب بنا کر رکھے، پھر بموجب حالات، اور دولت کی انواع و اقسام کے پیشِ نظر، یا تو زکوٰۃ کے عاملین کو اپنی زکوٰۃ کے واجبات وصول کرنے کی اطلاع دے دے، یا وہ خود زکوٰۃ کے مرکز کی مقامی شاخ میں، باقاعدہ رسید لے کر، ادا کر دے۔

تجارت کی زکوٰۃ کی وصولی

۲۷: تجارت کی زکوٰۃ صاحبِ نصاب تجار کے تجارتی دفتروں یا دکانوں سے باقاعدہ وصول کی جانی چاہیئے۔

بطور زکوٰۃ دی ہوئی چیز کا واپس لینا یا خریدنا

۲۸۔ رسول کریمؐ کی مندرجہ ذیل حدیث میں دیئے گئے حکم کے مطابق، زکوٰۃ دینے والا جو چیز بطور زکوٰۃ دیتا ہے، اُسے اپنے فائدے یا استعمال کے لیے زکوٰۃ لینے والوں سے، یا زکوٰۃ کے عاملین سے واپس لینے یا واپس خریدنے کی ممانعت ہے[1]۔

---

[1] امام مالک اور امام شافعی سمیت، اکثر فقہائے کرام کی یہ رائے ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کو بطور زکوٰۃ دی ہوئی چیز کو خرید کر قطعاً واپس نہیں لینا چاہیئے، حتیٰ کہ رضاکارانہ دی ہوئی خیرات کی چیز کو بھی نہ واپس لے اور نہ خریدے۔

Marfat.com

حضرت انسؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ابن خطاب کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے ایک گھوڑا راہِ خدا میں دے دیا تھا۔ اور جس شخص کے پاس وہ گھوڑا تھا، وہ اُسے فروخت کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میرا خیال ہوا کہ کیوں نہ میں ہی اُسے خرید لوں۔ پھر میرے دل میں خیال آیا کہ وہ شخص اسے کم قیمت پر فروخت کرے گا۔ تو میں نے (سارا معاملہ) رسول اللہؐ کو بیان کر کے آپ سے پوچھا۔ تو آپؐ نے فرمایا: تم مت خریدو، اور اپنی خیرات کو واپس مت لو، خواہ وہ (فروخت کرنے والا) تمہیں (وہ گھوڑا) ایک ہی درہم میں دے دے، کیونکہ جو شخص زکوٰۃ و خیرات میں دی ہوئی چیز کو واپس لیتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے وہ قے کر کے پھر سے چاٹ لے۔

(روایت امام بخاری)

تاہم، اس اصول سے ایک استثناء بھی ہے جو درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے، اگر زکوٰۃ کا ایک حقدار زکوٰۃ کے اموال میں سے کوئی چیز حاصل کرنے کے بعد، ایسی حالت میں ہے کہ وہ یہ چیز فروخت کرنے پر مجبور ہو، تو اس چیز کا اصل مالک۔ یعنی ایسی چیز کو بطورِ زکوٰۃ دینے والا۔ صرف اس نیت سے اسے خرید سکتا ہے کہ وہ اسے خرید کر اسی وقت کسی دوسرے غریب کو خیرات کر دیگا، اور ساتھ ہی یہ شرط بھی ہے کہ اس وقت اس چیز کا کوئی اور خریدنے والا موجود نہ ہو، ایسی صورت میں، اصل مالک کا یہ فعل دوہری خیرات کی وجہ سے دوہرے ثواب کا موجب ہوگا: ایک تو عمل خیرات کا زکوٰۃ کے اس مستحق کے ساتھ جو اب بھی حاجتمند تھا، دوسرا، اس حاجتمند انسان کے ساتھ جسے مذکورہ شئے اب خیرات میں دی گئی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ عمرؓ بن الخطاب نے

Marfat.com

نے خدا کی راہ میں ایک گھوڑا خیرات کر دیا۔ پھر انہیں معلوم ہوا کہ اس گھوڑے کو فروخت کیا جا رہا ہے، تو انھوں نے اسے پھر خریدنے کا ارادہ کیا، اور رسول اللہ کے پاس آ کر اس بارے میں آپؐ سے مشورہ لیا تو (آنحضرت نے) ارشاد فرمایا: "اپنی خیرات واپس نہ لو۔" اور یہی وجہ تھی کہ جب عمرؓ کوئی چیز صدقہ (یعنی زکوٰۃ) یا خیرات میں دے دیتے، اور اگر وہ صدقہ یا زکوٰۃ لینے والا اپنی ضرورت کے تحت اسے فروخت کرنا چاہتا تھا اور کوئی اور گاہک نہ ہوتا تو آپ اُسے خریدتے ہی فوراً خیرات میں کسی دوسرے حاجت مند کو دے دیتے تھے۔

(روایت امام بخاری)

۲۹۔ جب زکوٰۃ کے اموال میں سے ایک چیز زکوٰۃ کے مستحق کو مل جائے، پھر وہ حقدار، جائز ذرائع سے، اصل قانونی مالک کے علاوہ، کسی اور کو یہی چیز دے دے، یا فروخت کر دے، تو اس چیز پر سے زکوٰۃ کی خاصیت ختم ہو جاتی ہے۔ اور اب اگر چیز فروخت ہو، تو اصل قانونی مالک آزادی سے اس چیز کو خرید سکتا ہے۔[1]

بطور زکوٰۃ دی ہوئی شئے کی وراثت

۳۰۔ فقہائے کرام میں عام اتفاق ہے کہ جس چیز کو زکوٰۃ دینے والے نے زکوٰۃ کی ادائیگی میں، یا رضاکارانہ خیرات میں، دے دیا ہے، زکوٰۃ لینے والے کی وفات پر وہ اس سے، یا کسی اور شخص کی وفات پر جس نے اس چیز کو زکوٰۃ لینے والے سے جائز طریقے سے حاصل کیا ہو، اس سے بھی، وہ چیز وراثت میں جائز طور پر لے سکتا ہے۔

---

[1] خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ بن الخطاب کے طریقے سے اسی اصول کی پوری مطابقت ہوتی ہے۔

Marfat.com

زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی

۳۱: قانونِ زکوٰۃ کی رو سے، صرف اُس دولت پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب الادا ہونے سے پہلے کی جاسکتی ہے۔ جو واقعی موجود ہے۔

زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی کے وقت زکوٰۃ دینے والے کی ملکیت میں ہے، اور اس پر سالِ ملکیت کا شمار شروع ہو چکا ہے۔

دولت کی درج ذیل انواع واقسام اس میں آتی ہیں، چاندی، سونا، کرنسی نوٹ، موتی اور قیمتی پتھر، چراگاہ میں چرنے والے پالتو مویشی، نقد رقوم اور اشیائے تجارت کی شکل میں تجارتی سرمایہ۔

زرعی پیداوار، شہد، خام ریشم، اور چاندی اور سونے کی کانوں کی بابت پر پیشگی زکوٰۃ ہرگز نہیں دی جاسکتی اس لیے کہ ایسی دولت پر زکوٰۃ واجب الادا ہونے سے پہلے یا تو وہ موجود نہیں ہے، یا اس کی مالیت یا مقدار نامعلوم ہے اس وجہ سے اس پر زکوٰۃ کا حساب کرنا ظن وخیال پر مبنی ہوگا، اور زکوٰۃ کی ایسی ادائیگی قطعاً کالعدم اور ناجائز ہو گی۔

زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی صرف زکوٰۃ دینے والے کی مرضی اور سہولت پر منحصر ہے۔ زکوٰۃ کا عامل ہرگز اس پر مجبور نہیں کر سکتا، اور جب کبھی زکوٰۃ واجب الادا تاریخ سے پہلے دی جائے۔ تو دوہری رسید بنا کر اور زکوٰۃ دینے والے کو اس کی ایک نقل دیتے وقت، زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی کی صراحت کر دینی چاہیئے۔

درحقیقت، صرف خاص حالات میں زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی مناسب معلوم ہوتی ہے؛ مثلاً: جب زکوٰۃ دینے والے کا مقصد لمبے عرصے کے لیے غیر حاضر رہنا ہو۔

زیادہ قابلِ ترجیح طریقہ یہ ہوگا کہ زکوٰۃ دینے والا ایک ذمہ دار شخص کو اپنا قانونی مختار مقرر کر دے جو اس کی طرف سے ٹھیک وقت پر زکوٰۃ کے واجبات ادا کرے۔

Marfat.com

گذشتہ عرصے کی غیر ادا شدہ زکوٰۃ کی ادائیگی

جب کبھی ایک صاحب نصاب کسی وجہ سے، اپنی زکوٰۃ، واجب الادا ہونے کے وقت، خود ادا نہ کر سکے، اور وہ اپنی جگہ کسی اور کے ذریعہ بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کا انتظام نہ کر سکے، یا نہ کیا ہو، تو اسے متعلقہ دولت پر، جس پر بروقت ادائیگی نہ ہوئی ہو، زکوٰۃ کے گذشتہ تمام عرصے کے واجبات ادا کرنے کیلئے تیار رہنا چاہیئے۔

زکوٰۃ کے عاملین اس کو گذشتہ عرصے کی غیر ادا شدہ زکوٰۃ دینے پر مجبور کر سکتے ہیں، سوائے اس صورت کے کہ متعلقہ دولت کے قانونی مالک نے اپنے کسی قصور کے بغیر، سارا عرصہ ایسی مشکلات و سختی میں گذارا جو اس کے اختیار میں نہ تھی، اور جن کی بنا پر اُسے مالی لحاظ سے کافی نقصان پہنچا ہو۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں انفرادی ذمہ داری

درج ذیل حکمِ نبوی کے مطابق، جب کسی دولت کے ایک سے زیادہ مالک ہوں، تو اس پر زکوٰۃ کی فرضیت سے بچنے کے لیئے یا کسی کی مقدار یا مالیت پر واجب الادا زکوٰۃ کو کم کرنے، یا بڑھانے کے لیئے، قانونی مالک، یا زکوٰۃ کے عاملین، اس دولت کے انفرادی حصص جمع نہیں کر سکتے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں مکتوب بھیجا جس میں وہی ہدایات لکھیں جو رسول اللہؐ نے فرض کی تھیں اور ان میں یہ ہدایت بھی تھی (کہ صدقہ فرض (یعنی زکوٰۃ) ادا کرنے کے خوف سے تقسیم شدہ دولت کو جمع نہیں کیا جانا چاہیئے اور جمع شدہ دولت کو الگ نہیں کیا جانا چاہیئے۔

(روایت امام بخاری)

امام شافعی نے اس فرمانِ نبوی کو زکوٰۃ وصول کرنے والوں سے منسوب کیا ہے جن کو رسولِ کریمؐ نے یہ حکم دیا تھا کہ وہ دو یا زیادہ اشخاص کی دولت کو

Marfat.com

ناجائز طریقہ سے معمول سے زیادہ وصول کرنے کے لیے جمع نہ کریں لیکن رسولِ کریمؐ کے ان الفاظِ گرامی "خشیۃ الصدقۃ" یعنی "صدقہ فرض کے خوف سے" کا زیادہ صحیح مفہوم یہ ہے کہ آپؐ نے زکوٰۃ دینے والے کو حکم دیا ہے کہ وہ زکوٰۃ کے واجبات کو کم کرنے کے لیئے، یا ان سے بچنے کے لیے، حیلے بہانوں کی طرف رجوع نہ کریں۔

مگر امام ابو حنیفہ کی رائے میں، مندرجہ بالا احادیث میں مذکور اصول زکوٰۃ دینے اور زکوٰۃ وصول کرنے والے، دونوں، پر برابر منطبق ہوتا ہے۔ حقیقتاً جب ایک دولت پہ زکوٰۃ عائد کی جاتی ہے۔ تو زکوٰۃ دینے والے اور زکوٰۃ وصول کرنے والے، دونوں، کے احساس دیانت و امانت کا امتحان ہوتا ہے، اور دونوں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ، قرآنِ پاک کے اصولوں پر پوری طرح عمل کرتے ہوئے، مسلمانوں کے شایانِ شان انداز سے اپنے فرائض و واجبات ادا کریں۔

مذکورہ بالا احادیث میں حیلے بہانوں کی طرف اشارہ کرکے ان سے اجتناب کرنے کا حکم دے کر، فقہائے کرام نے انہیں چند مثالوں سے واضح کیا ہے۔

الف: تین اشخاص میں سے ہر ایک کے پاس ۴۰ عدد بھیڑیں ہیں۔ عام حالت میں ہر ایک پہ ایک بھیڑ بطور زکوٰۃ عائد ہو گی۔ لیکن جھوٹ اور حیلے بہانے سے، وہ تینوں کی ملکیت کو جمع کرکے، ریوڑ کو ایک ہی قانونی مالک کی ۱۲۰ بھیڑوں کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں، تاکہ پورے مجموعے پہ صرف ایک بھیڑ بطور زکوٰۃ دی جائے۔ (مثال امام مالک کی ہے)

ب: ایک شخص کے پاس ۸۰ بھیڑیں ہیں۔ وہ اس ریوڑ پر بطور زکوٰۃ ایک بھیڑ کی ادائیگی سے بچنے کے لیے یہ بہانہ کر دیتا ہے کہ اس ریوڑ کی ملکیت میں اس کے علاوہ، مثلاً، اس کے تین بھائی بھی برابر کے شامل ہیں۔ یعنی کہ

Marfat.com

ہر ایک صرف ۲۰ عدد بھیڑوں کا قانونی مالک ہے۔

یا دو بھائی ہیں ہر ایک کے پاس ۴۰ بھیڑیں ہیں، تو ہر ایک بھائی کی بھیڑوں پہ ایک بھیڑ بطورِ زکوٰۃ واجب الادا ہو گی۔ لیکن، کم از کم دینے کے لیئے دونوں ریوڑوں کو جمع کر کے، وہ ایک ہی بھائی کی ملکیت ظاہر کرتے ہیں۔

(یہ دو مثالیں امام ابو یوسف کی ہیں)

ج: دو اشخاص کے کل رقم ۴۰ عدد بھیڑوں کا ریوڑ ہے، یعنی ہر ایک کا مجموعہ نصاب سے کم ہے۔ لیکن زکوٰۃ وصول کرنے والا دونوں کو جمع کر کے، ان پہ ایک بھیڑ بطور زکوٰۃ عائد کرنے کے لیے ملکیت ایک ہی شخص کی سمجھنے پہ اصرار کرتا ہے۔

یا ایک قانونی مالک کے ۱۲۰ عدد بھیڑوں کا ریوڑ، جس پہ ایک بھیڑ زکوٰۃ بنتی ہے، لیکن زکوٰۃ وصول کرنے والے کے حساب میں تین ریوڑوں میں تقسیم کر کے ان کو غلط طریقے سے تین مختلف لوگوں سے منسوب کر دیا جاتا ہے تاکہ، بجائے ایک عدد کے، تین عدد بھیڑیں بطورِ زکوٰۃ وصول ہو سکیں۔

(یہ دو مثالیں امام ابو حنیفہ کی ہیں)

زکوٰۃ سے مستثنیٰ دولت

۴۴: خیراتی کاموں یا انسانی خدمت کے لیے پوری طرح وقف کیے ہوئے نجی ملکیت کے عطیاتی، یا ذاتی، ادارے کی تمام دولت زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہتی ہے خیراتی کاموں میں مفت ہسپتال، یتیم خانے، غریبوں، محتاجوں، معذوروں اور اپاہجوں، اور حاجتمند بوڑھوں کے لیے رہائش گاہیں، وغیرہ، شامل ہیں۔ اور انسانی خدمت کے ضمن میں سائنسی تحقیقاتی ادارے اور مفت تعلیمی ادارے، وغیرہ، آتے ہیں۔ ایسے وقف شدہ اداروں کی دولت کو اس لئے زکوٰۃ سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے کہ یہ ادارے بھی وہی خدمات انجام دے رہے ہیں جن کے لیے زکوٰۃ کے اموال خرچ کیے جا سکتے ہیں۔

زکوٰۃ کے اموال کا تحفظ

۴۵: ہر علاقے کی مخصوص ضروریات کو پیشِ نظر رکھ کر، زکوٰۃ کے ہر ایک مرکز کو

Marfat.com

چاہیئے کہ زکوٰۃ کے اموال کو محفوظ و مامون رکھنے کے لیے مناسب اور ضروری انتظامات کرے، جیسا کہ:

الف: بطور زکوٰۃ وصول شدہ چاندی، سونے، کرنسی نوٹ، اور موتیوں اور قیمتی پتھروں کو حفاظت سے رکھنے کیلئے خاص خزانہ۔

زکوٰۃ کے خزانہ یعنی بیت المال الزکوٰۃ، کو حکومتی (بلدیہ، ریاست، وغیرہ کے) خزانے کے ساتھ ہرگز خلط ملط نہیں کیا جانا چاہیئے۔ زکوٰۃ کا خزانہ قطعی طور پر عوامی (بلدیہ، صوبائی، ریاستی) خزانوں سے جُدا محکمہ ہے، جو بالکل جُدا مقاصد انجام دیتا ہے۔

ب: اشیائے تجارت (با استثناء زکوٰۃ میں دیئے ہوئے پالتو مویشی) شہد، خام ریشم، اور زرعی پیداوار (اناج کے علاوہ) کی شکل میں وصول شدہ زکوٰۃ کو حفاظت سے رکھنے کے لئے خاص گودام۔

ج: اناج کی شکل میں وصول شدہ زکوٰۃ کو حفاظت سے رکھنے کے لئے خاص گودام۔

د: پالتو مویشیوں (گائے بیل، بھیڑ بکری، اور اونٹ) کی صورت میں وصول شدہ زکوٰۃ کو حفاظت سے رکھنے کے لئے خاص اصطبل، باڑے یا کانجی، اور چرنے کے لیے چراگاہ۔

اس کے پیش نظر کہ زکوٰۃ کے اموال جائز حقداروں کو بآسانی اور بعجلت مل جائیں، زکوٰۃ کے خزائن ترجیحاً زکوٰۃ کے مراکز میں قائم ہونے چاہئیں۔ اسی خیال سے زکوٰۃ کے گودام، اصطبل، وغیرہ، بھی زکوٰۃ کے متعلقہ مرکز کے ممکن حد تک قریب ہونے چاہئیں۔

احاطوں کی تعمیر کرائے، اور نگہداشت کے اخراجات

۳۶: ادارۂ زکوٰۃ تمام احاطوں کی تعمیر، یا کرائے، اور نگہداشت پر تمام جائز ضروری اخراجات جو عوام کے عطیات سے پورے نہ کئے گئے ہوں، زکوٰۃ کے

Marfat.com

اموال میں سے ادا کیے جا سکتے ہیں۔

زکوٰۃ کے اموال کی نگرانی

۳۷: رسول کریمؐ کی سنت کے مطابق، زکوٰۃ کے اموال کی کڑی نگرانی کے لیے ضروری ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے ہر روز کا دورہ مکمل ہونے کے بعد، فوراً وصول شدہ زکوٰۃ کا تفصیلی حساب زکوٰۃ کے محاسبین کو دیں اور زکوٰۃ کے اموال کو محافظین بیت المال کے حوالے کریں، جن کا فرضِ منصبی ان کا پورا تحفظ کرنا، اور انہیں نظمِ زکوٰۃ کی ہدایت کے مطابق، جائز حقداروں میں تقسیم کرنا ہے۔

زکوٰۃ وصول کرنے والوں کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ وصول شدہ زکوٰۃ کی دوہری رسیدوں کی ایک ایک نقل زکوٰۃ کے محررین کو ریکارڈ کے لیے، فوراً حوالے کر دیں۔

اس ضمن میں، رسولِ کریمؐ کی مندرجہ ذیل حدیث سے آپؐ کی سُنّت، یعنی طریقۂ کار، کا پتہ چلتا ہے۔

> ابو حمید الساعدیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہؐ نے قبیلہ بنو اسد کے ایک آدمی کو جسے ابن لُتبیہ کہا جاتا تھا، قبیلہ بنو سلیم کے ہاں سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل مقرّر فرمایا۔ اور جب وہ شخص، زکوٰۃ وصول کر کے، واپس آیا، تو آپؐ نے اس سے حساب لیا۔
>
> (روایت امام بخاری)

ادارۂ زکوٰۃ کی مہر

۳۸: سوائے چاندی اور سونے کے سکوں اور کرنسی نوٹوں کے، زکوٰۃ کے دیگر تمام وصول شدہ اموال پر، اور خاص طور پر وصول شدہ پالتو مولیشی اور اشیائے تجارت پر، ادارۂ زکوٰۃ کی منظور شدہ مہر فوراً لگانی چاہیے، تاکہ اگر ان میں سے کوئی کھو جائے، یا چوری ہو جائے، تو اسے پہچاننے میں آسانی ہو۔ یہ مہر واضح اور صرف ادارۂ زکوٰۃ کے لیے مخصوص ہونی چاہیے، جسے دیکھتے ہی ہر ایک پہچان

Marfat.com

جائے، قدیم علمائے کرام کی تجویز کے مطابق، اس مہر پر "زکوٰۃ" یا "صدقہ" کا لفظ ہونا چاہیئے، دوسرے ادارے کی مہروں کی طرح، اس مہر کی نقل بنانا، یا اس کا چربہ اُتارنا، ایک سنگین جرم تصوّر کیا جائے گا۔ جو سخت سزا کے لائق ہو گا۔

فقہائے شافعی کی تجویز یہ ہے کہ بطورِ زکوٰۃ دی ہوئی بھیڑ بکریوں کو کان پر، اور گائے بیلوں اور اونٹوں کو ران پر داغنا چاہیئے۔ اس کا قابلِ قبول بدل یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان مویشیوں پر کسی خاص گودے کے نشان سے، یا ایسے رنگ سے نشان، لگا دیا جائے جو مٹ نہ سکے۔

اس ضمن میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اکثر فقہائے کرام تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اگر جانوروں کو داغنے سے کوئی جائز مقصد حاصل ہو، جیسے پہچان کے لیے نشانی، تو کوئی حرج نہیں۔ تاہم، چند فقہائے حنفی اس طریقے کے خلاف ہیں اور اسے ناجائز قرار دیتے ہیں اس لیے کہ یہ عذاب دینے کے مشابہ ہے۔ لیکن عام رائے میں، اگر ایک مفید مقصد کے لیئے ضروری ہو، تو جانور کو ایسی تکلیف دی جا سکتی ہے۔

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کی ہوئی مندرجہ ذیل حدیث سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ رسول کریمؐ خود بھی بطور زکوٰۃ دیئے ہوئے مویشیوں کو داغا کرتے تھے۔

> حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ: ایک دن میں عبداللہ بن ابی طلحہ کے ہمراہ صبح کے وقت رسولؐ اللہ کے پاس گیا تاکہ آپؐ عبداللہ کو ہدایات دیں۔ اور (جب آپؐ کے حضور میں آیا تو دیکھا کہ) آپؐ کے ہاتھ میں داغنے والی لوہے کی سلاخ تھی جس سے زکوٰۃ کے اونٹوں کو داغ رہے تھے۔
>
> (روایت امام بخاری)

Marfat.com

زکوٰۃ کے اموال کی اشاعت اور حسابات کی جانچ پڑتال

۳۹: ادارۂ زکوٰۃ کا ہر مرکز جمیع مسلمین کی اطلاع کے لیے، اپنے دائرۂ اختیار میں وصول شدہ زکوٰۃ کی آمدنی و اخراجات کا صحیح حساب باقاعدہ وقفوں سے شائع کرے۔

زکوٰۃ کے حسابات کی یہ باقاعدہ اشاعت ترجیحاً ہر ماہ، یا کم از کم ہر تیسرے ماہ میں، ایک دفعہ ضرور ہونا چاہیئے۔

مرکزِ زکوٰۃ کے حسابات اور کارکردگی کا محاسبہ

اسلامی ریاست اور مسلم عوام کی طرف سے مسلم معاشرے کے متقی اور ذمّہ دار افراد کو، کسی بھی وقت، زکوٰۃ کے مختلف مراکز کے حسابات اور کارکردگی کا محاسبہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ اور اگر زکوٰۃ کے کسی مرکز کے حسابات یا کارکردگی میں انہیں کوئی بے قاعدگی محسوس ہو، تو ان کا فرض ہے کہ اس مرکز کے سارے معاملات کی پوری چھان بین اور تحقیق کا نہ صرف مطالبہ کریں بلکہ اس کے لیے مجبور کریں۔

قرآنِ پاک کی مندرجہ ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سلیم العقل اور صائب الرائے مسلمان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کے پوری ایمانداری اور ثابت قدمی سے احکامِ قرآن سے وابستہ رہنے کا اہتمام کرے۔

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۠ ع

تم راہِ خدا میں جس قدر کوشش کرتے ہو کرو، اس نے تم کو ممتاز کیا

ہے۔ اور تم پر دین میں کوئی تنگی، کوئی سختی روا نہیں رکھی، یہ
تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب ہے، اللہ نے تمہارا نام "مسلم"[1]
رکھا۔ قرآن اترنے سے پہلے بھی یہی نام تھا، اور قرآن میں بھی
یہی نام ہے۔ تاکہ رسولؐ تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ بنو۔
پس نماز قائم کرو۔ اور زکوٰۃ دو۔ اور اللہ کے ساتھ (رشتۂ
بندگی) مضبوطی سے استوار کرلو، وہی تمہارا مولیٰ ہے اور کیا ہی
اچھا مولیٰ ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ٥

(سورۃ الحج، آیت ۷۸)

زکوٰۃ کے اموال کا محل استعمال اور ان کا ایک حصّہ محفوظ رکھنا۔

۱۴: اصولاً زکوٰۃ کے اموال کو جس محلے یا علاقے سے وصول کیا جائے،
بنیادی طور پر اسے ابتداءً اس ہی محلے یا علاقے میں موجود حقداروں میں، ان
کی حاجات کے مطابق، تقسیم کیا جانا چاہیئے۔

باایں ہمہ، جیسا کہ سورۃ التوبہ کی آیت ۶۰ سے واضح ہوتا ہے، عام حالات میں زکوٰۃ کے اموال میں سے معقول حصّہ کو زکوٰۃ کے ہر مرکز میں ہمیشہ محفوظ رکھنا چاہیئے تاکہ وہ مستحقین کی فوری مدد کے کام آسکے، خواہ یہ مستحقین اتفاقی یا عارضی مدد کے طلب گار ہوں، یا مستقل مدد لینے والے ہوں۔ زکوٰۃ کے ایسے محفوظ رکھے ہوئے اموال کی نوعیت اور مقدار کا انحصار ہر محلے کے خاص حالات پر ہونا چاہیئے، اور ان کے بارے میں زکوٰۃ کے مقامی عاملین فیصلہ کریں گے، جن کی ذمہ داری یہ ہے کہ زکوٰۃ کے اموال اس طرح تقسیم کیئے جائیں کہ ہمیشہ ہر ایک

---

[1] "مُسلِم" کا مصدر "اِسلام" اور فعل "اَسلَمَ" ہے۔ اس اصطلاح سے مراد وہ شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام احکام کی اطاعت پوری طرح قبول کرلی ہے، اور ان پر اپنی استطاعت کی حد تک، عمل کیا ہے۔

Marfat.com

مستحق کی جائز ضروریات پوری ہو سکیں۔

زکوٰۃ کے فاضل اموال کا انتقال اور ان کے بارے میں رپورٹ

۴۴: زکوٰۃ کے مقصد و نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے، قانون زکوٰۃ میں اتنی گنجائش ہونی چاہئے کہ زکوٰۃ کے کسی مرکز کے فاضل اموال کو زکوٰۃ کے کم مایہ مرکز میں منتقل کیا جا سکے، بشرطیکہ جس مرکز، یا جن مراکز سے یہ منتقل شدہ اموال آتے ہیں وہاں کی زکوٰۃ کی باقاعدہ اور ہنگامی ضروریات (یعنی جنہیں زکوٰۃ کے محفوظ اموال سے پورا کیا جاتا ہے، ان) سے وہ یقیناً فاضل ہوں[1]۔ لیکن زکوٰۃ کے کسی مرکز کے تمام فاضل اموال کو غیر ضروری طور پر ہرگز کسی دوسرے مرکز، یا مراکز، میں منتقل نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ہنگامی حالات میں یا تو ان فاضل اموال کو ان کے اصل مرکز کو واپس دینا پڑے گا، یا اس مرکز کو کسی دوسرے مرکز سے فاضل اموال منگوانے پڑیں گے، اور ایسے دہرے انتقال سے نہ صرف بلا ضرورت محنت اور بلا وجہ اخراجات ہوں گے، بلکہ قیمتی وقت بھی ضائع ہوگا[2]۔

ہنگامی ضروریات کے لیے، مناسب ہوگا کہ زکوٰۃ کے مرکز کی مختلف شاخوں کے فاضل اموال میں سے ایک حصہ نکال کر (جس کا تعین مقامی حالات کو پیش نظر رکھ کر، زکوٰۃ کے مقامی عاملین خود کریں)، ہر گاؤں، قصبے، یا شہر کے مرکز میں جمع کروا دیا جائے۔ تاکہ جب کبھی زکوٰۃ کے کسی کم مایہ مرکز میں فاضل اموال اچانک مطلوب ہوں، تو فوری اطلاع پر مہیا ہو سکیں۔

فقہائے کرام کے درمیان زکوٰۃ کے اموال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل

---

[1] زکوٰۃ کے کم مایہ مرکز سے مراد وہ علاقے ہیں جن میں وصول شدہ زکوٰۃ مقامی مستحق افراد کی ضروریات کو پورا کرنے، اور زکوٰۃ کی امداد کے امکانی طلب گاروں کے لیے ناکافی ہو۔

[2] چند جدید مصنفین نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ زکوٰۃ کے تمام واجبات وصول کر کے ایک ہی مرکزی بیت المال میں جمع کیے جائیں۔ اس طریقے کا ناقابلِ عمل ہونا واضح اور عیاں ہے۔

Marfat.com

کرنے کے بارے میں کچھ اختلافات ہیں۔ فقہ مالکی اور شافعی کے ماہرین زکوۃ کے اموال کے لیے انتقال کے خلاف ہیں۔ اور اس کی اجازت صرف اسی صورت میں دیتے ہیں کہ جب اس علاقے جس کے زکوۃ کے مرکز میں فاضل اموال موجود ہوں زکوۃ کے مستحقین واقعی کم ہوں۔ امام غزالی کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے۔

حنفی فقہ کے مطابق، زکوۃ کے کسی مرکز کے فاضل اموال کو کم مایہ علاقوں میں حاجتمند مسلمانوں کی مدد واعانت کرنے کے لیے منتقل کرنا جائز ہے، یہ موقف اسلامی اتحاد کی روح کے عین مطابق ہے۔ تاہم۔ اس شرط کو اصولاً تسلیم کر لینا چاہیے کہ، سوائے اس صورت کے، کہ انتہائی ہنگامی حالات کے پیش نظر زکوۃ کے پورے اموال کے استعمال کی صورت ہو۔ زکوۃ کے ایک مرکز کے اموال کو دوسرے مرکز میں مقامی مستحقین کی ضروریات پوری کئے بغیر، ہرگز منتقل نہیں کیا جانا چاہیے۔ نہ ہی زکوۃ کے اس مرکز کی مقامی شاخ میں زکوۃ کے اتنے کم محفوظ اموال باقی رہیں کہ ان سے اتفاقی حاجتمندوں کی فوری ضروریات پوری نہ ہو سکیں۔

۴۳: غیر ضروری محنت، بلاوجہ اخراجات، اور قیمتی وقت کے ضائع ہونے سے بچنے کے لیے، زکوۃ کے کم مایہ علاقوں کے مرکز یا مراکز کو زکوۃ کے اموال ہمیشہ ان نزدیک ترین مراکز سے آنے چاہئیں۔ جو فاضل اموال رکھتے ہیں۔

۴۴: زکوۃ کے ذیلی مراکز سے لے کر مرکز اعلیٰ تک تمام مراکز کی متحدہ کارکردگی میں تعاون وترتیب کے لیے، اور ادارۂ زکوۃ کو تمام مسلم ملکوں اور علاقوں میں ہنگامی حالات، اور ناگہانی ضرورت کے وقت، اطمینان بخش طریقے سے عہدہ برا ہونے کے لیے، زکوۃ کے مرکز کی ہر انفرادی شاخ کو اپنے ہاں موجود فاضل اموال کی ماہانہ مفصل رپورٹ تیار کرنا چاہیے، اور یہ اس گاؤں، قصبے، یا شہر کے زکوۃ کے اس مرکز کو بھیج دی جائے جس کے حلقۂ کار میں اس شاخ کو رکھا گیا ہے۔

Marfat.com

پھر زکوٰۃ مذکورہ گاؤں، قصبے، یا شہر کے مرکز کو چاہیئے کہ تمام دوسری شاخوں سے حاصل شدہ ان رپورٹوں کے میزان ریکارڈ کرلے، اور اس کی بنیاد پر، اپنے علاقے کی ضروریات سے زکوٰۃ کے فاضل اموال کی مفصل رپورٹ تیار کرکے بلاتاخیر، زکوٰۃ کے ضلعی مرکز کو جس کی نگرانی و دائرۂ کار میں یہ ذیلی مرکز واقع ہے، بھیج دے۔

زکوٰۃ کے ہر ضلعی مرکز کو ان تمام حاصل شدہ اطلاعات اور رپورٹوں کا میزان اپنے پاس ریکارڈ کرلینا چاہیئے اور ان کی بنیاد پر، اپنے دائرۂ اختیار کی انفرادی طور پر، زکوٰۃ کے موجود فاضل اموال کی مفصل رپورٹ تیار کرکے، فوراً زکوٰۃ کے اس صوبائی مرکز میں بھیج دیں۔ جس کے تحت یہ ضلعی مرکز ہے۔

اسی طرح زکوٰۃ کے ہر ایک صوبائی مرکز کو چاہیئے کہ وہ زکوٰۃ کے ضلعی مراکز سے حاصل شدہ تمام اطلاعات اور رپورٹ اپنے پاس ریکارڈ کرلے، اور ان کی بنیاد پر انفرادی طور پر اپنے صوبے کے کل مراکز میں دوسرے مراکز کے لیے مہیا کرسکنے کے قابل زکوٰۃ کے موجود فاضل اموال کی مفصل رپورٹ تیار کرکے، فوراً اپنے ملک کے زکوٰۃ کے قومی مرکز کو روانہ کردے۔

پھر ہر مسلم ملک کی زکوٰۃ کے قومی مرکز کو چاہیئے کہ وہ زکوٰۃ کے صوبائی مراکز سے حاصل شدہ اطلاعات و رپورٹیں اپنے پاس ریکارڈ کرلے، اور ان کی بنیاد پر اپنے ملک میں زکوٰۃ کے تمام فاضل اموال کی تفصیلی رپورٹ تیار کرکے اسے تمام دنیائے اسلام کی زکوٰۃ کے مرکزِ اعلیٰ کو ارسال کردے، جہاں زکوٰۃ کے تمام ممالک کے قومی مراکز سے حاصل شدہ اطلاعات و رپورٹ کو جمع کرکے آخری رپورٹ، شائع کرنے اور ریکارڈ میں رکھنے کے لیے، تیار کی جائے گی۔

زکوٰۃ کے مرکز کی شاخوں سے لے کر قومی مرکز تک، زکوٰۃ کے فاضل اموال کی تمام رپورٹوں میں، تیاری کے دوران، ان کی موجودہ نوعیت اور اقسام، اور مقدار، مالیت یا تعداد درج ہوگی۔

Marfat.com

مندرجہ بالا طریقِ کار سے زکوٰۃ کے ہر ایک مرکز میں مسلسل طور پر اور ہر وقت، اپنے دائرۂ اختیار میں موجود فاضل اموال کی مفصل و تازہ ترین اطلاع ہمیشہ ملے گی۔ اور اسی طرح زکوٰۃ کے مرکزِ اعلیٰ میں پوری دنیائے اسلام کی زکوٰۃ کے موجود فاضل اموال کی مفصل و تازہ ترین صورتِ حال ہمیشہ معلوم رہے گی۔ چنانچہ جونہی کہیں کوئی ہنگامی صورتِ حال پیدا ہو، ناگہانی ضرورت پڑ جائے، تو زکوٰۃ کے فاضل اموال کے علاقے سے کم مایہ علاقے کو مطلوب فاضل اموال پوری چابک دستی اور مستعدی سے فوراً پہنچائے جا سکیں گے۔

۴۵: ہنگامی حالات، یا ناگہانی ضرورت کے وقت، درجِ ذیل طریقوں سے زکوٰۃ کے فاضل اموال کو پس ماندہ علاقوں میں منتقل کیا جا سکتا ہے:

(۱) گاؤں، قصبے، یا شہر کی زکوٰۃ کے مرکز کے حکم سے ایک ایسے محلے سے جہاں زکوٰۃ کے فاضل اموال موجود ہوں، ایک غریب محلے کو (یعنی ایک ایسے محلے میں، جہاں حاجتمندوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے زکوٰۃ کے موجودہ اموال ناکافی ہوں)

(۲) زکوٰۃ کے ضلعی مرکز کے بلا واسطہ حکم سے اسی ضلعے کے اندر ان علاقوں سے جہاں زکوٰۃ کے فاضل اموال موجود ہوں، کم مایہ علاقوں میں؛

(۳) زکوٰۃ کے صوبائی مرکز کے بلا واسطہ حکم سے، اسی صوبے کی حدود کے اندر، جن علاقوں میں زکوٰۃ کے فاضل اموال موجود ہوں، کم مایہ علاقوں میں؛

(۴) ملک کی زکوٰۃ کے قومی مرکز کے بلا واسطہ حکم سے، اسی مسلم ملک کی حدود کے اندر، کم مایہ علاقوں میں، جہاں زکوٰۃ کے فاضل اموال موجود ہوں۔

(۵) اسلامی دنیا کی زکوٰۃ کے مرکزِ اعلیٰ کے بلا واسطہ حکم سے پوری دنیائے اسلام کے کسی بھی علاقے سے جہاں زکوٰۃ کے فاضل اموال موجود ہوں، کم مایہ علاقے، یا علاقوں میں۔

Marfat.com

۴۶ : جب کبھی کوئی محلہ، اپنی زکوٰۃ کے وصول شدہ اموال سے مقامی مستحقین کی مستقل، یا اچانک پیش آجانے والی ضروریات کو تسلی بخش طریقے سے پورا نہ کر سکنے کی بناء پر "کم مایہ محلہ" قرار پائے، تو اس کی زکوٰۃ کے ذیلی مرکز کو گاؤں قصبے، یا شہر کی زکوٰۃ کے مرکز سے، جس کے حدود میں زکوٰۃ کا یہ مرکز آتا ہے، فاضل اموال کے فوری ارسال کی درخواست کرنا چاہیئے۔

اگر گاؤں، قصبے، یا شہر کی زکوٰۃ کے مذکورہ مرکز میں، یا اس کے ماتحت کسی اور مرکز میں، مطلوبہ اموال موجود ہیں تو مذکورہ مرکز کا ناظم اعلیٰ بلاواسطہ حکم دے کر، یہ فاضل اموال کم مایہ محلے کے مرکز کو فوری ارسال کر دے۔

اگر گاؤں قصبے یا شہر کی زکوٰۃ کے مذکورہ مرکز میں، یا اس کے ماتحت واقع اور دوسرے زکوٰۃ کے ذیلی مرکز میں، مطلوبہ فاضل اموال موجود نہ ہوں، تو مذکورہ مرکز کے ناظم اعلیٰ کو چاہیئے کہ، ہنگامی حالات کی نوعیت کے مطابق، یا تو زکوٰۃ کے ضلعی مرکز سے، یا بلاواسطہ زکوٰۃ کے صوبائی مرکز، یا ملک کے قومی مرکز سے، ان کے لیے فوراً درخواست کرے، اور ان میں سے کوئی بھی مرکز مذکورہ بالا قانون ۴۵ کے مطابق، بلاواسطہ حکم دے کر، زکوٰۃ کے فاضل اموال والے علاقے، یا علاقوں سے کمی والے علاقے میں مطلوبہ اموال منتقل کروا سکتا ہے۔

اگر طلب کے وقت اس مسلم ملک کی زکوٰۃ کے کسی بھی مرکز میں مطلوبہ فاضل اموال موجود نہ ہوں، تو اس ملک کی زکوٰۃ کے قومی مرکز کو دنیائے اسلام کے مرکزِ اعلیٰ سے فوراً درخواست کرنا چاہیئے جس کو بلاتاخیر زکوٰۃ کے فاضل اموال والے نزدیک ترین علاقے سے مطلوبہ اموال کم مایہ علاقے میں منتقل کروانے کا انتظام کرنا ہوگا۔

۴۷ : زکوٰۃ کے دونوں مراکز میں، یعنی جس سے فاضل اموال بھیجے گئے۔ اور جس نے انہیں وصول کیا، زکوٰۃ کے اموال کے اس انتقال کو فوراً ریکارڈ کر کے حسبِ ذیل امور کی صراحت بھی ہونی چاہیئے:۔

Marfat.com

اموال کے انتقال کی صحیح تاریخ (دن، ماہ، اور سال)
صحیح نوعیت اور مقدار یا/ اور مالیت، اور تعداد۔

زکوٰۃ کے محافظین کا انتخاب

۴۸: رسول کریمؐ کے فرمان کے مطابق، زکوٰۃ کے اموال کے محافظین کو مسلم معاشرے کے متقی افراد میں سے، جو اپنی مسلّمہ امانت و دیانت کے لیے معروف ہوں عوامی بنیاد پر بڑے خیال اور احتیاط سے چننا چاہیے، درحقیقت، زکوٰۃ کے جن عاملین کے ہاتھ میں زکوٰۃ کے اموال ہوتے ہیں۔ انہیں اس عظیم ذمہ داری کی جتنی بھی تاکید کی جائے کم ہے۔ کیونکہ ان کا مرتبہ و مقام ایسا ہے کہ اس پر اگر کوئی کمزور اخلاق والا اور لالچی انسان بیٹھے، تو اس کے دل میں طمع پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

مندرجہ ذیل حدیث میں رسول کریمؐ نے زکوٰۃ کے خازن کی خصوصیات بیان کی ہیں اور ارشاد فرمایا ہے کہ محافظین کو چاہیئے کہ انہیں جو احکام ملیں پوری ایمانداری و درستی سے ان کی تعمیل کریں۔ اور خوش دلی سے تمام فرائض پورے کریں۔ یہ حدیث ان تمام مسلمانوں کے لیے جو زکوٰۃ کے اموال کے محافظ و نگران بننے کی اہم وگراں ذمّہ داری سنبھالیں۔ ایک معیار عطا کرتی ہے۔

> حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: امانت دار مسلم خازن وہ ہے جسے جو حکم دیا جائے، اُسے نافذ کرے، (اور شاید آپؐ نے فرمایا: دے دیتا ہے) یعنی (زکوٰۃ کے اموال میں سے مستحقین کو جو کچھ دینے کا حکم دیا ہو، اسے) پورے اہتمام اور خوشی سے مستحقین کو دے دے اور جس مستحق کو ادائیگی کا اُسے حکم دیا جائے اس کو ٹھیک ٹھیک ادائیگی کر دے، خواہ یہ حکم زکوٰۃ دینے

Marfat.com

والا دے یا زکوٰۃ کا عامل دے[1] (مسلم)

زکوٰۃ کے وصول شدہ اموال کم سے کم مدت بغیر استعمال پڑے رہیں

۴۹: قانونِ زکوٰۃ کی روح، نصب العین، اور مقصد متقضی ہیں کہ زکوٰۃ کے وصول شدہ اموال زکوٰۃ کے مرکز میں کم سے کم وقت، بغیر تقسیم کئے، پڑے رہیں، اس سلسلے میں رسولِ کریمؐ نے جو مثال قائم کی ہے، وہ ہمارے لئے بہترین دستور العمل ہے۔

حضرت عقبہؓ بن الحارث سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ عصر کی نماز ادا کی، پھر فوراً ہی اُٹھ کر گھر کے اندر گئے، لیکن وہاں بھی دیر تک نہ ٹھہرے، اور جلدی باہر لوٹ آئے۔ تو میں نے، یا کسی اور نے، (سوال کر کے) کہا کہ یا رسولؐ اللہ آپ کیوں اتنی عجلت میں گھر کے اندر گئے اور لوٹ آئے) تو آپؐ نے فرمایا کہ زکوٰۃ میں (چاندی، یا سونے کی ایک اینٹ آئی تھی جسے میں) گھر چھوڑ آیا تھا، اور مجھے پسند نہیں تھا کہ وہ میرے پاس رات بھر پڑی رہے (اور حقدار مسلمانوں کو نہ پہنچے) اس لیے میں نے اسے فوراً تقسیم کر دیا۔

(روایت امام بخاری)

دولت کی آزادانہ بلا رکاوٹ، اور مسلسل گردش کی اسلامی معاشی و معاشرتی

---

[1] حدیث میں لفظ "المُتَصَدِّقَيْنِ" استعمال ہوا ہے، جو "متصدق" کا تثنیہ ہے، اور جس کا مطلب "دونوں صدقہ (فرض یعنی زکوٰۃ) دینے والے" ہے یعنی "زکوٰۃ دینے والا" اور زکوٰۃ تقسیم کرنے والا"۔ اس سے مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والا کسی مستحق مسلمان کے لیے زکوٰۃ کے عاملین سے سفارش کر سکتا ہے اور زکوٰۃ کے عاملین کا یہ فرض ہے کہ وہ درخواست کو توجہ سے سنیں۔

Marfat.com

پالیسی کی بنیاد قرآن پاک کے جن چھ اصولوں پر رکھی گئی ہے، ان میں ایک زکوٰۃ ہے اس لیے زکوٰۃ کے تمام عاملین کا فرض ہے کہ وہ رسول کریمؐ کی سنت مبارک کی پوری پیروی کریں۔ اور اپنے انتظامی فرائض کی بجاآوری میں پھرتی اور تیزی کا بلند ترین معیار ہمیشہ برقرار رکھیں۔

زکوٰۃ کے اموال کا استعمال جن جائز مصارف پر کرنا مقصود ہے، ان پر پوری مستعدی اور تیزی سے خرچ کرنا چاہیئے، تاکہ معاشی بہبود کا جو عام معیار دینِ اسلام میں قائم کیا گیا ہے۔ اسے ہمیشہ زندہ حقیقت کی حیثیت سے برقرار رکھا جا سکے۔

زکوٰۃ سے مستحقین کی امداد روکنے کی ممانعت

۵۰: مستحقین کی موجودگی میں زکوٰۃ کے عاملین کو کبھی اور کسی طرح بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ کے اموال کو ان سے روک رکھیں۔

زکوٰۃ کے عاملین کا سلوک مستحقین کے ساتھ، قرآنِ پاک کی سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۲ (كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ) کا صحیح مظہر ہونا چاہیئے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے رحمت لازم کر لینے کا اعلان فرمایا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات اسلام کے پیروکاروں کو بالعموم، اور زکوٰۃ کے تمام عاملین کو بالخصوص تنبیہ کرتی ہیں کہ جب تک کسی محتاج کی ضرورت کو پورا کرنے کے ذرائع موجود ہیں، اس کی درخواست کو مسترد نہ کیا جائے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا
فَاٰوٰى ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا
فَاَغْنٰى ۝ فَاَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ
فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ ع

اور عنقریب تمہارا خدا تم کو اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے ۝
کیا اس نے تم کو یتیم نہ پایا اور پھر تم کو پناہ دی ۝ اور تم کو گمراہ پایا۔
پھر ہدایت عطا کی ۝ اور تمہیں نادار پایا ۝
پھر غنی کر دیا ۝ تو یتیم پر سختی نہ کرو ۝ اور کسی سائل اور مانگنے والے کو

Marfat.com

نہ جھڑکو اور اپنے پروردگار کی نعمت کو بیان کرو ۔

(سورۃ الضحیٰ، آیات ۵ تا ۱۱)

زکوٰۃ کے مستحقین کے بارے میں زکوٰۃ کے عاملین کے باخبر ہونے کا لزوم

زکوٰۃ کے عاملین کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے دائرۂ اختیار میں تمام رہنے والوں کے عام حالات اور ان میں زکوٰۃ کے موجود مستحقین کی صحیح تعداد اور اقسام کے بارے میں ہمیشہ باخبر رہیں ۔

ہر محلے کے بارے میں یہ بنیادی اور ضروری معلومات زکوٰۃ کے مرکز کی متعلقہ شاخ کو ادارۂ زکوٰۃ کے مخبرین (العارفون) پہنچائیں گے، جو اطلاع فراہم کرنے پر مامور ہیں، اور جن کا خاص فرض ہے کہ وہ انتہائی مستعدی و ہوشمندی سے زکوٰۃ کے مستحقین کو تلاش کریں اور زکوٰۃ کے مرکز کے ناظم اعلیٰ کو ان کے حالات اور پتہ بتلائیں :۔

ان کے کام کی خاص نوعیت کے سبب، چاہیئے کہ مخبرین میں سے کم سے کم نصف قابل عورتیں ہوں تاکہ ان کا کام مؤثر طور پر انجام پائے ۔

زکوٰۃ کے اموال کی تقسیم کا ریکارڈ رکھنا

۵۲: جس وقت کسی مستحق کو زکوٰۃ دی جائے، خواہ وہ کسی قسم کے مستحقین میں سے ہو، اس کو دی ہوئی زکوٰۃ کی صحیح مقدار، مالیت یا تعداد زکوٰۃ کے محررین ۔ (الکاتبون) سے فوراً ریکارڈ میں درج کرالینا چاہیئے ۔ اسی اصول کا اطلاق تمام دوسرے جائز مقاصد پر زکوٰۃ کے خرچ ہونے والے اموال کے لیے بھی ہوتا ہے ۔ مثلاً: ادارۂ زکوٰۃ کے احاطے کی تعمیر، اور ان کا ساز و سامان غریبوں کے لیے وقف شدہ ہسپتال، بطور زکوٰۃ وصول شدہ اشیائے تجارت کے لئے، اور اناج کے لیے گودام، وغیرہ، کم مایہ علاقوں میں سڑکوں اور ریلوں کی تعمیر یا مرمت؛ جہاں ان کاموں کی تکمیل عوامی فلاح و بہبود کے لیے نہایت ضروری معلوم ہوتی ہے ۔ اور جن کے لیے حکومت کا خزانہ ناکافی ہو۔

زکوٰۃ کی تقسیم میں دوہری رسیدیں

۵۴: زکوٰۃ کے اموال کو تقسیم کے وقت، دو دوہری رسیدیں بنائی جانی چاہئیں پہلی رسید پر زکوٰۃ کا قاسم دستخط کرے گے، اس میں زکوٰۃ کے محافظ (یعنی خازن، گودام میں زکوٰۃ کے رکھے ہوئے اموال کے محافظ، زکوٰۃ کے مولشیوں کے گلہ بان یا چرواہا، وغیرہ) سے تقسیم کے واسطے لیے ہوئے اموال کا تفصیلی اقرار کرے گا۔ اس کی اصلی رسید محافظ کے پاس رہے گی۔ اور نقل، جس پر زکوٰۃ کے محافظ کے دستخط ہوں گے، زکوٰۃ کے ذیلی مرکز کے ریکارڈ میں رکھی جائے گی؛ دوسری دوہری رسید زکوٰۃ لینے والا زکوٰۃ کے حاصل شدہ اموال کی مقدار، مالیت، اور تعداد تفصیل سے درج کر کے دستخط کرے گا۔ یہ دوسری اصلی رسید، جس پر زکوٰۃ کے قاسم کے دستخط بھی ہوں گے زکوٰۃ کے ذیلی مرکز کے ریکارڈ میں محفوظ کر دی جائے گی۔ اور نقل زکوٰۃ تقسیم کرنے والے کے پاس رہے گی۔

ان رسیدوں میں مندرجہ ذیل امور کی صراحت ہونی چاہیئے۔

الف: متعلقہ زکوٰۃ کے دیئے جانے کی صحیح تاریخ (دن، ماہ، سنہ)

ب: زکوٰۃ کے محافظ کی رسید پر اس کے، اور زکوٰۃ کے تقسیم کرنے والے دونوں، کے نام۔

جس رسید پر زکوٰۃ لینے والے (یعنی مستحق) کے دستخط ہوں گے، اس پر، زکوٰۃ لینے والے کے علاوہ زکوٰۃ تقسیم کرنے والے اور محافظ کے نام بھی ہوں گے۔

ادارۂ زکوٰۃ کی عمارت کی تعمیر، مرمت، کرایہ، اور ساز وسامان، اور کم مایہ علاقوں میں سڑکوں اور پلوں کی تعمیر یا مرمت کے لیے زکوٰۃ کے دیئے ہوئے اموال کی وصولی کی رسید پر مذکورہ کام کا ذمہ دار شخص دستخط کرے گا۔

ج: رسید پر گاؤں، قصبے، یا شہر، اور ملک کے علاوہ، محلے کا نام بھی درج ہونا چاہیئے، جس جگہ زکوٰۃ کے اموال مستحق کو دیئے گئے ہیں، یا تعمیر،

Marfat.com

یا مرمت، وغیرہ، کے لیے وہ استعمال میں لائے گئے ہیں۔

د: زکوٰۃ کے تقسیم کئے ہوئے اموال کی صحیح نوعیت درج کرنی چاہیئے۔ یعنی اگر مویشی ہیں تو ان کی نوع اور قسم؛ اگر اشیاء کی شکل میں ہوں تو ان کی قسم، کی تفصیل؛ اور اگر چاندی، سونے، یا کرنسی نوٹ کی شکل میں ہوں تو ان کی مقدار وغیرہ تفصیل سے درج کی جائے گی۔

ھ: زکوٰۃ کے تقسیم کیے ہوئے اموال کی صحیح مقدار، مالیت، یا تعداد۔

و: زکوٰۃ لینے والے کی قسم (حاجتمند، نادار، زکوٰۃ کا حقدار عامل، مقروض، محتاج، مسافر وغیرہ) اور متعلقہ گروہ (مستقل، عارضی، یا اتفاقی مستحق)

ز: دونوں دوہری رسیدوں کا جن میں سے ایک پہ زکوٰۃ تقسیم کرنے والا زکوٰۃ کے محافظ سے فراہم شدہ اموال کا اقرار کرتا ہے، اور دوسری پہ زکوٰۃ لینے کو دیئے ہوئے اموال کا، مقصد یہ ہے کہ ایک طرف عوام اور دوسری طرف زکوٰۃ کے اخراجات پہ کڑی نگرانی رکھنے کا پورا موقعہ ملے گا۔

جس طرح زکوٰۃ کی ادائیگی دہری رسیدوں پہ درج کی جاتی ہے۔ اس ہی طرح مستحق کو زکوٰۃ کے اموال دیتے وقت، ہر نوع اور قسم کو تفصیل سے الگ الگ دوہری رسیدوں پر درج کیا جانا چاہیئے۔

زکوٰۃ کی اعانت بلا تاخیر اور صحیح وقت پہ کی جانی چاہیئے۔

۵۴: زکوٰۃ کی اعانت کی تمام درخواستوں پہ بلا تاخیر عمل درآمد کرنا چاہیئے اور مستقل اور عارضی مستحقین کو ہمیشہ پابندی سے صحیح وقت پہ امداد دینا چاہیئے،

اس اصول پر بطریق احسن عمل کرنے کے لیے زکوٰۃ کے ہر محلے کے مرکز میں تمام مقامی مستحقین کی تازہ ترین فہرست ہر وقت تیار رہنا چاہیئے جو زکوٰۃ کے اموال میں سے مستقل گذران یا عارضی اعانت کے حقدار ہیں۔

ادارۂ زکوٰۃ کے نصب العین اور اعلیٰ مقصد کی ادائیگی کے انتظام و انصرام میں کسی قسم کے "لال فیتے"، یا خواہ مخواہ کی مداخلت کو کسی بھی طرح

Marfat.com

برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی انتظامی رکاوٹیں منصبداراز نمود و نمائش رشوت اور بدعنوانی کی راہ ہموار کرتی ہیں۔ اور اس طرح، نہ صرف قانونِ زکوٰۃ کے الفاظ اور روح کے قطعاً متضاد اور منافی ہیں، بلکہ اسلامی سماجی تنظیم اور اسلامی حکومت کے ہر شعبے کے فرائض منصبی کے بالکل برعکس ہیں،

اگر ادارہ زکوٰۃ کو مسلم معاشرے سے غربت و افلاس دور کرنے کے لیے ایک مؤثر آلہ کی حیثیت سے کام کرنا ہے، تو زکوٰۃ کے تمام عاملین کو چاہیے کہ وہ ان خصوصیات کو اپنی کارکردگی کے لیے رہبر اصول تسلیم کر لیں، جن کا مظاہرہ رسول اکرمؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کرام نے اپنے فرائض کی بجا آوری میں کیا[1]۔ یعنی فرائض کی انجام دہی میں انتہائی ایمانداری اور مستعدی کی خصوصیات۔ زکوٰۃ کے عاملین کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خدام ہیں اور انہوں نے اپنی زندگیوں کو مسلم اقوام کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا ہے انہیں ہرگز اس مغالطے میں نہیں رہنا چاہیے کہ وہ اپنے بدقسمت غریب بھائیوں کو زکوٰۃ کی دولت اپنی ذات سے مرحمت کرنے والے ہیں۔ انہیں واضح طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ زکوٰۃ کے جن اموال کے وہ منتظم و محافظ ہیں، وہ ان کی ملکیت نہیں ہے، حتیٰ کہ یہ ریاست و حکومت کی بھی ملکیت نہیں ہے، قرآن پاک کی رو سے زکوٰۃ کے اموال قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے زکوٰۃ کے مستحقین کی قانونی ملکیت ہیں۔

زکوٰۃ کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری اٹھانے والے تمام لوگوں کو چاہیے کہ وہ حضرت معاذؓ بن جبل کی مثال کی پیروی کریں، جنہیں رسول کریمؐ نے اس

---

[1] مذکورہ بالا دونوں احادیث ملاحظہ فرمائیں: ایک میں فرمایا کہ امانت دار مسلم خازن جو حکم ملتا ہے خوشی سے پورا کرتا ہے۔ اور دوسری میں فرمایا کہ آنحضرتؐ ناپسند کرتے تھے کہ زکوٰۃ کی چیز ان کے پاس رات بھر رہے۔

Marfat.com

بارے میں حسب ذیل ہدایات دی تھیں۔

ہمیں محمدؐ نے بتایا، اور کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی اور کہا: ہمیں زکریا ابن اسحٰق نے یحییٰ بن عبداللہ بن صیفی سے، اور انہوں نے عبداللہ بن عباسؓ کے مولیٰ ابومعبد سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب رسولؐ اللہ نے معاذؓ بن جبل کو یمن (کا عامل بنا کر بھیجا) تو آپؐ نے فرمایا: تم ایک قوم کے پاس جا رہے ہو، جن کے پاس آسمانی کتاب (یعنی توراۃ اور انجیل) ہے۔ تو جب ان کے پاس پہنچو تو انہیں دعوت دو کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اگر وہ یہ مان لیں، تو انہیں بتلاؤ کہ اللہ نے ان پہ ہر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ یہ بھی مان لیں، تو انہیں بتلاؤ کہ اللہ نے ان پہ زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے غریبوں کو لوٹا دی جائے گی؛ اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیں، (اور زکوٰۃ ادا کریں) تو یہ خیال رکھو کہ ان کے اموال میں سے منتخب چیزیں (بطور زکوٰۃ) مت لو؛ اور مظلوم کی دعا سے ڈرتے رہو (اور خاطر خواہ توجہ دو) کیونکہ مظلوم اور اللہ کے درمیان پردہ نہیں ہے۔

(روایت امام بخاری)

معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا ایک طالب اگر امداد کا مستحق ہے تو زکوٰۃ کے عاملین اس کو امداد دینے سے انکار یا اس میں تاخیر نہیں کر سکتے جب تک کہ مطلوب اموال زکوٰۃ کے مقامی مرکز میں موجود ہوں، یا کسی اور مرکز کے فاضل اموال میں سے حاصل کیے جا سکتے ہوں۔

صرف غیر معمولی حالات میں مثلاً کوئی قومی آفت آجائے، یا ملک کے دفاع کے لیئے مکمل جنگ لڑنی پڑ جائے جس کے لیے زکواۃ کے اموال کے اثاثوں کو بھی مجبوراً حرکت میں لانے کے سبب، کم اہم معاملات میں ان کی تقسیم کی امکانی تاخیر کو درست سمجھا جاسکتا ہے، یا ہر مستحق کو زکواۃ سے مقرر وظیفے میں عارضی طور پر کمی کی جاسکتی ہے۔

زکواۃ کی اعانت کی درخواستوں کے بارے میں تحقیقات

۵۵: یہ تصدیق کرنے کے لیے کہ زکواۃ سے امداد کی کوئی بھی درخواست جائز ہے یا نہیں، زکواۃ کے مخبرین کو، ادارہ زکواۃ کی طرف سے، چاہیئے کہ وہ درخواست کرنے والے کے صحیح حالات کی تحقیقات کریں، خصوصاً مستقل یا عارضی امداد کے دعویٰ دار، اور مقروضوں، کے بارے میں۔

تاہم، جونہی ایک شخص زکواۃ کی امداد کا طلب گار ہو، تو پیشتر اس کے کہ اس کے متعلق تحقیقات مکمل ہوں۔ جو نہایت ایمانداری، مستعدی اور تیزی سے کی جانی چاہئیں۔ زکواۃ کے طالب کو فوری طور پر غذا، لباس، علاج، اور رہائش میں سے جس چیز کی بھی ضرورت ہو، وہ مہیا کر دی جائے۔ زکواۃ کے عاملین کو اس شخص کے مستحق ہونے کے بارے میں چاہے شک کرنے کے لیے معقول وجہ موجود بھی ہو۔ تب بھی اس کی فوری ضرورت پوری کرنے میں تاخیر نہ کی جائے۔

۵۶: اگر زکواۃ سے طلب امداد کے بارے میں زکواۃ کے مخبرین کو، تحقیقات کے بعد، یہ معلوم ہو کہ دراصل وہ اس وقت زکواۃ کا مستحق نہیں تھا۔ لیکن زکواۃ کی درخواست کرنے میں اس کی نیت بھی خراب نہیں تھی، تو قانون زکواۃ کے مقررشدہ اصولوں کی روشنی میں، اختلافی فیصلے کی اطمینان بخش وجوہات درج کر کے اس درخواست کو مسترد کرنے کی اطلاع دی جائے گی۔ جس پر متعلقہ تحقیقات کرنے والے مخبر اور زکواۃ کے مرکز کی مقامی

شاخ کے ناظمِ اعلیٰ کے دستخط ہوں گے۔

اس حالت میں تحقیقات کے دوران، متعلقہ شخص کو زکوٰۃ کے اموال میں سے جتنی فوری امداد دی جا چکی ہے اسے واپس نہیں لیا جائے گا، تاہم روحِ اسلام اس امر کی متقاضی ہے کہ جس شخص نے، بغیر حق کے، لیکن بدنیتی کے بغیر، زکوٰۃ کے اموال لیے ہوں، وہ اس بات کو محسوس کرے کہ وہ زکوٰۃ بغیر حق لے کر اللہ تعالیٰ کا مقروض ہو جاتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے کہ اس نے اپنے بارے میں غلط اندازہ کیا اور، زکوٰۃ کی امداد لے کر، ایک جائز حقدار کی حق تلفی کی۔

جب مکمل ثبوت موجود ہو کہ ایک شخص کا طلب امداد کا دعویٰ قانونِ زکوٰۃ کے اصول کے مطابق ناقابلِ قبول ہے۔ تو زکوٰۃ کے دعویدار کو درخواست کے استرداد کو وقار و تحمل سے تسلیم کر لینا چاہیے، اور نظم زکوٰۃ کے خلاف دل میں نفرت کو جگہ نہیں دینی چاہیے، کیونکہ ایسے جذبات کو سینے میں جگہ دینا اسلامی انصاف کے اعلیٰ معیار کے منافی ہے۔ ایک دعویٰ دار کو زکوٰۃ کی اعانت نہ ملنے کے سبب دل میں نفرت بٹھانے کی مذمت مندرجہ ذیل قرآنی آیات سے ہوتی ہے۔ جو واضح طور پر بتلاتی ہیں کہ اس صورت میں کونسا رویہ درست ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ج فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ٥ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ لا وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ٥

ان میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو تقسیم مال میں تم پر اعتراض کرتے ہیں، اگر ان کو کچھ دیا جاتا ہے، تو خوش رہتے ہیں، نہ

Marfat.com

دیا جائے تو بگڑ جاتے ہیں اور غصّہ میں بھر جاتے ہیں ۰ کیا اچّھا ہوتا کہ وہ اللہ اور اس کے دیئے ہوئے پر راضی رہتے اور کہتے ہم کو اللہ ہی کافی ہے اپنے فضل سے اللہ ہم کو اور دے گا. اور اس کا رسولؐ بھی، ہماری دلی رغبت تو خدا کی طرف ہے.

(سورۃ التوبہ، آیات نمبر ۵۸، ۵۹)

اگر ایسا شخص بھی بعد ازیں زکوٰۃ کا جائز مستحق بن جائے، تو اسے زکوٰۃ کی امداد بلا تاخیر دی جانی چاہیئے۔

۵۷۔ اگر زکوٰۃ کے مخبرین کی تحقیقات کے نتیجے میں، زکوٰۃ سے امداد مانگنے والے کے بارے میں یہ ثابت ہوجائے کہ اس کے حالات اتنے خراب نہیں ہیں کہ اسے زکوٰۃ کی امداد دی جاتی۔ اور اس نے جھوٹ اور بدنیتی سے زکوٰۃ کے اموال لیئے ہیں۔ تو ایسا شخص عمداً بغیر حق زکوٰۃ لینے کا مجرم ہوگا، اور نہ صرف اسے زکوٰۃ کے تمام بلا حق لیئے ہوئے اموال واپس دینا ہوں گے بلکہ وہ سزا کا مستحق بھی ہوگا.

۵۸۔ زکوٰۃ کے تمام اتفاقی اور عارضی امداد کے طلب گاروں کو جن کی درخواست غذا، لباس، علاج، اور رہائش کی فوری ضروریات سے زیادہ نہ ہو، بغیر مخبرین کی تحقیقات کے، اسی وقت مطلوبہ امداد دے دی جانی چاہیئے، سوائے اس کے کہ زکوٰۃ کا طالب محلے کا ایک معروف شخص ہو جس کے آرام دہ معاشی حالات کے بارے میں اکثر لوگوں کو علم ہے، ایسی صورت میں مذکورہ بالا قوانین نمبر ۵۰ کے مطابق، اس معاملے کی تحقیقات کی جانی چاہیئے۔

دوسری طرف، اگر ایک خوش حال شخص اچانک سخت معاشی مشکلات میں پھنس جائے، تو اس کا یہ وقت زکوٰۃ کے اموال میں سے امداد لینا جائز ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

زکوٰۃ کے مستحقین کے لئے سفارش

۵۹۔رسول کریمؐ کی ہدایت کے مطابق، زکوٰۃ دینے والا کسی بھی وقت کسی مستحق کے حق میں زکوٰۃ کے عاملین سے امداد کی سفارش کر سکتا ہے[1]۔ اور زکوٰۃ کے عاملین کا فرض ہے کہ ایسی سفارش کو پوری توجہ دیں اور زکوٰۃ کے موجودہ اموال میں سے متعلقہ مستحق کو ضروری امداد مہیا کریں۔

اگر ایسے سفارش کردہ طالب امداد کے بارے میں تحقیقات کی ضرورت ہو، تو مذکورہ بالا قانون نمبر ۵۰ کے مطابق، زکوٰۃ کے مخبرین اس کام کو انجام دیں گے۔

زکوٰۃ کا غیر طالب مستحق

۶۰: جب کبھی زکوٰۃ کے مخبرین کے علم میں کوئی حاجتمند آ جائے، تو ان کا فرض ہے کہ اس مستحق کی زکوٰۃ کی درخواست سے پہلے ہی زکوٰۃ کے اموال میں سے ضرور امداد کی سفارش کریں اور حاجتمند کو امداد لینے سے انکار نہ کرنا چاہیئے۔ جب کوئی مسلمان زکوٰۃ کا واقعی مستحق بن جائے تو اس کا اسلامی فرض اور حق ہے کہ وہ زکوٰۃ کا خواستگار ہو اور اسے قبول کرے۔

غیر مسلم حاجتمند

۶۱: زکوٰۃ کی اعانت چونکہ کلی طور پر خوش حال مسلمانوں کی طرف سے حاجتمند مسلمانوں کے استفادے اور استعمال کے لیے ہے، اور مسلم ریاست میں غیر مسلم حاجتمندوں کو ریاست یا معاشرہ کی طرف سے امداد دینے کی ضرورت پڑے، تو یہ امداد ریاست کے اموال، یعنی عوامی (بلدیہ، صوبائی، یا حکومت کے) خزانے میں سے یا، زکوٰۃ کے علاوہ، کسی اور سماجی تحفظ باہمی سے دی جانی چاہیئے۔ غیر مسلمان کو زکوٰۃ کے اموال میں قطعاً مدد نہیں دی جانی

---

[1] ملاحظہ فرمائیں، قانون نمبر ۴۸ کے ضمن میں حاشیہ میں "متصدقین" کی تشریح

Marfat.com

چاہیئے۔

بایں ہمہ، اگر اچانک نہایت سنگین ہنگامی حالات پیدا ہو جائیں (مثلاً حادثات، تباہی اور بربادی، اچانک اور خطرناک بیماریاں، اور مصیبت زدہ مسافرین)، جن کو فوری مدد کی ضرورت ہو، اور کوئی دوسری مدد اس وقت ممکن الحصول نہ ہو، تو اسلامی خیرات کی روح اور انسانیت کے جذبۂ ہمدردی و نیک دلی کا تقاضا ہے کہ ایسے موقعے پر زکوٰۃ کے اموال میں سے مصیبت زدہ غیر مسلموں کو فوری لازمی غذا، لباس، پناہ اور علاج کی سہولیات فراہم کی جائیں۔ اور عوامی خزانے کو چاہیئے کہ جتنی جلد ممکن ہو، زکوٰۃ میں سے خرچ کردہ رقوم، یا اشیاء کی مالیت، زکوٰۃ کے خزانے کو واپس لوٹا دے۔

زکوٰۃ کی تقسیم کے اصول۔

۶۲: زکوٰۃ کے اموال تقسیم کرنے کے عام مسلّمہ اصول درج ذیل ہیں۔

۱: مستقل حقداروں کو، یعنی ان مستحقین کو جو زکوٰۃ کے اموال میں سے وظیفہ یا گذران کے مستقل جائز حقدار ہیں۔ سال بھر کی رسد اکٹھی دنے دینی چاہیئے، جو ان کے لیے زندگی کے ایک مناسب و مہذب لیکن سادہ معیار کو برقرار رکھنے کے لیئے کافی ہے

۲: غلاموں اور جنگی قیدیوں کے علاوہ۔ جن کے آزاد کروانے، اور فدیہ دے کر چھڑانے میں ممکن ہے کہ کافی زیادہ اخراجات ہوں۔ زکوٰۃ کے باقی ہر قسم کے اتفاقی اور عارضی مستحقین کو بیک وقت اموال کی جو مقدار دی جا سکتی ہے، وہ اس کی نوع کے لیئے مقرر شدہ نصاب سے کم ہونی چاہیئے؛ یعنی ایک ایسی مقدار نہیں دی جا سکتی جس پر زکوٰۃ واجب الادا ہے۔

چنانچہ، زکوٰۃ کے ایک اتفاقی یا عارضی مدد کے طالب مستحق کو بیک وقت پانچ اونٹ بوجھ کے برابر، یا اس غلّے کی مروجہ قیمت کے برابر نقدی (جو رسولِ کریمؐ کے زمانے میں ۲۰۰ درہم چاندی تھی)، نہیں دی جا سکتی، بلکہ اس

نصاب کی مقدار سے کم دینا چاہیئے۔ اس طرح، ایک مستحق کو، بیک وقت، چالیس بھیڑ بکریاں، تیس گائے بیل، یا پانچ اونٹ نہیں دئیے جا سکتے، جو نفاذ زکوٰۃ میں اپنی اپنی نوع کے لیے مقرر شدہ نصاب ہیں۔

مثلاً: اگر ایک ملک کے بیشتر باشندوں کی عام غذا گندم ہے۔ اور فرض کیا کہ گندم کا اوسط بازاری نرخ ۸۵ روپے من ہے[1] تو پانچ اونٹ بوجھ (= ۴۲ من، یا ۱۶۸۰ سیر، یا ۱۵۶۸ کیلو گرام) کی قیمت ۴۲×۸۵ = ۳۵۷۰ روپے ہوگی، تو اس سال، اس ملک میں، نقدی کا نصاب ۳۵۷۰ روپے ہوگا۔ مستحقین کو، نقدی کی صورت میں، زکوٰۃ کی امداد زیادہ سے زیادہ ۳۵۶۹ روپے دینا جائز ہوگا۔

اس قانون کا جوہر انفرادی معاملے میں زکوٰۃ کی دی جانے والی مقدار کا تعین کرتا ہے، مقصد یہ نہیں کہ زکوٰۃ مستحق غربت کی تنگ حدود میں صرف اپنے وجود کو برقرار رکھ سکے، بلکہ یہ ہے کہ مستحق کی آبادکاری کی جائے[2]۔ لہذا، زکوٰۃ کی امداد کی نوعیت اور مقدار کو زندگی کے مصارف کے مروجہ نرخوں، اور ہر مستحق کے انفرادی خصوصی حالات وضروریات کے مطابق، طے کیا جانا چاہیئے۔ حتی کہ ان مستحقین کو زکوٰۃ دیتے ہوئے، جن کے متوسلین بھی ہوں جن کی گذران کے لیے وہ قانونی یا اخلاقی لحاظ سے پابند و ذمہ دار ہوں، ان میں سے ہر ایک 'مرد، عورت، اور بچے' کو زکوٰۃ کا جائز مستحق سمجھنا چاہیئے۔

ذیل میں زکوٰۃ کے جائز مستحقین کے حصے مقرر کر کے، ان میں زکوٰۃ کے اموال کو تقسیم کرنے کی ایک عام تجویز پیش کی گئی ہے۔

---

[1] جیسا کہ تمام بازاری اسباب بمعہ چاندی سونے اور اناج کا بازاری نرخ سال بسال بدل جاتا ہے، نصاب کی صرف معیّن شدہ مقدار ثابت رہتی ہے۔

[2] آئندہ صفحات میں قانون نمبر ۸ کے جزو ۵ میں حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

مستقل حقدار

ان میں یہ مستحقین شامل ہیں۔

(الف) نادار لوگ (مساکین) جو بے کس اور بے سہارا، ناقابلِ علاج بیمار، معذور، یا اپاہج ہیں، خواہ بچے ہوں یا بڑے، مرد یا عورت، اور جن کو انفرادی طور پر زکوٰۃ کے اموال میں سے تاحیات باقاعدہ اور مستقل امداد دینا ہے۔ زکوٰۃ کی امداد نقدی، غذائی انواع، لباس، رہائش وغیرہ کی صورت میں، جس طرح بھی مستحقین کو سہولت ہو، دی جائے۔ اس کے علاوہ، ان کی جسمانی یا دماغی حالات کی ضروریات کے مطابق، طبّی علاج و معالجہ بھی مہیا کیا جائے۔

(ب) محتاج بیوائیں جو بے اولاد ہوں، لیکن جن کی خرابی صحت کی وجہ سے ان کی خود مکتفی آبادکاری ناممکن ہے، یا جو بچے والی ہوں اور جن کے ذمّہ اپنے بچوں کی پرورش اور نگہداشت ہو، لیکن وسائل ناکافی ہوں، ایسے یتیم بچے جن کے ماں باپ دونوں وفات پا چکے ہیں اور ان کو حاجتمند حالت میں چھوڑ گئے ہوں۔ ان تمام مستحقین کو انفرادی طور پر، ان کی سہولت کے پیش نظر، زکوٰۃ کی مستقل امداد اور بیماری کے وقت علاج اور طبّی سہولیات بھی ملنا چاہیئے۔ یتیم محتاج لڑکوں کو نابالغ ہو جانے اور لڑکیوں کی شادی ہو جانے یا عزت و توقیر سے اپنی روزی کمانے کے قابل ہونے تک امداد دی جائے، ایسے یتیموں کی تعلیم و تربیت کے لیے خصوصی اعانت بھی لازمی طور پر دی جائے۔

ج: زکوٰۃ کے مستحق عاملین: ایسے حاجتمند مسلمان جو "فی سبیل اللہ" کی تعریف میں آتے ہیں، یعنی جنہوں نے اپنی زندگیوں کو اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا ہے؛ حاجتمند مسافروں کے لیے قائم کی ہوئی آرام گاہوں اور اور سرائوں کے چوکیدار اور دوسرے مستقل ملازم۔ اور تمام لوگوں کو، جب تک کہ وہ عملی طور پر اپنے مرتبہ پر رہیں، انفرادی طور پر، ان کی سہولت کے پیش نظر، زکوٰۃ کے اموال میں سے مستقل امداد اور ضروری طبّی علاج اور دیگر سہولتیں

بھی فراہم کی جائیں۔

د: زکوٰۃ کے اموال میں سے قائم شدہ ہسپتال، دواخانے، یتیم خانے، مدرسے اور اسکول ، اور غریب مسلم بچوں اور بالغوں میں سے جو معذور، اندھے، گونگے، اور بہرے ہوں، ان کی تعلیم اور آبادکاری کے خاص ادارے۔ ان تمام اداروں کو انفرادی طور پر زکوٰۃ کے اموال میں سے باقاعدہ لازمی حصّہ دیا جائے جو ان کی مناسب دیکھ بھال، انتظام و انصرام، اور سازوسامان کے لئے، اور اگر کرائے دینے پڑیں تو ان کے لیے بھی، کافی ہوں۔

عارضی حقدار

ان میں یہ مستحقین شامل ہیں۔

الف: "الفقراء" یعنی جن کے ذرائع ان کی جائز ضروریات کو بھی پورا نہیں کرتے؛ "المساکین" یعنی جن کے پاس بالکل کچھ نہیں ہے، یا اتنا کم ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے؛ "المؤلفۃ قلوبھم" یعنی ایسے نومسلم جن کی تالیفِ قلب ضروری ہے؛ "فی الرقاب" یعنی حاجتمند یا نادار آزاد کردہ غلام اور سابقہ جنگی قیدی؛ اور وہ مسلمان بھی جو مسلم ممالک کی حدود میں[1] ارضی، بحری، یا فضائی آفات یا تباہی کا شکار ہو گئے ہوں،

---

[1] ایسے مسلمان جو مسلم ممالک کے حدود کار سے باہر، مثلاً مسافر ہوں، اگر ایسی تباہی کے شکار ہو جائیں، تو انہیں بھی مسلم اُمت کی زکوٰۃ کے اموال پر حق حاصل ہے۔ زکوٰۃ کی یہ امداد مرکزِ اعلیٰ مہیا کرے گا بشرطیکہ جس غیر مسلم ملک کے مسلمان تباہی کا شکار ہو گئے ہیں، اس ملک کی طرف سے مسلم ملک سے امداد (نقدی اور اشیاء) کی ترسیل میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اگر ایسے آفت رسیدہ مسلمان غیر مسلم ملک کے باشندے ہوں، اور وہاں موجود مسلمانوں میں زکوٰۃ کی کوئی تنظیم نہ ہو، تو وہ بھی مسلم اُمت کی طرف سے زکوٰۃ کی امداد کے جائز حقدار ہیں۔

اور جن کی تمام دنیاوی ملکیتوں کا یا تو بالکل خاتمہ ہو گیا ہے، یا اتنا نقصان ہوا ہے کہ وہ لوگ پریشانی اور مفلوک الحالی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ان کی ادارۂ زکوٰۃ کے ذریعے "فی سبیل اللہ" آباد کاری کی جائے گی اور جب تک وہ روزی کمانے کے قابل نہیں ہو جاتے، اپنی ضروریات نقدی، غذا، لباس، طبی سہولیات اور رہائش کی شکل میں حاصل کریں گے۔

(ب) جنگ کے مسلم مہاجرین کی فوری امداد کے علاوہ، دوسرے (یعنی حکومتی، وغیرہ) اموال ناکافی ہونے کی صورت میں، زکوٰۃ کے اموال ان مقاصد کے لیے عارضی طور پر استعمال کیے جا سکتے ہیں جو مسلمانوں اور مسلم علاقوں کی دفاعی جنگ "فی سبیل اللہ" کے انتہائی ہنگامی اوقات میں ضروری ہوں (مثلاً قلعوں کی تعمیر، اسلحہ کی خرید، غذائی ضروریات اور مجاہدین کے لیے طبی امداد کی فراہمی، وغیرہ

اتفاقی حقدار

ان میں یہ مستحقین شامل ہیں۔

(الف) وہ تمام مسلم غرباء جن کی آباد کاری زکوٰۃ کی امداد سے فوراً کی جا سکتی ہے، اور جو حاجتمند، نادار، یا "المؤلفۃ قلوبھم" یعنی نومسلم ہونے کی بناء پر تالیف قلب کے حقداروں کے عنوان کے تحت آتے ہیں۔

(ب) "فی الرقاب" یعنی وہ مسلمان جنگی قیدی اور (غیر مسلموں کے ہاتھوں میں مسلمان) غلام جن کا زرِ فدیہ، یا آزاد کروانے کی قیمت، زکوٰۃ کے اموال میں سے ادا کرنا ہے، خواہ مطلوبہ مالیت متعلقہ دولت کے لیے مقررشدہ نصاب سے زیادہ ہو[1]

(ج) مسلم ممالک کی حدود میں، ارضی، بحری، یا فضائی حادثات کے آفت رسیدہ مسلمان، خواہ ان کی دنیاوی ملکیتیں قطعی طور پر برباد ہو گئی ہوں یا پہلے ہی نہ ہوں، یا انہیں کافی زیادہ نقصان پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو، لیکن جنہیں فوری طور پر

---

[1] ملاحظہ فرمائیں، حصہ دوم میں، باب "فی الرقاب"

Marfat.com

کسی بھی قسم کی امداد کی ضرورت ہو، مثلاً نقدی، غذاء، لباس، طبّی علاج ومعالجہ جائے پناہ، وغیرہ، انھیں "فی سبیل اللّٰہ" والی مدّ سے امداد مہیا کی جائے۔

(د) مستحق مقروض مسلمان، جن کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے، ان کے قرضوں کو جزواً یا کلاً ادارۂ زکوٰۃ کی طرف سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ قرضخواہ بھی سخت حاجت میں ہو، اور وہ مقروض کے معاشی حالات درست ہو جانے کے وقت تک کا انتظار نہ کر سکتا ہو۔

اگر قرض کی مالیت متعلقہ نوع کے لئے مقررشدہ نصاب سے کم ہو، تو زکوٰۃ کے اموال میں سے پورا قرض، اور اگر وہ نصاب سے زیادہ ہو، یا اس کے لیے زکوٰۃ کے اموال ناکافی ہوں، تو قرض کا ایک حصّہ، ادا کیا جا سکتا ہے۔

لیکن اگر قرض کی کل مالیت کافی زیادہ ہو، یا قرضخواہ کی فوری حاجت قرض کی کل مالیت سے کم ہو، تو زکوٰۃ کے اموال میں سے صرف قرضخواہ کی فوری حاجت کو پورا کرنے کے لیے مطلوبہ مدد، قرض کی جزوی ادائیگی میں دی جا سکتی ہے۔ یہ مدد نقدی، لباس، طبّی سہولتوں یا رہائش کی شکل میں بھی دی جا سکتی ہے۔

جب زکوٰۃ کے اموال میں سے قرض کی مالیت کا صرف ایک حصّہ ادا کیا جائے، تو اس کی باقی مالیت کو ادا کرنا مقروض پر فرض ہے، جو اسے اپنی پہلی سہولت پر ادا کر دینا چاہیئے۔

(ہ) "ابن سبیل" یعنی ایسے مسافر جو کسی مصیبت میں گھر گئے ہوں، جنہیں ان کی فوری حاجات مثلاً، غذا، لباس، طبی سہولیات، رہائش، اور اپنے سفر کی تکمیل کے لیے، یا گھر واپس پہنچنے کے لیے، ضروری وسائل کی مدد دینی ہوگی۔ جب کبھی یہ مدد نقدی کی صورت میں دی جائے، تو اس کی مالیت مروجہ مقررشدہ نصاب سے کم ہونی چاہیئے۔ نصاب اگر ۳۵۷۰ روپے ہو، تو نقدی کی صورت میں مصیبت زدہ مسافر کو زیادہ سے زیادہ ۳۵۶۹ روپے

دیئے جا سکتے ہیں۔

(و) جو مسلمان غربت کی حالت میں وفات پا جائیں، ان کی تجہیز و تکفین کے اخراجات زکوٰۃ کے اموال میں سے ادا کئے جا سکتے ہیں۔

(ز) زکوٰۃ کے اموال میں سے "فی سبیل اللہ" قائم شدہ اداروں کی عمارات کی تعمیر یا کرایہ، ساز و سامان کی فراہمی، اور مرمت؛ ان میں غریب مسلمانوں کے لیے ہسپتال اور دواخانے، یتیم خانے، اور غریب معذوروں وغیرہ کی رہائش، اور ان کی تعلیم اور آبادکاری کے خاص ادارے، شامل ہیں۔ اس کے علاوہ، ان میں حاجتمندوں کے لیے مدرسے اور اسکول، سرائیں اور آرامگاہیں، اور ادارۂ زکوٰۃ کے گودام، اصطبل وغیرہ بھی شامل ہیں۔

کم آمدنی والے ضلعوں میں وہاں کے مسلم عوام کی فلاح و بہبود کے لئے انتہائی ضروری سڑکوں اور پلوں کی تعمیر اور مرمت، جن کے لیے حکومت کے خزانے کے ذرائع اور عوامی عطیات ناکافی ہوں، زکوٰۃ کے اموال سے دی جانے والی مالیت کا انحصار ہمیشہ دوسری ضروریات کی شدت اور مزدوروں کی مروجہ اجرتوں، اور سامان کی قیمتوں کے مطابق ہونا چاہیئے۔

(۶۳) زکوٰۃ کے اموال میں سے مستقل امداد اور وظیفے مستحقین کو ماہانہ باقاعدگی سے ادا کئے جائیں۔

زکوٰۃ کی امداد کا غلط استعمال روا نہ رکھا جائے

(۶۴) زکوٰۃ کے اموال میں سے لینے والے مستحقین کی اخلاقی پابندی ہے کہ وہ اس امداد سے بے جا فائدہ نہ اٹھائیں۔ غلط استعمال نہ کریں، اور غلط رویہ نہ اختیار کریں۔ حالانکہ ایک طرف ان کا اسلامی فرض ہے کہ جب کبھی وہ زکوٰۃ کی امداد کے مستحق ہوں، تو نہ صرف اس کے طلب گار ہوں بلکہ، اگر بغیر طلب کے ان کو مدد پیش کی جائے تو اسے قبول بھی کرلیں۔ دوسری طرف یہ بھی ان کا اسلامی فرض ہے کہ جب وہ زکوٰۃ کی امداد کے مستحق نہ ہوں، تو اس کے لینے سے بھی خود ہی

انکار کر دیں۔

ایسے تمام مستحقین جو زکوٰۃ کی امداد سے آباد و بحال کئے جائیں، ان کا زکوٰۃ پر حق ختم ہو جاتا ہے، انہیں خود چاہیئے کہ وہ زکوٰۃ کے مقامی عاملین کو اپنی معاشی بحالی اور زکوٰۃ کی مزید امداد نہ دینے کے بارے میں اطلاع دیں۔

جن لوگوں کے معاشی حالات زکوٰۃ کی امداد کے ذریعے بحال ہو گئے ہوں، اور وہ زکوٰۃ کے عاملین کو اس کی اطلاع نہیں دیتے، بلکہ دانستہ طور پر بغیر حق کے، زکوٰۃ کے اموال میں سے امداد لیتے رہتے ہیں، وہ گناہ گار ہیں اور جب بھی ان کا پتہ چلے، سزا کے مستوجب ہیں۔

غیر مسلم شہریوں کیلئے سماجی امداد عوامی خزانے میں سے دی جانی چاہیئے

(۶۵) جب کبھی ایک مسلم ملک کی حدود میں ارضی، بحری، یا فضائی آفت و تباہی کے سبب مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم شہری بھی متاثر ہوں، تو متاثر مسلمانوں کو زکوٰۃ کے اموال میں سے امداد دی جائے گی، اور غیر مسلم متاثر شہریوں کی امداد عوامی (حکومت کے) خزانے، یا عوامی، (خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم) عطیات سے، یا دونوں سے، کی جائے گی۔

اگر ایسی تباہی سے صرف غیر مسلم شہری متاثر ہوں، تو ان کی امداد و تعاون خاص طور پر عوامی (حکومت کے) خزانے پر فرض ہے جس میں عوام کے۔ خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ عطیات بھی وقف کئے جا سکتے ہیں۔[1]

زکوٰۃ کے محافظین کی ذمہ داری مستحقین کے ساتھ

(۶۶) جب زکوٰۃ تقسیم کرنے والے ایک مستحق کو، خواہ نقدی یا کسی بھی شکل میں، زکوٰۃ کے اموال میں سے ایک حصہ مقرر کر دیں، تو زکوٰۃ کے محافظین کو زکوٰۃ کا یہ حصہ کسی اور مستحق کے حوالے کر دینے کا حق نہیں ہے۔

اگر زکوٰۃ کا کوئی محافظ ایسی خلاف ورزی اور امانت میں خیانت کرے، اور اس کی بدنیتی ظاہر و ثابت ہو جائے، تو ایسے مجرم کو نہ صرف زکوٰۃ کے عملے سے

Marfat.com

فوری طور پر برطرف کر دیا جائے گا بلکہ وہ سزا کا مستوجب بھی ہوگا۔

زکوٰۃ کے محافظین کو چاہیئے کہ وہ زکوٰۃ تقسیم کرنے والوں کے تمام احکام کی، مکمل ایمانداری وصداقت سے، اور صحت سے ناپ تول کر کے تکمیل کریں، زکوٰۃ کے محافظین کو قطعاً ادارۂ زکوٰۃ کے حکم کے بغیر، زکوٰۃ کے اموال کسی کے حوالے کرنے، یا نظم زکوٰۃ کے کسی حکم میں، اپنی مرضی سے کسی بھی ردّ و بدل کرنے کا حق نہیں ہے۔

زکوٰۃ کے مستحقین کی آبادکاری

۶۷۔ مذکورہ بالا قانون نمبر ۶۲، جز ب، کے مطابق، زکوٰۃ کے جن مستحقین کے پاس اپنے گذران کے مطابق روزی کمانے کے لیے بنیادی ضروری اوزار یا کام شروع کرنے کے لیے ضروری سامان نہ ہو تو ان کو زکوٰۃ کے اموال میں سے ان کی ضرورت کے مطابق نقدی یا اشیاء کی شکل میں امداد دی جا سکتی ہے۔

اسی طرح، مذکورہ بالا قانون نمبر ۶۲ کے جز ب میں مقرر کی ہوئی حدود کے اندر زکوٰۃ کے ان مستحقین کی آبادکاری کے لیے زکوٰۃ کے اموال میں سے مناسب مدد دینے پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے، جو دیہی علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں، اور جن کے گذر بسر کے لیے قابل کاشت زمین خریدنے کی ضرورت ہو۔

قانون نمبر ۶۲ (جز ہ) کے مطابق جب کبھی کسی مستحق خاندان کو زمین خرید کر آباد کرنا مقصود ہو، تو انہیں زیادہ سے زیادہ زمین کی قیمت خرید اتنی مالیت تک دی جا سکتی ہے جو اس سال نقد رقوم (چاندی، سونے، اور کرنسی نوٹوں) کے لیے مقرر شدہ نصاب سے کم ہو۔ اس مالیت کو اس خاندان کے مستحق افراد کی تعداد پر محسوب کر کے، پوری مالیت کی زمین انہیں زکوٰۃ کے اموال میں سے خرید کر دی جا سکتی ہے۔

مستحق کو دی ہوئی زکوٰۃ اس کی قانونی ملکیت ہو جاتی ہے

۶۸۔ مندرجہ ذیل احادیث میں مذکور رسول کریمؐ کی سُنّت کے مطابق، جب کسی مستحق کو زکوٰۃ دے دی جائے، تو بطورِ زکوٰۃ دی ہوئی چیز یا نقد رقوم کی خاصیت

Marfat.com

اب زکوٰۃ کی نہیں رہتی، بلکہ یہ مستحق کی قانونی ملکیت بن جاتی ہے، اور وہ، اپنی ضرورت کے لیئے۔ اس دولت کو، سوائے اصل مالک کے (جس نے یہ بطور زکوٰۃ دی تھی) جسے چاہے فروخت کر سکتا ہے، یا اپنی مرضی سے جسے چاہے اس کا حصّہ عطا کر سکتا ہے۔ عطا کرنے کی صورت میں متعلقہ شئے، یا نقد رقوم، کی خاصیّت زکوٰۃ، مذکورہ بالا بیان کے مطابق، ختم ہو چکی ہوتی ہے، اور اس کا دیا جانا۔ اسے صرف ایک دوست کی طرف سے دوسرے دوست کو تحفہ سمجھا جائے گا۔

حضرت اُمّ عطیّہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ ؐ نے مجھے زکوٰۃ کی ایک بھیڑ بھیجی۔ میں نے اس کو ذبح کر کے اس میں سے ایک حصّہ حضرت عائشہ ؓ کو بھیجا۔ جب رسول اللہ ؐ حضرت عائشہ ؓ کے پاس تشریف لائے، تو آپ ؐ نے دریافت فرمایا، کیا تمہارے پاس کھانے کے لئے کوئی چیز ہے؟ حضرت عائشہ ؓ نے جواب دیا، (کچھ) نہیں (ہے) ماسوائے اس بھیڑ کے جو آپ ؐ (زکوٰۃ تقسیم کرنے والے) نے نسیبہ (یعنی اُمّ عطیّہ) کو بھیجی تھی، اس میں سے کچھ (اس نے) ہمیں بھیج دی۔ تو آپ ؐ نے فرمایا یقیناً (یہ بھیڑ کا گوشت اب ہمارے لئے جائز ہے) اس کی زکوٰۃ کی خاصیّت ختم ہو گئی، اور اب تحفہ بن جانے کی وجہ سے ہمارے لیئے اسے کھانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

روایت امام مسلم

حضرت عائشہ ؓ سے (روایت ہے) کہ رسول اللہ ؐ کے پاس گائے کا گوشت لایا گیا، تو کسی نے (آپ ؐ سے کہا) : یہ گوشت

صا۔ ملاحظہ فرمائیں! مذکورہ بالا قانون نمبر ۲۸ اور ۲۹۔

تو وہ (اس گلے کا) ہے جو بریرہ[1] کو مالِ زکوٰۃ میں سے دی گئی تھی۔ تو آپ نے فرمایا: اس (یعنی بریرہ) کے لئے زکوٰۃ زکوٰۃ تھی؛ (اب) ہمارے لیے یہ تحفہ ہے۔

(روایت امام مسلم)

مستحق کو زکوٰۃ کی اعانت کے مکرر حصول کا حق

۶۹: فقہائے کرام عام طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ وقتی مستحقین کو زکوٰۃ کی امداد متواتر دو مرتبہ حتیٰ کہ تین مرتبہ بھی، دی جا سکتی ہے۔[2]

زکوٰۃ بطور قرض نہیں دی جا سکتی

۷۰: جہاں تک قابلِ زکوٰۃ دولت کے قانونی مالک کا تعلق ہے، تو ایسے مال پر زکوٰۃ کی ادائیگی اس پر مسلم قوم کا ایک مقدس اور ناقابلِ تنسیخ قرض ہے۔

لیکن زکوٰۃ کی امداد مستحقین کو، خواہ کسی صورت میں بھی دی جائے، اس پر کسی قسم کا قرض نہیں ہوتا۔ زکوٰۃ کی امداد ہمیشہ مفت اور بلا معاوضہ ہوتی ہے، اور مستحق زکوٰۃ پر زکوٰۃ سے حاصل شدہ اموال کبھی واپس لوٹانے، یا اگر اس کے معاشی حالات بہتر ہو جائیں تو اس امداد کے برابر مالیت کو بطور خیرات کسی محتاج کو دینے کی کوئی شرعی یا قانونی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس حقیقت کو پوری طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ زکوٰۃ مستحقین کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ حق ہے۔ اس لیے موجودہ زمانے کے کچھ مصنفین کی رائے کے برعکس، زکوٰۃ کو کبھی بھی قرض کی شکل میں دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قرض سے ضرورت و احتیاج کی صرف عارضی تسکین ہو جاتی ہے لیکن ساتھ ہی حاجتمند کے کندھوں پر ایک اور بوجھ پڑ جاتا ہے۔ زکوٰۃ کو بطور قرض دینے کا

---

[1] بریرہ ایک سابقہ لونڈی تھی جسے اُمّ المومنین عائشہؓ نے آزاد کروایا تھا اور ان ہی کی مولی تھی۔

[2] ملاحظہ فرمائیں: مذکورہ بالا قوانین نمبر ۵۵ تا ۵۷

نامسعود تصور پیش کرنے والوں کو یہ جان لینا چاہیئے کہ قانونِ زکوٰۃ سے متعلق قرآنی احکام اور رسول کریمؐ کے فیصلوں سے ان کے موقف کی کہیں تائید نہیں ہوتی اس سے نہ صرف حاجتمند مسلمانوں کی آبادکاری کے کام میں سخت رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی بلکہ نتیجتاً یہ نظریہ ادارہ زکوٰۃ کے نیک اور انتہائی اہم نصب العین اور مقصد کو شکست دینے کے مترادف ہوگا۔

زکوٰۃ سے امداد کا دعویٰ پیش کرنے میں ایمانداری

۱۷: زکوٰۃ کے طالبین پر واجب ہے کہ جب وہ زکوٰۃ سے امداد کا دعویٰ پیش کریں، تو خود اپنے فرض شناس، با اصول، اور ایماندار ہونے کا ثبوت بھی دیں۔ زکوٰۃ حاجتمند مسلمانوں کا آخری چارۂ کار ہے، جہاں وہ پناہ لے سکتا ہے جب کوئی اور راستہ باقی نہیں رہتا، یعنی جب وہ اپنی معاشی حالت کو درست کرنے کی پوری کوشش کرنے کے باوجود، یا کسی جسمانی معذوری یا رکاوٹ کی بنا پر جو اس کے اپنے اختیار میں نہیں (مثلاً قدرتی تباہی) اپنی زندگی کی بنیادی جائز مادی ضروریات: غذا، لباس، رہائش، اور طبی سہولیات ضروری حد تک حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جونہی کسی مسلمان کے معاشی حالات میں کوئی تنگی پیدا ہو جائے، تو اس تنگی سے بچنے کے لئے وہ فوراً زکوٰۃ کی امداد حاصل کرلے۔ اسلام اپنے پیروکاروں سے اس بلند کردار کا خواہاں ہے کہ وہ ہر قسم کی سختی و تکلیف کو عملی طور پر عزم و جرأت، صبر و تحمّل، استقلال و ثابت قدمی سے برداشت کریں گے، اور بیرونی عوامل سے دستگیری کی درخواست کی بجائے اپنی تکالیف کو دور کرنے، اور خدا تعالیٰ کا فضل و کرم حاصل کرنے کے لئے اپنی سی پوری کوشش کریں گے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ
الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

Marfat.com

الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ
عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ
السَّبِيْلِ لا وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج
وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط
وَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

نیکوکاری صرف یہی نہیں ہے کہ اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لیے جائیں بلکہ نیکوکاری تو اس کی ہے جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لائے، اور فرشتوں، کتاب اللہ اور انبیاء و رسولوں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (ضرورت کے وقت) قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، (محتاج) مسافروں اور مانگنے والوں کو مال دے، اور جو گردنوں (غلاموں) کے آزاد کرانے میں بھی مال صرف کرے اور جو نماز کا نظام قائم کرے اور زکوٰۃ دے، اور وہ لوگ کہ جب کسی سے عہد کریں تو اس کو پورا کریں، اور وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں تنگی میں، تکلیف میں، جنگ میں، یہی لوگ راستباز ہیں اور یہی لوگ حقیقتاً خدا ترس ہیں ۝

(سورۃ البقرۃ، آیت ۱۷۷)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

اے ایمان والو! صبر سے اور صلوٰۃ سے مدد لو، بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے ۝

(سورۃ البقرۃ، آیت ۱۵۳)

مندرجہ ذیل حدیث بھی اس بات پر زور دیتی ہے کہ پریشانی اور افلاس

Marfat.com

وتنگدستی کی حالت میں صبر و تحمل اور ثابت قدمی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیئے۔

حضرت سعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ انصار میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہؐ سے دست سوال دراز کیا۔ آپؐ نے انہیں کچھ عطا کیا۔ تو انہوں نے پھر سوال کیا، آپؐ نے پھر عطا کیا، حتیٰ کہ جو کچھ (اموال) آپؐ کے پاس موجود تھے وہ سب ختم ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا: جو کچھ بھلائی بھی میرے پاس ہو، اسے تم کو دینے میں ہرگز تاخیر نہیں کرونگا، لیکن یہ جان لو کہ جو (دوسروں سے مانگنے سے) اجتناب و پرہیز کرتا ہے، تو اللہ اس کی عفت و نیکی میں اضافہ عطا کرتا ہے، اور جو (دوسروں سے معاشی طور پر) آزاد ہونا چاہتا ہے، تو اللہ اسے غنی اور خود مکتفی بناتا ہے، اور جو صبر کا دامن تھامے رکھتا ہے، اللہ اسے صبر و تحمل کی نعمت سے سرفراز کرتا ہے، اور کسی کو صبر و تحمل سے بڑھ کر بہتر اور بڑی نعمت نہیں دی گئی ہے۔

(روایت امام بخاری)

ادارہ بحالی روزگار

۷۲: تندرست مسلمان حاجتمندوں اور ناداروں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے زکوٰۃ کے تمام مراکز کو چاہیئے کہ وہ انہیں کام پر لگانے کے لیے بحالی روزگار کے ادارہ کے فرائض مفت انجام دیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کے مرکز اعلیٰ کو چاہیئے کہ تمام ملکوں میں روزگار کی طلب و فراہمی میں رابطہ قائم کرنے کی خدمت انجام دے۔

زکوٰۃ کے اموال کی کمی کی حالت میں عمل درآمد

جب کبھی زکوٰۃ کے اموال میں کمی واقع ہو جائے، اور زکوٰۃ کے تمام مستحقین کے مطالبات کو مکمل طور پر پورا کرنا ممکن نہ ہو، تو موجود اموال کو ان کی ضروریات کی شدت کی نسبت سے تقسیم کرنا چاہیئے۔ مثلاً: ایک نادار جسے

Marfat.com

غذا اور علاج کی فوری ضرورت ہے، ایسے زکوٰۃ کے ایک ایسے دعوے دار پر لازماً ترجیح دی جائے گی جس کے مادی ذرائع اگرچہ ناکافی ہوں، تاہم اس کی گذر بسر کسی نہ کسی طرح ہو رہی ہو، حاجتمند عورتوں اور بچوں کو زکوٰۃ سے امداد دیتے ہوئے ہمیشہ دوسرے مستحقین پر فوقیت دی جانی چاہیئے۔

زکوٰۃ میں حاصل شدہ اشیاء کی ادارۂ زکوٰۃ کی طرف سے فروخت

اشیاء کی صورت میں وصول شدہ زکوٰۃ کی تقسیم اصولاً ان ہی اشیاء کی صورت میں کی جانی چاہیئے۔ تاہم، جب ضرورت پڑے، تو اشیاء کی شکل میں موصولہ اموال زکوٰۃ کو (اشیائے تجارت، پالتو مویشی، زرعی پیداوار، شہد، خام ریشم، وغیرہ، اور زکوٰۃ کی صورت میں وصول شدہ پالتو مویشیوں سے ملنے والا دودھ، اون، گوشت، اور کھالیں، وغیرہ) زکوٰۃ کا متعلقہ مرکز مروجہ بازاری نرخوں پر فروخت کر سکتا ہے، تاکہ ان سے حاصل کردہ نقدی مستحقین میں تقسیم کی جائے۔ اور ان ضروری اشیاء کی خریداری پر خرچ کی جائے جو زکوٰۃ کے مقامی مرکز میں موجود نہ ہوں، مثلاً: ادارۂ زکوٰۃ کے ہسپتالوں کا سازوسامان، دوائیاں، یتیم خانوں کے اخراجات، وغیرہ۔

زکوٰۃ کے کسی بھی مرکز کو جب اشیائے زکوٰۃ کی فروخت کی ضرورت پڑے، تو اس کے ناظمِ اعلیٰ کی طرف سے اس فروخت کے لیے خاص تحریری اجازت نامہ حاصل کرنا ہوگا، اور فروخت کے بعد، پوری تفصیل، فوراً زکوٰۃ کے محرّرین کے ذریعے قلمبند کروانی ہوگی، اس کا ریکارڈ زکوٰۃ کے محاسبین اور محافظین بھی رکھیں۔ اور اس فروخت سے حاصل شدہ نقدی کو، جب تک استعمال میں نہ لایا جائے زکوٰۃ کے متعلقہ مرکز کے خزانے میں رکھ دیا جائے۔

مویشیوں سے ملنے والی اشیاء کی نکاسی

۷۵: بطور زکوٰۃ وصول شدہ مویشیوں سے ملنے والے دودھ، اون، گوشت اور کھالوں وغیرہ کو یا تو مستحقین میں، یا ترجیحاً ادارۂ زکوٰۃ کے ہسپتالوں، یتیم خانوں،

Marfat.com

وغیرہ، اور سرائیں اور آرام گاہوں میں تقسیم کر دینا چاہیئے، اور ان کے فائدے کے لیئے ادن، کھالیں، وغیرہ، خرچ کیئے جا سکتے ہیں۔

زکوٰۃ کے اموال کو تجارت میں لگانے کی قطعی ممانعت

۷۶: زکوٰۃ کے اموال کو کسی بھی قسم کی تجارت میں بطور سرمایہ قطعی نہیں لگایا جا سکتا یہ ممانعت بالکل صحیح اور حق بجانب ہے، اس لئے کہ بطور سرمایہ تجارت میں لگائے ہوئے اموال کے خسارے کے خطرے کے علاوہ، زکوٰۃ کے ایسے لگائے ہوئے اموال کی کم ازکم فوری حاجتمندوں کے لیے عارضی عدم دستیابی کا خطرہ ہمیشہ رہے گا۔ چنانچہ زکوٰۃ کے اموال کی حفاظت اور مستحقین کے جائز مفادات کو خطرے میں ڈال کر، اُن کو تجارتی کاموں میں بطور سرمایہ لگانے سے، قانونِ زکوٰۃ کے بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

قانونِ زکوٰۃ متقاضی ہے کہ زکوٰۃ کے اموال کی کامل حفاظت ہو، اور وہ قرآن پاک کے احکام اور رسول اللہ کی سُنت کے مطابق استعمال کے لیے ہر وقت فوری طور پر موجود رہیں۔

زکوٰۃ کے عمل کا جواز

۷۷: عمل زکوٰۃ کے اہم اصولوں میں سے ایک اصول، جس پر، دینی نقطہ نظر سے زکوٰۃ کی ادائیگی کے صحیح و جائز ہونے کا انحصار ہے، یہ ہے کہ اس سے زکوٰۃ دینے والے کے ذاتی مفادات کو بالواسطہ یا بلاواسطہ فائدہ نہ پہنچے۔ اس اصول کے مطابق، قانونِ زکوٰۃ متقاضی ہے کہ:

(الف) زکوٰۃ دینے والا، مرد یا عورت، نہ اپنے خونی رشتہ داروں کو، اور نہ ہی اپنی بیوی یا خاوند کو، یا ان کے خونی اقارب کو۔ یعنی جن رشتہ داروں کا وہ واقعی یا امکانی طور پر بلاواسطہ یا بالواسطہ وارث بن سکتا ہے۔ زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ اور نہ ہی انہیں زکوٰۃ دینے کی سفارش کر سکتا ہے[1]۔ ان میں یہ لوگ شامل ہیں۔

[1] حنفی فقہ کی مزید دلیل یہ ہے کہ جب کبھی زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ لینے والے سے واقعی یا امکانی وراثت کا تعلق رکھتا ہے، خواہ دونوں کی رشتہ داری خاوند یا بیوی کی طرف سے ہے یا نسلی ہو، تو زکوٰۃ کی ملکیت پوری طرح منتقل نہیں ہوتی۔ اس لیے زکوٰۃ کی یہ ادائیگی صحیح نہیں ہے۔

Marfat.com

زکوٰۃ دینے والے کی بیوی یا دینے والی کا خاوند، ان کے بچے، ماں باپ، دادا دادی، نانا، نانی، اور دیگر بلا واسطہ بزرگان، پوتا، پوتی، نواسا نواسی، اور دیگر بلا واسطہ عزیز بھائی اور بہنیں، سوتیلے بھائی اور بہنیں، چچا چچیاں، اور خالا خالائیں، بھتیجے اور بھتیجیاں اور دور کے وہ رشتہ دار جن سے خون کے رشتے کے سبب کسی صورت میں زکوٰۃ دینے والے کا ان کی وراثت میں حق ہو سکتا ہے۔

تاہم مندرجہ ذیل حدیث کی بنا پر، جو حضرت ابوسعید الخدریؓ کی سند سے روایت کی گئی ہے، کچھ اہم علماء، جن میں امام شافعی بھی شامل ہیں، یہ رائے رکھتے ہیں کہ ایک عورت اپنے خاوند کو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔

حضرت ابوسعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا، عیدالاضحیٰ، یا عید الفطر، کا موقعہ تھا، (مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ کونسی عید کا دن تھا)، اور رسول اللہؐ عید گاہ کی سمت نکلے۔ پھر آپؐ نے لوٹ کر، لوگوں کو وعظ کیا۔ اور انھیں (خدا کی راہ میں) خیرات کرنے کا حکم دیا، اور فرمایا: اے لوگو، تم صدقہ اور خیرات کرو! پھر آپؐ نے عورتوں کے پاس سے گذرتے ہوئے، فرمایا: اے عورتوں کے گروہ! تم (خدا کی راہ میں) خیرات کیا کرو، کیونکہ میں تم میں سے اکثر کو دیکھتا ہوں کہ جہنم میں ہو گی۔ (عورتوں نے) سوال کیا: رسول اللہؐ، ایسا کیوں ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اس لیئے کہ تم اکثر و بیشتر لعنت ملامت کرتی رہتی ہو، اور اپنے خاوندوں سے غافل اور بے وفا ہو۔ اے عورتوں کے گروہ! تم میں سے جو عقل و دین کے لحاظ سے ناقص و ناپختہ ہیں، میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو ایک مضبوط کردار آدمی کی عقل کو برباد کرنے والا نہیں دیکھا ہے۔

پھر آپؐ چلے گئے اور جب اپنے دولت کدے پر تشریف لے گئے،

تو (عبداللہ) ابن مسعود کی بیوی زینب آئیں جو آپ سے ملنے کی اجازت چاہتی تھی، آپ کو بتلایا گیا: اے رسول اللہ، زینب آئی ہیں۔ آپ نے فرمایا: دونوں میں سے کونسی زینب؟ بتلایا گیا: ابن مسعود کی بیوی۔ آپ نے فرمایا: اچھا، ان کو آنے دو۔ تو ان کو اجازت دے دی گئی۔ پھر انہوں نے (حضور کے سامنے آکر) عرض مدعا کی: اے اللہ کے پیغمبر، آپ نے آج صدقہ وخیرات کا حکم دیا تھا، میرے پاس یہ زیور ہے[1]۔ اور میں نے ارادہ کیا کہ اسے خیرات کردوں تو (میرے خاوند عبداللہ) ابن مسعود کا یہ خیال ہے کہ (چونکہ وہ بہت غریب ہے، اس لیے) اُن کا اور اُن کے بیٹے کا اس صدقہ وخیرات پر زیادہ حق ہے۔ (یہ سن کر) نبی نے فرمایا: ابن مسعود نے صحیح کہا ہے کہ تیرا خاوند اور تیرا بیٹا ان لوگوں سے تیری خیرات پر زیادہ حق رکھتے ہیں جنہیں تو یہ خیرات کرنا چاہتی ہے۔

(روایتِ امام بخاری)

حنفی فقہائے کرام نے اس حدیث سے یہ مطلب لیا ہے، اور حدیث کے متن سے بھی یہ صاف واضح ہے، کہ رسول کریم نے عید کے دن جس خیرات کی تاکید کی تھی، اس کا اشارہ خاص طور پر زکوٰۃ الفرض کی طرف نہیں تھا، بلکہ عام صدقہ وخیرات کی طرف تھا۔ چنانچہ ابن مسعودؓ کی بیوی زینب کے معاملے میں جس خیرات کا ذکر ہے، وہ بلاشک وشبہ رضاکارانہ خیرات (صدقہ التطوع) تھی۔ اس سے یہ مطلب اخذ کرنا قطعی صحیح نہیں ہے کہ زکوٰۃ کے واجبات اپنے خاوند یا بیوی کو یا عزیزوں رشتہ داروں کو، دیئے جا سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں، اس حدیث سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ جو صدقہ زینب دینا

---

[1] حدیث میں مذکور نہیں کہ یہ زیور چاندی یا سونے کا تھا۔ یا کسی اور قیمتی شئے کا۔

Marfat.com

چاہتی تھیں، وہ زکوٰۃ نہیں بلکہ رضاکارانہ خیرات تھی، کیونکہ اس نے اپنا تمام زیور پیش کیا تھا، حالانکہ اگر اس کا ارادہ زکوٰۃ دینے کا ہوتا، تو وہ اس پہ ڈھائی فیصدی زکوٰۃ دیتی، یعنی اس میں سے ڈھائی فیصدی حصّہ بطور زکوٰۃ دیتی، بشرطیکہ، اولاً، اس کے پاس اس زیور کی نوع کی اور دولت نہیں ہوتی، اور ثانیاً، مذکورہ زیور کی قیمت کم سے کم نصاب کے برابر ہوتی۔ مگر یہ معلومات مذکورہ حدیث میں نہیں ملیں۔

(ب) مذکورہ بالا حدیث میں جو اخلاقی سبق دیا گیا ہے۔ وہ قدیم مقولہ ہے کہ "اوّل خویش، بعدہٗ درویش"۔ چنانچہ جب زینب نے رسولِ کریمؐ سے اپنے خاوند ابن مسعودؓ کے بارے میں پوچھا، جو بہت غریب آدمی تھے، کہ کیا وہ اس کی خیرات کے، دوسرں کی نسبت، واقعی زیادہ مستحق ہیں۔ تو رسولِ کریمؐ نے فوراً تسلیم کر لیا کہ، دوسرے حقداروں کی نسبت، اسے اپنے خاوند اور بچّے کو رضاکارانہ خیرات دیتے ہوئے ترجیح دینی چاہیئے۔

درحقیقت، حاجتمند اقرباء اور رشتہ داروں کو خیرات دینا قرآن پاک کا حکم ہے جیسے، زکوٰۃ ۔یعنی صدقۃ الفرض۔ کے علاوہ، ضرور ادا کرنا ہے۔ اور یہ خاندان کے واجبات میں سے ایک واجب ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ○

اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم آپس میں عدل و انصاف کرو، دوسروں پر احسان کرو اور قرابت داروں کو دو اور تمہیں منع کرتا ہے فحش اور بے حیائی اور سرکشی و بغاوت سے۔ خدا تم کو وعظ و نصیحت کرتا ہے تاکہ تم اس سے سبق حاصل کرو۔

(سورۃ النحل، آیت نمبر ۹۰)

Marfat.com

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ○

کیا انہیں معلوم نہیں کہ خدا رزق جس کو چاہتا ہے زیادہ دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم۔ یقیناً اس میں ایمان دار لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں ○ (سورۃ الروم، آیت نمبر ۳۷)

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ٘ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

پھر تم حقدار قرابت دار کو اس کا حق، مسکینوں کو اور (حاجتمند) مسافروں کو ان کا حق دے دو، یہ خدا کی رضا جوئی کرنے والوں کے لیے بہتر ہے یہی لوگ تو ہیں فلاح پانے والے۔

(سورت الروم، آیت نمبر ۳۸)

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ ـ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآىِٕلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّكٰوةَ ـ

...نیکوکاری تو اس کی ہے (جو)... اللہ کی محبّت میں (ضرورت کے وقت) قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، (حاجت مند مسافروں) اور مانگنے والوں کو مال دے۔ اور جو گردنوں (غلاموں) کے آزاد کرانے میں بھی مال صرف کرے اور جو نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے ○

(سورۃ البقرۃ۔ آیت نمبر ۱۷۷)

اسلام مسلم معاشرے میں رضا کارانہ خیرات کی اہمیت پہ زور دیتے ہوئے خاص طور پر یہ تلقین کرتا ہے کہ خیرات دیتے وقت مسلمانوں کو اپنے خون کے رشتہ داروں اور اقارب میں سے تنگ حال اور افلاس زدہ حاجتمندوں کا

Marfat.com

خیال رکھنا اور ان کو مدد دینے کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔ معاشرتی بہبود اور استحکام حاصل کرنے کے لیے سب سے اچھے اور مؤثر طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ ہر خاندان اپنے غریب عزیزوں رشتہ داروں کا ہاتھ بٹائے تاکہ جڑ سے غربت کا خاتمہ ہو جائے۔ رسولِ کریمؐ نے اس حقیقت کو دل نشین انداز میں مندرجہ ذیل حدیث میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا۔ ایک دینار تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہو، اور ایک دینار تم نے ایک غلام کو آزاد کروانے کے لیے خرچ کیا ہو، اور ایک دینار تم نے کسی نادار کو خیرات کر دیا ہو، اور ایک دینار تم نے اپنے خاندان (کے حاجتمند عزیز اور اقارب) پر خرچ کیا ہو، ان میں سے سب سے زیادہ اجر و ثواب تمہیں اس دینار کا ملے گا جسے تم نے اپنے خاندان (کے حاجتمندوں) پر خرچ کیا ہوگا۔

(روایتِ امام مسلم)

دوسری رضاکارانہ خیراتوں کی طرح، عزیز و اقربا کو دی ہوئی خیرات بھی زکوٰۃ کی فرضیت کو صرف اتنا متاثر کرتی ہے کہ اس خیرات میں دی جانے والی مقدار سے اصل دولت میں جتنی کمی آتی ہے، اسی حساب سے باقی بچنے والی اصل دولت پر کم زکوٰۃ عائد ہوگی، یا اگر خیرات دینے سے اصل دولت اس کی نوع کے لیے مقررشدہ نصاب سے کم رہ جائے، تو باقی اصل دولت زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔ چنانچہ، اگر کسی صاحبِ نصاب مسلمان، مرد یا عورت کا ایک غریب رشتہ دار ہو، تو یہ اس صاحبِ نصاب کا اسلامی فرض ہے کہ وہ اسے ہر ممکن امداد دے اور پرواہ نہ کرے کہ اس امداد دینے سے اس کی دولت پر زکوٰۃ کم ہو جائے گی۔ اپنے غریب رشتہ داروں کو مدد دینے سے انکار کے لیے یہ معذرت پیش کرنا کہ

Marfat.com

دولت پر زکوٰۃ ادا کر دی ہے، یا ادا کرنی ہے، ان بنیادی اعمال میں سے ایک اہم عمل سے انکار کرنے کے مترادف ہے، جن کی بنا پر اسلامی اخوت کا جذبہ ایک زندہ حقیقت بن کر سامنے آتا ہے۔

اگر رضاکارانہ دی جانے والی خیرات سے صاحبِ نصاب کی قابل زکوٰۃ دولت کی واجب الادا زکوٰۃ پر کوئی اثر نہ پڑے، یا صرف اتنا اثر پڑے کہ زکوٰۃ کے واجبات کم ہو جائیں، تو متعلقہ دولت سے زکوٰۃ کی فرضیت معطل نہیں ہو جاتی۔ اور اس دولت کی نوع اور قسم کے لئے مقرر شدہ اصولوں کے مطابق حساب کر کے زکوٰۃ دی جائے گی۔

لیکن اگر رضاکارانہ خیرات دینے سے ایک شخص کی دولت اپنی نوعیت کے لیے مقرر شدہ نصاب کی مقدار، مالیت، یا تعداد سے واقعی کم رہ جائے، تو قدرتی بات ہے کہ وہ دولت اس وقت زکوٰۃ سے مستثنیٰ رہے گی۔

(ب) زکوٰۃ دینے والا اپنے غیر تنخواہ یافتہ خادم کو نہ تو اپنی زکوٰۃ دے سکتا ہے اور نہ اسے زکوٰۃ دیئے جانے کی سفارش کر سکتا ہے، کیونکہ وہ اخلاقی اور قانونی طور پر متعلقہ غیر تنخواہ یافتہ خادم کی گذر بسر کے تمام اخراجات ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

(ج) زکوٰۃ دینے والا اپنے آزاد کردہ غلام کو نہ تو زکوٰۃ دے سکتا ہے، اور نہ اسے زکوٰۃ دینے کی سفارش کر سکتا ہے۔ کیونکہ مندرجہ ذیل قرآنی آیت میں دیئے گئے حکم کی رو سے، یہ اس کا اخلاقی اور قانونی فرض ہے کہ وہ اپنی دولت میں سے متعلقہ آزاد کردہ غلام کو لازماً عطا کرے تاکہ یہ نیا مسلمان محرومی اور نکبت و افلاس سے آزاد ہو کر، آسودگی کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکے[1]

---

[1] زکوٰۃ کے انصرام کے قانون ۵۸ کے تحت آگے بیان شدہ حدیثِ نبوی کی رو سے قانونِ زکوٰۃ صاحبِ نصاب کو اس کے اپنے زکوٰۃ کے وجوب سے، یا اس کی سفارش سے دیئے جانے والے زکوٰۃ کے اموال سے آزاد کرائے ہوئے غلام کو اپنا "مولیٰ" بنانے کا دعویٰ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ

...اور تمہارے غلاموں[1] میں سے جو تحریر کا پروانہ چاہتے ہیں، اگر تم ان میں بھلائی دیکھتے ہو، تو یہ تحریر لکھ دو، اور انہیں اللہ کے اس مال میں سے حصّہ دو جو اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے...۔

(سورۃ النور۔ آیت ۳۳)

زکوٰۃ کے اموال کا جائز استعمال اور وہ منصوبے جن کے لئے اس کا خرچ ناجائز ہے

۴۸: قانونِ زکوٰۃ متقاضی ہے کہ زکوٰۃ کے اموال کلیتاً اور صرف قرآن پاک کی سورۃ التوبہ کی آیت ۶۰ میں مذکور مستحقین کی ضروریات پوری کرنے کے لئے وقف و خرچ کئے جائیں۔

اس اہم اور بنیادی اصول کے نتیجے میں جس کا مقصد عملِ زکوٰۃ کے ذریعے اسلامی معاشرے سے محرومی اور افلاس و نکبت کو موثر طریقے سے ختم کر دینا ہے زکوٰۃ کے اموال قطعاً کبھی بھی ایسے مقاصد کے لیے استعمال نہیں کئے جا سکتے جو ان مسلمانوں کو۔ جن کی زندگی کے ذرائع اتنے ہیں کہ وہ زکوٰۃ کے مستحقین کی فہرست میں نہیں آتے، بلا واسطہ فائدہ پہنچائیں، یا ایک ایسے مقصد کے لئے خرچ کیے

---

[1] مسلم غلام کا غیر مسلم آقا تحریر کا پروانہ لکھنے کے وقت، اس کو آزادی دینے کے بدلے میں، اس کے جو مناسب دام آقا کی نظر میں ہوں، اس حد تک زرِ تاوان مانگ سکتا ہے لیکن اگر مسلم غلام کا آقا مسلم ہو، تو اس آقا کا دینی فرض ہے کہ تحریر کا پروانہ بغیر زرِ تاوان لکھا جائے، اور مذکورہ بالا آیت کے مطابق، آقا آزاد کردہ غلام کو اپنی دولت میں سے ضرور مناسب حصہ بخش دے، تاکہ وہ خود مختار ہو سکے۔ ملاحظہ فرمائیں "زکوٰۃ کے مستحقین" کا باب "فی الرقاب"۔

جائیں جو غریب مسلمانوں کی مشترکہ فلاح و بہبود کے لئے لازمی اور ضروری نہ سمجھا جاتا ہو۔ چنانچہ قانونِ زکوٰۃ کی رو سے، مندرجہ ذیل طریقوں سے زکوٰۃ کے اموال کا استعمال ممنوع ہے۔

(الف) مساجد، اور دوسرے ایسے عوامی احاطوں اور کاموں، کی تعمیر جو خاص طور پر ادارۂ زکوٰۃ سے متعلّق نہیں ہیں۔

حنفی فقہ کے علماء کی رائے میں، زکوٰۃ کے اموال میں سے مساجد کی تعمیر اس لئے جائز نہیں ہے کہ ایسے عمل میں زکوٰۃ کے اموال کی ملکیت دینے والے سے لینے والے کو پوری طرح منتقل نہیں ہوتی۔ لیکن جیسا کہ زکوٰۃ کے مستحقین کے عنوان "فی الرقاب"، یعنی "غلام"، اور "الغارمون" یعنی "مقروض" کی تفصیل سے ظاہر ہے، یہ دلیل قرآنِ پاک کی سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۶۰ میں تفصیل سے بتائے ہوئے مقاصد میں سے (جن پر زکوٰۃ کے اموال خرچ کئے جاسکتے ہیں) ہر ایک پر منطبق نہیں ہوتی اور نہ ہوسکتی ہے۔ مثلاً: غلاموں کو آزاد کرواتے ہوئے، زکوٰۃ کی رقوم ان کو نہیں بلکہ ان کے آقاؤں کو ملتی ہیں[1]۔ اور مقروض کا قرض ادا کرتے ہوئے، زکوٰۃ کی رقوم بھی مقروض کو نہیں بلکہ قرضخواہ کو ملتی ہیں۔ تاہم، ان دونوں صورتوں میں زکوٰۃ کے مستحق کو زکوٰۃ کے اموال سے اہم فائدہ ہوتا ہے: غلام کو اپنی آزادی، اور مقروض کو قرض سے فراغت۔ اس سے واضح ہے کہ مذکورہ بالا حنفی دلیل ان دونوں صورتوں میں قابلِ تسلیم نہیں۔

زکوٰۃ کے اموال کو مساجد پر خرچ کرنے کی ممانعت کے لیے زیادہ قابلِ

---

[1] زکوٰۃ کے یہ اموال غلام کے آقا اور قرضخواہ کے لیے زکوٰۃ کی خاصیت نہیں رکھتے بلکہ آقا کے لیے یہ اس کی جائیداد کی مساوی مالیت ہے، اور قرضخواہ کے لئے اپنی قرض میں دی ہوئی دولت کی واپسی۔

Marfat.com

ثبوت دلیل یہ ہے کہ مساجد کا اہم مقصد تمام مسلمان، امیر و غریب، سب ہی کی اجتماعی نمازیں ادا کرنے کی سہولت کے لیے ہے۔ چنانچہ، دوسری عوامی عمارتوں کی طرح جو پوری طرح ادارہ زکوٰۃ سے متعلق نہیں ہوتی ہیں۔ مساجد کی تعمیر اور ان کی دیکھ بھال کے تمام اخراجات مسلم معاشرے کا بحیثیت مجموعی فرض ہے جو یا تو عوامی (بلدیات، یا حکومت کے) خزانے سے، یا نجی اور عوامی عطیات سے پورے کیئے جانے چاہئیں۔

اس حقیقت سے کہ سہولت کے لیے زکوٰۃ کے مراکز کو مساجد کے احاطوں میں ہونا چاہیئے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ مساجد، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ فقط زکوٰۃ کے مستحقین کے فائدے اور استعمال کے لیے نہیں ہوتی ہیں۔

(ب) حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں مذکور مندرجہ ذیل حدیث کی سند پر، قانونِ زکوٰۃ کی رو سے ممنوع ہے کہ کسی ایسے مقامی باشندے کو زکوٰۃ سے امداد دی جائے جو خود صاحب نصاب قرار پاتا ہو۔ وہ دولت کسی قرض کی ضمانت کی حیثیت بھی نہ رکھتی ہو، اور اس کی مالیت چاندی[1] کے مروجہ مقررشدہ نصاب سے کم از کم ایک چوتھائی ہو۔ (یعنی اس ملک کے باشندوں کے عام غذائی اناج کے پانچ اونٹ بوجھ کا چوتھائی حصہ۔ خواہ ½ ۱۰ من، یا ۴۲۰ سیر یا ۳۹۱٫۹۱ کیلوگرام۔ کی مروجہ بازاری قیمت کے برابر مالیت۔

> ابن مسعودؓ سے روایت ہے: انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر کسی شخص نے (مادی امداد کے لیئے دوسروں کے سامنے) دستِ سوال دراز کیا حالانکہ اس کے پاس اتنا کچھ ہے کہ وہ غنی (یعنی معاشی لحاظ سے خودکفیل) ہے، تو وہ قیامت کے روز اس حالت میں آئے گا کہ اس کا سوال اس کے چہرے

---

[1] ملاحظہ فرمائیں، چاندی اور سونے کے اصل اور مروجہ نصاب

Marfat.com

پر بار یلیتی، یا خراشوں، یار گڑوں کی (صورت میں ہوگا)، تو کسی نے)
دریافت کیا: یا رسول اللہؐ، وہ (مال کی حد) کیا ہے جو ایک
شخص کو غنی کرتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: پچاس درہم، یا سونے
کی شکل میں اس کی مساوی مقدار۔[1]

(ج) ذیل میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی گئی حدیث کی بنا پر، قانونِ زکوٰۃ کی رو سے کسی ایسے مقامی شخص کو زکوٰۃ کی امداد دینے کی ممانعت ہے جو صاحبِ نصاب نہ ہو اور اس کے پاس موجود مال کسی قرض کے لیے ضمانت بھی نہ ہو اور جن کی مالیت اتنی کافی ہو کہ وہ اپنی اور اپنے اہل وعیال اور دوسرے متوسلین کی غذا، لباس، رہائش اور علاج ومعالجہ کی فوری ضروریات کو پورا کر سکے، یا جو دماغی اور جسمانی لحاظ سے بالکل صحتمند ہو کہ باوقار طریقے سے اپنے گذر بسر کے لیے روزی کما سکے:

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسولؐ اللہ سے سنا
آپؐ نے فرمایا: (دو اشخاص کو) صدقہ (فرض، یعنی زکوٰۃ)
دینا جائز نہیں ہے: غنی (یعنی خود کفیل) کو، اور اس شخص کو
جو (کام کرنے کے لیے) دماغی اور جسمانی طور پر صحتمند ہے (اور
اسے کام ملتا ہے)

(روایت امام ترمذی اور امام ابو داؤد)

(د) قانونِ زکوٰۃ کی رو سے، معاشی لحاظ سے خود کفیل اور خوشحال والدین کے نابالغ بچوں کو زکوٰۃ سے امداد دینا جائز نہیں، کیونکہ والد کا قانونی فرض اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے نابالغ بچوں کی تمام مادی ضروریات اور گذر بسر

---

[1] چونکہ چاندی کا اصل نصاب ۲۰۰ درہم تھا، جو رسول اکرمؐ کے زمانے میں پانچ اونٹ بوجھ غلے کی بازاری قیمت تھی، تو ۵۰ درہم مذکورہ مالیت کا ایک چوتھائی حصہ ہوا۔

Marfat.com

کے اخراجات مہیا کرے۔

دوسری طرف، اگر خوشحالی اور مادی طور پر خود کفیل والدین کا کوئی بالغ بیٹا یا بیٹی مفلوک الحال اور افلاس میں مبتلا ہو، یا اپنی گذر بسر کے لیے دوسروں کا محتاج ہو جائے، اور کسی وجہ سے اپنے والدین یا رشتہ داروں، یا دوسرے جائز ذرائع سے، مادی امداد حاصل کرنے سے قاصر رہے۔ تو اس کی ذاتی حیثیت کے پیش نظر، مقررہ اصولوں کے مطابق، اسے زکوٰۃ کی امداد دی جائے گی۔

(۵) زکوٰۃ سے متعلق مندرجہ ذیل قرآنی آیات کی رو سے ایک عادی اور پیشہ ور گداگر کو زکوٰۃ کی امداد دینا قطعاً ممنوع ہے۔

(خیرات اور زکوٰۃ) اُن فقیروں کا حق ہے جو راہِ خدا میں محصور ہیں (اللہ واسطے رو ک دیئے گئے ہیں)۔ کہیں جا آ نہیں سکتے انجان ان کو نہ مانگنے کی وجہ سے غنی سمجھتا ہے مگر تم ان کی صورت سے (ان کے حال سے) واقف ہو، وہ بہت چمٹ کر لوگوں سے نہیں مانگتے۔ اور تم جو خیرات کرو بے شک اللہ کو اس کا علم ہے

(سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۷۳)

دراصل، دین اسلام عادی اور پیشہ ور گداگروں کی مذمت کرتا ہے، اور اس کو ہر ایک مسلمان، مرد یا عورت، سے متوقع انسانی وقار کے قطعی برعکس قرار دیتا ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو تاکید کرتا ہے کہ وہ اپنی ایماندارانہ اور جائز روزی حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں۔ اور اس میں سے اپنے کم نصیب بھائیوں اور بہنوں کو بھی خیرات دیں، بجائے اس کے کہ وہ دوسروں سے بھیک مانگ کر ذلّت و خواری میں مبتلا ہوں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے (کہ آنحضرتؐ نے) فرمایا، تم میں سے جو (حاجتمند ہو اور) صبح کے وقت اپنی رسّی لے کر روانہ ہو۔ (ابوہریرہؓ نے کہا) اور میرا خیال ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ وہ

پہاڑ پر چلا جائے ۔ وہاں سے جلانے کی لکڑیاں کاٹے اور جمع کرے، انہیں فروخت کرے، خود کھائے، اور پھر دوسروں کو خیرات دے، (ایسا کرنا) اس کے لیے بہتر ہے بجائے اس کے کہ وہ دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرے۔

(روایتِ امام بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تم میں سے کوئی صبح کے وقت اٹھے (جنگل میں جا کر) لکڑیاں کاٹے، انہیں اپنی پشت پر (اٹھا کر لائے) قیمت حاصل کرے (اس سے صدقہ و خیرات بھی کرے اور لوگوں سے مانگنے سے بے نیاز ہو جائے، یہ اس کے لیے کہیں بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے مانگے، (پھر) ان کا جی چاہے تو اسے دے دیں یا انکار کر دیں[1]۔ یہ اس لئے ہے کہ اوپر (یعنی دینے) والا ہاتھ نیچے (یعنی لینے) والے ہاتھ سے افضل ہے۔ اور جن کی پرورش کے لئے تو ذمہ دار ہے۔ (ان کی مدد کرنے میں دوسروں سے پہلے) خود کوشش کر۔

(روایتِ امام مسلم)

خود رسول کریمؐ کی متعین کردہ مستحق کی تعریف سے کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ زکوٰۃ کی امداد و فائدہ کسے ملنا چاہیئے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: مسکین وہ نہیں ہے جسے ایک یا دو نوالے نہ ملیں، بلکہ مسکین تو وہ ہے

---

[1] یعنی اگر درخواست کو قبول کر لیا جائے تو احسان کرنے والے کے لیے ناگزیر ممنونیت پیدا ہو جاتی ہے، اور اگر سوال کو پورا کرنے سے انکار کر دیا جائے، تو سائل کو ذلت و خواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

Marfat.com

جس کے پاس اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کم سے کم وسائل کی بھی استعداد نہیں، اور اُسے (دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے) شرم محسوس ہوتی ہے، اور وہ باصرار سوال نہیں کر سکتا۔

(روایت امام بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں (کے گھروں) کے چکر کاٹتا پھرتا ہے، اور اسے کھانے کا ایک لقمہ، یا دو لقمے، یا ایک کھجور، یا دو کھجوریں مل جائیں (لیتے ہوئے اپنے گھر کو واپس جائے) موجود صحابۂ کرام نے عرض کی: اے رسولؐ اللہ، تو مسکین کون ہے؟ (حضورؐ نے) فرمایا: مسکین وہ ہے جس کو اتنی دولت نہیں ملتی جس سے اپنی ضروریات پوری کرے اور (دوسروں کی امداد سے) مستغنی ہو جائے، مگر لوگ اس کے بارے میں یہ اندازہ نہیں کر سکتے (کہ اس کی معاشی حالت دگرگوں ہے) کہ اسے صدقہ وخیرات دیں، اور وہ خود (اتنا خوددار ہے کہ) لوگوں سے کچھ نہیں مانگتا۔

(روایت امام مسلم)

یحییٰ بن یحییٰ اور قتیبہ بن سعید نے ہمیں بتلایا، اور دونوں نے حماد بن زید سے روایت کی ہے؛ کہ یحییٰ نے کہا: حماد بن زید نے ہارون بن رباب سے سن کر ہمیں خبر دی؛ اس نے کہا کہ مجھے کنانہ بن نعیم العدوی نے قبیصہ بن مخارق الہلالی سے روایت کی کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے (کسی کی) ضمانت دے دی (جس کی بنا پر میں تنگ دستی اور مفلوک الحالی کا شکار ہو گیا) تو میں رسول اللہؐ کے پاس حاضر ہوا تاکہ اس معاملے میں آپؐ کا مشورہ لوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: انتظار کرو حتیٰ کہ ہمارے پاس

Marfat.com

زکوٰۃ کے اموال آئیں، تاکہ ہم تیرے لیے حکم دیں کہ تجھے ان میں سے کچھ دے دیا جائے۔ (قبیصہ نے) کہا (کہ) پھر (حضورؐ) نے یہ فرمایا: اے قبیصہ، زکوٰۃ کی امداد کی درخواست صرف تین صورتوں میں کی جا سکتی ہے۔

(اوّل) جب ایک شخص کسی کی ضمانت دے (کہ خود حاجتمند ہو جائے) تو اس کے لیے زکوٰۃ سے امداد کی درخواست اس وقت تک جائز ہے جب تک کہ (اسے اپنی ضمانت میں دی ہوئی دولت) واپس نہ مل جائے۔

(دوم) جب ایک شخص پر ایسی آفت آ پڑے جس سے اس کا مال و متاع برباد ہو جائے۔ تو اس کے لیے زکوٰۃ سے امداد کی درخواست کرنا جائز ہے جس وقت تک اسے زندگی کے ذرائع نہ مل جائیں[1]

(سوم) یا ایک شخص پر پریشانی آ پڑے حتیٰ کہ اس کی قوم کے تین سمجھ دار لوگ گواہی دیں کہ "فلاں پر مصیبت پڑی ہے تو اس کے لیے زکوٰۃ سے مدد کی درخواست کرنا جائز ہے جس وقت تک کہ اسے زندگی کے ذرائع نہ مل جائیں۔ یا آپؐ نے فرمایا ہوگا کہ زندگی گذارنے کے اسے ذرائع مل جائیں۔ اور سوائے ان تین صورتوں کے، اے قبیصہ، اگر کوئی شخص مادی امداد مانگتا ہے تو ناجائز ہے (اور اس کو) حاصل کرنے والا ناجائز چیز کھاتا ہے۔

(روایت امام مسلم)

---

[1] ملاحظہ فرمائیں، مذکورہ بالا قانون ۱۲ جز ۱، شق ۵

Marfat.com

فوت شدہ شخص کے چھوڑے ہوئے قرض کی ادائیگی

۷۹: جو مسلمان غربت اور افلاس کی حالت میں وفات پا جاتے ہیں اور اپنے ذمہ قرض چھوڑ جاتے ہیں، زکوٰۃ کے اموال میں سے کسی صورت میں بھی اس کا قرض پوری طرح ادا نہیں کیا جا سکتا۔

غیر ادا شدہ باقی قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری چونکہ متوفی کے وارث، یا ورثاء، کی ہے، لہٰذا اس کی جزوی ادائیگی کے لیے اگر زکوٰۃ کی امداد کی درخواست کی جائے، تو مذکورہ بالا قانون نمبر ۶۲، جزو ج/۴ کے مطابق کی جانی چاہیئے۔

رسولِ کریمؐ اور ان کے خاندان کیلئے زکوٰۃ سے مدد طلب کرنے کی ممانعت

۸۰: درج ذیل حدیث میں رسولِ کریمؐ کے فرمان کے مطابق، سوائے مالِ غنیمت کے خمس کے زکوٰۃ کے اموال آپؐ کی ذاتِ گرامی اور خاندانِ نبوی، اور آپؐ کے موالی کے لئے جائز نہ تھے[ا]۔

> حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حسنؓ بن علیؓ (جو ابھی بچے تھے) نے صدقہ (فرض، یعنی زکوٰۃ) کی کھجوروں میں سے ایک اُٹھائی اور اپنے منہ میں ڈال لی، تو رسولِ کریمؐ نے فرمایا: ارے! ارے! اسے پھینک دو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم صدقہ (فرض، یعنی زکوٰۃ) کھا نہیں سکتے ہیں؟
>
> (روایت امام مسلم)

[ا] عام طور پر، رسولِ کریمؐ کے خاندان سے مراد بنو ہاشم ہیں، یعنی ہاشم بن عبدِ مناف کی اولاد، اور خاص طور پر اس سے عباس بن عبد المطلب، الحارث بن عبد المطلب، علی بن ابی طالب، جعفر بن ابی طالب، عقیل بن ابی طالب، اور ان کی نسلیں اور موالی مراد ہیں۔
کچھ علماء کا مبالغہ آمیز نظریہ یہ ہے کہ رسولِ کریمؐ کے خاندان میں پورا قریش کا قبیلہ شامل ہے۔

Marfat.com

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب بھی نبیؐ کے پاس کوئی شخص کھانا لاتا، تو آپؐ اس کے بارے میں دریافت فرماتے، اور اگر کہا جاتا کہ یہ ہدیہ ہے تو کھا لیتے، اور اگر کہا جاتا کہ یہ صدقہ ہے، تو اس میں سے نہ کھاتے۔ (روایت امام مسلم)

بنو ہاشم کے اموال کے لیے بھی زکوٰۃ کے اموال کا استعمال، یا ان سے فائدہ اُٹھانا، جائز نہیں تھا۔ اس عدم اجازت کی بنیاد رسول کریمؐ کی سنت پر رکھی گئی ہے۔ امام العینی نے اپنی شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ جب رسول کریمؐ کے مولیٰ حضرت ابو رافعؓ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ: آیا میرے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے؟ آپؐ نے فرمایا تھا: نہیں، کیونکہ تو ہمارا مولیٰ ہے۔

اکثر فقہائے کرام نے اس حدیث کا مطلب یہ لیا کہ یہ اصل ابدالآباد کے لیے لاگو ہے، اور بنو ہاشم اور ان کے موالی کی تمام نسلوں پر لاگو ہوتا ہے۔

لیکن مندرجہ بالا احادیث کے الفاظ اس رائے کی تائید نہیں کرتے، ان میں سے کسی میں بھی یہ واضح طور پر نہیں کہا گیا کہ رسول کریمؐ کے معاصرین کی زندگی کے بعد بھی بنو ہاشم اور ان کے موالی کے حاجتمند افراد کو زکوٰۃ سے فائدہ اُٹھانے، اور اسے استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ قرآن پاک میں بھی ایسی کوئی ممانعت نہیں پائی جاتی۔[۱]

---

[۱] تمام فقہائے کرام اس مسئلے پر متفق الرائے نہیں ہیں کہ آیا رضاکارانہ دی ہوئی خیرات اور زکوٰۃ دونوں سے حاصل شدہ اموال بنو ہاشم پر خرچ کرنے کی ممانعت تھی یا نہیں۔ حنفی فقہاء کی رائے میں، بنو ہاشم کو صرف زکوٰۃ کے اموال سے امداد لینے سے منع فرمایا گیا ہے؛ اگر بنو ہاشم کے کسی فرد کے معاشی حالات ابتر ہو جائیں، وہ رضاکارانہ دی ہوئی خیرات جائز طور پر لے سکتے ہیں۔ چند حنفی فقہاء کی رائے یہ بھی ہے کہ بنو ہاشم کے مالداروں سے حاصل شدہ زکوٰۃ کا مال ان کے حاجتمند افراد میں تقسیم کیا جا سکتا ہے لیکن یہ نقطۂ نظر مذکورہ بالا قانون نمبر ۷ کے خلاف ہے، جس کے مطابق عمل زکوٰۃ کے نتیجے میں زکوٰۃ دینے والے کے مادی مفادات کو بالواسطہ یا بلاواسطہ فائدہ نہیں پہنچنا چاہیئے۔

Marfat.com

بلاشک و شبہ، رسولِ کریمؐ کی حیاتِ طیبہ کا یہ انتہائی قابلِ تعریف عمل ہے کہ اسلامی ادارۂ زکوٰۃ کو قائم کر کے آپؐ نے نہ صرف اپنے آپؐ اور اپنے موالی کو، بلکہ اپنے خاندان اور ان کے موالی کو بھی، زکوٰۃ کے اموال استعمال کرنے، اور ان سے استفادہ کرنے سے منع فرمادیا۔ درحقیقت، سماجی فلاح و بہبود کے لئے اسلام کے رہنمائے اعلیٰ اور زکوٰۃ کے اموال کے پہلے محافظِ اعلیٰ، رسولِ کریمؐ کے بے لوث خلوص کا اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں، اس ممانعت سے دشمنوں کے منہ اس بات سے ہمیشہ کے لیے بند کر دیئے گئے کہ آپؐ نے لوگوں کو اپنی دولت میں سے خیرات کرنے کا حکم صرف اپنے آپؐ اور اپنے خاندان اور موالی کو امیر بنانے کے لیے دیا ہوگا۔

رسولِ کریمؐ کے عہدِ مبارک میں اس ممانعت کا خاص سبب موجود تھا۔ لیکن اسلام کے دورِ اوّل کے بعد، اس محتاط رویئے کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی، اسلامی انصاف اور اخوت کی روح اور قانونِ اسلام کے نظریہ میں تمام مسلمانوں کی مساوات و برابری، وضاحت سے یہ تردید کرتی ہے کہ آج کل ایسے حاجتمند مسلمان کو، اس بنا پر کہ نسلاً، یا کسی دوسرے ذرائع سے، ان کا رشتہ بنوہاشم سے ہے، زکوٰۃ کی امداد دینے سے انکار کر دیا جائے، اور اگر وہ مفلوک الحالی تک پہنچ جائے تو یا تو دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور ہو جائے یا غربت کی موت کا شکار ہو جائے۔

اگر ہم جذبات سے بے نیاز غور کریں، تو رسولِ کریمؐ کے عہدِ مبارک کے بعد، آج کل اور بھی زیادہ، قانونی اعتبار سے بنوہاشم اسلامی اخوت میں تمام دوسرے مسلمانوں کے بالکل برابر ہوتے ہیں۔ تو بنوہاشم اور ان کے موالی کی نسلوں کو یہ حق حاصل ہونا چاہیئے کہ، بوقتِ ضرورت، تمام دوسرے مسلمانوں کی طرح، وہ بھی اللہ کی نعمت سے استفادہ کریں اور ادارۂ زکوٰۃ سے امداد اور آبادکاری کا پورا فائدہ اُٹھا سکیں۔ لیکن یہ قانونی شرط ہونی چاہیئے کہ کسی ہاشمی کو،

Marfat.com

یا ہاشمیوں کے موالی کو، زکوٰۃ کی امداد دیتے ہوئے، نسل و نسبت کی بنا پر مطلقاً کوئی ترجیح نہ دی جائے۔[1]

فطرہ کا انتظام

۸۱: عید الفطر کی زکوٰۃ کے قانون نمبر ۲۲ کے مطابق، زکوٰۃ کے مراکز کی تمام شاخوں کے منتظمین کو، ہر سال، ماہِ رمضان المبارک میں، فطرہ (یعنی عید الفطر کی زکوٰۃ) حاصل کرنے اور، اس وقت محلے میں موجود تمام مستقل، عارضی اور اتفاقی مستحقین میں مساوی اور مناسب انداز میں، تقسیم کرنے کا انتظام کرنا چاہیے۔

رسول کریمؐ کے فرمان کے مطابق، فطرہ دینے کا آخری ترین وقت عید کے دن کا طلوعِ آفتاب ہے، پیشتر اس کے کہ لوگ عید کی نماز ادا کرنے کے لیے جائیں۔

حضرت (عبد اللہ) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ عید الفطر کی زکوٰۃ کو عید کی نماز کے لیے جانے سے پہلے ادا کر دینا چاہیے۔ (روایتِ امام بخاری)

۸۲: عام زکوٰۃ کی طرح فطرہ کی وصولی بھی زکوٰۃ کے مستند عاملین کے ذریعے کی جانی چاہیے، اور مذکورہ بالا قانون نمبر ۱۶ کے مطابق، فطرہ وصول کرتے ہوئے ادارۂ زکوٰۃ سے تسلیم شدہ دوہری رسید کاٹنی چاہیے۔

۸۳: اصولاً فطرہ کی تقسیم زکوٰۃ کی ہر محلے کی شاخ خود بلا واسطہ ان تمام مستحقین میں کرے گی جو موقع پر جمع ہوں، اور تقسیم کے وقت موجود ہوں۔ لیکن جو مستحقین فطرہ کی تقسیم کے وقت موقع پر نہ پہنچ سکتے ہوں مثلاً بیمار اور معذور، ادارۂ زکوٰۃ سے متعلق یتیم خانوں اور ہسپتال کے ارکان اور مریض، وغیرہ، تو ان کو زکوٰۃ کے ذمہ دار عاملین ان کی جگہوں پر فطرہ پہنچائیں۔

۸۴: مذکورہ بالا قانون ۵۳ کے مطابق، عام زکوٰۃ کی تقسیم کی طرح فطرہ کی تقسیم بھی

---

[1] ملاحظہ فرمائیں: آگے مذکور قانون نمبر ۱۰۱، جزو ۱۵ الخ

Marfat.com

ادارۂ زکوٰۃ کی تسلیم شدہ دوہری رسیدوں پر کی جائے گی، جن میں سے ایک میں زکوٰۃ تقسیم کرنے والا زکوٰۃ کے محافظ سے حاصل شدہ اشیاء یا رقوم تسلیم کرے، اور دوسری میں زکوٰۃ کا مستحق فطرہ کے حصول کا اقرار کرے۔

۸۵: فطرہ میں وصول شدہ تمام اشیاء ور قوم کو عام زکوٰۃ کے اموال سے قطعی طور پر الگ رکھنا چاہیئے، اور انہیں عید الفطر کے موقع پر پوری طرح مستحقین میں تقسیم کر دینا چاہیئے۔

۸۶: عید الفطر کی زکوٰۃ کے قانون نمبر ۲۲ کے مطابق فطرہ کے مقصد کو اطمینان بخش طریقے سے، اور مناسب طرح ادا کیا جائے، اس کی تقسیم کے لیے وقت کی جو حد مقرر ہے، یعنی عید کی صبح تک، یا عید کی نماز کے فوراً بعد، اس سے زیادہ تجاوز نہیں کرنا چاہیئے۔

جب حالات اس امر کے متقاضی ہوں، مثلاً جب عید الفطر سرما کے چھوٹے دنوں میں آئے، تو فطرہ کی تقسیم رمضان المبارک کے آخری روز کر لینا آسان اور زیادہ مناسب ہو گا۔

۸۷: مذکورہ بالا قانون ۴۷، جزو ۵ کے مطابق، فطرہ ایسے لوگوں کو ہرگز نہیں دیا جا سکتا جن کے متعلق معلوم ہو کہ یہ عادی اور پیشہ ور گداگر ہیں۔

۸۸: عام زکوٰۃ کی طرح، چونکہ فطرہ بھی ایک عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہے۔ اور خاص طور پر اللہ کا حق ہے، اور جس کا مقصد یہ ہے کہ رمضان المبارک کے مقدس روزوں کی کامیاب تکمیل پر، ادائے شکر کے دن تمام تنگ دست مسلمان محرومی اور افلاس سے آزاد ہو کر، ان خوشیوں میں جو ہر سچے مسلمان کو انتہائی عزیز ہیں، پورے طور پر حصہ لے سکیں، اس لیے، اور مذکورہ بالا قانون نمبر ۱۶ کے مطابق، غیر مسلموں کو (جن کا نہ تو رمضان المبارک کے روزوں سے کوئی تعلق ہے، اور نہ ہی اسلامی ادارۂ زکوٰۃ سے کوئی واسطہ) فطرہ قطعی نہیں دیا جا سکتا۔

Marfat.com

مالِ غنیمت کا خُمس

۸۹: جنگ کے زمانے میں متعلقہ ملک کی زکوٰۃ کے قومی مرکز کو مالِ غنیمت کا خمس، یعنی بیس فیصدی زکوٰۃ، وصول کرنے، اور اسے جنگ سے متاثرہ علاقوں میں پہنچانے کے لیے خصوصی انتظامات کرنے چاہئیں۔

اس مقصد کی تکمیل کے لئے، ملک کی زکوٰۃ کے قومی مراکز کو زکوٰۃ کے خاص عاملین معیّن کرنا چاہیئے جو ان انتظامات کے لیے قومی مراکز کے سامنے ذمہ دار ہوں۔ یہ خاص عاملین برسرِ پیکار افواج کے ساتھ رہیں گے اور، زکوٰۃ کے انصرام کے عام قوانین کے مطابق، اپنے فرائض انجام دیں گے۔

۹۰: مالِ غنیمت کے قانون نمبر ۲ کے مطابق، خُمس کی ادائیگی، یعنی مالِ غنیمت پر بیس فیصدی زکوٰۃ، کی ذمہ داری ان فوجی افسران پر عائد ہوتی ہے جو متعلقہ مالِ غنیمت کو اپنی نگرانی میں رکھنے کے ذمّہ دار ہوں۔

۹۱: مالِ غنیمت کے خُمس (یعنی بیس فیصدی زکوٰۃ) کے اموال کی صحیح نگرانی کے لیے عام زکوٰۃ کی طرح، اسے زکوٰۃ کے ذمّہ دار عاملین کے حوالے کر دیا جائے یعنی مذکورہ بالا قانون نمبر ۱۶ کے مطابق ادارۂ زکوٰۃ کی تسلیم شدہ دوہری رسیدیں بنائی جائیں گی رسید ذمّہ دار فوجی افسر کو دے دی جائے گی جس نے مالِ غنیمت کا خُمس حوالے کیا ہے، اور نقل زکوٰۃ کے قومی مرکز کے ریکارڈ میں رکھی جائے گی۔

۹۲: برسرِ پیکار افواج کے ہم راہ ادارۂ زکوٰۃ کے ذمّہ دار عاملین مقامی حالت کی شدت کے پیش نظر، مالِ غنیمت کے خُمس (بیس فیصدی زکوٰۃ) میں سے موقع پر زکوٰۃ کے موجود مستحقین میں، کلیتًا یا جزوًا تقسیم کر سکتے ہیں۔

تاہم، اگر موقع پر زکوٰۃ کے کوئی مستحقین موجود نہ ہوں، تو مالِ غنیمت کے خُمس کا جملہ مال جنگ سے متاثرہ دوسرے علاقوں میں، جہاں ان کی ضرورت ہو منتقل کر دینا چاہیئے۔[۱]

---

[۱] ملاحظہ فرمائیں، قانون ۹۴۔

۹۳۔ مالِ غنیمت کے خمس، یعنی اس پر بیس فیصدی زکوٰۃ کو، ممکنہ سرعت کے ساتھ مستحقین تک پہنچانے کے لیے برسرپیکار افواج کے ہم راہ موجود عاملین کو چاہیئے کہ وہ، اس کے بارے میں، ملک کی زکوٰۃ کے قومی مرکز کو تازہ ترین مفصل اطلاعات باقاعدگی سے بھیجتے رہیں۔

۹۴: مالِ غنیمت کا خمس (بیس فیصدی زکوٰۃ) جب مقامی ضروریات پوری کرنے کے لیے ضروری نہ ہو، تو جنگ سے متاثرہ علاقے کی زکوٰۃ کے قریب ترین مرکز کو منتقل کر دینا چاہیئے۔

مذکورہ بالا قانون ۴۳ کے مطابق، بوقتِ ضرورت، ایسے وصول شدہ مالِ غنیمت کے فاضل حصّے کو ہمیشہ جنگ سے متاثرہ دیگر علاقوں میں زکوٰۃ کے قریب ترین مرکز کو بھیج دیا جائے۔

۹۵: مذکورہ بالا قانون ۴۷ کے مطابق، مالِ غنیمت کے خمس (بیس فیصدی زکوٰۃ) کے اموال جب منتقل کئے جائیں، تو بھیجنے والے اور حاصل کرنے والے دونوں مراکزِ زکوٰۃ کے محرّرین کو چاہیئے کہ فوراً تفصیل سے منتقلی اموال کی صحیح تاریخ (دن، ماہ، اور سنہ) ان کی صحیح نوعیت اور مقدار، مالیت یا تعداد، درج کر کے، ریکارڈ میں رکھیں۔

۹۶: مالِ غنیمت کے خمس (بیس فیصدی زکوٰۃ) کا وہ حصّہ جو برسرِ پیکار افواج کے ہمراہ عاملین، موقع پر مستحقین کی عدم موجودگی کے سبب، یا جنگ کی شدّت سے موجود مستحقین میں، تقسیم نہ کر سکیں، یا موجود مستحقین میں، ان کی ضروریات سے زائد ہونے کی بناء پر، سرے سے ہی تقسیم نہ کیا جائے۔ اسے جنگ سے متاثرہ علاقوں کے گاؤں، قصبوں، اور شہروں کی زکوٰۃ کے مراکز میں بلاواسطہ، یا ان کی مقامی شاخوں کے ذریعے (جو طریقہ زیادہ آسان و کارآمد ہو) مستحقین میں کم سے کم مدّت میں تقسیم کر دیا جائے۔

۹۷: ہمیشہ اور ہر حالت میں، مالِ غنیمت قبضے میں آنے کے بعد، بلاتوقف

اور ہر ممکنہ سرعت کے ساتھ، اس کے خمس (بیس فیصدی زکوٰۃ) کو مستحقین میں تقسیم کر دیا جائے۔

۹۸: فطرہ کی طرح، مالِ غنیمت کے خمس (بیس فیصدی زکوٰۃ) کو بھی زکوٰۃ کے عام اموال سے قطعی طور پر الگ رکھنا چاہیئے۔

۹۹: مالِ غنیمت کے خمس کی تقسیم کا عمل عام زکوٰۃ کی طرح کیا جانا چاہیئے یعنی مذکورہ بالا قانون نمبر ۵۳ کے مطابق خمس کی تقسیم ادارہ زکوٰۃ کی تسلیم شدہ دوہری رسیدوں پر ہونی چاہیئے، جن میں سے ایک میں خمس تقسیم کرنے والے محافظ خمس سے جو اموال حاصل کئے ہیں، ان کو وہ تفصیل سے تسلیم کرے۔ اور دوسری میں مستحق حاصل شدہ اموال کا مفصل طور پر اندراج کرے

۱۰۰: مالِ غنیمت کے خمس کو تقسیم کرتے وقت، زکوٰۃ کے عام اموال کی طرح موجود مستحقین کی اقسام اور تعداد کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

حقیقتاً، قرآن پاک کی سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۴۱ میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ مالِ غنیمت کے خمس[1] کو لازماً پانچ برابر حصوں میں بانٹنا ہے[2]۔ بلالحاظ اس کے کہ مالِ غنیمت کے قرآن میں مذکورہ مستحقین کی پانچوں اقسام موجود ہیں یا نہیں، یا ہر مستحق کی انفرادی ضروریات واقعی کیا ہیں۔ چنانچہ اگر مذکورہ بالا آیت میں بتلائے ہوئے مستحقین کی پانچوں اقسام میں سے ایک یا زیادہ موجود نہ ہوں، تو کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ موجود مالِ غنیمت کے خمس کو مکمل طور پر کیوں نہ اس قسم یا اقسام کے مستحقین میں تقسیم کر دیا جائے جو اس وقت واقعی موجود ہوں۔

---

[1] امام شافعی کی رائے ہے، مالِ غنیمت کے خمس کو پانچ برابر حصوں میں تقسیم کیا جانا چاہیئے۔

[2] مذکورہ بالا قانون نمبر ۴۱ کے مطابق عام زکوٰۃ کے اموال میں سے ایک معقول حصہ کو ترجیحاً ہمیشہ محفوظ رکھنا چاہیئے تاکہ وہ ہنگامی طور پر ضرورتمند مستحقین کی امداد میں، خواہ وہ کسی قسم سے تعلق رکھتے ہوں، بلا تاخیر تقسیم کیا جا سکے۔ لیکن جب ضرورت پڑے، مالِ غنیمت خمس کو مکمل طور پر اور فوراً تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۰۱۔ اصولاً، اموالِ غنیمت کا خمس ان لوگوں کے فائدے و استعمال کے لیے ہے جو جنگ سے واقعی متاثر ہوئے ہیں، یعنی جو اگرچہ جنگ کے محاذ پر خود نہیں لڑے؛ تاہم جنہوں نے اسلام کی خدمت اور دفاع کے لیے اپنا تمام دنیاوی ساز وسامان کھو دیا، یا قربان کر دیا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

تم کو معلوم ہو کہ جو کچھ تم کو بطورِ غنیمت حاصل ہو، اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور (حاجتمند) قرابت داروں[۱] اور یتیموں اور مسکینوں (ناداروں) اور محتاجوں مسافروں کے لیے ہے، اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور ان احکام پر جو ہم نے اپنے بندے پر اتارے فیصلے کے دن[۲]، اس دن کہ دونوں لشکروں میں آمنا سامنا ہو گیا تھا (اور اللہ نے مسلمانوں کو غالب اور ممتاز کر دیا تھا) اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ۝

(سورۃ الانفال، آیت نمبر ۴۱)

عام زکوٰۃ کی طرح، مالِ غنیمت کا خمس ادا کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی ایک ایک عبادت ہے اور دراصل اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ مالِ غنیمت کی زکوٰۃ کا یہ مقصد ہے کہ لڑائی میں اُن شریک نہ ہونے والوں کو، جو دشمن کی جارحیت کا شکار ہوئے ہیں۔ "فی سبیل اللہ" کے عنوان کے تحت زکوٰۃ کی عام امداد کے

۱؎ ملاحظہ فرمائیں، "ذی القربیٰ" کا مفہوم، آگے صفحہ ۵۶۸ پر۔
۲؎ یعنی حق اور باطل میں امتیاز کے دن، بدر کے معرکہ کے موقعے پر۔

Marfat.com

علاوہ، اور ان غنائم "یا فئے"[1] کے علاوہ جو بغیر لڑائی کے حاصل ہوئے ہوں، ان کو اپنی فوری ضروریات پوری کرنے کے لیے مزید بدد دی جائے۔

مذکورہ ذیل سورۃ الحشر کی آیات نمبر ۶ تا ۸ ہیں، اگرچہ "ما أفاء اللہ علی رسولہ" کی بنا پر، لفظ "فئے" سے خاص طور پر "جنگی غنائم جو دشمن سے لڑے بغیر حاصل ہوئے ہیں" کا مفہوم ہے، یعنی جو مال غنیمت اس خاص جنگ میں مسلمانوں کے لڑے بغیر، اللہ نے اپنے پیغمبر کو بخش دیا ہے، لیکن در اصل "فئے" کا صحیح مفہوم "واپس دی گئی چیز" ہے، اور جنگی اصطلاحات میں اس سے مراد "مال غنیمت" یا "انفال" ہے۔ مذکورہ بالا قرآنی آیات جو ایک خاص واقعہ کے حوالے سے ہیں، جس میں مال غنیمت لڑے بغیر دشمن سے حاصل ہوا تھا، ان سے واضح ہوتا ہے کہ جب کبھی مال غنیمت، یعنی "فئے" لڑے بغیر حاصل کیا گیا ہو، تو اس کو کلیتاً قومی فلاح و بہبود کے لیے اور خصوصاً جنگ سے متاثرہ افراد کی اعانت کے لیے مسلم ریاست[2] کی رائے اور انصاف کے مطابق، پوری طرح وقف ہونا چاہیے۔

وَمَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ
عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ

---

[1] تاریخی کتابوں میں "فئے" کی اصطلاح کے مختلف مفہوم ملتے ہیں۔ حتیٰ کہ کچھ جدید مصنفین نے اس اصطلاح سے وہ مفہوم لیا ہے جو عام سرکاری ٹیکسوں کا ہے۔ لیکن قرآن پاک نے اس کے لیے "ما أفاء اللہ علی رسولہ" (یعنی: اللہ نے اپنے پیغمبر کو جو مال "فئ" دیا ہے) کے الفاظ استعمال کر کے، اور اس کے خاص مقاصد متعین کر کے، بتلایا ہے کہ اصطلاح کا یہ استعمال قطعی غلط اور گمراہ کن ہے۔

[2] ملاحظہ فرمائیں: مذکورہ ذیل قانون نمبر ۱۰۱ کے تحت مسلم ریاست پر فٹ نوٹ مال غنیمت کے سلسلے میں۔

Marfat.com

عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰہُ
عَلٰی رَسُوۡلِہٖ مِنۡ اَہۡلِ الۡقُرٰی فَلِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوۡلِ وَ لِذِی
الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ کَیۡ لَا یَکُوۡنَ
دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ ؕ وَ مَاۤ اٰتٰىکُمُ الرَّسُوۡلُ
فَخُذُوۡہُ ٭ وَ مَا نَہٰىکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَہُوۡا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ
اِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ۝ لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُہٰجِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ
اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ وَ اَمۡوَالِہِمۡ یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ
اللّٰہِ وَ رِضۡوَانًا وَّ یَنۡصُرُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ ؕ اُولٰٓئِکَ
ہُمُ الصّٰدِقُوۡنَ ۝ۚ

ان (کافروں کے ہاتھ) سے خدا اپنے رسولؐ کو جو دلوائے نہ تو تم نے اس پر گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ (یعنی بغیر لڑے) مگر خدا اپنے رسولوں کو مسلّط کر دیتا ہے جس پر چاہتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۝ قریہ والوں سے اللہ اپنے رسولؐ کو جو دلوائے وہ اللہ کا ہے اور اللہ کے رسولؐ[1] کا ہے، اور (حاجتمند) قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں (ناداروں) اور (حاجتمند) مسافروں کا ہے، تاکہ تم میں کے غنیوں کے قبضہ میں نہ آجائے۔ پیغمبر تم کو جو دے وہ لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرو اللہ سخت سزا دینے والا ہے ۝ (اس فیئے کے مال میں) بے وطن (مہاجر) ناداروں کا حق ہے جو اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے، ان سے ان کا مال چھین لیا گیا

---

[1] یعنی مسلم ریاست کے لیے، ملاحظہ فرمائیں، مذکورہ ذیل قانون نمبر ۱۰ کے تحت مسلم ریاست پر فٹ نوٹ، مالِ غنیمت کے مستحقین کے سلسلے میں۔

Marfat.com

وہ خدا کا فضل اور رضا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کو نصرت اور مدد دیتے ہیں، یہی ہیں راست باز لوگ ۝

(سورۃ الحشر، آیات ۶ تا ۸)

رسول کریمؐ کے عہد مبارک میں، مالِ غنیمت کے خمس کے اموال کو درج ذیل پانچ حصّوں میں تقسیم کیا جاتا تھا: ایک حِصّہ رسول کریمؐ کی ذات کے لیے، ایک حِصّہ حاجتمند قرابت داروں کے لیے، ایک حِصّہ (جنگی) یتیموں کے لیے، ایک حِصّہ ناداروں کے لیے، اور آخری ایک حِصّہ حاجتمند مسافروں کے لئے تاریخی بیان کے مطابق، رسول کریمؐ کی وفات کے بعد، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، اور حضرت علیؓ کہ ان کے جانشین بھی مالِ غنیمت کے خمس کو صرف تین حصّوں میں تقسیم کیا کرتے تھے، یعنی ایک حِصّہ جنگی یتیموں، ایک حِصّہ ناداروں، اور آخری ایک حصّہ (حاجتمند) مسافروں کے لیے۔ فقہائے حنفی اس طرزِ عمل کو سند مانتے ہیں، جن کی دلیل یہ ہے کہ رسولِ کریمؐ کا مالِ غنیمت کے خمس میں سے ایک حِصّہ آپؐ کی نبوّت کی وجہ سے تھا اور آپ کی رحلت کے ساتھ ہی یہ حِصّہ بھی ختم ہو گیا۔ حنفی فقہاء کا یہ بھی خیال ہے کہ رسولِ کریمؐ کی رحلت کی وجہ سے آپؐ کے قرابت داروں (جنہیں وہ آپؐ کے خونی رشتہ دار سمجھتے تھے) کا مالِ غنیمت میں صرف اس صورت میں حِصّہ ہو سکتا ہے کہ وہ باقی تین اقسام کے مستحقین میں سے کسی ایک سے متعلّق ہوں، اور اس صورت میں انہیں برتری کا حق حاصل ہے[1]۔

آخر میں حنفی فقہاءؒ یہ دلیل دیتے ہیں کہ رسول کریمؐ کے اعزّہ و اقرباء کو "صاحبِ قرابت" کے عنوان کے تحت، مالِ غنیمت کے خمس میں سے حِصّہ اس لئے

---

[1] اگرچہ، قانون زکوٰۃ کی رو سے، زکوٰۃ کے ایک مستحق برتری کا حق صرف اس اس کی فوری حاجت کی نسبت سے حاصل ہوتا ہے۔

Marfat.com

دیا گیا تھا کہ انہوں نے اسلام کے لیے قربانیاں دی تھیں، اور رسول اللہ کو اسلام کے تحفظ اور فروغ کے لیے مدد دی تھی، یعنی ان کی "قرب النصرۃ" (اعانت کی قرابت) کی وجہ سے، اور نہ اس لئے کہ وہ خون و نسل کی وجہ سے رسول اللہ کے رشتہ دار تھے، یعنی "قرب القرابۃ کے واسطے سے[1]

اس حنفی نقطۂ نظر کے برعکس، فقہائے شافعی کی رائے ہے، رسول کریمؐ کی وفات کے بعد، مالِ غنیمت کے خمس میں سے آپؐ کا حصّہ ریاست کو ملنا چاہیئے۔ شافعی فقہ کا خیال ہے کہ رسولِ کریمؐ کے اعزّہ و اقرباء کو مالِ غنیمت کے خمس میں سے حصّہ لینے کا حق ابد الآباد کے لیے حاصل ہے[2]

چنانچہ، شافعی فقہاء کی رائے ہے کہ مالِ غنیمت کو آج بھی پانچ ہی حصّوں میں تقسیم کرنا چاہیئے۔ رسول اللہ کا حصّہ مسلم ریاست، اسلامی ملّت کی عام فلاح و بہبود کے لیئے، خرچ کرے، اور خصوصاً اس سے قلعے تعمیر کرے۔ اور پھر رسول کریمؐ کے اعزّہ و اقرباء کا حصّہ بھی نکالا جائے جو آپؐ کی تمام موجود نسل میں برابر و مساوی طور پر تقسیم کیا جائے۔ یعنی قانونِ وراثت کے مطابق، رسول اللہ کے خاندان کے تمام افراد کو، خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے، امیر ہوں یا غریب، حصّہ دیا جائے، اور لڑکے کو لڑکی سے دوگنا حصّہ دیا جائے۔ اور یہاں تک کہ وہ اس نظریہ کے حامی ہیں کہ "دنیا کے چاروں کونوں سے رسول اللہ کے عزیز و اقرباء کو جمع کیا جائے تاکہ وہ مالِ غنیمت میں سے اپنا حصّہ لے سکیں"۔

---

[1] امام ابوبکر رازی کا بھی یہی خیال ہے کہ خون کے رشتے کی وجہ سے رسول کریمؐ کے اعزہ و اقرباء کو مالِ غنیمت کے خمس میں سے نہیں دیا گیا تھا، بلکہ اس لئے دیا گیا تھا کہ انہوں نے اسلام کی مدافعت اور اشاعت کی تھی۔

[2] حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اس نظریہ کی وکالت کرتے ہیں کہ رسول کریمؐ کے اعزہ و اقرباء کا جنہوں نے آپؐ کی مدد کی تھی، حصّہ ان کی زندگی تک ہونا چاہیئے تھا۔

Marfat.com

جہاں تک رسول کریمؐ کے حصّے کا تعلق ہے، شافعی فقہ کا نقطۂ نظر آپؐ کی سنّتِ طیبہ سے مطابقت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ رسول کریمؐ نے مالِ غنیمت کے خمس میں سے اپنے حصّے کو کبھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا، بلکہ اُسے کلیتاً غریبوں اور حاجتمند یتیم بچّوں کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کیا، اور ان وفود و مندوبین کو جو آپؐ سے ملنے کے لیے آتے تھے، تحائف دینے میں بھی خرچ کرتے تھے۔ یہاں اس نقطہ کی اہمیت کو نمایاں کرنا ہے کہ رسول کریمؐ کے لیے خمس کا یہ حصّہ تسلیم کرنے کے وقت، "غنیمت کے خمس" کی قانونی خاصیت رکھتا تھا لیکن یہ تسلیم کرتے ہوئے یہ قانوناً آپؐ کی ذاتی ملکیت ہو گئی تھی جس کو آپؐ جس طرح چاہتے استعمال کرتے تھے۔ اور ان وفود اور مندوبین کو جو اس دولت میں سے تحفے دیئے گئے تھے، ان کی قانونی حیثیت صرف "تحفے" کی تھی، خمس کا حصّہ نہیں[1] رسول کریمؐ ابتدا ہی سے، نئی قائم شدہ اسلامی ریاست کے لئے اعلیٰ امثال تھے، اور آپؐ کا یہ شاندار نمونہ صاف طور سے ثابت کرتا ہے کہ، آپؐ کے بعد، آپؐ کے حصّے کو کس طرح خرچ کیا جائے، اور شافعی نقطۂ نظر کی صداقت کی تصدیق کرتا ہے کہ آپؐ کا حصّہ، ملّتِ اسلام کی عام فلاح و بہبود میں خرچ کرنے کے لئے، ریاست کو ہی ملنا چاہیئے۔

دوسری طرف، شافعی نقطۂ نظر کہ "لِذِی القُربیٰ" (قرابت داروں) کا حصّہ رسول کریمؐ کے رشتہ داروں کا ہمیشہ کے لیے حق ہے، اور اسے امیر، غریب، روئے زمین کے چاروں طرف سے جمع کئے ہوئے سب لوگوں میں قانونی وراثت کی طرح سے تقسیم کیا جائے، نہ صرف مبالغہ آمیز اور حقیقت سے دور ہے، بلکہ قطعی ناقابلِ عمل بھی ہے۔ یہ واضح ہے کہ اس نقطۂ نظر کی بنیاد متعلقہ مسائل پر متانت سے غور و فکر کی بجائے جذبات پر رکھی گئی ہے۔ اس بارے میں حنفی فقہاء کی دلیل زیادہ ٹھوس ہے، اور اسلامی انصاف اور مساوات کی روح سے یقیناً زیادہ مطابقت رکھتی ہے، کہ رسولِ کریمؐ کے عزیز و اقرباء کو مالِ غنیمت کے خمس میں سے ایک

---

[1] ملاحظہ فرمائیں، مذکورہ بالا قانون نمبر ۶۸

Marfat.com

حِصّہ اس لیے دیا جاتا تھا کہ انہوں نے آپ کی اعانت، تائید اور حمایت اور تحفظ و دفاع کیا تھا۔ اگرچہ ان کی رائے کہ یہ حق رسولِ کریمؐ کی رحلت کے ساتھ ختم ہو گیا قابلِ بحث ہے، در حقیقت زیادہ صحیح یہ ہے کہ رسولِ کریمؐ کے مددگار اور تائید کرنے والے عزیز و اقربا ء کی رحلت کے ساتھ ان کا یہ حق ختم ہو جانا چاہیئے تھا۔

دراصل تاریخ میں بتایا گیا ہے کہ رسولِ کریمؐ مالِ غنیمت کے خمس کا مذکورہ حِصّہ اپنے تمام رشتہ داروں کو بلا امتیاز نہیں دیا کرتے تھے: اگرچہ "ابولہب" بن عبدالمطلب رسولِ کریمؐ کا خونی رشتہ دار تھا، مگر اسے اور اس کے خاندان کو خمس کے کسی حِصّے سے ہرگز استفادہ نہیں کرنے دیا جاتا تھا، اور نہ ہی رسولِ کریمؐ اپنے ہر امیر و غریب رشتہ دار کو، قانونِ وراثت کے مطابق برابر برابر حِصّے دیا کرتے تھے۔ در حقیقت، قرآنِ پاک کے متن سے کہیں بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مالِ غنیمت کے کسی حِصّہ، حتیٰ کہ خمس، یا خمس کے بھی خمس، کو قانونِ وراثت کے مطابق تقسیم کیا جائے۔

مالِ غنیمت کے خمس کے "لذی القربیٰ" کا حِصّہ رسولِ کریمؐ کے رشتہ داروں میں سے صرف ہاشم بن عبدمناف کی اولاد میں خرچ و تقسیم کیا جاتا تھا، نوفل بن عبدمناف اور عبدالشمس بن عبدمناف کی اولاد کو یہ حِصّہ نہیں ملتا تھا۔ علاوہ ازیں، تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ کریمؐ اس حِصّے کو اپنی بہترین رائے اور سمجھ، اور ہر مستحق کی واقعی ضرورت، کے مطابق، دیا کرتے تھے، مقروض کو قرض ادا کرنے کے لئے، غریب غیر شادی شدہ کو مناسب رقم شادی کرنے کے لیے وغیرہ، وغیرہ۔

صدا جنہوں نے رسولِ کریمؐ کے عہدِ مبارک میں اسلام قبول کیا تھا اور آپؐ کی مدد کی تھی۔

صد۲ جنہوں نے صرف فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔

Marfat.com

قرآن پاک کی اس معاملے میں واضح ہدایات کی عدم موجودگی کے سبب، تمام فقہائے کرام کو مالِ غنیمت کے خمس کی تقسیم میں، سُنّت رسول اللہ کو آپؐ کے اعلیٰ مقاصد کے مطابق عملی اصول تسلیم کرنا چاہیئے۔

فقہائے کرام کو اس نکتے پر بھی خاص توجہ دینی چاہیئے کہ قرآنِ پاک کی سورۃ الانفال کی آیت ۴۱ ، اور سورۃ الحشر کی آیت ۷ میں وارد ہونے والی اصطلاح "لِذِي الْقُرْبٰى"، کی صحیح تعریف و تطبیق کریں۔ اکثر اوقات، اس اصطلاح سے مفہوم و مراد صرف رسولِ کریمؐ کے رشتہ دار ہیں تاہم، اس کے صحیح لغوی معنی "صاحبِ قرابت کے لیے" ہیں، اور یہ مطلب خاص طور پر آپؐ کے رشتہ داروں کے لیے نہیں ہے۔ لہٰذا اس اصطلاح کے صحیح لغوی معنیٰ کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے وسیع تر معنیٰ میں تمام غیر لڑنیوالے مسلمان بھی مراد ہوتے ہیں، خواہ وہ رسول کریمؐ سے خون کے رشتے میں منسلک تھے یا نہ تھے۔ جنہوں نے مجاہدین کی پوری کوشش اور جدّ و جہد سے مدد کرنے میں اور جنگ کے نشیب و فراز کی وجہ سے مادی نقصان یا جسمانی تکالیف برداشت کی ہوں، کیونکہ یہی ہیں جو صحیح تر معنیٰ میں، جہادؐ فی سبیل اللہ" کے" قُربِ النصرۃ" یعنی اسلام کی مدد و دفاع کی قرابت کے مالک ہیں۔

اگر حنفی دلیل تسلیم کر لی جائے کہ رسول کریمؐ کے خاندان والوں کو اب مالِ غنیمت کے خمس میں سے خاص حصّہ ملنے کا حق باقی نہیں رہا۔ اور یہ دلیل قرآن کے احکام کے مطابق تمام مسلمانوں کی مساوات اور برابری پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ جب ہم یہ مان لیں اور ہمیں یہ ماننا چاہیئے، کہ قرآن پاک کا کوئی لفظ بھی نہ منسوخ ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے، تو صرف مذکورہ بالا تفسیر و توجیہ ہی یہ دونوں شرائط (یعنی مسلمانوں کی مساوات و برابری، اور قرآنِ پاک کی عدم تنسیخ) پوری کرتی ہے

ا لفظ" جہاد" کے صحیح لغوی معنیٰ" کوشش"، "بے حد کوشش"، "مستعد محنت" ہے۔

اور اس کی تصدیق کرتی ہے کہ قرآنِ پاک کی سورۃ الانفال کی آیت ۴۱ میں بتلائے ہوئے مستحقین کی پانچوں اقسام کے حصوں میں سے کوئی ختم نہیں ہوا۔

درحقیقت، چند فقہاء اور علماء کی اس رائے کو، کہ قرآنِ پاک کے متن کے کچھ خاص حصے معطل و منسوخ ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ان کے قوانین کی پابندی لازمی نہیں، خود قرآنِ پاک مندرجہ ذیل آیت کے ذریعے باطل قرار دیتا ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

تمہارے رب کا کلام اور اس کے احکام سب بالکل صداقت اور عدالت پر مبنی ہیں۔ اس کے اقوال اور احکام کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ وہی (اللہ) تو ہے سننے والا جاننے والا۔

(سورۃ الانعام، آیت ۱۱۵)

دراصل، قرآنِ پاک کی سورۃ البقرہ کی آیت ۱۰۶ میں "نسخ" کا جو حوالہ ہے، وہ سابقہ تمام آسمانی کتابوں میں قانونِ الٰہی کی تفصیلات کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنسیخ سے متعلق ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔

ہم جو کسی نشانی کو دور کرتے یا اس کو بھلا دیتے ہیں تو اس کے برابر یا اس سے بہتر نشانی لاتے ہیں۔ کیا تم کو علم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے؟ ۝

(سورۃ البقرۃ۔ آیت نمبر ۱۰۶)

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ۚ

ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلرَّسُولَ ٱلنَّبِيَّ ٱلْأُمِّيَّ ٱلَّذِي يَجِدُونَهُۥ
مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم
بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَىٰهُمْ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَٰتِ
وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ
وَٱلْأَغْلَٰلَ ٱلَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ بِهِۦ وَ
عَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَٱتَّبَعُوا۟ ٱلنُّورَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ مَعَهُۥٓ ۙ
أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ع

پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصّہ ہے جو اس پیغمبر، نبیؐ اُمّی کی پیروی اختیار کریں جس کا اُنہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ اُنہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے، اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے، اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔

(سورۃ الاعراف، آیت ۱۵۷)

Marfat.com

قرآن پاک کی ان آیات کی رو سے، قرآنی قانون سابقہ آسمانی قوانین کو منسوخ کر کے، اس جیسا، یا اس سے بہتر صورت میں آیا ہے۔ اس تنسیخ کا مطلب یہ ہے کہ جواب وہ انسان کی اجتماعی زندگی کی تنظیم کے لیے فطرتِ الٰہی کا قانون نافذ کیا جائے تاکہ اس بارے میں کوئی تنازعہ باقی نہ رہے۔

مالِ غنیمت کے خُمس کے مستحقین

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں، مالِ غنیمت کے خمس کے مستحقین درج ذیل ہیں[1]

(الف): خدا کے پیغمبر، جن کا حصہ قانوناً مسلم ریاست[2] کو ملتا ہے، اور اسے مسلم ریاست، جائز جنگی مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے، اپنی بہترین رائے و سمجھ کے مطابق "فی سبیل اللہ" کے عنوان سے عام زکوٰۃ کے اموال کی طرح خرچ کرے گی، یعنی قلعے تعمیر کروانے، مجاہدین کے لیے سامانِ رسد، ہتھیار اور طبی سہولیات فراہم کرنے، مسلمان جنگی مہاجرین کو فوری مدد پہنچانے کے لئے، وغیرہ، اور ان تمام ذرائع و وسائل کو اختیار کرنے کے لیے جو اس جدوجہد کی کامیابی کے لیے ضروری ہوں۔

(ب) "لِذِی القُربیٰ"، یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے صاحبِ قرابت، اس عنوان میں وہ تمام مسلمان شامل ہیں جو جنگ کے محاذ پر جا کر خود نہیں لڑتے، لیکن وہ مجاہدین کی پوری جدّوجہد سے مدد کرتے ہیں، اور جنہیں جنگی نشیب و فراز کی بنا پر مادی یا جسمانی، یا دونوں، نقصانات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

---

[1] حنفی، مالکی، اور حنبلی فقہائے کرام کی رائے میں دفینوں کی بیس فیصدی زکوٰۃ کے مستحقین کو اس عنوان کے تحت شامل ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ یہ اموال بھی مالِ غنیمت کے خُمس کی طرح خرچ کیے جانے چاہیئے۔ لیکن شافعی فقہائے کرام کی رائے یہ ہے کہ جو زکوٰۃ دفینوں سے حاصل ہوتی ہے، اسے عام زکوٰۃ کے اموال میں شامل کرنا، اور عام زکوٰۃ کی طرح خرچ کرنا چاہیئے۔

[2] "مسلم ریاست" کا قانونی مفہوم یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ ہر مسلم ملک میں، مسلمانوں کے تسلیم کردہ دستور کے مطابق، جائز طریقے سے قائم کی ہوئی حکومت ہے۔ اسلامی دستور کی بنیاد قرآن پاک کے قانونی اصولوں و احکام پر ہونی چاہیئے۔

(ج) یتامیٰ: ان حاجتمند یتیموں کو ترجیح دی جائے گی جن کے والدین جنگ میں شہید ہوئے ہیں اور وہ فوری امداد کے مستحق ہیں۔

مالِ غنیمت کے خمس سے یتیم حاجتمند لڑکوں کو اس وقت تک امداد لینے کا حق حاصل ہے جب تک کہ وہ، قانونی لحاظ سے، بلوغت کی عمر کو پہنچ نہ جائیں، اور یتیم حاجتمند لڑکیوں کو اس وقت تک یہ امداد لینے کا حق ہے جب تک کہ ان کی شادی نہ ہو جائے، یا وہ باعزت طریقے سے اپنی گذر بسر کا بندوبست نہ کرلیں۔

(د) مساکین: یعنی نادار۔ ان مستحقین کو ترجیح دی جائے گی جو واقعی جنگ سے متاثر ہوئے ہیں، یعنی ایسے مسلمان جو جنگ کے محاذ پر جا کر خود تو نہیں لڑے لیکن اسلام کے دفاع اور مفاد کے لیے مدد کرتے ہوئے، جنگ کے دوران اُن کا دنیاوی ساز وسامان ضائع ہو گیا۔

(ہ) مسافر: ان جنگی مہاجرین کو ترجیح دی جائے گی جو جنگ کے محاذ پر نہیں لڑتے لیکن جنہیں جنگ کے نتیجے میں آفت رسیدہ ہو کر، پناہ حاصل کرنے کے لئے گھروں سے بے گھر کرنا پڑے۔

مندرجہ بالا مستحقین کی پانچ اقسام کا مالِ غنیمت کے خمس پر حق عام زکوٰۃ میں سے حصہ ملنے سے متاثر نہیں ہوتا۔

جو مسلمان رسولِ کریمؐ کے ساتھ خون کا رشتہ رکھتے ہیں، وہ مالِ غنیمت کے خمس میں سے صرف اس صورت میں حصہ لینے کے مستحق ہیں جب کہ وہ قرآن پاک کی سورۃ الانفال کی آیت ۴۱ کی مندرجہ بالا تشریح کردہ پانچ اقسام میں سے کسی ایک سے متعلق ہوں۔

۱۰۲: عام زکوٰۃ کے اموال کی طرح، مالِ غنیمت کے خمس (بیس فیصدی زکوٰۃ) کے اموال کی نوعیت اور مقدار بھی جو مستحقین میں تقسیم کی جائے، مذکورہ بالا قانون ۶۲ کی رو سے زندگی کی عام گذر بسر کے مروجہ معیار، اور ہر مستحق کے انفرادی حالات وضروریات پر منحصر ہوگی۔

Marfat.com

وہ مستحقین جو کہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہوں، اور جن کی گذر بسر کے لئے وہ قانونی اور اخلاقی لحاظ سے پابند ہوں، ان متوسلین میں سے ہر ایک، مرد، عورت، اور بچے کو مالِ غنیمت کے خُمس کا انفرادی طور پر مستحق سمجھنا چاہیئے۔

۱۰۳: مجاہدین کی افواج کے خاص عملے کی حیثیت سے ساتھ جانے والے زکوٰۃ کے عاملین جو عام زکوٰۃ کے اموال میں سے اپنی گذر بسر کے لئے حصّہ لینے کے مستحق ہوں، ان کو مالِ غنیمت کے خُمس میں سے حصّہ نہیں دیا جائے گا، بلکہ صرف عام زکوٰۃ کے اموال میں سے باقاعدہ رقوم دی جائیں گی۔

۱۰۴: جو مجاہدین مالِ غنیمت پر واقعی قابض ہوتے ہیں، یعنی "الغانمون"، ان کو اس مالِ غنیمت کے خُمس میں سے حصّہ لینے کا کوئی حق نہیں۔ ان مجاہدین کا اس مالِ غنیمت کے پانچ حصّوں کے بجائے باقی چار حصّوں پر حق ہے بشرطیکہ مسلم ریاست کو، قومی اہمیت کے پیشِ نظر، ان اموال کے فوری استعمال کی حاجت نہ ہو۔

حرفِ آخر

گذشتہ صفحات میں ادارۂ زکوٰۃ ایک باقاعدہ اور منظم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی تنظیم صرف ایک مسلم ریاست کے دائرۂ اختیار میں ہی ممکن ہو سکتی ہے۔ چنانچہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے زکوٰۃ کے انصرام کے اصول کیا ہونے چاہیئں۔ علاوہ ازیں، ان آزاد مسلم ممالک میں زکوٰۃ کا انصرام کس طرح کیا جائے جہاں ابھی تک منظم طریقے سے زکوٰۃ کی وصولی، اس کی ایماندارانہ حفاظت، اور منصفانہ تقسیم کیلئے ذمہ دارانہ نظام تشکیل نہیں دیا گیا ہے۔

ان سوالات کے جواب میں اسی بات پر زور دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرتی زندگی کا سب سے اہم اصول تنظیم ہے۔ اسلام کی تعلیمات تنظیم کی خوبی اور اس کی اہمیت پر خاص زور دیتی ہیں، اور تاکید کرتی ہیں کہ ہر مسلم کی زندگی، ہر شعبۂ حیات میں، قوتِ عمل، نظم وضبط، اور اتحاد و تعاون کی روح کی مظہر ہو، جو صرف تنظیم سے حاصل ہوتی ہیں۔ مسلمان کے لئے تنظیم ایک بنیادی چیز ہے جسے عملی زندگی سے الگ کیا ہی نہیں جا سکتا اور بغیر اس کے اسلام کا مؤثر اجتماعی سیاسی نظام ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ بالفاظِ دیگر، تنظیم کی عدم موجودگی میں، اسلامی زندگی کے معیار کو قائم و برقرار رکھنا قطعی ناممکن ہو جاتا ہے۔

اسلام کے معاشرتی معاشی نظام میں زکوٰۃ اتنے انتہائی اہم مقام کی حامل ہے کہ جب ہم اس اسلامی ادارے کی تعمیرِ نو کا منصوبہ بنائیں اور اس کو افلاس اور معاشی بدحالی دور کرنے کے لئے ایک مؤثر آلے کی شکل میں ڈھالیں، تو ہمیں انتہائی دور بینی اور احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ اگر اسے غیر منظم طریقے

Marfat.com

سے چھوڑ دیا جائے، تو ادارۂ زکوٰۃ کے مقصد اور نصب العین کو کبھی بھی مکمل طور پر کامیابی سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا ثبوت بہت سے مسلم ممالک میں نمایاں غربت و افلاس ہے، جس سے آج تک نجات حاصل نہیں کی جا سکی۔

حالانکہ اس میں شک نہیں کہ زکوٰۃ، دین اسلام کا ایک اہم رکن ہونے کے سبب، منظم ادارہ کی عدم موجودگی میں بھی لازمی طور پر ادا کی جانی چاہیے، اور اس میں بھی شک نہیں کہ زکوٰۃ دینے والا فرد، مرد یا عورت، کتنا مخلص اور نیک نیت ہو، وہ انفرادی طور پر معاشرے کے ہر شخص کے صحیح حالات سے پوری طرح باخبر نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی زکوٰۃ کے واجبات کو، بغیر غلطی کے، پورے انصاف اور غیر جانبدارانہ طریقے سے تقسیم کر سکے۔ زکوٰۃ دینے والے کی مستحقین کے بارے میں غیر مکمل معلومات کے نتیجے میں وہ جن حاجتمندوں کو اپنی زکوٰۃ کے لیے منتخب کرتا ہے ان کے لیے قدرتی ہمدردی کی بناء پر عام طور پر کم حقدار لوگ زکوٰۃ سے استفادہ کر لیتے ہیں، اور جو زیادہ حاجتمند ہیں، اس استفادے سے محروم رہ جاتے ہیں۔

ماسوا اس کے، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب سے ادارۂ زکوٰۃ کی تنظیم ختم ہوئی ہے، مسلم اقوام اور خاص طور پر زکوٰۃ دینے کے قابل مالداروں میں اس مقدس فریضہ کی ادائیگی میں بے پروائی کا رویہ دن بدن بڑھتا جا رہا ہے، زکوٰۃ کا غیر منظم ادارہ یقیناً اپنا نصب العین حاصل کرنے سے قاصر ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ وہ دینِ اسلام کے ظاہری پیروکاروں میں محض ذکرِ اذکار کا موضوع بن کر رہ گیا ہے۔

آج ضرورت ہے کہ جہاں کہیں بھی کوئی مسلم جماعت موجود ہو، خواہ وہ تعداد میں کم ہو یا زیادہ، —— اس کا یہ اسلامی فرض اور ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس طرح سے منظم کرے کہ تمام قرآنی احکام ممکنہ

Marfat.com

حد تک نافذ ہو سکیں، اور ان پر پوری طرح عمل کیا جائے۔ اسی طرح، اور فقط اسی طرح، اسلامی زندگی کا کوئی مضبوط، مستحکم اور پائیدار نظام وجود میں آ سکے گا۔

اضافی نوٹ

غریب مقروض مسلمانوں کو زکوٰۃ سے مدد دینے کے بارے میں[1] مندرجہ ذیل نکتہ فقہاء کی توجہ کا مستحق ہے۔

مسلم قرضخواہ سے قرض لینے کے بجائے، اگر کوئی مسلمان مقروض خاص حالات میں غیر مسلم سے قرض لینے پر مجبور ہوا ہو، تو ضرورت کے کے وقت قرض کی پوری یا جزوی ادائیگی کو زکوٰۃ کے اموال سے ان چار شرائط کی بنا پر جائز سمجھا جا سکتا ہے۔

(الف) یہ قرض مسلمان نے جائز مقصد کے لیے لیا ہو، اور قرض لینے کی مجبوری کے وقت، کوئی قرض دینے کے قابل مسلمان موجود نہ ہو۔

(ب) یہ ثابت کیا جائے کہ غیر مسلم قرضخواہ اس وقت سخت تنگدستی سے دوچار ہے۔

(ج) ادارۂ زکوٰۃ سے قرض ادا کرنے کے تمام قوانین کی پابندی کی جائے۔

(د) قرض یا تو بلا سود ہونا چاہیئے، ورنہ زکوٰۃ کے اموال سے قرض کا صرف اصل زر، یا اگر اس کی مالیت زیادہ ہو تو اس کا صرف ایک حصہ، ادا کیا جائے گا۔

---

[1] ملاحظہ فرمائیں، زکوٰۃ کے انصرام کا قانون ۶۲، باب "اتفاقی حقدار" کا جزو د، اور باب "زکوٰۃ کے مستحق" کا جزو ششم۔

Marfat.com

کسی بھی صورت میں، سُود ادا کرنے کے لیے زکوٰۃ کے اموال قطعاً خرچ نہیں کیے جائیں گے۔

زکوٰۃ کے اموال سے غریب مسلمان مقروض کے غیر مسلم سے حاصل کردہ قرض کی ادائیگی دراصل جنگی قیدیوں کا زرِ فدیہ ادا کرنے، یا مسلمان غلام کو جو ابھی تک غیر مسلموں کی قانونی ملکیت ہوں، آزاد کروانے کے مترادف ہے[1]؛ یعنی زکوٰۃ کے اموال میں سے جو امداد دی جاتی ہے، اس سے واقع میں مسلمان مقروض کو فائدہ پہنچتا ہے؛ غیر مسلم قرضخواہ کو زکوٰۃ کے اموال میں سے جو مال ملتا ہے، وہ تو اس کی اپنی دولت کی واپسی ہے جس کا کہ وہ قانونی مالک ہے۔

---

[1] ملاحظہ فرمائیں، زکوٰۃ کے انصرام کا قانون نمبر ۶۲، باب "زکوٰۃ کے مستحقین" کا جزو پنجم "الرقاب"

زکوٰۃ فلسفہ اور قانون

فرشتہ ج. د. سائس

اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور پاکستان

Marfat.com